چاند نگر گروپ آف پبلیکیشنز

کرن

MEMBER APNS CPNE
رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

بانی ــــــ محمود بابر فیصل
نگران ــــــ محمود ریاض
مدیرہ ــــــ نادرہ خاتون
مدیر اعلیٰ ــــــ عامر محمود
نائب مدیرہ ــــــ شعاع عمیر
مدیرہ خصوصی ــــــ امت الصبور
اشتہارات ــــــ خالدہ جیلانی

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ----- 700 روپے

ایشیا، افریقہ، یورپ ---- 6000 روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا --- 7000 روپے

مستقل سلسلے

ستمبر 2017
جلد 40 شمارہ 6
قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ
کرن
37- اردو بازار کراچی

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اُردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابنِ حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872
Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

مدیرہ

ستمبر کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

ہر قوم کے کچھ مذہبی اور قومی تہوار ہوتے ہیں جنہیں وہ اپنے اپنے انداز میں مناتی ہیں۔ خوشیوں کے منانے کا انداز ان کے قومی مزاج کا عکاس ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں بھی گزشتہ دنوں عیدالاضحیٰ مذہبی جوش و عقیدت سے منائی گئی۔ گلی، محلوں میں سنت ابراہیمیؑ کی پیروی میں جانوروں کو قربان کیا گیا۔ اور حسب روایت ان جگہوں کی صفائی سے لاپروائی برتی گئی۔ صفائی جسے نصف ایمان کہا گیا ہے۔ لگتا ہے اس کا تعلق صرف ہمارے گھروں سے ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ محلے، یہ سڑکیں، یہ شہر سب ہمارے ہیں۔ اور صاف اور صحت مند ماحول کو قائم رکھنا ہماری بھی ذمہ داری ہے۔

ترقیاتی کاموں کے نام پر پورا شہر ادھڑا پڑا ہے۔ شہر میں جگہ جگہ گندگیوں کے ڈھیر ہیں جو بہت سی بیماریوں کا سبب بن رہے ہیں۔ کچرے کو ٹھکانے لگانے کے بجائے آگ لگا دی جاتی ہے جس سے فضائی آلودگی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ جلدی بیماریاں پھیل رہی ہیں۔ سیوریج کے ناقص نظام کے باعث سڑکیں بدبودار گندے پانی سے بھری رہتی ہیں۔

ہم سب شہر کی گندگی میں اضافے میں تو اپنا حصہ ڈالتے ہیں مگر صفائی کے لیے اعلیٰ حکام کی جانب کیوں دیکھتے ہیں۔

بے شک یہ ان کی ذمہ داری ہے مگر ہم سب کیا ایمان داری سے اپنی اپنی ذمہ داریاں نبھا رہے ہیں۔ بات نیت اور خلوص کی ہے۔ کیا ہماری نیتیں صاف ہیں۔ صفائی کا پہلا قدم اپنی سوچ، اپنی نیت کو خالص بنانے کی جانب اٹھائیں تو ایک صاف ستھرا، مہکتا اور مکر و ریا سے پاک ماحول آپ کا منتظر ہوگا۔

اس شمارے میں،

- "بقرہ عید منائیے معروف شیفس کے ساتھ"، عیدالاضحیٰ میں معروف شیفس کی مزے دار ریسیپیز،
- "آواز کی دنیا سے" اس ماہ مہمان ہیں "ثمینہ امان"،
- اداکارہ "حریم فاروق" کہتی ہیں "میری بھی سنیے"،
- اس ماہ فوزیہ ثمریٹ سے "مقابل ہے آئینہ"،
- تنزیلہ ریاض اور آسیہ مرزا کے سلسلے وار ناول،
- "مہجور نشیمن" مصباح علی سید کا مکمل ناول،
- "مجھے صرف وہ" قرۃ العین خرم ہاشمی کا مکمل ناول،
- "کتنے پنے بکھرنے تھے" عابدہ احمد کا ناولٹ،
- "روشن چہرہ" عنبرین ولی کا ناولٹ،
- "تو کہ ہے اجنبی" فرح بھٹو کا ناولٹ،
- نادیہ احمد، ندا حسنین، مقدس مشعل، منعم ملک، عائشہ تنویر، ماورا طلحہ، فوزیہ سرور، تانیہ رابعہ اور عندلیب زہرا کے افسانے اور مستقل سلسلے،

مفت،

"کرن کا دستر خوان" کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیش خدمت ہے۔

دُعائے مغفرت

ماں کا وجود باعث رونق بھی ہے اور برکت بھی۔ ماں چلی جائے تو گھر بھی سُونا ہو جاتا ہے اور دل بھی۔ ہماری چھوٹی چھوٹی پریشانیوں میں ہمیں دلاسا دینے والی اور ہماری خوشیوں اور سلامتی کی دعا کرتے رہنے والی ہستی کو دُنیا سے رخصت ہوئے ایک سال گزر گیا۔
اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت اور دائمی راحت کے لیے دُعاگو ہیں۔
نو ستمبر کو ان کی برسی کے موقع پر قارئین سے دُعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

عامر محمود
ناصر ریاض
آذر ریاض
شگفتہ محمود

حمد باری تعالیٰ

جاری خدا کا نام ہوا زباں سے
آواز آئی بندے میرے لامکاں سے

کیوں نہ رہوں میں ذاتِ خدا سے امیدوار
لاتقنطو کا امر ہے آیا قرآن سے

رونق دو بالا ہوگئی حرم جلیل کی
لات و منات نکلے خدا کے مکان سے

بندوں پہ رحم کرتے رہو تم زمین پر
رحمت خدا کی آئے گی پھر آسمان سے

سرکارِ دوجہاں بھی تھے مانگتے پناہ
ستر دفعہ ہر روز ہی رب جہان سے

تیرے لیے ہیں خوبیاں ہر شان آن بان
محفوظ رکھنا یا خدا ہر امتحان سے

غلام مصطفیٰ نعیمی

آپ خیر الوریٰ، آپ شاہ اُمم
محترم محترم، محتشم محتشم

آپ کا مرتبہ مصطفیٰ مجتبیٰ
لوحِ محفوظ پر ہے ازل سے رقم

آپ آئے تو تکمیلِ خلقت ہوئی
عین ہستی ہوا جس قدر تھا عدم

آپ اوّل نبی آخری بھی نبی
دونوں عالم میں رحمت، لقب ذی حشم

آپ اُمی لقب، لائے اُم الکتب
علم کا شہر بن کر، خدا کی قسم

آرزو ہے یہی قلبِ مختار میں
آپ کی نعت کرتا رہے وہ رقم

مختار اجمیری

بقرہ عید اسپیشل میں ہم معروف شخصیات سے پوچھیں گے کہ قربانی کے گوشت سے آپ سب سے اچھی ڈش کون سی بنا سکتے ہیں۔ جو آسان بھی ہو، منفرد ہو اور مزے دار بھی ہو۔۔۔ یہ اہتمام ہم نے خاص طور پر قارئین کے لیے کیا ہے، تاکہ وہ بقرعید کے دن لذیذ پکوان سے اپنے گھر والوں اور مہمانوں کی تواضع کر سکیں۔

بقرہ عید اسپیشل

ادارہ

زبیدہ آپا: شیف

کوکنگ کی دنیا میں زبیدہ آپا کا کوئی ثانی نہیں، ان کے ٹوٹکے اور ان کے پکوان سے ایک نسل نے سیکھا ہے اور سیکھ رہے ہیں۔ بقرعید کے موقع پر ہم نے زبیدہ آپا کی خدمات بھی حاصل کیں۔

تلا ہوا گوشت

اجزا:

بکرے کی بوٹی	آدھا کلو
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
پسا ہوا کچا پپیتا	ایک کھانے کا چمچہ
کٹی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
کٹی کالی مرچ	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
باریک کٹی ہری مرچ	چار عدد
باریک کٹا ہرا دھنیا	ایک گٹھی
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:

گائے کی بوٹیوں کو ہلکا ہلکا کچل لیں اور ان پر پسا ہوا کچا پپیتا لگا کر پندرہ منٹ کے لیے رکھ دیں۔ پندرہ منٹ کے بعد ایک کڑاہی میں بوٹیاں، نمک، ادرک لہسن کا پیسٹ ڈال کر پکنے دیں۔ جب پانی خشک ہونے لگے تو اس میں تیل ڈال کر اچھی طرح بھونیں۔ پھر کٹی لال مرچ، کٹی کالی مرچ، باریک کٹی ہری مرچ، باریک کٹا ہرا دھنیا اور لیموں کا رس ڈال کر گرم گرم پیش کریں۔

شیریں انور: شیف

گولا کباب

اجزاء:

قیمہ	آدھا کلو
لال مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
گرم مسالا	ایک چائے کا چمچہ
پپیتا	ایک کھانے کا چمچہ
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
ہری مرچ	تین عدد پسی ہوئی
پیاز	ایک عدد پسی ہوئی
جائفل جاوتری اور چھوٹی الائچی پسی ہوئی	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا	حسب ضرورت
گھی	دو کھانے کے چمچے

ترکیب:

قیمے کو چوپر میں کچا پپیتا' ادرک لہسن کا پیسٹ' لال مرچ' نمک' ہری مرچ' ہرا دھنیا' پیاز' گھی' جائفل جاوتری اور ہری الائچی ڈال کر چوپ کر لیں۔ اتنا کہ تمام چیزیں اچھی طرح مکس ہو جائیں۔ اب قیمے کو ایک سے ڈیڑھ گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں اور پھر سیخوں پہ لگا کر "باربی کیو" کریں اور عید پہ آنے والے اور عام دنوں میں آئے مہمانوں کی تواضع کریں۔

عمرانہ مقصود۔ رائٹر

عمرانہ مقصود ہمیں حیدر آبادی "چنے کی دال گوشت" بنانے کی ترکیب بتا رہی ہیں۔

حیدر آبادی چنے کی دال گوشت

اجزاء:

مٹن	ایک کلو دھو کر رکھ لیں
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
پیاز درمیانے	دو سے تین عدد
ٹماٹر	پانچ سے چھ عدد
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ	ڈیڑھ کھانے کا چمچہ
ہلدی	آدھا چمچہ
پسا ہوا گرم مسالا	ایک چائے کا چمچہ
پسا ہوا دھنیا	ایک کھانے کا چمچہ
چنے کی دال	ایک پاؤ
پندرہ منٹ کے لیے بھگو کے رکھ دیں	
ہرا دھنیا اور ہری مرچ	سجاوٹ کے لیے
گھی	ایک پیالی

ترکیب:

دیگچی میں گھی گرم کر کے پیاز کو ہلکا گولڈن براؤن کر لیں۔ پھر گوشت ڈال دیں اور ساتھ ہی ادرک لہسن کا پیسٹ' ہلدی' پسا ہوا دھنیا اور آدھا گلاس پانی ڈال کر ڈھکن سے ڈھک دیں۔ پانی خشک ہونے پر ٹماٹر کے ٹکڑے کر کے ڈال دیں۔ ساتھ ہی چنے کی دال اور پسی ہوئی لال مرچ ڈال کر بھون لیں۔ جب دال اور گوشت آدھا گل جائے تو نمک شامل کر کے پانچ منٹ اور بھون لیں۔ پھر ایک سے ڈیڑھ گلاس پانی ڈال کر ڈھک کر ہلکی آنچ پہ رکھ دیں۔ گوشت اور دال گل جائے اور مسالا گاڑھا ہو جائے تو اوپر سے گرم مسالا' ہرا دھنیا' ہری مرچیں چھڑک کر گرم گرم روٹی کے ساتھ پیش کریں۔

شیف گلزار

مٹن شنواری کڑاہی

اجزاء:

گوشت مٹن	ایک کلو
ادرک لہسن کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
ٹماٹر	آدھا کلو
بڑی ہری مرچیں	پانچ عدد
زیرہ	ایک کھانے کا چمچہ
کالی مرچ	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل یا گھی	حسب ضرورت

ترکیب:

ایک کڑاہی میں حسب ضرورت تیل یا گھی ڈالیں اور گوشت ڈال کر بھونیں، اتنا کہ تیل یا گھی اوپر آجائے۔ پھر اس میں ٹماٹر، چھوٹی اور بڑی ہری مرچیں، ادرک لہسن کا پیسٹ ڈال کر اچھی طرح مکس کرلیں اور تھوڑی دیر بھونیں۔ پھر حسب ضرورت پانی ڈال کر گوشت گلنے تک رکھیں۔ گوشت گل جائے تو نمک، زیرہ اور کالی مرچ ڈال کر مکس کریں اور تیل یا گھی کے اوپر آجائے تو بھونیں اور پھر چولہا بند کردیں۔ گرم گرم کڑاہی ایک برتن میں نکال کر ہری مرچیں اور ہرا دھنیا ڈالیں اور گرم نان کے ساتھ پیش کریں۔

شگفتہ یاسمین: آر جے، شیف

شگفتہ یاسمین نہ صرف آر جے ہیں، بلکہ بہت اچھی شیف ہیں۔ بقرعید کے موقع پر ہم نے انہیں بھی زحمت دی۔ شگفتہ نے بقرعید کے حوالے سے "بہاری کباب" بنانے کی ترکیب بتائی۔

بہاری کباب

اجزاء:

گوشت گائے کا	دو کلو
زیرہ پسا ہوا	کھانے کے دو بڑے چمچے
کچے پیاز پیسے ہوئے	کھانے کے تین بڑے چمچے
پیاز لال کرکے پیس لیں	ایک بڑے چمچے کے برابر
لال مرچ	ایک چائے کا چمچہ
گرم مسالا پسا ہوا	دو چائے کے چمچے

جائفل جاوتری	کھانے کے دو بڑے چمچے بھر کے
ادرک لہسن کا پیسٹ	دو، دو چمچے
سرسوں کا تیل	کھانے کے تین سے چار چمچے
کچا پپیتا	دو کھانے کے بڑے چمچے

ترکیب :

دو کلو گوشت کو باریک کٹوالیں۔ آپ قصائی سے بولیں کہ اس کی باریک پٹیاں کاٹ دے۔ چربی کے بغیر گوشت ہونا چاہیے۔ اس کٹے ہوئے گوشت میں دو ٹیبل اسپون زیرہ بھنا ہوا نہ ہو، بلکہ کچا زیرہ ہو، اسے پیس کر ڈالیں۔ پھر کچی پیاز ڈالیں، لال پیاز، لال مرچ، گرم مسالا، (اگر ضرورت پڑے تو اسے بڑھایا بھی جاسکتا تھا۔) جائفل جاوتری، لہسن ادرک اور سرسوں کا تیل اور کچا پپیتا، تمام چیزوں کو اچھی طرح مکس کر کے چار گھنٹوں کے لیے رکھ دیں۔ چار گھنٹے کے بعد نکالیں۔ سیخ میں پروئیں اور پھر کوئلے پہ اسے پکالیں۔ اگر آپ کوئلے پہ نہیں پکانا چاہ رہے تو آپ اپنے اوون جس میں گرل لگی ہوئی اس میں رکھ کر پکا سکتے ہیں اور اوون میں با آسانی پک جاتا ہے اور اوون میں سیخ میں پرو کر بھی رکھ سکتے ہیں اور ویسے بھی کسی برتن میں رکھ کر بیک کیا جاسکتا ہے۔ اوون میں پکنے کے بعد اسے کوئلے کا دھواں دے دیں۔ آپ کے بہاری کباب تیار ہیں۔

شیف ذاکر

شیف ذاکر ہمارے لیے بنا رہے ہیں

مٹن لیگ روسٹ

اجزا:

بکرے کی ران، جو ڈیڑھ کلو تک کی ہو۔ اس کی چربی صاف کر کے درمیان میں سے ہڈی توڑ لیں اور گہرے کٹ لگوالیں۔ یہ کام آپ کا قصائی بہترین طریقے سے کر دے گا۔

ادرک لہسن پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچہ
سویا ساس	تین کھانے کے چمچے
سفید سرکہ	دو کھانے کے چمچے
لیموں	چار عدد
نمک	حسب ذائقہ
بھنا ہوا اور پسا ہوا سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
دہی	ایک پیالی
تیل یا گھی	تین سے چار چمچے کھانے کے

ترکیب :

ران کو دھو کر سارے مسالے کانٹے کی مدد سے گوشت کے اندر تک لگائیں۔ پھر دو گھنٹے کے لیے میرینٹ ہونے کے لیے رکھ دیں، تاکہ مسالا اچھی طرح جذب ہو جائے۔ دو گھنٹے کے بعد ایک بڑی اور چوڑی دیگچی میں ڈال کر ڈھکن سے ڈھک کر ہلکی آنچ پر چڑھا دیں۔ جب پانی خشک ہو جائے اور گوشت گل جائے تو تیل یا گھی ڈال کر ہلکی آنچ پر دم پہ رکھ دیں۔ گوشت نہ گلا ہو تو دو پیالی گرم پانی ڈال کر دوبارہ دم پر رکھ دیں۔ تیار ہونے پر آلو، ٹماٹر یا اپنی پسندیدہ چٹنی کے ساتھ خود بھی کھائیں اور گھر والوں اور مہمانوں کو بھی کھلائیں۔

ردا آفتاب: شیف "ہم ٹی وی"

نلی بوٹی

اجزاء:

گائے کا گوشت	آدھا کلو

پیاز کا پانی	ایک پاؤ
پسا ہوا گرم مسالا	ایک چائے کا چمچہ
نمک	ایک چائے کا چمچہ
پسی ہوئی لال مرچ	دو چائے کے چمچے
ادرک لہسن کا پیسٹ	دو چائے کے چمچے
پپیتے کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
گھی	دو کھانے کے چمچے

ترکیب :

ڈیڑھ کلو گوشت کی چھوٹی چھوٹی بوٹیاں کر کے اس میں دو چائے کے چمچے ادرک لہسن کا پیسٹ، دو چائے کے چمچے، پسی لال مرچ، دو کھانے کے چمچے پپیتے کا پیسٹ ایک چائے کا چمچہ نمک، پسا ہوا گرم مسالا اور گھی ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور دو گھنٹے کے لیے چھوڑ دیں۔ مطلب رکھ دیں ڈھک کر دو گھنٹے کے بعد پیاز کا پانی ڈال کر ہاتھ سے اچھی طرح مسلیں بوٹیوں کو تاکہ پیاز کا پانی مکس ہو جائے تمام بوٹیوں میں۔۔۔ پھر انہیں سیخوں میں پرو کر کوئلوں پہ سینک لیں اور نانوں کے ساتھ صرف کریں۔ سلاد اور دہی کی چٹنی بھی بنا لیں۔

ردا آفتاب سے ہم نے ایک اور ڈش کی فرمائش کی اور انہوں نے ہماری فرمائش پہ "شاہی سیخ کباب" بنانے کی ریسپی بتائی۔

شاہی سیخ کباب

اجزاء :

قیمہ	ڈیڑھ کلو
ادرک	ایک ٹکڑا
انڈا	ایک عدد
ہری مرچ	دو عدد
لہسن کے جوئے	چار عدد
فرائی پیاز	ایک کپ
پسی لال مرچ	دو چائے کے چمچے
پسا ہوا ناریل	ایک کھانے کا چمچہ
پسا ہوا گرم مسالا	آدھا چائے کا چمچہ
جاوتری	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	آدھا چائے کا چمچہ یا حسبِ ذائقہ
پسے بادام	ایک کھانے کا چمچہ
کریم	ایک کھانے کا چمچہ
تیل	تلنے کے لیے

ترکیب :

پہلے چوپر میں قیمہ میں تمام مسالے ڈال کر باریک پیس لیں۔ اب اس میں ایک عدد انڈا، ایک کھانے کا چمچہ پسے ہوئے بادام اور ایک کھانے کا چمچہ کریم ملائیں۔ پھر چھوٹے چھوٹے کباب سیخ پہ لگا کر گیس کے چولہے پہ ہلکا سینک لیں۔ پھر سیخ سے اتار کر گرم تیل میں فرائی کر لیں اور گولڈن براؤن ہونے پر چولہا بند کر دیں۔ مزے دار سیخ کباب تیار ہیں۔

قارئین، آپ کو ہماری کاوش کیسی لگی ضرور بتائیے گا۔

✡ ✡

میری بھی سنیئے

حریم فاروق

شاہین رشید

1 "میرا نام؟"
"حریم فاروق۔"

2 "پیار سے کیا بلاتے ہیں؟"
"میں سب کو پیاری لگتی ہوں۔ اس لیے سب مجھے بہت پیار سے، اور بہت مزے مزے کے ناموں سے پکارتے ہیں۔"

3 "دنیا میں آمد؟"
"26 مئی 1989ء اور پاکستان کے خوب صورت شہر اسلام آباد مین پیدا ہوئی اور میرا ستارہ جیمنائی ہے۔"

4 "قد بغیر ہیل کے؟"
"5 فٹ آٹھ 8 انچ۔"

5 "فیملی؟ تعلق؟"
"نارووال سے ہمارا تعلق ہے والدین اور ایک چھوٹی بہن۔"

6 "تعلیمی ڈگریاں؟"
"دو ہیں، سوشیالوجی اور جرنلزم۔"

7 "شادی؟"
"ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ ابھی شادی نہیں کرنی۔"

8 "والدین چاہتے تھے کہ؟"
"میں ان کی طرح ڈاکٹر بنوں، مگر میرا رحجان آرٹسٹ بننے کا تھا... اس لیے تھیٹر کیا کم عمری میں اور پھر ٹی وی کی طرف آگئی میں... اور اس فیلڈ میں آکے بہت خوش ہوں۔"

9 "ٹین ایج کی خاص بات؟"
"ٹین ایج میں لڑکے لڑکیوں کا رحجان کسی اور ہی طرف ہوتا ہے مگر الحمدللہ میں نے 14 سال کی عمر ایک "این جی اوز" کے ساتھ کام کیا اور تین ہزار روپے کمائے۔"

10 "اسمارٹ رہنے کے لیے کیا ضروری ہے؟"
"اور لوگوں کا تو مجھے پتا نہیں کہ وہ کس بات کو ضروری سمجھتے ہیں۔ مگر میں فٹ رہنے کے لیے "جم" بھی جاتی ہوں اور گرین ٹی بھی پیتی ہوں۔"

11 "تہوار اچھے لگتے ہیں کیونکہ؟"
"یہ سب کو متحد کرتے ہیں۔ جیسے عیدالفطر کا تہوار، سب گلے شکوے مٹا کر اور اپنی مصروفیات سے وقت نکال کر ایک جگہ اکٹھے ہوتے ہیں۔ تو سب سے ملاقات کرکے بہت اچھا لگتا ہے۔"

12 "کیا کام چیلنج سمجھ کر کیا؟"
"جب کراچی آئی تھیٹر کرنے تو والدین کو کہہ کر آئی تھی کہ مجھے کامیاب ہو کر ہی واپس آنا ہے اور میرا یہ

وعدہ ہے آپ دونوں سے کہ اب کچھ بن کر ہی دکھاؤں گی آپ کو۔۔۔ اور شکر ہے کہ میں نے اپنے بڑوں کو مایوس نہیں کیا۔"

13 "حاسدین کو مشورہ؟"

"جی حسد کرنے والوں سے ضرور کہوں گی کہ زندگی خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے اولین نعمت ہے۔ اسے انجوائے کریں' محنت کریں اور دوسروں کو ترقی کرتا دیکھ کر حسد نہ کریں بلکہ ان جیسا بننے کی کوشش کریں۔"

14 "بھوک کا احساس کب ہوتا ہے؟"

"جب میں فارغ ہوتی ہوں۔ کام کے دوران تو بھوک لگتی ہی نہیں ہے۔"

15 "جب احساس ہوجائے کہ؟"

"مجھے بھوک لگی ہے تو پھر صبر نہیں ہوتا۔۔۔ پھر دماغ خراب ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر بھوک برداشت نہیں ہوتی۔"

16 "کھانے کی ٹیبل پر میری ڈیمانڈ؟"

"کچھ بھی نہیں۔۔۔ بس کھانا مزے دار ہونا چاہیے۔ لذیز ہونا چاہیے۔"

17 "چھٹی کے دن میں چاہتی ہوں کہ؟"

"کہ لمبا سوؤں۔۔۔ اور کوئی مجھے نیند سے جگانے کی ہمت نہ کرے۔ کبھی کسی نے ایسا کیا تو اس کا بہت برا حشر ہو گا۔"

18 "آج بھی میرے پاس محفوظ ہے؟"

"میرے بچپن کی وہ ڈرائنگ۔ جو میں بہت شوق سے بنایا کرتی تھی۔"

19 "میں ڈرتی ہوں؟"

"جھوٹ بولنے سے کہ اگر پکڑی گئی تو کتنی بے عزتی ہو گی۔ لوگوں کا اعتبار مجھ پر سے اٹھ جائے گا۔۔۔ چھوٹے چھوٹے جھوٹ تو زندگی میں چلتے ہی رہتے ہیں۔"

20 "پاکستان چھوڑنا پڑے تو کہاں جاؤں گی؟"

"کیوں چھوڑوں پاکستان۔۔۔ یہ ہمارا ملک ہے اس سے بہتر کوئی ملک نہیں۔"

21 "وہ دن بہت سکون سے گزرتا ہے؟"

"جس دن موبائل سروس آف ہوتی ہے' بہت سکون ہوتا ہے زندگی میں۔"

22 "کنجوسی نہیں کرتی؟"

"اگر کوئی فقیر یا کوئی ضرورت مند اللہ کے نام پر مانگے تو۔"

23 "مجھے نشہ ہے؟"

"گرین ٹی کا۔"

24 "بہت برا لگتا ہے جب؟"

"جب لوگ کہتے ہیں کہ کیا اداکاری میں لگی ہوئی ہو' چھوڑو اسے اور شادی کرکے گھر بیٹھو۔۔۔ ایسا کچھ وہی کہتے ہیں جنہیں یا تو میری ترقی بری لگ رہی ہوتی ہے یا پھر ان کی نظر میں اداکاری اور یہ میڈیا فضول فیلڈ ہے۔"

25 "میں خوف زدہ رہتی ہوں کہ؟"

"کہیں اپنے پیاروں کو نہ کھو دوں۔۔۔ اللہ خیر کرے' آنے والے وقت سے یعنی برے وقت سے خوف زدہ رہتی ہوں۔"

26 "خدا کا میرے لیے بہترین تحفہ؟"

"میری ماں۔۔۔ کبھی ناراض ہو جائیں اور میں کسی بات پہ ہنسا دوں تو فوراً" ناراضی دور کر دیتی ہیں۔"

27 "بہت فخر ہوتا ہے؟"

"جب مجھے میری محنت کا صلہ دوسروں کی تعریف سے ملتا ہے۔ کامیابی کی صورت میں ملتا ہے اور جب کوئی میرے کام کی تعریف کرتا ہے میرے والدین کے سامنے تو بہت فخر ہوتا ہے۔"

28 "کس شہر کے کھانے بہت لذیذ ہوتے ہیں؟"

"لاہور کے۔۔۔ لاہور کی فوڈ اسٹریٹ بہت پسند ہے۔ وہیں جا کر کھاتی ہوں اکثر۔"

29 "والدین کی نصیحت جو گرہ میں باندھ لی؟"

"ماں باپ دونوں نے اس بات کو گرہ میں باندھنے کے لیے کہا کہ دنیا سے اس لیے نہیں ڈرنا کہ تم عورت ہو' بلکہ تم اتنی بہادر بن جاؤ کہ لوگ تم سے ڈریں دنیا کو اپنی طاقت تسلیم کرواؤ اور دیگر عورتوں کو بھی بتاؤ کہ عورت نہ مظلوم ہے اور نہ ہی کمزور۔"

30 "روزمرہ کا سب سے مشکل کام؟"

"اپنے آپ کو آنکھ کھلنے کے بعد بستر سے اٹھانا۔۔۔ دل ہی نہیں چاہتا بستر چھوڑنے کو' اس لیے اٹھنے کے گھنٹا بعد بستر چھوڑتی ہوں۔"

31 "شادی میں شرکت کرتے وقت خیال رکھتی ہوں کہ؟"

"کہ جس کی شادی ہو رہی ہے کیا وہ ضرورت مند ہے؟ اگر ضرورت مند ہے تو اسے کیش دے دیں اور اگر خوش حال ہے تو پھر تحفہ دے دوں۔"

32 "صحیح مشورہ کون دیتا ہے دل یا دماغ؟"

"مشورہ تو بے چارے دونوں ہی اچھا دیتے ہیں۔۔۔ لیکن مانتی ہمیشہ دل کی ہوں۔"

33 "کہاں جانا بہت پسند ہے؟"

"پہاڑوں پر' سمندر پر' جہاں بہت زیادہ سبزہ ہو جہاں بہت زیادہ خوب صورتی ہو۔"

34 "انسان کا کیا ہونا ضروری ہے ضدی یا سمجھوتا کرنے والا؟"

"طبیعت میں ضد بہت ضروری ہے کیونکہ ضد ہو گی تو آپ بڑے سے بڑا کام بھی کر جاؤ گے۔۔۔ کمپرومائز کرنا یا سمجھوتہ کرنا کمزوروں کا کام ہے۔ مگر کہیں کہیں سمجھوتا کرنا بھی پڑتا ہے۔"

35 "مردوں میں کیا بات ہونی بہت ضروری ہے؟"

"کہ وہ ایماندار ہوں اور دوسروں پر بھروسا بھی کرتے ہوں۔۔۔ مجھے ایسے ہی مرد پسند ہیں۔"

36 "میں اکثر سوچتی ہوں کہ؟"

"اللہ تعالیٰ نے مجھے میری سوچ سے زیادہ دیا ہے عزت' شہرت' پیسا' ان سب کی میں شاید مستحق نہیں تھی' میں بہت شکر گزار ہوں اپنے رب کی۔"

37 "غصے میں رد عمل؟"

"مجھے رونا بہت آتا ہے غصے میں۔ جب انسان کا بس نہیں چلتا تو وہ پھر بے بس ہو کر رونے پر ہی زور دیتا ہے۔"

38 "گھر میں کس کا غصہ تیز ہے؟"

"کسی کا بھی نہیں' اسی لیے شاید میں غصے میں ری

ایکٹ نہیں کر سکتی۔"

39 "مجھے برداشت نہیں؟"

"والدین کی ناراضی ... اس لیے کوئی ایسا کام نہیں کرتی کہ جن سے ان کی ناراضی کا ڈر ہو۔"

40 "مشہور ہونا عذاب ہے؟"

"ارے نہیں نہیں ... مجھے تو اپنی پہچان' اپنی شناخت بہت اچھی لگتی ہے... بہت دل خوش ہوتا ہے جب لوگ پہچان جاتے ہیں۔"

41 "اس فیلڈ کی پر کشش چیز' شہرت یا پیسا؟"

"نہ شہرت نہ پیسا اس فیلڈ میں آنے کا مقصد کچھ کر کے دکھانا ہے۔ ڈراموں کے ذریعے اور اچھے پروگراموں کے ذریعے ناظرین کو اچھا پیغام دینا ہے۔"

42 "کیڑوں مکوڑوں سے ڈر لگتا ہے؟"

"کچھ خاص نہیں... ہاں اڑنے والے لال بیگ سے بہت ڈر لگتا ہے۔ بلکہ جان نکلتی ہے۔"

43 "کھانا کہاں کھانا پسند کرتی ہوں؟"

"مجھے زمین پر بیٹھ کر اور ہاتھ سے کھانے کا بہت مزا آتا ہے۔"

44 "بہترین دور میری نظر میں؟"

"مجھے تو لگتا ہے کہ ہر دور ہی بہترین ہوتا ہے۔ جس دور کو ہم انجوائے کریں ... جو کرائسس کے بغیر گزرے وہی اچھا ہوتا ہے اور اگر برا دور ہے تو پھر وہ اللہ کی آزمائش ہوتا ہے۔"

45 "اپنی عادت جو پسند ہے؟"

"میں کام کے معاملے میں بہت پنکچول ہوں۔"

46 "کھانے کے معاملے میں چوزی ہوں؟"

"نہیں... مجھے ہر طرح کے ہر ملک کے کھانے کھانے کا شوق ہے۔ ہر نئی ڈش کو کھانے کا تجربہ ضرور کرتی ہوں۔"

47 "محبت کے معاملے میری رائے؟"

"مشہور ہے کہ محبت اندھی ہوتی ہے... تو ہوتی ہو گی اندھی۔"

48. "شادی کی رسمیں بور کرتی ہیں یا انجوائے کرتی ہوں؟"

"مجھے مہندی کی رسم بہت اچھی لگتی ہے۔ باقی رسمیں بھی انجوائے کرتی ہوں۔"

49 "میری بری عادت؟"

"تھوڑی سست واقع ہوئی ہوں۔ دور کرنا چاہتی ہوں اس خامی کو۔"

50 "گھر آتے ہی دل چاہتا ہے؟"

"کہ اپنا کمرہ ہو اور اپنا بیڈ ہو... بس۔"

51 "میں چینج لانا چاہتی ہوں؟"

"ایکٹنگ کی دنیا میں اور ان شاء اللہ اپنا مشن ضرور پورا کروں گی۔"

52 "مجھے نشہ ہے؟"

"گرین ٹی کا۔"

53 "مجھے شکایت ہے؟"

"ان لوگوں سے۔ جو دوسروں کی برائیوں اور خامیوں اور تنقید پر اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔"

54 "میرے بیگ کی تلاشی لیں تو؟"

"ضرورت کی ہر چیز آپ کو مل جائے گی۔"

55 "میرے کمرے میں آتے ہی پہلا تاثر؟"

"بیڈ کی سائڈ ٹیبل کو دیکھ کر یقیناً"لوگ کہتے ہوں گے کہ چیزیں کتنی پھیلا کر اور بے ترتیب رکھی ہوئی ہیں۔"

56 "کیا چیز ہر وقت بدلتی رہتی ہے زندگی یا وقت؟"

"دونوں... وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زندگی بھی گزر رہی ہوتی ہے۔ وقت ہی زندگی میں بھی تبدیلی لاتا رہتا ہے۔"

✡ ✡

آواز کی دنیا سے

ثمینہ امان

شاہین رشید

آواز کی دنیا سے ہم آپ کی ملاقات زیادہ تر ان لوگوں سے کرواتے ہیں جن کا تعلق "ریڈیو ایف ایم" سے ہوتا ہے۔۔۔ لیکن اس بار ہم آپ کی ملاقات وائس اوور آرٹسٹ سے کروا رہے ہیں جن کا تعلق تو آواز کی دنیا سے ہے مگر ریڈیو سے نہیں۔ ثمینہ امان وائس اوور آرٹسٹ ہیں۔۔۔ آپ کو ان کی دلکش آواز ترکش ڈراموں میں، کمرشلز میں اور مختلف ڈاکومینٹریز میں سنائی دیتی ہوگی۔

* "کیا حال ہیں ثمینہ امان؟"

☆ "جی اللہ کا شکر ہے۔"

* "کچھ اپنے بارے میں بتائیں؟"

☆ "میرے آباؤ اجداد کا تعلق انڈیا یوپی سے ہے اور والدہ کا تعلق الہ آباد کے قریب شہر مرزا پور سے ہے اور ابا بھی الہ آباد کے قریب کمال پور شہر سے تعلق رکھتے ہیں۔۔۔ ہجرت کر کے پاکستان آئے اور کراچی میں قیام پذیر ہوئے۔ ہم چھ بہن بھائی ہیں۔ تین بھائی ہیں جو کہ ہم سے بڑے ہیں۔ میرا نمبر پانچواں ہے۔ ایک بہن بڑی اور ایک چھوٹی بہن ہے۔۔۔ مادری زبان اردو ہے کیونکہ یوپی سے تعلق ہے اور پھر کراچی سے۔۔۔ شادی ابھی نہیں ہوئی۔۔۔ جب اللہ کو منظور ہوگا ہو جائے گی' والد صاحب کا اپنا بزنس ہے۔۔۔ 9 جنوری کو کراچی میں جنم لیا۔ میری تعلیمی قابلیت ماس کمیونیکیشن میں ماسٹرز ہوں۔ میری والدہ ہاؤس وائف ہیں۔ مگر گزشتہ چھ سال سے زندگی کی روانی کا اس طرح سے ساتھ دینے سے قاصر ہیں جس طرح ہم دیتے ہیں۔ تو ہم سب ان کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔۔۔ اماں پیرالائز ہیں رائٹ سائڈ سے اور چونکہ جوائنٹ فیملی ہے تو امی کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونے دیتے۔"

* "اپنی فیلڈ کے بارے میں بتائیے کہ کیا کیا کرتی ہیں آپ؟"

☆ "میں بنیادی طور پر "وائس اوور آرٹسٹ ہوں" پلے ٹی وی انٹرٹینمنٹ چینل کی وائس اوور آرٹسٹ ہوں' ترکش ڈراموں کی ڈبنگ کرتی ہوں' کمرشلز کرتی ہوں' لکھنے لکھنے کا شوق بھی ہے اور میں زیادہ تر "سوشل ایشوز" پر لکھتی ہوں' اسکرپٹ ایڈیٹنگ کرنے میں بہت مزا آتا ہے۔ اکثر لکھے ہوئے کی کانٹ چھانٹ کرتی ہوں اور مہارت رکھتی ہوں۔ ہمیشہ سے اس کام میں بہت اچھی ہوں یونیورسٹی لیول پہ مجھے۔۔۔ ہمارے ملک کے مشہور شاعر سلیم کوثر صاحب نے اپنی کتاب "جنہیں راستے میں خبر ہوئی" کے لیے یہ ذمہ داری سونپی کہ میں پروف ریڈنگ کروں اور میں نے اس ذمہ داری کو احسن طریقے سے پورا کیا اور ادب کے حوالے سے ایسے بہت سے کام ہیں جو میں کرتی رہتی ہوں اور زبان و بیان' تلفظ کی ادائیگی اور اس طرح کے ادب کے حوالے سے جتنے بھی کام ہیں یہی

میرا اوڑھنا بچھونا بھی ہیں اور میرا ذریعہ روزگار بھی اور میں ان کاموں کو انجوائے بھی کرتی ہوں اور اپنے فرائض بہت محنت کے ساتھ ادا کرتی ہوں۔ یہی میری بیس ہے اور یہی میری "اثاث" ہے اور مجھے ان ہی کاموں میں مزا آتا ہے اور میں اللہ کی بہت شکر گزار ہوں کہ اس نے میرے شوق کو ہی میرے رزق کا ذریعہ بنایا۔ کیونکہ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ لوگوں کا شوق اور جنون کسی اور فیلڈ میں ہوتا ہے اور کر وہ کچھ اور رہے ہوتے ہیں اور اندر سے زندہ نہیں ہوتے..."

* "کبھی ریڈیو پہ آواز کا جادو جگایا... اور کس طرح اس فیلڈ میں متعارف ہوئیں؟"

☆ "میں نے ریڈیو پہ کبھی کام نہیں کیا' لیکن دلچسپ بات ہے کہ ریڈیو ہی میری بنیاد اور میری اثاث ہے۔ اچھا بولنے کے لیے اچھا سننا بہت ضروری ہے۔ بچپن سے ہی ریڈیو سننے کی عادت تھی اور اس عادت نے ہمیں بھی اچھا بولنا سکھ دیا... میں جب چھوٹی تھی تو سب ہی میری آواز کی تعریف کرتے تھے اور اس تعریف میں بڑی ہو گئی اور جیسا کہ آپ کو پتا ہے کہ "ماس کمیونکیشن" سے میرا تعلق تھا کیونکہ ماسٹرز کر رہی تھی تو جو اسائنمنٹ ملتے تھے' ان کا تعلق بھی کہیں نہ کہیں آواز سے ہوتا تھا اور ہمارے ماسٹرز کا آخری سمسٹر ٹی وی پروڈکشن کا تھا اور جب ریڈیو پڑھا تو اس میں نیوز بلیٹن ریکارڈ کر کے دینے ہوتے تھے... مجھے اس فیلڈ میں متعارف کس نے کرایا یا مجھے ایکسپلور کس نے کیا تو اس کا سہرا یونیورسٹی کے استاد "سر نوید ارشد" کو دوں گی اور انہوں نے ہی مجھے کہا کہ میں پروفیشنلی اپنی آواز کا فائدہ اٹھا سکتی ہوں۔ تو پھر یونیورسٹی میں ہی یونیورسٹی کی "آفشیل ڈاکومینٹری بنی تو اس میں وائس اوور کرنے کا اعزاز بھی مجھے ہی حاصل ہوا اور یوں آواز کی دنیا سے ایک طرح سے تعلق جڑ گیا۔ شاعری چونکہ میرے اندر تک سمائی ہوئی ہے تو طویل طویل نظمیں غزلیں امجد اسلام امجد صاحب کی' سلیم کوثر صاحب کی اور دیگر شاعروں کی' پڑھنے کا موقعہ ملا تو اسے بھی لوگوں نے بہت سراہا اور پڑھنے کے انداز کو پسند کیا۔"

* "اس فیلڈ میں جگہ بنانے کے لیے کیا آواز کا خوب صورت ہونا ہی کافی ہے؟"

☆ "ہر چیز کا ایک آہنگ ہے اور مجھے لگتا ہے کہ آواز کا آہنگ لہجہ ہے۔ بنا لہجہ آواز کچھ بھی نہیں ہے۔ بچپن سے ہی مجھے جو بات دوسروں میں متاثر کیا کرتی تھی وہ آواز سے زیادہ لہجہ ہوا کرتا تھا۔ معروف شاعر سیف الدین سیف نے کیا خوب کہا ہے کہ

سیف انداز بیاں رنگ بدل دیتا ہے
ورنہ دنیا میں کوئی بات نئی بات نہیں

تو جناب یہ انداز بیاں اور لہجہ بڑا اثر رکھتا ہے بڑی ورتھ ہے اس کی۔"

* "اپنی خوب صورت آواز کو کس طرح مینٹین کرتی ہیں؟"

☆ "آواز کو مینٹین رکھنے کے لیے کچھ نہیں کرتی... اگرچہ آواز کے لیے بہت سی ایکسر سائز بھی ہیں... مگر میں نہیں کرتی' ہاں موسم کے اثرات ہوں طبیعت اور گلے پہ تو پھر دیسی نسخے استعمال کرتی ہوں' جیسے جوشاندہ ادرک کی چائے یا غرارے اور دلچسپ بات یہ کہ گزشتہ دنوں طبیعت خاصی ناساز رہی' گلے پہ بھی اثرات ہوئے' مگر جیسے ہی ڈبنگ اسٹارٹ کی تو آواز میں طبیعت کی خرابی کا شائبہ تک نہ تھا۔ مائیک کے آگے جا کر پتا نہیں کہاں سے انرجی آ جاتی ہے اور یہ

سب میرے رب کا کرم ہے۔"

* "انگریزی کا دور ہے۔۔۔ آپ کو اردو ادب سے کتنا لگاؤ ہے اور آپ نے بات کی تلفظ کی۔ کبھی لوگوں کے تلفظ پر ٹوکا آپ نے؟"

☆ "اپنی زبان اور اپنے ادب سے بے حد لگاؤ ہے۔ نثر سے زیادہ شاعری اپنی طرف کھینچتی ہے اور شاید اسی کی عنایت اللہ نے آواز میں دے دی ہے۔ فیض احمد فیض، ن م راشد، مصطفیٰ زیدی، محسن نقوی، انشاء جی، سلیم کوثر صاحب، امجد اسلام امجد صاحب، ایک لمبی فہرست ہے شعراء کی جو مجھے پسند ہیں، تلفظ اور اس کی ادائیگی پہ خصوصی توجہ ہوتی ہے میری۔ دل کڑھتا ہے جب لوگ آج بھی غلط تلفظ کے ساتھ ادائیگی کرتے ہیں۔۔۔ اور میں نے ہمیشہ سے کوشش کی ہے کہ بڑے پیار اور طریقے سے لوگوں کو بتاؤں کہ فلاں لفظ اس طرح نہیں اس طرح بولتے ہیں۔ دل بہت کڑھتا ہے جب لوگ آج بھی خواب، خواہش اور سحر کا لفظ اس تلفظ کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ خواب ہے، خواہش ہے، سَحَر ہے، سَحری ہے۔ جہاں دل چاہتا ہے "زبر" لگا دیتے ہیں جہاں دل چاہا "زیر"، "پیش" لگا دیا۔"

* "ثمینہ آپ نے دیکھا ہو گا کہ ہم پر مغرب کا رنگ زیادہ اور مشرق کا کم ہے۔۔۔ اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟"

☆ "جی واقعی ہم اپنے اردگرد اگر نگاہ دوڑائیں تو بڑا عجیب سا رویہ پروان چڑھ رہا ہے، مغرب سے آشنائی اور اپنے تہذیب و تمدن اور روایات سے جڑی ہر بات سے ناآشنائی اور یکسر انجان بن جانا۔۔۔ ایسا نہیں ہے کہ مغربی تہذیب اور اس کی خوبیوں کو اپنانے کے میں خلاف ہوں۔ اقبال عظیم نے کہا تھا کہ۔۔۔

اپنے مرکز سے اگر دور نکل جاؤ گے
خاک ہو جاؤ گے افسانوں میں ڈھل جاؤ گے

ہماری نئی نسل مغرب کی اندھی تقلید کر رہی ہے، انگریزی رائٹرز کو بہت دلچسپی سے پڑھتے ہیں، لیکن اگر آپ ان سے اشفاق احمد، بانو قدسیہ، قرۃ العین حیدر، ڈاکٹر انور سجاد، ممتاز مفتی، قاسمی صاحب، نثار بزمی کے بارے میں کسی سے پوچھ لیں تو وہ ان ناموں سے بھی ناواقف ہوں گے، پڑھنا تو دور کی بات ہے۔ بہت افسوس ہوتا ہے کہ ہم مغربی تہذیب سے ان کے رائٹرز، ان کے آرٹسٹوں اور ان کے شاعروں اور ادیبوں سے تو واقف ہوتے ہیں مگر اپنے لوگوں سے نہیں۔ اگر آپ کو ادب سے لگاؤ ہے تو دنیا جہاں کا ادب پڑھیں اور اس میں اپنے ادب کو بھی پڑھیئے۔ مگر یہاں ہم کو عدم توازن نظر آتا ہے۔"

* "آواز کی دنیا سے آپ کا تعلق ہے اور سارے کام آپ کیمرے کے پیچھے رہ کر کرتی ہیں۔ کبھی کیمرے کے آگے یعنی ٹی وی پہ آنے کا بھی شوق ہوا، یا کوشش کی؟"

☆ "کیمرے کے سامنے یعنی ٹی وی پہ ایکٹنگ کبھی نہیں کی اور نہ ہی شوق ہے۔ ہاں تھیٹر سے وابستگی رہی ہے۔ زبان و بیان کا شوق "ناپا" لے گیا۔۔۔ جہاں ضیا محی الدین، ارشد محمود، راحت کاظمی، خالد احمد اور میرے پسندیدہ ترین استاد "اکبر اسلام" سے سیکھنے کا موقعہ ملا۔۔۔ "ناپا" وہ ادارہ ہے جہاں آپ ایک بار وابستہ ہو جائیں تو پھر آپ اسے چھوڑ نہیں سکتے، ناپا سے میں نے کورس کیا ہے، ڈپلومہ نہ کرنے کا افسوس رہے گا اور یہ مشورہ ہمارے پسندیدہ ضیاء محی الدین نے دیا تھا۔ مجھے یاد ہے اور جب میں اس بات کو سوچتی ہوں تو مجھے فخر ہوتا ہے اور ان لمحات پر بھی جب ضیاء محی الدین نے اپنی آخری کلاس میں ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ کلاس ختم ہونے کے بعد میرے آفس میں آیئے گا تو کلاس آف ہونے کے بعد میں ان کے آفس گئی تو انہوں نے مجھے کہا کہ آپ ناپا کو continue رکھیں کیونکہ آپ میں بڑا ٹیلنٹ ہے، تو وہ لمحہ میرے لیے بہت فخریہ تھا کہ ضیاء محی الدین جیسا بڑا نام بڑی شخصیت آپ کے اندر چھپے جوہر کو تلاش کرے اور آپ کو مشورہ دے کہ آپ اس فیلڈ کو اپنائیں اور آگے بڑھیں۔۔۔ مگر میری بدقسمتی کہ کچھ وجوہات کی بنا پر میں ناپا کو continue نہیں کر سکی، بس ایک کورس

پہ ہی اکتفا کیا... میرے اساتذہ ہمیشہ میرے لیے مشعل راہ رہے ہیں۔ یونیورسٹی میں سرنوید ارشد' سر نسیم احمد سندیلوی نے ہمیشہ مجھے آگے بڑھایا اور مزید آگے بڑھنے کی راہ دکھائی اور اگر استاد طالب علم کو صحیح گائیڈ کریں تو طالب علم بہت آگے تک جا سکتا ہے۔"

* "سیاست سے لگاؤ ہے... کیونکہ طالب علمی کے زمانے سے یہ لگاؤ پروان چڑھتا ہے؟"

☆ "سیاست سے لگاؤ زمانہ طالب علمی اور اس کے بعد کچھ عرصے تک رہا' تعریف و تنقید یعنی فیڈ بیک دینا ضروری سمجھتے تھے' اس لیے ہر میڈیا پہ آواز ضرور اٹھاتے تھے' خواہ وہ ریڈیو ہو' ٹی وی ہو یا پرنٹ میڈیا ہو' مباحثے ہوتے تھے' تبادلہ خیال ہوتا تھا' قتیل شفائی کا ایک شعر ہے کہ...

دنیا میں قتیل تجھ سا منافق نہیں کوئی
جو ظلم تو سہتا ہے بغاوت نہیں کرتا

اس شعر کی عملی تفسیر تھے ہم... تو یہ بغاوت ہمیشہ اپنے قلم کے ذریعے' تجاویز کے ذریعے' مباحثے کے ذریعے اور پوائنٹ آؤٹ کرکے کرنے کی کوشش کی... کیونکہ ایمان کا سب سے کمزور ترین درجہ ظلم کے خلاف آواز نہ اٹھانا اور اس کو دل میں برا جاننا اور اسے طاقت سے روکنے کی کوشش کرنا... تو جو ادنیٰ درجہ ہم اپنا سکتے تھے وہ ہی ہم نے اپنایا... یعنی تنقید کرکے... لیکن وقت گزرنے پر پتا چلا کہ سب خالی ڈھول کی مانند بج رہے ہیں۔ یعنی سب عمل سے خالی ہیں... تو سیاست چاہے گھر کی ہو' آفس کی ہو ملک کی ہو یا بین الاقوامی اس سے دور رہنے میں ہی عافیت ہے... لہٰذا اب سیاست سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔

* "کردار کے حساب سے آپ کو اپنی آواز کے اتار چڑھاؤ میں مشکل پیش آتی ہے۔ جب آپ ڈبنگ کرنے لگتی ہیں؟"

☆ "کردار کے حساب سے اپنی آواز کے اتار چڑھاؤ کا خاص خیال تو رکھنا ہی پڑتا ہے۔ کیونکہ پھر سننے والے کے تصورات میں کردار اپنی جگہ نہیں بنا پاتا جس طرح اداکاری کے کئی رنگ ہوتے ہیں اسی طرح صداکاری کے بھی ہوتے ہیں۔"

* "اپنے آپ کو منوانے کے لیے اور جگہ بنانے کے لیے کیا کیا مشکلات پیش آئیں؟"

☆ "ہر فیلڈ کی طرح اس فیلڈ میں بھی مشکلات ہیں' بلکہ میرے خیال میں زیادہ ہیں۔ جب آپ کسی ایک آفس سے منسلک ہوتے ہیں تو اسی آفس کے لوگوں سے ڈیل کررہے ہوتے ہیں لیکن ہم چونکہ فری لانس کام کررہے ہوتے ہیں اور بیک وقت چار پروڈکشن ہاؤسز میں ہمیں جاکر کام کرنا ہے تو ہمیں وہاں کی سیاست' وہاں کے مسائل کو ہینڈل اور ٹیکل کرنا پڑتا ہے تو آپ خود سوچیں کہ کیا ہمیں مشکلات پیش نہیں آتی ہوں گی... مگر مشکلات اور تکالیف کو سہہ کر ہی انسان اپنی منزل پاتا ہے۔"

* "لک LUCK کا کتنا عمل دخل ہے؟"

☆ "جی لک کا بہت عمل دخل ہوتا ہے' میں نے جب آڈیشنز دیے تھے' ایک سال میں شاید دو تین جگہوں پہ... مگر میں کامیاب نہیں ہوئی تھی' مگر جب پہلا چانس مجھے ملا تھا وہ محترم جناب معروف آرٹسٹ سہیل احمد کے طفیل ملا تھا۔ اس لیے میں ان کو اپنا باس مانتی ہوں... ان ہی کی وجہ سے قسمت کی دیوی مجھ پر مہربان ہوئی تھی۔ مجھے انہوں نے ڈبنگ میں چانس دیا تھا۔ تو میرے خیال سے اور میرے حساب سے لک

کیٹر بھی بہت کاؤنٹ ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں ناکہ...

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

تو میں زندگی میں بہت بار اس شعر کی تفسیر بنی ہوں ...اور ایکسپیرینس کیا ہے۔ سو میں احسان مند ہوں سہیل احمد صاحب کی کہ انہوں نے ڈبنگ میں مجھے پہلا چانس دیا تھا۔"

* "اب تک کن کن ترکش ڈراموں کی ڈبنگ کر چکی ہیں اور آپ کی آواز میں کوئی کردار جو بہت مشہور ہوا ہو بتایئے؟"

☆ "ڈبنگ کے پروجیکٹ تو بہت سارے کیے ہیں۔ لیکن ابھی کچھ عرصہ پہلے "قاسم سلطان سیزن ون" آن ایئر ہوا تھا اس میں شہزادی "ہمشا" کا کردار لوگوں کو بہت پسند آیا... اور مجھے بھی اچھا لگا... میں نے تقریباً" ہر پروڈکشن ہاؤس سے کام کیا ہے۔"

* "کوئی پروجیکٹ جس کو چھوڑنے کا افسوس ہوا ہو؟"

☆ "جی بالکل ہے... ڈبنگ کی دنیا کا شاہکار "میرا سلطان" ہوا تھا یہ اے پلس سے "ری ڈب" ہو کے دوبارہ آرہا ہے۔ اس میں مجھے ماہ دوراں کا کردار ملا اور میں نے کرنا شروع کیا اور اس کی شروع کی تیس (30) اقساط میں نے کی تھیں کہ کچھ وجوہات کی بنا پر مجھے اسے چھوڑنا پڑا' اور نہ صرف یہ بلکہ اس پروڈکشن ہاؤس سے تین پروجیکٹ میں نے چھوڑ دیے جس کا مجھے بے حد افسوس ہے اور خاص طور پر ماہ دوراں کا کردار چھوڑنے کا تو بہت افسوس ہے... جب "میرا سلطان" پہلی بار آن ایئر ہوا تھا تو میں ڈبنگ کی دنیا میں آئی ہی نہیں تھی۔"

* "گھریلو امور سے کتنی دلچسپی ہے؟"

☆ "گھریلو امور سے دلچسپی بہت زیادہ ہے... دنیا کی کوئی بھی خاتون خواہ وہ جہاز اڑا لے۔ ستاروں پہ کمند باندھ لے۔ دنیا کا کوئی بھی کام کرلے اس کی بنیاد اور اس کی اثاث اس کا گھر ہی ہے۔ اس لیے اسے گھر بنانا اور گھر چلانا ضرور آنا چاہیے۔ الحمد للہ مجھے گھر کے سارے کاموں سے دلچسپی ہے۔ کوکنگ کا بے حد شوق ہے اور بیکنگ کا بھی... بہت بچپن سے یہ ذمہ داریاں اٹھائیں اور بہت مزے سے کام کیا۔ اور "50 سے 60 افراد کے لیے کھانا پکانا میرے لیے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے" سچ میں جھوٹ نہیں کہہ رہی۔"

* "کبھی کوئی ایوارڈ ملا؟ اور آج کل کون سا کمرشل آن ایئر ہے؟"

☆ "ایوارڈ کوئی نہیں ملا' آج کل PEL کا کمرشل آن ایئر ہے NESVITA کا آن ایئر ہے... کافی کمرشلز کر چکی ہوں ماشاءاللہ سے۔"

* "آواز کی دنیا کے لوگوں کو عام لوگ نہیں پہچان پاتے' دل چاہتا ہے لوگ پہچانیں اور سیلفی بنوائیں؟"

☆ "ان کیمرہ آنے کا کبھی بھی شوق نہیں رہا' اس لیے یہ شوق بھی نہیں ہے کہ لوگ سیلفی بنوائیں میرے ساتھ یا مجھے پہچانیں' ہمیشہ سے یہ شوق رہا کہ لوگ مجھے میرے کام سے پہچانیں... کمرشلز سے لوگ میری آواز کو پہچان لیتے ہیں اور اچھا لگتا ہے جب لوگ میرے کام کو سراہتے ہیں اور اس بات کی خواہش بھی ہے کہ لوگ مجھے میرے کام سے اور میرے نام سے پہچانیں۔"

* "مصروفیات کی وجہ سے باہر کا کھانا پسند ہے یا گھر کا؟"

☆ "مصروفیات کے باوجود گھر کا کھانا پسند ہے اور ہمارے گھر میں کوئی بھی چیز باہر سے نہیں آتی اور سب کچھ گھر میں ہی پکتا ہے اور الحمد للہ میں ہر چیز بہت اچھی پکا لیتی ہوں۔ جیسے عید ہے بقرہ عید ہے یا گھر میں دعوت ہے... تو ہم ہر چیز گھر میں بناتے ہیں۔ خواہ وہ آلو والا سموسہ ہی کیوں نہ ہو جو بہت مشکل سے بنتا ہے... اور اس کے ساتھ ہی ہم نے ثمینہ امان سے اجازت چاہی اس شکریے کے ساتھ کہ انہوں نے ہمیں ٹائم دیا۔"

☆ ☆

مقابل ہے آئینہ

فوزیہ ثمر بٹ

شاہین رشید

س "اصلی نام کیا ہے۔ گھر والے پیار سے کیا کہتے ہیں؟"
ج "فوزیہ اکرم پورا نام ہے گھر والے فوزی امی فوزیے کہتی ہیں۔"
س "آئینہ آپ سے کیا کہتا ہے؟"
ج "حسین چہرے دیکھ کر خوش ہی ہوتا ہے ناں آئینہ نے اور کیا کرنا ہے۔"
س "حسین صورتیں دیکھ کر دل میں کیا خیال آتا ہے؟"
ج "کائنات کی ہر حسین تخلیق دیکھ کر یہی خیال آتا ہے۔ اس کو تخلیق کرنے والا خود کتنا حسین ہو گا۔"
س "اگر آپ کے پرس کی تلاشی لی جائے تو؟"
ج "تلاشی لی جائے تو کیا.... موبائل' عینک' پیسے دھاگا اور امی کی دوائیوں کے نسخے۔"
س "بھوتوں سے ڈرتی ہیں؟"
ج "جی کامن سینس کی بات ہے انسان ہوں تو ایسی ڈراؤنی مخلوق سے ڈرنا تو بنتا ہے۔ اب بھوت میرے کزن تو ہیں نہیں جن کے سامنے آنے پر ان کے ساتھ گپ شپ لگانے شروع کر دوں۔"
س "مہمان کیسے اچھے لگتے ہیں؟"
ج "مہمان ہوتے تو رحمت ہی ہیں اور اس رحمت کا دل و جان سے احترام کرتی ہوں کوشش یہی ہوتی ہے۔ مہمان خوش خوش ہی جائے ہمارے گھر سے۔"
س "کھانے میں کیا پسند ہے؟"
ج "کھانے خود کے ہاتھ کے بنے ہوئے ہی پسند ہیں۔ جس میں بھنڈیاں' پالک گوشت اور حلیم ہے اور یہ ڈشیں بنتی بھی گڈ ہیں۔"
س "اگر آپ کو حکومت مل جائے تو کیا کریں گی؟"
ج "اُف.... ایک دن میں کیا ہو سکتا ہے۔ یہاں پاکستان کو بنائے 70 سال ہو گئے ہیں۔ کیا کیا ہے حکمرانوں نے جو میں ایک دن میں کر لوں گی۔"

س "پسندیدہ شاعر؟"
ج "ہر وہ شاعر اور شعر پسند ہے جو دل کی چولیں ہلا دیں۔ مطلب دل کو ٹھاہ کر کے لگے شعر.... شاعر نہیں"
س "مزاجاً "لڑاکا" ہیں؟"
ج "نو نو NO نہ لڑائی پسند ہے' نہ لڑاکا مخلوق۔ مزاجاً "ہنس مکھ ہوں۔"
س "کس مزاج کے لوگ پسند ہیں؟"
ج "خود کے جیسے ہنس مکھ.... فریبی نہ ہوں انا پرست نہ ہوں۔ ہنس کر بات کرنے والے خوب صورت چہروں والے۔ (اب خوب صورتی جو میری نگاہ کو پسند آئے)۔"
س "اگر لوڈ شیڈنگ نہ ہوتی؟"
ج "او ناں جی انہونی باتیں کیوں کرتے ہیں۔ یہ تو ایسے ہوا کہ شیخ رشید نے سہرا باندھ لیا یا پھر عمران خاں صاحب آئندہ وزیر اعظم ہو گئے۔"
س "اللہ پاک کو یاد کرنے کا سب سے بہترین وقت؟"
ج "میرے تو دل میں ہر لمحہ اللہ کی یاد رہتی ہے۔ ویسے رات کا پچھلا پہر بہترین ٹائم ہے رب کو یاد کرنے کا کیونکہ رب خود کہتا ہے ہے کوئی جو مجھے یاد کرے مجھے پکارے کیونکہ اس ٹائم رب عظیم عرش معلی پر تشریف لاتا ہے۔"
س "آپ کفایت شعار ہیں یا فضول خرچ؟"
ج "رج کے فضول خرچ ہوں بس۔ میرے پاس پیسے آجائیں تو ہاتھوں اور پیروں میں کھجلی شروع ہو جاتی ہے۔ (خارش)۔"
س "کیا نام شخصیت پر اثر انداز ہوتا ہے؟"
ج "اس بارے میں نالج کم ہے میری۔ ہاں! ستارے ضرور نام اور شخصیت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اور

بقیہ صفحہ نمبر 272

عباد گیلانی بلڈ کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہے۔ وہ اپنی بیوی مومنہ کو طلاق دے کر اپنے بیٹے حازم کو اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور دوسری شادی عاظمہ سے کرلیتا ہے۔ حازم اپنی ماں عاظمہ اور بھائی بابر کے ساتھ اچھی زندگی گزار رہا ہوتا ہے' مگر اپنے باپ عباد گیلانی کی بیماری کی وجہ سے فکر مند رہتا ہے۔ جب کہ عاظمہ اور بابر اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں۔ عباد گیلانی کو اپنی بیماری میں احساس ہوا ہے کہ اس نے حازم کی ماں مومنہ کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ عباد گیلانی مومنہ کے باپ یاور علی کو بلاتا ہے اور اپنی غلطیوں کی معافی مانگتا ہے اور حازم کو خاص طور سے اس کے نانا یاور علی سے ملواتا ہے' مگر حازم اپنے نانا سے مل کر اچھے تاثرات کا اظہار نہیں کرتا' مگر بعد میں اپنے باپ کی خواہش پر ان کے ساتھ اپنے نانا کے گھر جاتا ہے اور اپنی ماں مومنہ سے ملتا ہے۔ ماں سے مل کے تمام شکوے بھول جاتا ہے اور اسے احساس ہوتا ہے کہ اس کے باپ نے اس کی ماں کے ساتھ زیادتی کی ہے۔

حوریہ مومنہ کی بھتیجی ہے' بے حد محبت کرتی ہے اور مومنہ بھی اسے بے تحاشا چاہتی ہے' حازم جب حوریہ کو دیکھتا ہے تو اس کے دل میں حوریہ کے لیے پسندیدگی کے جذبات ابھرتے ہیں اور یہی حال حوریہ کا بھی ہوتا ہے۔ عباد گیلانی حوریہ سے مل کر بہت خوش ہوتا ہے کیونکہ حوریہ میں اسے مومنہ کا عکس نظر آتا ہے اور حازم سے پوچھ کر اس کے نانا یاور علی سے دونوں کی شادی کی بات کرتا ہے۔

حوریہ اپنی دوست فضا سے بہت محبت کرتی ہے' فضا کی ایک امیرزادے سے دوستی ہے اور وہ گھر والوں سے چھپ کر اس سے ملتی ہے۔ حوریہ کو اس بات سے اختلاف ہے' وہ فضا کو بہت سمجھاتی ہے کہ اس راستے پر نہ چلے' مگر فضا نہ مانی اور آخر کار ایک دن محبت کے نام پر بربادی اپنی قسمت میں لکھوا لیتی ہے اور اس بات کا پتا اس کی سوتیلی ماں جہاں آرا کو چل جاتا ہے اور وہ اپنے بھانجے نصیر سے اس کی شادی کرنے کا پروگرام بنالیتی ہے جبکہ فضا اس پر راضی نہیں ہوتی حوریہ کو جب پتا چلتا ہے تو وہ فضا کو سمجھاتی ہے اس امیرزادے کو کہے کہ وہ اس سے شادی کرے اور فضا اس کو مجبور کرتی ہے کہ یہ بات

وہ خود اس کو سمجھائے اور فضا کے مجبور کرنے پر جب وہ بابر سے ملتی ہے تو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوتا ہے بابر سے
ہرگز نہیں ملنا چاہیے تھا اور اس بات پہ بھی افسوس ہوتا ہے کہ اس نے ایک غلط لڑکی کو دوست بنایا۔۔۔ (اب آگے)

انیسویں قسط

عاظمہ نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے سفید کرولا کو نکلتے دیکھا تھا۔ اس میں ڈرائیور کے ہمراہ ملازمہ نفیسہ تھی جو علی شاہ کو گود میں لیے ہوئے تھی۔ عاظمہ یہ منظر دیکھ کر سخت متوحش سی ہو کر کمرے سے نکل کر امیر علی کو پکارنے لگیں۔ ان کے انداز میں وحشت اور گھبراہٹ نمایاں تھی۔

"نفیسہ... علی شاہ کو لے کر کہاں گئی ہے؟" امیر علی کو دیکھتے ہی وہ گویا پھنکاریں۔

"بابر صاحب نے اسے بھیجا ہے جی۔" امیر علی نے نظریں جھکا کر مودبانہ انداز میں جواب دیا۔

"واٹ! بابر نے... مگر کہاں؟ کیوں؟" وہ متحیر رہ گئیں۔ "رات آٹھ نو بجے وہ ڈرائیور اور نفیسہ کے ہمراہ اسے کہاں بھیج رہا ہے دماغ تو ٹھیک ہے بابر کا۔ کہاں بھیجا ہے میں پوچھتی ہوں اس سے۔" وہ اپنے گاؤن کی ڈوریاں باندھتے ہوئے زینے کی جانب لپکیں۔

"بابر صاحب۔ خود بھی اپنی گاڑی میں گئے ہیں ان کے ہمراہ۔" امیر علی 'عاظمہ کو بابر کے روم کی جانب پیش قدمی کرتے دیکھ کر جلدی سے بولا۔

عاظمہ کے قدم ٹھٹک گئے۔ وہ ریلنگ پر ہاتھ رکھے رکھے رخ موڑ کر امیر علی کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

"وہ خود بھی گیا ہے۔ مگر کہاں؟"

"یہ تو پتا نہیں۔ میں نے پوچھنے کی جسارت نہیں کی جی۔ نفیسہ آئے گی تبھی کچھ پتا چلے گا۔"

"ہوں۔" عاظمہ فقط ہنکارا بھر کر رہ گئیں پھر بجائے کمرے میں جانے کے زینہ اتر کر لابی میں آکر صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئیں۔

"پانی دو مجھے امیر علی۔" وہ پیشانی کو اپنی انگلیوں سے سہلانے اور ہلکے ہلکے دبانے لگیں۔ "اس لڑکے نے عجیب تماشا لگا رکھا ہے۔ جانے کیا کرتا پھرتا ہے۔ اچھا سنو۔" وہ امیر علی کے ہاتھ سے پانی کا گلاس تھامتے ہوئے بولیں۔

"میرے روم سے میرا موبائل لے آؤ اور ہاں ذرا اسٹرونگ سی چائے پلا دو۔"

امیر علی حکم کی بجا آوری کے لیے سرخ کارپٹ سے سجے زینے کی طرف تیزی سے بڑھ گیا۔

عاظمہ پانی کے ایک دو گھونٹ بھر کر صوفے سے اٹھ کر ٹہلنے لگیں ان کے انداز میں ایک اضطراب تھا۔ ہزار واہمے خدشے سر اٹھا رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

"کیا بات ہے کل سے دیکھ رہا ہوں تم پر پھر اداسی کا دورہ پڑ گیا ہے۔ سوچوں میں کھوئی رہتی ہو۔" نصیر نے کمرے میں آکر اسے چونکایا تھا وہ یونہی بیڈ کراؤن سے لگی بیٹھی تھی۔

"نہیں بس ایسے ہی ستانے کو بیٹھ گئی تھی آپ ہی کا انتظار کر رہی تھی۔" وہ جلدی سے سنبھل کر پیر بیڈ سے اتار کر سلیپر پہننے لگی۔

"کھانا لگاؤں۔"

"کوئی بات پریشان کر رہی ہے تو مجھ سے ضرور شیئر کرنا۔" نصیر نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اس کا دل جانے کیوں لرز سا گیا۔

"ابا کی طرف سے پریشان تو نہیں ہو؟" وہ برش اٹھا کر بالوں میں پھیرتے ہوئے پوچھنے لگا... وہ ہلکی سی سانس کھینچ کر سر ہلا گئی۔

"ہاں شاید بہت دن بھی ہو گئے ہیں نا۔ ابا کی طرف چلیں گے کل۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔"

"کھانا لگاتی ہوں۔" وہ تیزی سے اٹھ کر کمرے سے نکل آئی۔ مبادا وہ اس کی طرف نہ دیکھ لے اور آنکھوں سے دل میں نہ جھانک لے۔ وہ باورچی خانے میں چلی آئی۔ بابر سے دفعتاً" ہونے والی ملاقات نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ بابر کا التجائیہ لہجہ اسے حیرت میں دھکیل رہا تھا۔ اسے افسوس رہ گیا کہ اس نے رک کر بابر سے چند باتیں کیوں نہیں کرلیں۔ وہ کیوں اتنا بدلا بدلا سا لگ رہا تھا۔

اس سے معافی مانگنا چاہتا تھا۔ کیا ہو جاتا جو وہ اس سے اچھی طرح بات کرلیتی۔ اس کو معاف کردیتی۔ جبکہ دل سے تو وہ اس کو معاف کر ہی چکی تھی۔ خدا نے اسے ہر نعمت سے نوازا تھا اس کی غلطیوں کو معاف کر کے پردہ رکھ لیا تھا۔ اسے ایک عزت والی زندگی اور سچا مخلص شریک سفر عطا کیا تھا۔ اس کی توبہ بھی تو اس کے رب نے قبول کرلی تھی۔ پھر وہ بابر کو کیوں معاف نہ کرتی۔ وہ بھی تو اتنا ہی قصور وار تھا جتنی وہ تھی۔

عجیب سا بوجھ سینے پر آپڑا تھا۔ اس کے پاس تو اس کا کوئی نمبر بھی نہیں تھا۔

جہاں آرا نے اسے موبائل تو دے دیا تھا مگر اس کی کال لسٹ میں موجود سارے نمبر ڈیلیٹ کرچکی تھیں اسی وقت غصے اور نفرت سے اس بوجھ نے اسے افسردہ کردیا تھا۔

اسے آج حوریہ اور مومنہ پھپھو بے طرح یاد آرہی تھیں۔ وہ سوچ رہی تھی ایک عرصہ ہو گیا اسے حوریہ سے ملے ہوئے۔ نہ اسے اپنے بچے کی پیدائش کی خبر دی ہے۔ نصیر کھانے کے لیے دسترخوان پر بیٹھا تو وہ کچھ سوچ کر بولی۔

"سنیے کیا آپ مجھے مومنہ پھپھو کے گھر لے جائیں گے۔ میرا بڑا دل چاہتا ہے ان سے ملنے کو۔ اصل میں حوریہ بھی بہت یاد آرہی ہے۔"

"ارے اس میں اتنا سوچ کر بولنے کی کیا ضرورت ہے، تم جب دل چاہے چلی جایا کرو۔ میری طرف سے کوئی پابندی ہے کیا؟"

"نہیں پابندی کی بات نہیں ہے۔ آپ کی اجازت کی تو ضرورت ہے ناں۔"

"ارے نہیں تم اماں سے کہہ کر جب دل کرے چلی جایا کرو۔ میں گاڑی بھیج دوں گا دکان سے شفیق تمہیں چھوڑ آئے گا۔ کل۔" وہ اس کے لیے کبھی کسی کام میں رکاوٹ یا مشکل نہیں بنا تھا۔ فضا نے ممنون نظروں سے اس کو دیکھا۔

"مگر ابھی کچھ دیر پہلے تو تم ابا کی طرف جانے کا کہہ رہی تھیں، اب یکایک حوریہ کہاں سے یاد آگئی تمہیں۔" وہ نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے اسے چھیڑتے ہوئے ہلکے سے ہنسا۔

"بس یونہی۔۔۔ یاد تو وہ بھی کئی دنوں سے آرہی تھی۔ ابا کی طرف بھی چلی جاؤں گی۔"

"چلو جیسی تمہاری مرضی اچھا بات سنو۔" وہ اسے باورچی خانے کی طرف پلٹتے دیکھ کر بولا۔ "تم بھی آکر کھانا کھالو۔ فٹافٹ پھر ذرا خوب اچھی سی تیار ہو جاؤ۔ آئس کریم کھانے چلیں گے واپسی پر اماں اور بچوں کو بانو آپا (پھپھو) کے یہاں سے لیتے آئیں گے۔" وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

✲ ✲ ✲

دونوں گاڑیاں "پاور ہاؤس" کے قریب ذرا فاصلے پر رک گئیں نفیسہ علی شاہ کو احتیاط سے لے کر نیچے اتری، جبکہ ڈرائیور اس کی باسکٹ لے کر اترا۔ بابر نے اپنی طرف کا شیشہ نیچے اتارا اور نزدیک آتی نفیسہ کو تاکید کرنے والے لہجے میں بولا۔

"سنو! علی شاہ کو حوریہ کی گود میں ہی دینا اور وہاں اس سے کہہ دینا۔" وہ ایک پل رکا اور سوچتے ہوئے بولا "آج

کیا دن تھا۔"
"جی بدھ۔ وہ جی میرا مطلب ہے ویڈنسڈے۔" نفیسہ ذرا گڑبڑا گئی۔
"او کے اس کو کہہ دینا کہ فرائے ڈے یعنی ٹھیک جمعہ والے دن ٹھیک اسی وقت تم علی شاہ کو واپس لینے آؤ گی۔"
"جی بہتر۔"
"او کے' جاؤ اب۔" بابر نے شیشہ اوپر کر لیا اور نظر بھر کر علی شاہ کے مسکراتے ہمکتے وجود پر ڈالی جو بابر کو دیکھ کر کچھ بے چین سا تھا اس کی طرف ہمک رہا تھا اس کے لبوں پر پیار بھری مسکان بکھر گئی۔ اس نے فلائنگ کس کی۔ دوسرے پل نفیسہ کو گیٹ کی بیل بجاتے دیکھا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی اور بے حد رش انداز میں آگے بڑھا دی۔

☼ ☼ ☼

رقیہ بھابھی کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے گیلانی ہاؤس کی ملازمہ نفیسہ کی گود میں علی شاہ کو دیکھا۔ وہ مارے خوشی کے حوریہ کو پکارنے لگیں۔
یاور ہاؤس میں ایک خوشی کی گویا لہر دوڑ گئی علی شاہ کو دیکھ کر۔ حوریہ نے جس طرح تڑپ کر نفیسہ کی گود سے علی شاہ کو چھین کر اپنے وجود سے لگایا تھا اسے پاگلوں کی طرح چمٹا کر چوم رہی تھی۔ رقیہ بھابھی کی آنکھوں میں پانی اتر آیا۔ وہ جلدی سے نفیسہ کے ہاتھ سے علی شاہ کی چیزیں اور باسکٹ لے کر ایک طرف رکھنے لگیں۔
"ایک بات کہنی ہے جی۔" نفیسہ اس جذباتی منظر سے ذرا افسردہ سی ہو کر رہ گئی تھی۔ چند لمحات گزرنے کے بعد ذرا سا سنبھل کر حوریہ سے مخاطب ہوئی۔
"تمہارے صاحب کو رحم آ ہی گیا ایک ماں پر۔" حوریہ کی توجہ بھی نفیسہ کی طرف ہوئی تھی۔ وہ علی شاہ کے نازک گالوں کو چومتے ہوئے بولی۔
"نہ جی صاحب... بہت چاہتے ہیں علی شاہ بابا کو۔"
"ایک ماں سے زیادہ تو نہیں چاہ سکتے ناں۔ خیر کہو کیا بات ہے۔"
"وہ جی... " نفیسہ' حوریہ کی اٹھنے والی نظروں سے نظریں کتراتے ہوئے بولی۔
"بابر صاحب نے کہا ہے جی کہ... وہ آ کے جمعہ یعنی پرسوں علی شاہ بابا کو لے جائیں گے۔ مم' میرا مطلب ہے میں آ کر لے جاؤں گی۔"
"کیا آ... کیا کہا؟" حوریہ کے اعصاب پر گویا پتھر ہی پڑا تھا۔ وہ تڑپ کر نفیسہ کو گھورنے لگی۔
"وہ جی... بابر صاحب کا یہی حکم ہے۔" نفیسہ گڑبڑا کر رہ گئی۔ ایک طرف مومنہ دوسری طرف رقیہ بھابھی اسے عجیب لاچار نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ اس کا یہ جملہ سب کے لیے دھچکا ثابت ہوا تھا۔ حوریہ کی آنکھیں سلگنے لگیں۔ اس کے بازو کا گھیرا غیر محسوس طور پر علی شاہ پر تنگ ہو گیا۔
"اپنے صاحب سے کہو جا کر کہ وہ اس طرح کا کوئی حکم صادر کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ یہ میرا بچہ ہے اور میرے پاس ہی رہے گا۔" وہ یکدم دھاڑی تھی۔
"میں نے تو جی ان کا حکم سنانا تھا سنا دیا۔" نفیسہ گھبرا کر پیچھے ہٹی۔
"اچھا اچھا ٹھیک ہے۔ تم جاؤ نفیسہ۔" مومنہ یکدم آگے بڑھی۔
"جو بات کرنی ہو گی وہ ہم خود فون پر کر لیں گے۔" مومنہ نے نرم لہجے میں نفیسہ سے کہا تو وہ سر ہلا کر پلٹ گئی۔
"دیکھا' دیکھا آپ نے۔ اس شخص کی دیدہ دلیری اس کی شہ زوری۔" حوریہ کی آنکھیں سلگنے لگیں۔ نفیسہ کے جاتے ہی وہ جیسے پھٹ پڑی تھی۔

"وہ کون ہوتا ہے اس طرح کے حکم صادر کرنے والا..... وہ حازم نہیں ہے۔۔۔ اس کا باپ نہیں ہے کہ اس طرح اپنی مرضی کرسکے۔"

"حوریہ! ابا جی ابھی مسجد سے آتے ہوں گے ان کے سامنے اس طرح شور مچانے کی ضرورت نہیں ہے۔ رات ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ بلڈ پریشر بہت ہائی تھا اب کوئی ٹینشن والی بات مت کرنا ان کے سامنے۔" رقیہ بھابھی یہ کہہ کر علی شاہ کو پیار کرنے لگیں۔ حوریہ چونکی۔

"کیا دادا جی کی طبیعت خراب تھی؟ مجھے کیوں نہیں بتایا آپ لوگوں نے۔"

"تم خود کیا کم پریشان ہو کہ اور کرتے تمہیں۔ اچھا علی شاہ کی چیزیں تمہارے روم میں رکھ دیتی ہوں۔" پھر علی شاہ کی پیشانی چومتے ہوئے بولیں۔ "اس بے چارے کو بھی ہراساں کردیا تم نے۔"

حوریہ چونکی اور علی شاہ کے سرخ و سپید چہرے پر بے اختیار اپنے لب رکھ دیے۔

"جان ہے یہ تو میری۔"

"رہ لیں نا اس کے بغیر اتنے دن۔ اونہہ! اسی سے دستبردار ہونے کا فیصلہ کرنے چلی تھیں۔" رقیہ بھابھی نے مسکرا کر اسے چھیڑا۔

"دیکھو مومنہ..... ساری اکڑ دھری رہ گئی ناں۔" جواباً "مومنہ کے لبوں پر بھی مدھم مسکراہٹ بکھر گئی۔

حوریہ نے شکایتی انداز میں رقیہ بھابھی کو دیکھا تو وہ ہنس دیں۔

"اچھا جاؤ اپنے روم میں بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔ خدا سب بہتر ہی کرے گا۔" پھر مومنہ کو کمرے کی طرف بڑھتے دیکھ کر بولیں۔

"میں کھانا لگواتی ہوں۔ ابا جی بس آتے ہی ہوں گے۔"

"عادل بھائی آگئے کیا؟" مومنہ نے رک کر پوچھا۔

"نہیں کہہ رہے تھے کچھ دوست آئے ہیں دبئی سے ان کے ساتھ ڈنر کرکے ہی آؤں گا۔" رقیہ بھابھی جواب دیتے ہوئے لاؤنج کی جانب بڑھ گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"علی شاہ کے بغیر کوٹھی خالی خالی سی ہوگئی ہے۔" عاظمہ بالوں کو لپیٹ کر لابی میں ہی چلی آئیں جہاں بابر موجود تھا۔

"مگر خیر اچھا ہی کیا کہ اسے اس کی ماں کے پاس بھیج دیا۔"

بابر چائے پی رہا تھا۔ وہ اپنے کسی خیال سے چونکا۔ مگر مگ لبوں سے ہٹا کر سر کو ہلکے سے جنبش دی۔

"آجائے گا کل تک۔"

"واٹ..... !عاظمہ چونکیں۔

"میں نے اسے ہمیشہ کے لیے تو نہیں بھیج دیا۔" بابر نے مگ رکھ کر اپنا موبائل اٹھالیا۔

"کیا مطلب؟ میں سمجھی نہیں۔ دو دن کے لیے بھیجا تھا تم نے اسے۔" بابر چپ رہا۔

"اٹس ناٹ فیئر بابر..... یہ تم ایک ماں کے جذبات سے کھیل رہے ہو۔" عاظمہ نے اسے خفگی سے گھورا۔ ان کے لہجے میں سرزنش تھی۔ جیسے یہ بات سن کر انہیں دکھ پہنچا ہو۔ حوریہ کے لیے ان کے دل میں ایک نرم گوشہ پیدا ہوگیا تھا۔ وہ اس کی تکلیف کو محسوس کرنے لگی تھیں۔ یوں بھی عباد گیلانی کے انتقال کے بعد ان کا دل خاصا نرم ہوگیا تھا۔ وہ سختی..... گزرے دنوں کی باتیں ہوکر رہ گئی تھیں۔

"مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے تم اسی سے کسی بات کا انتقام لے رہے ہو۔" وہ جانچتی نظروں سے بابر کو گھورتے ہوئے اس کے سامنے رکھے سنگل صوفے پر بیٹھ گئیں۔

بابر نے بے اختیار نظریں موبائل سے ہٹا کران کی طرف دیکھا۔ مگر دوسرے لمحے نظریں چرالیں۔

"کیسا انتقام واٹ آنان سینس مام (کیا فضول بات ہے) آپ بھی نا کبھی کبھی..." اس نے بے حد پر زور انداز میں کہہ کر ہنسنا چاہا مگر جانے کیوں ہنس نہ سکا۔ لہجہ پست سا رہا۔ پھر ہلکے سے سر کو جنبش دے کر بولا۔

"میں تو بس اس کی ماں سے ملوا رہا ہوں۔ کوئی ظلم نہیں کر رہا ہوں۔ اب علی شاہ کے ساتھ رہنا نہ رہنا حوریہ کا اپنا فیصلہ ہے۔" وہ ایک بار پھر موبائل میں خود کو مصروف ظاہر کرنے لگا۔ مگر ایک اضطراب اس کے دل میں سرایت کر گیا۔

"ایک بات پوچھوں بابر۔" ایک لمحے توقف کے بعد عاظمہ سوچتے ہوئے بولیں ان کی نظریں بابر پر جمی تھیں۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھ رہی تھیں۔ بابر نے موبائل ایک طرف رکھ دیا اور تپائی پر رکھے فلاسک سے گرم چائے مگ میں انڈیلنے لگا... عاظمہ کی نظر بیک وقت گرم گرم بھاپ اڑاتی چائے پر پڑی۔ حیرت کے اظہار پر ہلکی سی سانس کھینچی۔

"تم چائے بہت زیادہ نہیں پینے لگ گئے ہو اب۔"

"ہوں۔ شاید موسم کی وجہ سے طلب ہونے لگی ہے۔" اس نے فلاسک رکھ کر مگ اٹھالیا اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا۔

"آپ کچھ کہنا چاہ رہی تھیں۔"

"ہاں اور آئی ہوپ تم مجھے سچ سچ بتاؤ گے۔" عاظمہ کی نظریں ایک بار پھر بابر کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ "کیا تم حوریہ کو بہت پہلے سے جانتے ہو۔ آئی مین جب وہ حازم کی منکوحہ نہیں تھی اس سے بھی پہلے..."

عاظمہ کی یہ کھوج بابر کے لیے اعصابی حملہ ہی ثابت ہوتی تھی مگ پر اس کی انگلیاں اضطراری انداز میں ہل کر رہ گئیں۔ عاظمہ اسے مکمل نظروں کے حصار میں لیے ہوئے تھیں۔ اس کی پیشانی اور کنپٹیوں پر ابھرنے والی رگوں کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ شاید اعصابی طور پر ذرا سا منتشر ہوا تھا۔ مگر پھر آہستہ آہستہ چائے کی چسکیاں بھرنے لگا۔

"جانے مجھے ایسا کیوں لگتا ہے اور جب کڑی سے کڑی ملاتی ہوں تو یقین سا ہونے لگتا ہے۔ حازم کے نکاح کے روز تمہارا یاور ہاؤس سے یکدم طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے چلے جانا۔ پھر میرج ہال میں الگ تھلگ رہنا۔ کچھ ڈسٹرب بھی تھے تم اس روز اور پھر گیلانی ہاؤس میں جس طرح تمہارے بو کے پیش کرنے پر حوریہ کی طبیعت خراب ہوئی۔ یقیناً" اس کے لیے تمہارا سامنا ہونا کسی شاک سے کم نہیں تھا۔ یہ ساری باتیں سوچتی ہوں تو..."

بابر نے مگ رکھ دیا اور ایک گہری سانس یوں کھینچی گویا اپنے منتشر ہونے والے اعصاب کو سنبھالا دینا چاہا ہو...

ایک افسردہ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل کر منجمد ہو گئی عجیب ہارے ہوئے انداز میں اس نے سر صوفے کی پشت سے لگا کر ایک پل آنکھیں زور سے میچ لیں۔

کیمل رنگ کے شلوار سوٹ میں وہ بھرپور مردانہ وجاہت رکھنے کے باوجود بے حد بجھا بجھا دکھائی دے رہا تھا... اس چراغ کی لو کی مانند جو کسی گمنام مزار پر تنہا اکیلا سلگ رہا ہو۔

"مجھے سچ بتاؤ بابر! تمہاری آنکھوں میں حوریہ کی محبت کا رنگ بہت گہرا ہے اور یہ رنگ حازم کی بیوی کے لیے نہیں ہو سکتا تھا۔ تم لاکھ برے تھے بابر... مگر میں اتنا تو ایک ماں ہو کر تمہیں جان سکتی ہوں کہ تم اپنے بھائی کی بیوی پر بری نگاہ نہیں ڈال سکتے۔ تمہارا اور حوریہ کا ریلیشن بہت پرانا ہے جب وہ حازم کی زندگی میں داخل نہیں ہوئی تھی تب سے... بولو میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں... جواب دو بابر مجھے۔"

عاظمہ کے لہجے میں ایک تڑپ بھی شامل ہوگئی۔ بابر یونہی آنکھیں موندے پڑا رہا۔ اس کی کنپٹیوں میں اینٹھن ہونے لگی' رگیں پھولنے لگیں۔ درد کی شدید لہر دل سے اٹھنے لگی۔ اسے یکایک دل پر رکھے اس بوجھ کو اتارنے کی خواہش ہونے لگی۔

چاہے جانے کی خواہش جانے کب بے دار ہوئی۔ چاہنے کی تمنا کب جاگی۔ شاید ان لمحات میں جب وہ بظاہر اس کا دشمن بنا ہوا تھا اور وہ اس سے خوف زدہ ہو کر اس سے دور بھاگتی پھر رہی تھی۔ یا جب اسے کیفے میں پہلی بار دیکھا تھا۔ یا پھر وہ حازم کے بعد تنہا ہو کر رہ گئی تھی۔ اجڑی اور بکھری ہوئی۔ اس سے نفرت کرتے کرتے دور بھاگتی جا رہی تھی اور یہ دوری' یہ نفرت اس کے جذبوں کو شدید کرنے لگی۔ دوری کے لمحات میں وہ اس کے نزدیک آتی چلی گئی۔ اتنے نزدیک کہ اس کی اپنی ذات' اپنا وجود' انا' ایگو' کہیں گم ہو گیا۔

آہ۔ مگر وہ اس کے سارے خوش نما جذبوں کے شگوفوں کا پتا پتا نوچ لینے کو تیار تھی.... وہ بے بسی کی انتہا پر تھا.... پاگلوں کی طرح اسے یقین دلانے کے جتن کر رہا تھا کہ وہ اس سے مخلص ہے۔ بے اعتباری کی فضا کو کاٹنے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ تو دامن سمیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔

وہ اسے فقط پانا ہی نہیں اس کا دل جیتنا چاہتا تھا۔ اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے جتن کر رہا تھا۔ مگر اس پر چڑھا نفرت کا سخت خول ٹوٹ کر نہیں دے رہا تھا۔

اب سچ کہیں تو یارو ہم کو خبر نہیں تھی
بن جائے گا قیامت اک واقعہ ذرا سا

"بابر....." عاظمہ کی آواز پر بابر خیالات سے چونکا اور آنکھیں کھول کر دیوار کو گھورنے لگا۔

"سچ تو یہ ہے بابر کہ تم اسی روز اس کے سحر میں گرفتار ہو گئے تھے جب وہ پہلی بار تم سے ملنے کیفے آئی تھی۔" عاظمہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے نزدیک آکر بیٹھ گئیں۔ بابر نے اپنے دل پر رکھا سارا بوجھ اٹھا کر عاظمہ کے کندھوں پر ڈال دیا تھا وہ بے حد دل گرفتہ اور مضطرب دکھائی دے رہی تھیں۔ بابر کی دل گرفتگی ماں کے دل کو نچوڑ رہی تھی۔

"تمہارا تصور کریش ہوا تھا جو تم نے حوریہ کا بنایا ہوا تھا فضا کی باتوں سے۔ تم نے جو اخذ کر لیا تھا اس سے وہ بالکل مختلف اور الگ لڑکی نکلی.... اور اس کا تمہارے تصور کے برخلاف نکلنا ہی در حقیقت تمہارے لیے اٹریکشن کا باعث ثابت ہوا۔ اٹریکشن کا عمل وہیں ہوتا ہے جب کوئی شے ہماری سوچ' تصور سے ہٹ کر ہوتی ہے' ہمیں متاثر کرتی ہے۔ اور پھر اس کا تھپڑ بھی تمہارے لیے غیر متوقع تھا۔ مگر جواباً" تم نے اسے تھپڑ نہیں مارا حالانکہ مار سکتے تھے حساب برابر کر سکتے تھے۔ مگر کسی چور جذبے یا کسی سے متاثر ہونے کے احساس نے تمہیں ایسا کرنے سے روک دیا تھا' پھر تم اس کی طرف بڑھتے گئے' اپنے جذبے کو نفرت اور انتقام کا نام دے کر' حالانکہ ایسا نہیں تھا بابر تم دل ہی دل میں اس کے مقابل کمزور پڑ گئے تھے۔ مگر ان فارچونیٹلی جب وہ حازم کی منکوحہ بن کر تمہارے سامنے آئی تو تم تڑپ گئے۔ اور تب تمہیں یہ احساس ہوا کہ وہ تمہارے دل میں بس رہی ہے۔" عاظمہ کے الفاظ بابر کے دل پر ضرب لگا رہے تھے۔ اس کی کنپٹیوں کی رگیں لوہے کی تاروں کی طرح تن گئیں۔

"تم نے اس بات کو سمجھنے میں دیر کر دی بابر' کہ تم حوریہ کو پسند کرتے ہو۔ اس بات کا احساس تمہیں اب ہو رہا ہے کہ وہ تمہارے دل میں بس چکی ہے۔" عاظمہ کی بوجھل آواز چند لمحے توقف کے بعد پھر ابھری۔ بابر نے بے اختیار ہو کر بڑی بجھی ہوئی نظروں سے عاظمہ کو دیکھا تھا۔

"تم نفرت اور محبت کے درمیان پنڈولم کی طرح جھولتے رہے۔ تم در حقیقت یہ فرق سمجھ نہیں سکے تھے کہ تم اس سے نفرت کرتے ہو یا محبت۔ تم اپنے جذبات کو سمجھ ہی نہیں پا رہے تھے۔" بابر نے ایک گہری سانس کھینچی

اور بدن کو ڈھیلا چھوڑ کر صوفے کی پشت پر ٹیک لگالی۔

"شاید آپ ٹھیک ہی کہتی ہیں ان فار چونیٹلی ایسا ہی ہے کچھ۔" عاطمہ نے تسلی کی خاطر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور تھپکنے لگیں۔

"دکھ ہے ماما! کہ میں نے زندگی کو ایک مذاق' موج مستی سے زیادہ کچھ سمجھا ہی نہیں' رشتوں جذبوں کو کبھی اہمیت ہی نہیں دی۔ یہ جان ہی نہیں پایا کہ ان کے بغیر انسان کتنا بے وزن اور خالی ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور محبت میرے نزدیک محض بے کار سا مشغل تھا' محبت صرف اپنی ذات سے کرتا رہا مگر میں نے اتنے رشتے کھونے کے بعد یہ جانا کہ محبت تو زندگی ہے۔ یہ پانی کی طرح ہے' نہ ملے تو اس کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ آدمی کیسے تڑپتا ہے مال و متاع بھی بے معنی دکھائی دینے لگتا ہے۔"

وہ آزردگی سے کہہ رہا تھا پھر یکدم عاطمہ کی طرف گھوما اور ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام کر لبوں سے لگاتے ہوئے بولا۔

"پاپا کو میں نے اسی طرح تڑپتے دیکھا تھا۔ جیسے برسوں کے پیاسے ہوں اور پانی کا ایک قطرہ بھی پاس نہ ہو۔" عاطمہ نے یکدم لب دانتوں میں دبا لیے۔۔۔ ان کے دل پر چوٹ سی پڑی۔ ان کے ہاتھ بابر کے مضبوط ہاتھوں میں کانپ کر رہ گئے۔

"تم ٹھیک کہتے ہو بابر! میں نے بھی محبت کو اب سمجھا اتنا سب کچھ کھو دینے کے بعد۔ برسوں ایک فریب کا سفر کیا' کھردری جھاڑیوں میں الجھی رہی اور شجر کی سائبانی کے احساس سے غفلت برتی۔ یہ ہاؤ۔۔۔ ہو۔۔۔ شور و غل' یہ لوگوں کا ہجوم' یہ میلے سب محض کھردرے پودے اور جھاڑیاں ہیں جو نا موافق حالات میں جڑ سے ہی اکھڑ جاتے ہیں ان کے سائے نہیں ہوتے پھر ان میں چھاؤں کیسے ملے گی۔ چھاؤں تو صرف درخت دے سکتا ہے وہ درخت جس کی جڑوں میں بے غرض محبت کی مٹی ہو جو تن کی نہیں قلب و روح کی بھی دھوپ مٹانا جانتا ہو۔" انہوں نے آنسو پیتے اپنے کانپتے لب بابر کے ہاتھ پر رکھ دیے۔

"کیا میں بھی پاپا کی طرح پیاسا ہی رہ جاؤں گا۔۔۔ خالی ہاتھ۔" بابر آہستگی سے بولا۔

"خدا نہ کرے۔" عاطمہ گویا تڑپ کر رہ گئیں اور اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ پھیلا لیا اور کسی کم سن بچے کی طرح اسے خود سے نزدیک کرنے لگیں۔ مگر در حقیقت وہ نازک سی دھان پان سی عورت خود لمبے چوڑے بیٹے کے بازو کے گھیرے میں تھی اور آبدیدہ ہو رہی تھی۔

"میں حوریہ کو منالوں گی۔ اسے منالوں گی بابر۔ ہزار واسطے دے کر بھی منالوں گی۔" وہ ایک جذب سے بولیں بابر کے لبوں پر افسردہ سی مسکراہٹ ابھر کر بکھر گئی۔

"مجھے کچھ نہیں پتا مام کہ میں اسے پاسکوں گا کہ نہیں مگر میرے دل کو یہ تسلی بہت ہے' اٹلسٹ وہ میری نظروں کے سامنے تو ہے وہ میرے اردگرد تو ہے علی شاہ کی وجہ سے وہ کہیں نہیں جائے گی۔ بے شک یہ ایک ظالمانہ کارروائی ہے مگر مجھے اسے مکمل کھو دینے کی ہمت نہیں ہے ماما! امید کی ایک چھوٹی سی کرن بھی ہو تو آدمی کو مرنے نہیں دیتی زندہ رکھتی ہے اور میں بھی زندہ رہنا چاہتا ہوں مام! گاڈ سیک یہ کرن مجھ سے مت چھینیے۔"

وہ یکدم صوفے سے کھڑا ہو گیا۔ اور وہاں سے چلا گیا عاطمہ اسے روک بھی نہ سکی پکار بھی نہ سکیں۔ یونہی مضمحل سی بیٹھی رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

حوریہ باتھ روم سے باہر نکلی' سرخ چہرے کو تولیے سے رگڑتے ہوئے مزید سرخ کر رہی تھی۔ کمرے سے باہر

آئی تو مومنہ اور رقیہ بھابھی تخت پر علی شاہ کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ وہ ان دونوں کو نظرانداز کر کے باورچی خانے میں چلی گئی تھی۔ وہ تو یوں بھی ان دنوں ہر کسی سے ناراض تھی بلکہ اپنے آپ سے بھی۔۔۔ اسے چائے کی طلب ہو رہی تھی۔ سامنے چولہے پر چائے کا پانی رکھا ابل رہا تھا اس نے پتی اور چینی ڈالی۔

"میں بنا لیتی ہوں تم باہر نکلو کچن سے۔" رقیہ بھابھی اس کے پیچھے چلی آئیں۔ "علی شاہ کو جا کر دیکھو۔ اسے شاید بھوک لگ رہی ہے رو رہا ہے۔"

وہ بنا بحث کیے باورچی خانے سے باہر آگئی۔ تبھی ڈور بیل بجی تھی نوری نے جا کر دروازہ کھولا تو فضا اندر داخل ہوئی۔

حوریہ کے لیے اس کی آمد بالکل غیر متوقع تھی۔ یکدم فضا دیوانہ وار حوریہ کی طرف بڑھی۔ اسے بالکل بھی امید نہیں تھی کہ حوریہ سے اس کی یوں ملاقات ہو جائے گی۔ وہ تو بے چین ہو کر مومنہ سے ملنے چلی آئی تھی۔ حوریہ کو دیکھ کر وہ قابو نہ رکھ سکی خود پر اس سے لپٹ کر زاروقطار رونے لگی۔ حوریہ نے اسے بے حد محبت سے لپٹایا تھا۔

"میں تو ترس گئی تھی تم سے ملنے کو حوریہ۔ میں یہاں کئی بار آئی مگر تم سے ملاقات نہ ہو پائی۔ اور تمہارے سسرال آنے کی ہمت ہی نہ کر پائی۔ تمہارے ساتھ اتنا بڑا حادثہ ہو جائے گا میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی تمہاری ہنستی مسکراتی زندگی یوں اجڑ کر رہ جائے گی۔" مومنہ نے تخت سے چیزیں سمیٹ کر ان دونوں کے بیٹھنے کی جگہ بنائی اور علی شاہ کو گود میں اٹھا لیا۔

"ارے یہ تمہارا بیٹا ہے نا' واؤ کتنا کیوٹ ہے۔" فضا علی شاہ کو دیکھ کر چونکی پھر بے اختیار اسے گود میں بھر لیا "یہ تو بالکل تم پر گیا ہے حوریہ۔"

"اوں ہوں۔ مجھ پر نہیں اپنے پاپا پر۔۔۔ حازم پر۔" حوریہ ہلکے سے مسکرائی۔ اس پل اس کی آنکھوں میں حازم کے نام سے ہی ہیرے جگنو سے چمک اٹھے تھے جیسے لبوں پر حازم کے نام سے ہی مٹھاس سی بھر گئی ہو۔

"پتا نہیں حازم کو تو میں نے نہیں دیکھا تھا بس کچھ پکس ہی دیکھی تھیں۔ مگر اس کی آئز بالکل تم پر گئی ہیں سو کیوٹ۔" وہ محبت سے اسے چومنے لگی۔ پھر یکدم اس کا دل اداس ہونے لگا۔

"یہ سب کیسے ہو گیا حوریہ۔" حوریہ نے مضمحل سی سانس بھر کر علی شاہ کو دیکھا' وہ فضا کی گود میں آکر منہ بسور رہا تھا۔ حوریہ کی گود میں آنے کو مچل رہا تھا۔ فضا نے اسے مومنہ کی گود میں دے دیا۔

"تم گیلانی ہاؤس میں ہی رہتی ہو۔" وہ دونوں روم میں آئیں تو فضا نے کچھ ہچکچاتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"آئی مین اپنے سسرال۔"

"رہتی تھی مگر اب آگئی ہوں۔" اس نے نوری کے ہاتھ سے چائے کی ٹرے لیتے ہوئے فضا کو جواب دیا۔

"خیر تم اپنی سناؤ پھپھو بتا رہی تھیں کہ ایک بیٹا ہے تمہارا اسے کیوں نہیں لائیں ہمراہ۔" پھر اس کے سراپے پر نگاہیں جماتے ہوئے بولی۔ "تم خوش ہو ناں۔ نصیر کے ساتھ۔"

"تمہیں کیا دکھتی ہوں؟"

"بہت خوش۔" وہ دوبدو بولی فضا کے لبوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

"ہاں پہلے نہیں تھی مگر اب بہت خوش ہوں۔ ایسا لگتا ہے حوریہ ایک مسلسل فریب اور دھوکے میں زندگی کے اتنے سال گزارے تھے۔ اب دھند چھٹ گئی ہے سب کچھ صاف اور روشن دکھائی دینے لگا ہے۔ سچ اور جھوٹ' حق اور باطل سب کی پہچان ہونے لگی ہے۔ حوریہ میں جب اپنے بستر پر لیٹتی ہوں تو دن بھر کی مصروفیت کے باوجود تھکن نام کو نہیں ہوتی بلکہ دل کے ہر گوشے میں ایک سکون آمیز فرحت محسوس ہوتی ہے۔۔۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے دھوپ میں چلتے چلتے یکلخت سائے میں چلی آئی ہوں۔

کانٹوں سے الجھتے الجھتے میں نخلستان میں نکل آئی ہوں۔ نصیر کے وجود کا مہربان سایا۔ اس کی محبت یوں ہے میرے لیے گویا صحرا میں برستی بارش گھور اندھیرے میں چمکتا سورج۔"

اس نے ایک جذب سے آنکھیں میچ کر کھولیں پھر یکدم ہنس پڑی۔ حوریہ کی کھلی کھلی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

"یہی سوچ رہی ہوں ناں کہ میں شاعرہ ہو گئی ہوں۔ شاعرانہ گفتگو کرنے لگی ہوں۔"

"نہیں۔" حوریہ چونکتے ہوئے ہلکے سے سانس بھر کر دھیرے سے مسکرائی۔ "سوچ رہی ہوں کہ سچ اور حق اپنا آپ ایک دن ضرور منوالیتا ہے۔ نصیر کی محبت سچی تھی۔ وہ رشتے اور تعلق میں مخلص تھا سو تمہارا دل اس نے جیت لیا۔"

"یہ تو ہے۔" وہ اس کے ہاتھ سے چائے کا مگ لے کر ایک گھونٹ بھر کر طمانیت سے مسکرائی۔

شیفون کے پرنٹڈ ایمبرائیڈ کرتی اور ٹراؤزر میں وہ بڑے سے سیاہ دوپٹے میں ایک باوقار اور مکمل عورت دکھائی دے رہی تھی۔

"چلو اچھی بات ہے۔ بہت خوشی ہوئی یہ دیکھ کر کہ تم نے زندگی کو سمجھنا اور جینا سیکھ لیا۔"

"ہاں.... اور ایان کے بعد تو زندگی جیسے مکمل ہو گئی ہے۔" وہ ایک بڑا سا گھونٹ بھر کر بولی پھر یکدم جیسے یاد آنے پر بولی۔

"ارے ہاں.... حوریہ کچھ دن پہلے بابر سے ملاقات ہوئی تھی۔ میری یار بالکل اچانک۔" فلاسک سے چائے مگ میں انڈیلتے ہوئے حوریہ کا ہاتھ ذرا سا کانپا۔ اس نے نظریں اٹھائیں نہیں چائے سے نکلتی بھاپ کو دیکھتی رہ گئی۔ فضا کہہ رہی تھی۔

"آئی کانٹ بلیو ایٹ (مجھے یقین نہیں آ رہا تھا) بابر اتنا بدل جائے گا۔ جانتی ہو حوریہ مجھے دیکھ کر وہ بہت اچھی طرح ملا۔ بلکہ میں تو شاکڈ رہ گئی وہ مجھ سے معافی مانگ رہا تھا۔ رئیلی وہ بہت نادم دکھ رہا تھا۔"

"اونہہ یہ بھی کوئی چال ہو گی۔ نیا فریب۔" حوریہ اپنے منتشر اعصاب سنبھال کر دھیرے سے مسکرائی.... مگر چاہنے کے باوجود ایک استہزائیہ مسکراہٹ اس کے لبوں پر ذرا سا پھیل کر بکھر گئی۔

"ارے نہیں یار.... اس کی آنکھوں میں سچی ندامت تھی اس نے کہا بھی کہ اس نے مجھ سے رابطہ کرنے کی بے حد کوشش بھی کی تھی۔ تمہیں تو پتا ہے نا حوریہ میرا موبائل تو اس روز امی نے چھین لیا تھا اور سارے نمبرز بھی ڈیلیٹ کر دیے تھے۔ اب تو میری سم بھی دوسری ہے۔ وہ کیسے کانٹیکٹ کرتا بھئی! مجھے لگتا ہے وہ سچ کہہ رہا تھا اس نے کانٹیکٹ ضرور کیا ہو گا۔" یہ کہتے ہوئے ایک پل فضا کے چہرے پر اداسی کے رنگ پھیل گئے۔

حوریہ نے نظریں چرالی تھیں اور دھیرے دھیرے چائے کی چسکیاں بھرنے لگی۔

"مگر حوریہ۔ میں اس وقت اموشنل ہو گئی تھی اس کے ساتھ مس بی ہیو کیا تھا۔ مگر گھر آ کر مجھے اپنے رویے پر پچھتاوا ہونے لگا۔ مجھے اس کی بات سننی چاہیے تھی اتنا روڈ نہیں ہو جانا چاہیے تھا۔" فضا کے لہجے میں تاسف ہلکورے لے رہا تھا۔

میں نے شاید بہت غلط کر دیا حوریہ۔" وہ دل گرفتہ دکھائی دے رہی تھی۔

"تم نے کچھ غلط نہیں کیا۔ وہ اسی رویے کا مستحق تھا بھول گئی وہ سب کچھ جو اس نے تمہارے ساتھ کیا تھا۔" حوریہ نے اسے خفگی سے دیکھا۔

"مگر اس نے کوئی زبردستی تو نہیں کی تھی۔ وہ اکیلا مجرم تو نہیں ہے حوریہ۔ میں بھی تو برابر کی شریک تھی۔ وہ گمراہ ہوا میں بھی اس کی گمراہی کا سبب تھی۔ وہ جتنا گرا تھا میں بھی اتنی ہی گری تھی۔ پھر وہ اکیلا مجرم کیوں؟" فضا

کے لہجے میں ایک تکلیف دہ رنگ بھی شامل ہوگیا۔ اس نے چائے کا مگ ٹرے میں رکھ دیا تھا۔ حوریہ نے اسے عجیب نظروں سے دیکھا۔

"کیا تمہارے دل میں اس کے لیے اب بھی کوئی نرم گوشہ ہے فضا۔" اس کے لہجے میں خوف کی آہٹ تھی۔

"نہیں ہرگز نہیں۔" فضا نے جیسے تڑپ کر اس کی بات کاٹی تھی۔ وہ سر سے پیر تک جیسے لرز گئی تھی۔

"میں پہلے ہی کم گناہ گار نہیں ہوں کہ اب نصیر کی بیوی اور ایک بچے کی ماں ہو کر میں اس رخ پر سوچوں۔ جبکہ خدا نے مجھے معاف کردیا ہے۔ مجھے ایک محبت کرنے والا شوہر دیا۔ ایک پرسکون زندگی دی۔" اس نے بیڈ کراؤن سے لگ کر سر اس کی پشت پر ٹکا دیا۔ پھر چونک کر حوریہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں اس انعامات کے قابل تو نہیں تھی حوریہ مجھے یہ سب کچھ جو ملا ہے۔ تو پھر میں کون ہوتی ہوں اسے کٹہرے میں کھڑے کرنے والی۔ اسے سزا سنانے والی۔ کیا وہ قابل معافی نہیں ہو سکتا۔ میرے خدا نے میرے عیبوں پر پردہ رکھ لیا تو میں اس کو کس منہ سے سزا سناتی۔ ہو سکتا ہے اس نے بھی خدا سے معافی مانگ لی ہو۔ اور مجھ سے بھی تو وہ معافی طلب کر رہا تھا نادم تھا اپنے کیے پر شرمندہ تھا۔ مجھے بھی اسے معاف کردینا چاہیے تھا حوریہ۔ مگر میں تو بہت کم ظرف نکلی۔ خود تو خدا سے اپنے لیے رحمت کی امید کرتی رہی اور اس کے لیے دل تنگ کرلیا وہ بھی اسی خدا کا بندہ ہے۔"

فضا کی آواز میں تاسف رنج کروٹیں لے رہا تھا وہ حقیقی پشیمان دکھائی دے رہی تھی۔

حوریہ نے اپنے ہاتھ میں پکڑا مگ ٹرے میں رکھ دیا اور اضطراری انداز میں بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگی۔ فضا اس کے دل کی حالت سے بے خبر اسی دل گرفتگی سے کہہ رہی تھی۔

"انسان تو ہوتا ہی خطا کا پتلا ہے جو نفس کے ہاتھوں گرتا بھی ہے اور کلمہ پڑھ کر اٹھنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ ضروری تو نہیں کہ ایک زاہد و عابد عمر بھر زاہد عابد ہی رہے اور ایک گناہ گار کبھی سیدھا راستہ نہ پا سکے۔ نہیں حوریہ ہم تو کسی کافر کے بارے میں بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ کافر ہی مرے گا اور کوئی مسلمان مسلمان ہی.... یہ تو خدا جانتا ہے۔"

حوریہ نے یکدم نظریں چرالیں اور رخ موڑ کر دھیرے سے بولی۔ "تو کیا تم اب اس سے رابطہ کروگی؟"

"ارے کہاں.... میرے پاس اس کا کانٹیکٹ نمبر ہی نہیں ہے اور پتا نہیں اب میری اس سے کبھی ملاقات ہوگی بھی یا نہیں۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ میں نے دل سے اسے معاف کردیا ہے.... ارے ہاں...." فضا افسردگی کے سحر سے نکلتے ہوئے جیسے یاد آنے پر بولی۔

"پتا ہے تمہیں حوریہ.... اس نے ابھی تک شادی بھی نہیں کی ہے اور میرے پوچھنے پر پتا ہے اس نے کیا کہا؟"

حوریہ کا دل یکبارگی دھڑکا۔ اس نے نظریں فضا کے چہرے سے ہٹا کر دیوار کی جانب کرلیں۔

"میں نے اس سے پوچھا۔ تم نے شادی نہیں کی۔ ابھی تک سنگل نظر آرہے ہو تو کہنے لگا جس سے کرنا چاہتا ہوں اسی کو منانے کے جتن کر رہا ہوں۔ "ہاؤ فنی.... میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ بابر جیسا انسان بھی ان راستوں پر چل سکتا ہے۔"

"کن راستوں پر۔" وہ نظریں چرائے چرائے بولی۔

"یہی۔ محبت کے۔ کسی کے لیے جھکنا۔ اسے منانے کے جتن کرنا۔ اس کی چاہ میں زندگی گزارنا۔ اسی کا انتظار کرنا۔ ہے نا حیرت کی بات.... میں کہہ رہی ہوں نا۔ وہ بہت بدل گیا ہے۔ اس کے انداز و اطوار میں بہت رکھ رکھاؤ اور میچورٹی آگئی تھی اور مجھے تو لگتا ہے یہ اسی "محبت" کا کرشمہ ہے جس نے اسے بدل ڈالا ہے۔ آہ ہا۔ یہ محبت...." فضا نے جیسے کھوئے کھوئے انداز میں ایک ہلکی سی سانس کھینچی۔

ادھر حوریہ کے پہلو میں جیسے کوئی تلاطم لہری اٹھ رہی تھی۔ فضا کے جملے نوکیلے نشتر کی طرح اس کے دل میں کھبے جارہے تھے۔ اس کا دل چاہا وہ فضا کو بولنے سے روک دے۔ بلکہ اسے گھر سے ہی نکال دے، جب کہ فضا اس کے دل کی حالت سے غافل اپنے ہی دھیان کی فضا میں تھی۔

"چلو کبھی سرراہ پھر ملاقات ہوگئی تو اس سے ضرور پوچھوں گی کہ وہ خوش نصیب کون ہے جس کے لیے یہ بندہ اتنا بدل گیا ہے۔" پھر یکدم اپنی ہی کسی ذہن میں ابھرنے والی سوچ پر ہنستے ہوئے بولی۔ "ہو سکتا ہے اب ملے تو وہ بھی اس کے ہمراہ ہو۔"

"میں ذرا علی شاہ کو دیکھ آؤں۔ رو تو نہیں رہا۔" حوریہ یکدم مضطربانہ انداز میں بیڈ سے اتری اور سلیپر پیروں میں ڈالے بغیر سرعت سے کمرے سے نکل گئی۔

"ہاں۔ ہاں۔ اسے لے آؤ۔ بہت کیوٹ ہے یار تمہارا بچہ۔" فضا اپنے خیالات سے چونک کر سیدھی ہوئی پر حوریہ کے کمرے سے نکل جانے کے بعد فلاسک اٹھا کر اپنے مگ میں گرم چائے انڈیلنے لگی۔ پھر ٹرے میں رکھی پلیٹ سے کباب اٹھا کر کھانے لگی۔

وہ خاصی مطمئن اور پرسکون دکھائی دے رہی تھی حقیقتاً "حوریہ سے باتیں کرنے کے بعد اسے اپنے دل کا بوجھ ہلکا محسوس ہونے لگا تھا۔ رات بھر کی جو بے سکونی تھی وہ ختم ہوگئی تھی۔ وہ ترو تازہ پتے کی طرح خود کو ہلکا پھلکا محسوس کررہی تھی۔

✵ ✵ ✵

بابر کی باتیں عاطمہ کو ملول اور اداس کر گئی تھیں۔ وہ رات بھر اس پہلو پر سوچتی رہیں کہ انہیں مومنہ سے از خود بات کرنی چاہیے اور بابر کے جذبات سے آگاہ کرنا چاہیے۔ ان کے خیال میں مومنہ وہ واحد ہستی تھی جو حوریہ کو سمجھا بجھا سکتی تھی، مگر انہیں سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تھا جب مومنہ نے ان کی کال ریسیو ہی نہیں کی اور جب یاور ہاؤس کے فون پر انہوں نے رابطہ کیا تو مومنہ نے بات کرنے سے انکار کردیا تھا۔

رقیہ بھابھی حیران بھی ہوئیں اور کچھ پراگندہ ہو کر مومنہ سے الجھنے لگیں۔

"تم نے کیوں بات نہیں کی عاطمہ سے۔"

"میرا ان سے کیا تعلق ہے کہ میں ان سے بات کرتی۔" ابا جی کے لیے سوپ باؤل میں نکالتے ہوئے مومنہ یکسر بے کیف لہجے میں بولی۔

"ہو سکتا ہے وہ حوریہ اور علی شاہ کے بارے میں تم سے کچھ بات کرنا چاہ رہی ہوں۔ تمہیں ان کی بات سننی چاہیے تھی۔" رقیہ بھابھی کے لہجے میں ہلکا سا شکوہ تھا۔ وہ ان دنوں حوریہ کے لیے از حد حساس ہو رہی تھیں۔

"حوریہ اور علی شاہ کے بارے میں انہیں جو بات کرنی ہے آپ سے اور عادل بھائی سے کرنی چاہیے نا کہ مجھ سے۔ آپ اس کی ماں ہیں۔"

"وہ تم پر ٹرسٹ کرتی ہے مومنہ۔"

"مجھ پر ٹرسٹ!" مومنہ نے خفیف سی حیرت سے رقیہ بھابھی کو دیکھا، مگر رقیہ بھابھی کے چہرے پر پھیلی بے قراری اور الجھن دیکھ کر نرمی سے بولی۔

"آپ خود ان سے بات کرلیں۔ حوریہ کی ماں ہونے کے ناطے آپ حق رکھتی ہیں کہ ان سے اور بابر سے ہر طرح کی بازپرس کا بھی اور علی شاہ کے بارے میں بھی بات کرسکتی ہیں۔"

"نہیں۔ میں بھلا کیا بات کروں گی۔ حوریہ نے تو مجھے چکرا کر رکھ دیا ہے۔"

"خیر۔ پھر بات کرتے ہیں اس ٹاپک پر بھی۔ میں ذرا اباجی کے کمرے میں ہوں۔ حوریہ اٹھ جائے تو اسے کہیے گا وہ آکر اباجی کے پاس بیٹھے وہ اسے یاد کر رہے تھے۔" وہ سلیقے سے سوپ کا پیالہ اور چمچہ ٹرے میں رکھ کر باورچی خانے سے نکلی۔

"اسے اپنے رونے دھونے سے فرصت ملے تب ناں۔ اس کے دماغ میں تو بس ایک ہی پھانس اٹک گئی ہے علی شاہ کو واپس نہیں بھیجوں گی۔"

"کیا کوئی فون آیا ہے کوٹھی سے۔ کوئی لینے آرہا ہے۔" مومنہ نے چونک کر پوچھا۔ رقیہ بھابھی باورچی خانے میں بکھری چیزیں سمیٹتے ہوئے افسردگی سے سانس کھینچ کر سر نفی میں ہلاتے ہوئے بولیں۔

"آیا تو نہیں ہے، مگر آج جمعہ ہے۔ کہا تھا ناں۔ نفیسہ نے جمعہ کو وہ آئے گی لینے، مگر میں تو حوریہ کو کچھ کہتے ہوئے بھی ڈرتی ہوں۔ ادھر اباجی کی طبیعت کی فکر ہے۔ حوریہ کا شور ہنگامہ شروع ہو جائے گا تو انہیں اس بات کی خبر ہو جائے گی کہ علی شاہ کو دو دن کے لیے بھیجا گیا ہے۔ اب تم ہی بتاؤ۔ کیا کروں۔ میرا تو دماغ کام نہیں کر رہا ہے۔ عجیب عذاب میں گزر رہے ہیں دن۔"

"ہاں اباجی کو کچھ خبر بھی تو نہیں ہے اور اچھا ہے خبر نہ ہو۔ ڈاکٹر نے کہا ہے انہیں بالکل پر سکون رکھا جائے۔" مومنہ بھی فکر مندی سے بولی۔ "کل رات بلڈ پریشر بھی بہت بڑھ گیا تھا۔ عادل بھائی تو بے چارے رات بھر ان کے پاس ہی رہے۔ چلو خیر آپ فکر نہ کریں۔ جب وہاں سے کوئی لینے آئے گا تب دیکھی جائے گی۔ میں حوریہ کو سمجھا لوں گی۔"

"ہاں۔ تم اسے سمجھاؤ۔ وہ کچھ دنوں کے لیے خود بھی کوٹھی چلی جائے رہنے کو۔ جب تک اباجی کی طبیعت بہتر نہیں ہو جاتی۔ وہ حوریہ کو دیکھ دیکھ کر بہت کڑھتے ہیں اندر ہی اندر......" رقیہ بھابھی سخت افسردہ دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ بے دلی سے کچن سمیٹنے لگیں۔

مومنہ یاور علی کے کمرے میں چلی آئی۔ یاور علی نڈھال سے اپنے بستر پر لیٹے تھے، آنکھیں بند تھیں۔ آہٹ پر ان کے بدن میں معمولی سی جنبش ہوئی۔ جس کا مطلب تھا وہ جاگ رہے تھے۔

"حوریہ کہاں ہے؟" انہوں نے یوں ہی آنکھیں موندے موندے خفیف آواز میں پوچھا۔

"علی شاہ کو سلا رہی ہے۔ میں نے اسے آپ کا پیغام دیا ہے بس وہ آتی ہے۔" مومنہ نے ٹرے ٹرالی پر رکھ دی اور ٹرالی کھینچ کر ان کے بستر کے نزدیک لے آئی۔

یاور علی چند دنوں سے یک دم بستر کے ہو کر رہ گئے تھے۔ ان کا بلڈ پریشر بڑھ جاتا تھا۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ وہ شدید دباؤ کا شکار ہیں اور انہیں ڈپریشن سے دور رکھنا ضروری ہے اور گھر میں سب ہی جانتے تھے کہ وہ پہلے ہی مومنہ کی اجاڑ زندگی کا دکھ سہہ رہے تھے اب حوریہ کا اجڑ جانا اسے تکلیف میں دیکھنا، ان کے کمزور بوڑھے دل پر کاری ضرب کی طرح لگتا تھا۔ وہ حوریہ کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ پاتے تھے، اس کا اپنے بچے کے لیے بلکنا دیکھنا ان کی برداشت سے باہر تھا۔

"آپ سوپ پی لیں اباجی۔ میں اسے بھیجتی ہوں آپ کے پاس۔" مومنہ نرمی اور احتیاط سے ان کو کندھے سے اٹھاتے ہوئے تکیہ اونچا کر کے بیڈ کراؤن سے لگا کر یاور علی کو اس سے ٹیک لگا کر بٹھانے میں مدد کرنے لگی۔

"ہاں اسے کہو ادھر آکر بیٹھے۔ میرے پاس۔ مجھے اس سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔"

"آپ اس کی فکر نہ کریں اباجی۔ سب بہتر ہو جائے گا۔ وہ بھی سنبھل جائے گی۔" عادل بھائی کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولے اور سر سے ٹوپی اتار کر سائڈ ٹیبل پر رکھ دی۔ کرتے کی آستین فولڈ کرتے ہوئے باتھ روم کی جانب بڑھ گئے۔ وہ جمعہ کی نماز پڑھ کر آئے تھے۔

"وقت ہر مسئلے کا خود ہی حل نکال لیتا ہے۔ آپ بس اپنی صحت کی طرف دھیان دیا کریں۔ مت سوچا کریں۔ زیادہ سوچنا' ٹینشن لینا آپ کے لیے ابھی ٹھیک نہیں ہے۔" وہ باتھ روم سے تولیے سے منہ رگڑتے ہوئے باہر نکلتے ہوئے بولے اور کرسی کھینچ کر یاور علی کے بیڈ کے نزدیک بیٹھ گئے۔

"بلڈ پریشر چیک کیا۔" وہ مومنہ سے پوچھنے لگے۔

"ہاں۔ ابھی تو نارمل ہے۔"

"میں نے سوچا ہی نہیں۔ اس ہی بات کا تو دکھ رہ گیا مجھے۔" یاور علی کی متاسفانہ نگاہیں ایک پل مومنہ پر اٹھیں اور ایک افسردہ سی سانس ان کے کھنڈر ہوتے سینے کی تہ سے آزاد ہو گئی۔

"کاش.... سوچ لیتا تو مومنہ یوں اجاڑ زندگی تو نہ گزار رہی ہوتی۔ اس کا بھی ایک ہنستا بستا گھر ہوتا۔"

"یہ کیا باتیں لے کر بیٹھ گئے آپ۔ بھلا سوچوں سے قسمت بدل جایا کرتی ہے۔" مومنہ ان کے بیڈ پر ان کے نزدیک آکر بیٹھ گئی اور نرمی سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "آپ سوچتے تب بھی وہی ہوتا جو میری قسمت میں لکھا تھا۔"

"نہیں مومنہ.... ہمیں عقل دی ہے خدا نے۔ انسان کو اشرف المخلوقات کا مرتبہ دیا ہے تو اسے عقل سے فضیلت دی ہے۔ ہم جانور تو نہیں ہیں کہ فطرت پر چلتے رہیں۔ نہ سوچیں نہ سمجھیں۔ دانائی تو فکر سے پیدا ہوتی ہے۔ سوچ سے راستے کھلتے بھی ہیں۔" یاور علی پہلے سے زیادہ افسردہ دکھائی دے رہے تھے جیسے کوئی پشیمانی' پچھتاوا انہیں اندر ہی اندر کاٹ رہا ہو۔

"میں نے مومنہ کو عین جوانی میں اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ یہ تو کم عمر' کم عقل تھی۔ میں تو سمجھ دار تھا' جہاں دیدہ تھا۔" وہ عادل بھائی کی طرف دیکھ کر بے بسی سے پچھتے ہوئے بولے۔

"ہم اپنی کم عقلی' نادانی کو قسمت پر ڈال دیتے ہیں' قدرت پر الزام دھرنے لگتے ہیں' کیا اس ذات کریم نے انسان کو پیدا کر کے یوں ہی فطرت پر چھوڑ دیا تھا' کیا اس نے۔ اپنے نبی نہیں بھیجے تھے' اپنی کتابیں نہیں اتاری ہیں.... کیوں.... سکھانے کے لیے اچھے برے کی تمیز سکھانے کو۔ انسان کی تربیت کے لیے۔ ان عالی مرتبہ انسانوں نے اتنی تکلیفیں اٹھائیں۔ ہمیں عقل دینے کو.... کیا انہوں نے نہیں سکھایا کہ آگ کو چھوؤ گے تو جل جاؤ گے۔ پھر بھی ہم بات بات پر قدرت کو مورد الزام ٹھہرانے لگتے ہیں۔

نہیں عادل.... غلط فیصلے انسان کرتا ہے قدرت نہیں وہ تو ہمیں اندھیرے اور اجالے کا فرق سمجھا چکی ہے اب یہ ہماری مرضی کہ ہم اپنی ضد' انا' عزت نفس' ایگو تاریکی میں پڑے رہیں۔ بغض اور نفرت کے اندھیرے میں بیٹھے رہیں' اجالے کی طرف سے پیٹھ موڑ لیں۔ ہم اپنے ہی غلط فیصلوں کی خود بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ بروقت اور درست فیصلے نہیں کر پاتے۔ چھوٹی چھوٹی خوشیوں کے دروازے خود پر بند کر دیتے ہیں۔ انہیں اندر نہیں آنے دیتے بلکہ دھکیل کر دور پھینک دیتے ہیں اور اپنے اندھیروں پر ماتم کرتے کرتے خود کو صابر ثابت کرتے ہیں کہ ہم نے قسمت کا لکھا قبول کر لیا ہے۔ ہم ناشکرے ہیں.... بے شک انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ بے شک انسان خسارے میں ہے۔" وہ ہانپنے لگے اور نڈھال ہو گئے۔ ان کی سفید ڈاڑھی ان کے آنسوؤں سے بھیگنے لگی۔

عادل بھائی نے جلدی سے ان کی پشت کے پیچھے تکیہ اونچا کر کے ان کو لٹا دیا۔ وہ نیم دراز ہو گئے۔ سینے تک چادر ڈال لی۔ ان کے باریش چہرے پر نور کا ہالہ سا تھا' مگر آج اس میں بہت زردی اور اضمحلال بھی جھلک رہا تھا۔

"آپ آرام کریں ابا جی۔ اتنا بولنا آپ کے لیے ٹھیک نہیں ہے۔" عادل بھائی ان کے لیے گلاس میں پانی بھرنے لگے۔

"کیونکہ میں بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" وہ مضمحل سے انداز میں مسکرائے۔ مومنہ نے پلکیں جھپک کر

بڑے کرب سے ان کی طرف دیکھا پھر سر جھکا لیا۔
"باتیں بعد میں بھی ہوتی رہیں گی آپ آرام کریں۔" عادل بھائی انہیں پانی پلانے لگے پھر ٹرالی پر رکھے سوپ کے باؤل کو دیکھ کر بولے۔
"مومنہ سوپ لائی ہے آپ تھوڑا پی لیں۔ کمزوری بہت زیادہ ہو گئی ہے آپ کو۔"
"نہیں میں ابھی کچھ دیر آرام کروں گا۔"
"تھوڑا بہت پی لیں تو اچھا ہے۔" مومنہ کے لہجے میں اصرار تھا مگر یاور علی نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ ان کا ذہن اور دھیان یقیناً" یہاں سے ہٹ گیا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے بڑبڑانے لگے۔
"ٹھیک کہتے ہیں بزرگ۔ بعض اوقات عبادتیں نہیں ندامتیں قبول ہو جاتی ہیں۔" ان کی آواز بہت ہلکی تھی جیسے وہ خود سے ہم کلام ہوں۔ مومنہ نے دل سے اٹھنے والی کرب کی لہروں کو دباتے ہوئے ان کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔ تب عادل بھائی نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں اپنے ساتھ کمرے سے چلنے کا اشارہ دیا۔
"سونے دو انہیں۔" وہ انہیں کندھے سے تھام کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

☼ ☼ ☼

بابر اپنے کمرے سے نکلا تو نفیسہ کو دیکھ کر اس کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔
"میں نے تم کو کیا آرڈر کیا تھا تم گئی نہیں ابھی تک۔" اس نے کلائی میں بندھی رسٹ واچ پر ایک اچٹتی نظر ڈالی اور نفیسہ کو کڑے تیوروں سے دیکھا۔
"وہ جی۔۔۔ عاظمہ بی بی نے مجھے جانے سے منع کر دیا تھا۔" نفیسہ بے چاری سٹپٹا کر رہ گئی۔
"مام نے۔۔۔ مگر کیوں؟"
"وہ کہہ رہی تھیں کہ جب میں کہوں تب لینے جانا۔ ابھی علی شاہ بابا کو اس کی ماں کے پاس ہی رہنے دو۔"
"مام سے میں بات کر لوں گا۔ تم جاؤ۔" اب کے بابر کے لہجے کی تپش دھیمی پڑ گئی تھی۔ وہ یہ کہہ کر لابی کے دیوار گیر صوفے پر بیٹھ گیا۔
"فٹافٹ جاؤ اور ہاں امیر علی سے کہہ دو اسٹرونگ سی چائے بنا کر دے جائے۔" وہ ریموٹ اٹھا کر ایک سی ڈی کے چینل بامقصد ادھر ادھر کرنے لگا اور سگریٹ سلگا کر لبوں سے لگا کر دھیرے دھیرے کش لگانے لگا۔ بابر کچھ دیر سگریٹ پیتا رہا پھر امیر علی چائے دے گیا تو وہ چائے کا مگ اٹھا کر صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر دھیرے دھیرے چسکیاں بھرنے لگا۔ تب عاظمہ خفگی بھرے انداز میں اس طرف آتی دکھائی دیں۔ وہ کہیں باہر سے آئی تھیں شاپرز ایک طرف پھینکنے کے انداز میں رکھے اور بابر کے نزدیک چلی آئیں۔
"کیا ہو گیا ہے تمہیں آخر بابر! ہر بات کی ضد پکڑ لیتے ہو۔" بابر نے چائے کا چھوٹا سا گھونٹ بھرتے ہوئے ذرا سا سر اٹھا کر ان کی طرف استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا۔
"تم نے نفیسہ کو علی شاہ کو لینے بھیجا ہے جانتے ہو ابھی صرف دو دن ہوئے ہیں اسے گئے۔ حور یہ کتنا ہرٹ۔۔۔"
"مام! اس کے بغیر میرا دل نہیں لگتا۔" وہ آہستگی سے کہتے ہوئے ان کی بات کاٹ گیا۔
"تمہارا دل نہیں لگتا تو سوچو کہ وہ تو ماں ہے۔ اس کا دل بچے کے بغیر کیسے لگ جائے گا۔۔۔ وہ کیسے بھیج دے گی۔" وہ ناراضی سے بولیں، مگر بابر کے چہرے پر نگاہ پڑی تو بغور دیکھتے ہوئے جیسے ان کے دل کو چوٹ سی پڑی۔

سگریٹ کے ٹوٹوں سے بھری ایش ٹرے پر ایک متاسفانہ نگاہ ڈال کر وہ نرم سی پڑ گئیں اور بابر کے نزدیک صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"اپنی حالت دیکھ رہے ہو۔" ان کا لہجہ بکھرنے لگا پھر اس کے ہاتھ سے چائے کا مگ چھین کر درمیانی ٹیبل پر رکھ دیا۔

"نہ تم کبھی اتنی چائے پیتے تھے نہ اتنی اسموکنگ کرتے تھے۔ اب تم نے کیا حالت کرلی ہے اپنی۔ بہت بدل گئے ہو بابر۔ بہت بدل گئے ہو تم۔" ان کا لہجہ اتنا افسردہ تھا جیسے ابھی رو دیں گی۔

"تبدیلی تو اچھی چیز ہے مام۔ کیا آپ کو میرے اندر ہونے والا چینج اچھا نہیں لگ رہا۔" وہ یک دم ہلکے سے ہنس دیا، مگر عجیب خالی بے روح سی ہنسی تھی۔ عاظمہ متاسفانہ نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

"تم نے اپنی زندگی کو حوریہ کے حصول کی تگ و دو بنا کر رکھ دیا ہے بابر۔ مجھے خوف آرہا ہے تمہاری اس انتہا پسندی سے۔ اس تیزی سے بڑھتے قدموں سے۔ جہاں کوئی منزل نہیں ہے تمہارے لیے۔" بابر نے یکدم نظریں ان کے چہرے سے ہٹا کر سامنے دیوار پر جمادیں۔ ایک پل اسے اپنے اعصاب کھنچتے ہوئے محسوس ہوئے۔

"اینی ویز۔ تمہیں نفیسہ کو "پاور ہاؤس" نہیں بھیجنا چاہیے تھا۔ ابھی چند دنوں تک۔" عاظمہ ایک ہلکی سی سانس کھینچ کر فضا میں پھیلے افسردگی کے اس سحر کو جیسے توڑتے ہوئے بولیں اور صوفے سے کھڑی ہو گئیں۔

"میں نے کہا نا۔ میں اسے مس کر رہا ہوں۔ میں شاید اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔" عاظمہ ایک اضمحلال سے مسکرائیں۔

"اگر تمہارے ذہن میں ایسا کچھ ہے کہ علی شاہ کے ہمراہ حوریہ بھی آئے گی تو یہ تمہاری بھول ہے۔ وہ نہ خود آئے گی نہ علی شاہ کو بھیجے گی۔" بابر نے بھنویں اچکا کر ان کی طرف دیکھا پھر صوفے سے خود بھی کھڑا ہو گیا اور اٹھتے ہوئے اپنا لائٹر، سگریٹ کا پیکٹ اور گاڑی کی چابی اٹھا کر جیب میں ڈالتے ہوئے سرسراتے لہجے میں بولا۔

"شاید آپ ٹھیک کہتی ہوں، مگر اسے آپ میری خوش گمانی سمجھ لیں۔ جانے کیوں مجھے لگتا ہے وہ خود بھی ضرور آئے گی۔" عاظمہ یکدم جیسے عجیب سے دھچکے پر گم صم سی اس کی طرف دیکھتی رہ گئیں۔ وہ مجروح انداز میں ہنس دیا تھا جیسے خود پر ہی ہنس رہا ہو۔ بابر کے گداز لبوں پر پھیلی یہ مسکراہٹ عاظمہ کا دل چیر کر رکھ گئی۔

"سیاہ رات کا بھی کوئی نہ کوئی کنارہ تو ہوتا ہے ناں۔ امید شاید اسی کو کہتے ہیں۔" وہ ہلکے سے ان کے کندھے کو تھپک کر لابی سے ہی نکل گیا۔ عاظمہ سخت بے بسی محسوس کر کے رہ گئیں۔

"میرے بس میں ہوتا تو میں خوشیاں تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دیتی بابر۔ آہ۔ مگر تم نے بھی اپنے باپ کی طرح محبت کو ضد بنا لیا ہے۔ محبت ضد سے کب ملتی ہے۔" وہ افسردگی سے سوچ کر رہ گئیں۔

"یہ سارے شاپرز آپ کے روم میں رکھ دوں۔" امیر علی شاپرز ایک طرف سمیٹتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ عاظمہ نے رخ موڑ کر شاپرز پر نظریں جمادیں پھر سر نفی میں ہلاتے ہوئے بولیں۔

"نہیں سارے نہیں۔ اس میں کچھ چیزیں علی شاہ کی ہیں۔ اچھا ٹھیک ہے.... تم یہ سارے شاپرز میرے روم میں ہی رکھ دو اور پلیز میرے لیے ایک کپ چائے بنا کر میرے روم میں ہی لے آنا۔" وہ صوفے سے اٹھ گئیں۔ ان کا رخ زینے کی جانب تھا۔

✲ ✲ ✲

میرے ہاتھوں سے
تیرے ہاتھ کا نکل جانا

دل میں برپا ہے
اسی شام اک کہرام ابھی تک
کوئی اپنی سانسوں کو بھلا ملتوی کر سکا ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ حازم تم کو بھول جاؤں۔ سانس لینا چھوڑ دوں.... مر جاؤں مرنے سے پہلے۔

اس نے کھڑکی کا پٹ کھول کر باہر ملگجے اندھیرے کو گھورا۔ سورج ڈوب چکا تھا مگر حوریہ کو لگا سورج ابھی ڈوبا ہو اور ڈوبنے کا یہ منظر جیسے اس کی آنکھوں میں ٹھہر سا گیا ہو۔ اس کے دل میں نم آلود فضا سرسرانے لگی۔ اس کا دل لہو ہو رہا تھا۔ وہ آنکھوں سے بے آواز بہتے آنسو پونچھتے ہوئے دل گرفتگی سے ہنس دی۔ ہاں بھلا سانس لینا بھی کوئی بھولتا ہے۔ وہ کرسی کی پشت پر سر ڈال کر ڈھیلے انداز میں بیٹھ گئی۔ کئی گزرے منظر اس کے دھیان کی فضا میں بکھرنے لگے تھے۔

"یار یہ محبت تو بڑی خطرناک قسم کی چیز ہے۔ بندے کو کہیں کا نہیں چھوڑتی۔"

اسلام آباد کی پر فضا مقام پر وہ اس کا ہاتھ تھامے دھیرے دھیرے چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "محبت اور خطرناک" وہ حیرت کے اظہار کے طور پر پلکیں جھپک کر اسی طرف دیکھنے لگی۔ پھر ہنس پڑی۔

"آئی ایم سیریس۔" وہ ایک فلیٹ پتھر پر کھڑا ہو گیا اور بڑی سنجیدگی سے اس کی طرف گھوما۔ "اب دیکھو ناں پہلے میں ایک آزاد بندہ تھا کوئی خیال، کوئی سوچ پابند نہیں کرتی تھی مگر اب تو جہاں جاؤں بس تمہارا خیال تمہارا تصور۔ تم تک آنے کو خواہش، تم میں ہی بسنے کی تمنا۔" وہ اس کی شہد رنگ آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ پھر حوریہ کے لبوں پر پھیلنے والی شرمیلی مسکراہٹ کو اپنی انگلی کے پور سے سمیٹتے ہوئے مدھم لہجے میں مزید گویا ہوا۔

"ایسا لگتا ہے کہ سانس بھی تم کو دیکھ کر آتی ہے نہ دیکھوں تو رکنے لگتی ہے۔"

"ارے پھر تو واقعی محبت بہت خطرناک قسم کی چیز ہے۔" وہ مصنوعی تشویش سے سر ہلانے لگی۔ دوسرے پل حازم کے گھورنے پر یکدم کھلکھلا پڑی۔ حازم کو لگا اس کے رخساروں کی دھنک اور ہنسی کی مہک پورے ماحول کو مدہوش کرنے لگی ہو۔

"صرف محبت ہی نہیں تم بھی خطرناک قسم کی شے ہو۔" وہ از خود رفتہ سا اس کے چہرے کی طرف جھکا تھا۔ جواباً حوریہ اسے مصنوعی پن سے گھورتے ہوئے پیچھے ہٹ گئی۔

یکلخت وہ اپنے خیالات سے چونک کر باہر نکلی۔ کمرے کے گھپ اندھیرے کو روشنی کی باریک لکیر نے کاٹا تھا۔ دروازہ کھلا اور مومنہ اندر داخل ہوئی تھی اور حوریہ کو یوں اندھیرے میں نڈھال پڑے دیکھ کر ان کے لبوں سے ایک افسردہ سی سانس خارج ہو گئی۔

"مسلسل اندھیرے کی طرف دیکھتے رہنے سے آنکھیں اندھیرے سے ہی مانوس ہو جاتی ہیں پھر ذرا سی روشنی بھی آنکھوں کو چبھنے لگتی ہے۔" مومنہ سوئچ بورڈ کی طرف بڑھیں اور لائٹ آن کر دی۔

"اجالے کو اندر آنے کا راستہ دو گی تو اندھیرا ختم ہو گا۔ اندھیرا بہرحال منزل نہیں ہوتا۔" مومنہ کا لہجہ نرم تھا' مگر انداز سرزنش کرنے والا تھا۔

"آپ کے خیال میں یہ اجالا میرے اندھیرے کو کاٹ دے گا۔" اس کے لبوں پر مجروح مسکراہٹ بکھر گئی۔ مومنہ اس کے نزدیک چلی آئی۔ حوریہ کے چہرے پر غیر معمولی سرخی تھی جو اس کے رات بھر جاگتے رہنے کی غماز تھی۔

"سوچوں کی شدت انسان کو پاگل کر دیتی ہے حوریہ۔ یاد رکھنا انسان سے انسان کی محبت انسان کو دیوانہ کر دیتی ہے۔ افسردہ اور باغی بنا دیتی ہے۔ یہی محبت اپنے رب سے خالق سے ہو تو انسان کو بلند درجے پر لے جاتی ہے۔

عزت اور شرف بخشتی ہے۔" مومنہ کا لہجہ اب بھی سرزنش کرنے والا تھا۔ انہیں حوریہ کا اس طرح ارد گرد سے کٹ کر ایک خول میں بند ہو کر بیٹھ جانا ناپسند تھا۔

"مجھے تو لگتا ہے آپ کی اور دادا جان کی یہی باتیں مجھے کسی دن پاگل کردیں گی پھپھو۔" وہ خفگی سے کرسی سے اٹھ گئی۔

"نہیں! تمہیں تمہاری اپنی یہ انتہا پسندی پاگل کررہی ہے۔ ایک شخص جو اپنے رب کی رحمت میں چلا گیا۔ تمہارے پاس اب نہیں ہے اس کے نام پر اس کی یادوں سے دن رات سلگتے رہنا پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے۔"

"آپ جو بھی سمجھیں۔ جو بھی کہیں میں اپنے دل کی سنوں گی' میں اپنے جذبات کے پیچھے بھاگنے والی لڑکی ہوں پھپھو۔ یہ جذبات یہ یادیں میرا کل اثاثہ ہیں۔" وہ ضدی لہجے میں بولی۔ مومنہ کے لبوں پر افسردہ مسکراہٹ بکھر گئی وہ اس کے نزدیک آئی۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولی۔

"ہر انسان یہی کرتا ہے۔ بابر بھی تو یہی کررہا ہے۔ اپنے دل کی سن رہا ہے اپنے جذبات کا غلام ہے پھر۔۔۔ پھر وہ غلط کیوں ہے۔ وہ بھی تو انتہا پسندی سے سوچ رہا ہے۔"

"وہ غلط ہے پھپھو۔" وہ احتجاجاً چیخی۔

"تم بھی غلط ہو حوریہ۔" مومنہ نے جواباً نرمی سے کہا وہ ایک تکلیف کے احساس سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

"ہاں۔ میری جان۔ ان سلگتی یادوں کے ساتھ زندگی گزار دینا غلط ہے انتہا پسندی ہے۔ خدا نے اسی لیے اعتدال کا راستہ رکھا ہے' میں بھی عمر بھر ناخوش رہی خود بھی ناآسودہ رہی اور دوسروں کو بھی ناآسودہ رکھا۔ صبر اور شکر نہیں کیا۔ صبر یہ ہے کہ اپنی تکلیف کو انسان بھول جائے اور بھول جانے کا مطلب ہے کہ زندگی پھر نارمل انداز میں گزارے اسی طرح جیسے پہلے تھی۔ یہ ہے صبر اور یہ ہے خدا کا شکر ادا کرنا۔"

"آپ مجھے دلیلوں سے قائل کرنے آئی ہیں تو سن لیں۔ میں کسی بھی دلیل سے قائل نہیں ہوں گی۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولی اور علی شاہ کی بکھری چیزیں سمیٹنے لگی۔

"میں دلیل دینے نہیں آئی اور یوں بھی دلیل وہ دیتا ہے جو اس کا لائق ہو۔" مومنہ نے یہ کہہ کر ایک لمحہ توقف

کیا پھر حوریہ کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے اپنا حوصلہ سمیٹتے ہوئے لہجے کو مضبوط رکھتے ہوئے بولی۔

"میں یہ کہنے آئی تھی کہ گیلانی ہاؤس سے نفیسہ اور ڈرائیور آیا ہے علی شاہ کو لینے۔" حوریہ نے خفیف سے جھٹکے سے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا عجیب سی تڑپ تھی اس کے انداز میں۔۔۔ مومنہ کو ایک پل اپنا حوصلہ بکھرا محسوس ہوا مگر دوسرے پل وہ خود کو جوڑے رکھنے کے عمل سے گزرتے ہوئے بولی۔

"دیکھو حوریہ۔ اباجی کی طبیعت بہت خراب ہے کل رات سے اور ابھی عادل بھائی نے انہیں بامشکل سلایا ہے میں نہیں چاہوں گی کہ انہیں کسی قسم کا ٹینشن دوں بلکہ یہ چاہوں گی کہ وہ جب اٹھیں تو میں انہیں یہ خبر دے سکوں کہ حوریہ اپنی مرضی اور خوشی سے گیلانی ہاؤس گئی ہے چند دن رہنے کو۔"

"پھپھو۔" حوریہ کے سینے میں گویا تیر سا اتر گیا تھا۔ وہ بن پانی کی مچھلی کی طرح بلبلا کر رہ گئی۔ مومنہ نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"حوریہ! میں پہلے ہی بہت سے رشتے کھو چکی ہوں۔ بہت نقصان اٹھا چکی ہوں اب اباجی کا سایہ اس گھر پر دیکھتے رہنا چاہتی ہوں۔" اس کی آواز میں دکھ اور رنج اتر آیا۔

"بے شک زندگی اور موت انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے مگر کبھی کبھی ہم اپنے رویوں کے خنجر سے دوسروں کو موت سے پہلے مار ڈالتے ہیں۔" وہ حوریہ کے چہرے سے نظریں ہٹا کر بہت ساضبط کرتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

وہ سرخ چہرہ لیے اپنے اندرونی خلفشار کو دبائے بے یقینی سے انہیں دیکھتی رہی۔ اس کے دل سے غصہ کا کوئی جوار بھاٹا اٹھا مگر پھر بڑی آہستہ روی سے غصہ، دکھ اور رنج میں بدل گیا۔ جیسے کوئی تند لہر اٹھ کر ساحل کی گیلی ریت میں جذب ہو جائے۔ وہ بے بسی سے چیختے ہوئے کرسی پر ڈھ سی گئی۔۔۔ سارا منظر دھندلا گیا۔ اسے اپنا آپ یکلخت بہت اکیلا محسوس ہونے لگا۔

✲ ✲ ✲

بابر نے اسے اپنے روم کی کھڑکی کے چمکتے کانچ سے گاڑی سے اترتے دیکھا۔ وہ سفید چادر میں خود کو ڈھانپے ڈھیلے اور مضمحل۔۔۔ قدم اٹھاتی کوٹھی کے ٹیرس کی طرف جا رہی تھی۔ شفاف روشن کے ماربل پر اس کا ہر اٹھتا قدم گویا بابر کے دل پر دھمک کی طرح لگ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنی اس فتح پر خوش ہے یا اس کی شکست پر افسردہ اور ملول۔۔۔ وہ یکدم اندر سے مضطرب ہو گیا اور کھڑکی سے ہٹ کر اضطرابی انداز میں چلتا ہوا کمرے سے ملحقہ ٹیرس میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ ٹیرس کی خوش نما جنگلے سے لگ کر یوں سانس کھینچی جیسے حبس میں ان جھونکوں کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی ہو۔

دل کا تیری چاہت میں عجب حال ہوا ہے
سیلاب سے برباد مکانات کی مانند
کس درجہ مقدس ہے ترے قرب کی خواہش
معصوم سے بچے کے خیالات کی مانند
محسن اسے ملنا میرا ممکن ہی نہیں ہے
میں پیاس کا صحرا ہوں وہ برسات کی مانند

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

نادیہ احمد

اللہ جی میں تو لٹ گئی برباد ہوگئی کوئی پولیس کو بلاؤ"۔ پھوپھو دردانہ کی چنگھاڑتی آواز پہ آئی لائنر لگاتا میرا کانپتا ہوا ہاتھ اس بری طرح پھسلا کہ سیاہ لکیر آنکھ کے اوپر کے بجائے نیچے جالگی۔ پھوپھو بولی بھی تو اتنا اونچا تھیں میرا ننھا سا دل دہل گیا۔ اب آپ سوچ رہے ہوں گے پھوپھو دردانہ کی آواز نہ ہوئی جنگل کے شیر کی دہاڑ ہوگئی۔ ارے بھئی، آپ یقین کریں یا نہ کریں اللہ جھوٹ نہ بلوائے پھوپھو دردانہ کے گلے میں لاؤڈ اسپیکر فٹ تھا۔ میں تو کہتی ہوں جلسے کے سامنے بھی کھڑا دیں تو بغیر مائیک آخری کرسی تک آواز جائے یہ تو پھر دادی کا سات مرلے کا گھر تھا۔ بڑے سے صحن کے گرد چار کمرے بنے تھے۔ ایک باورچی خانہ اور غسل خانہ بھی تھا۔ بیٹھک کو چھوڑ کر ہر کمرے میں ایک خاندان آباد تھا۔ ایک میں سردار چاچا، رابعہ چچی اور ان کے چار بچے رہتے تھے۔ دوسرے میں دادا، دادی اور غضنفر چچا کا بسیرا تھا لیکن اب وہاں سے دادا دادی بیٹھک میں منتقل ہو رہے تھے جہاں آج کل رضیہ اور دردانہ پھوپھو اپنے شوہر اور بچوں سمیت ڈیرہ ڈالے ہوئی تھیں اور ہاں وہیں ان کا سامان بھی پڑا تھا جبکہ تیسرا اور آخری کمرہ ہمارے قبضے میں تھا۔ اس کمرے میں، میں اپنے اماں، ابا اور تین جنگلی بلوں جیسے لڑاکا بھائیوں کے ساتھ رہتی تھی۔
اب آپ پوچھیں گے میں کون؟۔

ارے بھئی میرا تعارف بھی ہوتا رہے گا، پہلے یہ تو دیکھ لیں دردانہ پھوپھو کو کیا ہوا لیکن نہیں بھئی، یہ تو آپ ہی دیکھیں کیونکہ میری نظر شیشے پہ پڑگئی ہے اور اب مجھ سے اور کچھ نہیں دیکھا جائے گا۔ پورے ایک گھنٹے کی محنت سے بیس لگائی تھی۔ دس منٹ لگا کر ایک آنکھ کا لائنر لگایا تھا جو اللہ اللہ کر کے پہلی بار سیدھا لگا تھا لیکن یہ پھوپھو۔ ان کے ہوتے بھی کسی اور کا بھلا ہوسکتا ہے۔ اب مجھے ایک بار پھر منہ دھونا پڑے گا، بیس لگانی پڑے گی اور دوبارہ سے سارا میک اپ کرنا ہوگا اور اس چکر میں اگر غضنفر چچا کی بارات میں دیر ہوئی تو مجھے الزام مت دیجیے گا کیونکہ آپ گواہ ہیں میرا آئی لائنر پھوپھو کی چیخ کی وجہ سے خراب ہوا ہے۔ لیکن یہ پھوپھو آخری چیخیں کیوں۔

اففف۔۔۔ میں بھی نا، میری ان ہی باتوں کی وجہ سے اماں مجھے سب سے پہلے تیار ہونے بھیج دیتی ہیں کیونکہ میں ہمیشہ تیار ہونے میں وقت لگاتی ہوں لیکن اب آپ خود بتائیں بھلا اس میں میرا کیا قصور، اب لڑکیاں بننے سنورنے میں دیر نہیں لگائیں گی تو کیا پھوپھو اور اماں جیسی مالا سنہا اور مدھو بالا کے زمانے کی دوشیزائیں وقت لیں گی؟

نہیں بھائی مجھ سے تو برداشت نہیں ہو رہا۔ میرا خیال ہے جا کر دیکھ ہی لوں کہ دردانہ پھوپھو چیخیں کیوں۔ کیا خیال ہے چلیں؟

"پورے سات ہیرے لگے تھے"۔ کمرے سے نکل کر میں صحن میں پہنچی تو صحن کے بیچوں بیچ کھڑی پھوپھو نے اعلان کیا۔ سامنے بچھی چارپائی پہ دادی، اماں اور بڑی پھوپھو بیٹھی تھیں۔ شرمندہ سی رابعہ چچی پھوپھو کے پاس ہی کھڑی تھیں۔

"میاں جی نے اتنے چاؤ سے بنوا کر دیا تھا"۔ دردانہ پھوپھو نے زاروقطار روتے آرام کرسی پہ آرام سے بیٹھے وجاہت پھوپھا کی طرف دیکھا جن کی شکل پہ ہمیشہ کی طرح بارہ ہی بجے تھے۔ میری تو خیر آنکھیں ترس گئیں کبھی گیارہ یا ایک بجتا دیکھوں پر شاید اس میں پھوپھا کا بھی کوئی قصور نہ تھا۔ پھوپھو کے ساتھ دس سال گزارنا بڑے حوصلے کی بات تھی۔ اب ان حالات میں صورت، فیصل آباد کا رکا ہوا گھنٹا گھر جیسی ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہ تھی۔

"آپا! مل جائے گا"۔ پاس کھڑی رابعہ چچی منمنائیں۔ پھوپھو نے خوں خوار نظروں سے انہیں گھورا کہ بے چاری سہم کر باورچی خانے میں جا گھسیں۔

"ہائے میرے اللہ! میں بھی کہاں بھینس کے آگے بین بجانے لگی۔ اس گھر سے کسی کا پتیل کا چھلا بھی گم ہو جاتا نا تو کتنا۔ واویلا ہوتا۔ میری چیز ہے نا اسی لیے کسی کو پروا نہیں"۔ اس تجاہلِ عارفانہ پہ دردانہ پھوپھو نے تو اپنا سر ہی پیٹ ڈالا۔

''آپا! سب ہی ڈھونڈ رہے ہیں آپ پانی پئیں۔ یہیں کہیں ہوگا، مل جائے گا''۔ رابعہ چچی پلٹیں تو ہاتھ میں ٹھنڈے پانی کا گلاس تھا جو انہوں نے زار زار روتی دردانہ پھوپھو کو پکڑایا اور جسے وہ ایک ہی گھونٹ میں غڑاپ سے پی گئیں۔ دادا، دادی، اماں، ابا، سردار چچا، رابعہ چچی، رضیہ پھوپھو، سلیم پھوپھا، وجاہت پھوپھا اور ان سب کی کل ملا کر ایک درجن اولادوں نے سکھ کا لمبا سانس لیا تھا کہ اب ٹھنڈا پانی پی کر یقیناً دردانہ پھوپھو کو ٹھنڈ پڑ جائے گی لیکن یہ تو بس ان کی خام خیالی تھی۔

''ملنا ہوتا تو اب تک مل چکا ہوتا۔ چوروں کا گھر ہے یہ۔۔۔۔'' گلاس رابعہ چچی کے ہاتھ میں واپس پٹخ کر انہوں نے ایک بار پھر واویلا مچایا۔

''پولیس بلاؤں گی میں''۔

الٰہی خیر آخر یہ ماجرا کیا ہے۔ بس بھئی میری تو برداشت کی حد ہوئی۔ ایک کالی بھتنی آنکھ لیے پچھلے دس منٹ سے ان کا رونا سنتے میرے تو صبر کا پیمانہ بھر گیا تھا لہٰذا پوچھ ہی لیا ''آخر کھویا کیا ہے جو یوں ہوش کھو رہی ہیں پھوپھو!'' میری آواز نقار خانے میں گونجتی توتی سی تھی کہ پھوپھو کے امپورٹڈ ساؤنڈ سسٹم سے بھلا میرے لوکل اسپیکر کا کیا مقابلہ لیکن شاید سب لوگ ان کی آواز سے اتنے بے زار تھے کہ سب ہی نے گھوم کر میری طرف دیکھا اور پھر گھبرا کر گردن موڑ لی۔ وجاہت پھوپھا کی تو شاید دبی دبی چیخ بھی نکل گئی تھی کہ دردانہ پھوپھو نے انہیں ہمیشہ سے ہی ڈرا کر رکھا ہوا تھا۔ (اب یہ مت پوچھنا سب مجھ سے ڈر کیوں گئے) پھوپھو نے مجھے اپنی آدھی بند آنکھ سے گھور کر دیکھا اور گردن ٹیڑھی کر کے باقاعدہ چیخ کر کے بولیں۔

''پورے سات ہیروں جڑا لونگ تھا''۔ اور پھوپھو کو چیخنے کے لیے بھلا کون سا زور لگانا پڑتا تھا۔ بہرحال آخر راز کھل ہی گیا تھا اور میں نے شکر کا کلمہ پڑھ کر واپسی کا عندیہ کیا لیکن غضنفر چچا کی آواز پہ قدم رک گئے۔

''کیا شور مچا رکھا ہے، ہم میں سے کسی کی جیب سے نکلتا ہے تو نکال لے۔ سب ڈھونڈ تو رہے ہیں، اب کیا خودکشی کر لیں اس غم میں''۔ غضنفر چچا کی برداشت سے باہر ہو چکا تھا یہ معاملہ تو بول ہی پڑے۔ غضنفر چچا ہمارے سب سے چھوٹے چچا ہیں۔ پھوپھو کی اور ان کی طبیعت میں بڑی مطابقت ہے اس لیے دونوں کی خوب بنتی ہے۔ جہاں دردانہ پھوپھو ہوں وہاں غضنفر چچا پیر نہیں دھرتے۔ ایسے ہی جہاں غضنفر چچا پائے جاتے ہیں دردانہ پھوپھو دور دور تک دکھائی نہیں دیتی ہیں۔ ماشاءاللہ دونوں میں محبت ہی اتنی ہے لیکن آج تو خاص دن تھا نا۔

غضنفر چچا کی شادی تھی۔ اپنی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے پھوپھو نے دو ماہ پہلے ہی شادی میں شمولیت سے انکار کر دیا تھا۔ چچا بھی ہتھے سے اکھڑ گئے لیکن دادی نے سمجھایا، بہن کا معاملہ ہے تو وہ کچھ دھیمے پڑے اور اب دو ماہ سے مستقل ان کا خیال اس شرط پہ رکھا جا رہا تھا کہ وہ چچا کی شادی پہ بغیر کوئی کھڑاگ کیے شمولیت کریں گی۔ اللہ اللہ کر کے کل مہندی کی رسم خیر و عافیت سے گزری تھی۔ سب نے مل کر کیا خوب رونق لگائی تھی۔ دوپہر تک سب ٹھیک تھا۔ کھانے کے بعد سے میں کمرے میں گھسی سارے خاندان کے کپڑے استری کر رہی تھی پھر میں تو تیار ہونے چلی گئی اور ایکدم پھوپھو کا ہیرے کا لونگ گواچ گیا۔ ہائے اللہ! یہ اس اسٹوری کے ساتھ ہی میرے اندر کی مسرت نذیر نے چھلانگیں لگائیں اور میں ''پیچھے پیچھے آندا میری چال ویندا آئیں'' گانا شروع کرنے ہی والی تھی کہ دردانہ پھوپھو کی پاٹ دار آواز پہ چونک کر حقیقت کی دنیا میں واپس آئی جہاں پھوپھو اور چچا بازو چڑھا کر لڑ رہے تھے۔

''تیری جیب نہیں تیرے تو کمرے کی تلاشی لوں گی۔ تجھ پہ تو سب سے پہلا شک ہے میرا''۔ دردانہ پھوپھو نے انگلی کے اشارے سے وارننگ دی۔ چارپائی پہ بیٹھی دادی نے آگے بڑھ کر غضنفر چچا کا ہاتھ کھینچ کر انہیں واپس بٹھا لیا۔

''دیکھ لیں امی! یہ کیا الزام تراشیاں کر رہی ہے''۔

وہ دادی کی طرف دیکھ کر روٹھے پن سے بولے۔

"میں تھوکتا بھی نہیں اس کے دو ٹکے کے لونگ پہ"۔انہوں نے پیٹھ تھپک کر تسلی دی۔

"دو ٹکے کا لونگ۔۔۔۔ہائے پورے سات ہیروں جڑا تھا منحوس مارے۔کبھی دیکھے بھی ہیں اتنے ہیرے ایک ساتھ"۔دردانہ پھوپھو کے تو تلوؤں پہ لگی سر پہ بجھی۔ہاتھ نچا نچا کر لڑاکا عورتوں کی طرح طعنے مارے کہ غضنفر چچا کی تو بولتی ہی بند ہو گئی۔ پر سردار چچا نے ہکلی زبان کے ساتھ اپنی ٹانگ پھنسانا ضروری سمجھا۔

"ہاں۔۔۔دیکھے ہیں نا۔۔۔آ آ آپا! آپ کے لو۔۔لو۔۔لونگ۔۔! میں۔۔۔"لوسن لوان کی بھی۔آگرہ والوں کی ٹرین چھوٹ جائے ان کا جملہ مکمل ہونے کے چکر میں پر بولیں گے ضرور۔

"ہائے تو نے دیکھا ہے۔چل میرا بھائی ذرا جلدی سے بتا کہاں دیکھا میرا لونگ"۔دردانہ پھوپھو کی چھوٹی چھوٹی چائنیز آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔پچکارتے ہوئے بولیں تو سردار چچا نے سینہ تان کر جواب دیا۔

"صبح۔دیکھا تھا۔۔۔آ آ آپ! کی نا نا ناک! میں"۔دھت تیرے کی۔کھودا پہاڑ نکلا۔۔۔ اچھا دفع کرو۔

"پرے ہٹ منحوس مارا۔خان صاحب کہاں رہ گئے میں کہتی ہوں۔ بلاؤں پولیس کو ان چوروں کے گھر سے ایسے نہیں ملے گا کچھ۔اب تو پولیس ہی آکر برآمد کروائے گی"۔ایک بار پھر پولیس کی دھمکی۔بھئی پھوپھو ہیں یا ڈان۔بات بات پہ پولیس کا ذکر لے آتی ہیں۔پر ہیں بڑے جگر والی ہماری پھوپھو۔پوری پلٹن ایک طرف، پھوپھو کی تیز گام ایک طرف۔

"حد میں رہ دردانہ! حد میں ورنہ ٹھیک نہیں ہوگا"۔غضنفر چچا ایک بار پھر میدان میں اترے۔

"ہاں تو کیا کرلے گا۔میرا لونگ آج کے آج نہ ملا تو میں صاف کہہ دیتی ہوں امی۔تم اکیلی بیٹا بیاہنے چلی جانا۔میں اور میرا میاں بارات میں شامل نہیں ہوں گے"۔لوجی دو مہینے کی محنت گئی تیل لینے۔

میں تو کہتی ہوں یہ سارا قصور اس لونگ کا تھا جو پھڑک کر ناک سے گر گیا۔کیا تھا آج کے دن ٹکا رہتا۔گھر میں جنگِ عظیم چہارم شروع کروادی۔

"دردانہ حوصلے سے کام لے بیٹا۔رضیہ سارے گھر میں جھاڑو لگا رہی ہے نا۔ابھی مل جائے گا"۔دادی نے تسلی دی۔ اب اس سے زیادہ وہ کر بھی کیا سکتی تھیں بے چاری۔ پھوپھو کو تو کچھ بھی کہنا اس وقت بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف تھا۔

"کہاں سے لاؤں حوصلہ۔میرا سات ہیروں والا لونگ۔شادی کے دس سالوں میں بس ایک ہی تحفہ دیا تھا آپ کے داماد نے"۔سینے پہ ہاتھ مارتے موں سوں دوبارہ شروع ہو گئی۔"پوچھ لو سامنے بیٹھے ہیں"۔لو بھئی آگئی پھوپھا کی شامت۔

"اللہ اپنی جناب سے اور بھی بہت کچھ دے گا۔پریشان نہ ہو"۔دادی نے پیار سے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

"اللہ ہی دے گا بس، انہوں نے تو قسم کھا رکھی ہے۔آپ کے سامنے ہی ہے کس حال میں گزارا کرتی ہوں۔اب بھئی، ہر کوئی آپ کی بہوؤں کی طرح عیش تو کرتا نہیں، نہ ہی سارے مرد آپ کے بیٹوں جیسے زن مرید ہوتے ہیں۔"سن لو۔ایک وار میں میدان کیسے صاف کیا جاتا یہ تو کوئی ہماری دردانہ پھوپھو سے سیکھے۔اماں نے گھور کر ابا کو دیکھا تو ابا چشمہ درست کرتے دوسری طرف دیکھنے لگے۔کچھ ایسی ہی حالت رابعہ چچی کی تھی جو سردار چچا کو شکوہ کناں نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔وجاہت پھوپھا الگ خجالت سے بیٹھے تھے۔پورے سسرال کے سامنے عزت افزائی جو ہو رہی تھی۔

"دیکھو تو پھر شروع ہو گئی۔کب سے ٹر ٹر کیے جا رہی ہے کبھی لونگ کا رونا کبھی زن مریدی کا رونا۔میں کہہ دیتا ہوں باز آجا"۔غضنفر چچا کا میٹر ہر دو منٹ بعد گھوم جاتا تھا۔حالانکہ پتا بھی تھا یہ پھڈا آج کے دن انہیں ہی مہنگا پڑے گا۔دو گھنٹے بعد بارات کو نکلنا ہے اب اس طرح پھولے منہ سے وہ اگر ساتھ چل بھی پڑیں گی تو پورے خاندان اور ان کے سسرال

کے سوالوں کے جواب کون دے گا اور ان کی وہ خرانٹ ساس جو سب کے دانت گنے بغیر چین سے نہیں بیٹھتیں۔ پر نہیں سینگ ضرور پھنسانے ہیں۔

"کیوں آجاؤں باز میں؟ تیرا دیا کھاتی ہوں۔ کم ہے یا زیادہ اپنے میاں کی روٹی کھاتی ہوں۔ تجھ سے تو کبھی اتنا نہ ہوا بہن کو عید بقرہ عید پر جوڑا ہی خرید کر دے دے"۔ استغفراللہ۔ پھوپھو بھی نا ویسے دبا کے جھوٹ بولتی ہیں۔ ابھی عید میں تین ہفتے باقی تھے اور دادی سمیت سب بھائی الگ الگ جا کر عیدی دے آئے تھے۔ ہر سال بقرہ عید پہ دادی دونوں بیٹیوں کو ایک ایک ران بھجواتی تھیں۔ رضیہ پھوپھو نے تو کبھی مین میکھ نہیں نکالی پر دردانہ پھوپھو کا موڈ ہمیشہ ہی خراب ہو جاتا۔ اب اسی روٹھنے منانے میں پھوپھو کی خواہش پہ غضنفر چچا نے گائے کے ایک حصے کے پیسے پکڑا دیے تھے

"دردانہ اللہ کو مان بیٹی۔ تو نے گائے میں حصہ ڈالا تو غضنفر نے ہی وہ پیسے دیے تھے"۔ غضنفر چچا بولنے ہی والے تھے کہ دادی نے کہہ دیا۔ وہ ہونٹ بھینچے خاموش بیٹھے رہے پر بڑی جتاتی نظروں سے پھوپھو کی طرف دیکھا کہ اب تو اونٹ پہاڑ کے نیچے آ ہی گیا سمجھو، پر یہیں وہ کھا گئے مات۔ انہیں پھوپھو کی جری صلاحیتوں کا دراصل ٹھیک سے علم ہی نہ تھا۔

"ہاں تو کیا احسان کر دیا۔ بھائی تو پوری گائے بہنوں کو عید پہ دے دیتے ہیں۔ میرے پڑوس میں ہے نا شکیلہ۔ اس کا بھائی دبئی میں ہوتا ہے۔ اس بار ونٹ بھیج رہا ہے اسے"۔ اب اتنی چھینکی میں سمیٹ کر بھی کیا کر لوں گی۔ کم بختوں نے بسنت پہ تو پابندی گا دی ورنہ ایک ڈور کی چرخی ابھی گھر سے نکل آتی۔ تنا کس کے جھوٹ بولا تھا پھوپھو نے کسی کو یقین آنا تو ور کی بات سب ہنسی چھپانے کو کونا تلاش کرنے لگے ۔اب جس شکیلہ اور اس کے اونٹ والے بھائی کا قصہ ھوپھو آج سنا رہی ہیں پچھلے دس سال سے اسی بھائی کے قصائی پن کے قصے ہم پھوپھو کی زبانی بار ہا سن چکے ہیں کہ وہ موصوف بہن کے گھر اونٹ بھیجنا تو دور ی بات ماں کو زیرہ بھی نہیں بھیجتے۔

"آکھوں"۔ ہم نے پھر یہاں وہاں منہ چھپا کر تھوڑا سا ہنس لیا کہ چلو کچھ تو سکون مل جائے پر بے چارے وجاہت پھوپھا تو سیدھے پھوپھو کے نشانے پہ تھے۔ ان کی شعلہ باز نگاہوں سے کہاں بچتے۔ ہنسی کو بریک لگانے کے چکروں میں کھانسی آ گئی۔

"ہائے تمہیں کیا ہوا؟ بڑی بے وقت کھانسی آ رہی ہے"۔ پھوپھو چہک کر بولیں۔

"نہیں وہ میں کہہ رہا تھا بہت دیر ہو گئی ایک کپ چائے کا مل جاتا تو۔۔۔" پھوپھا بھی بڑی چالو چیز ہیں۔ اس سنگین صورت حال میں بھی یاد رہی تو چائے۔

"ارے ہم بدنصیبوں کو چائے کون پوچھے گا۔ یہاں تو بس نوٹوں والوں کی خاطریں ہوتی ہیں۔ پتا بھی ہے میرے میاں کو ہر ایک گھنٹے بعد چائے کی طلب ہوتی ہے لیکن نہیں۔ اب یہ کون سے پشتارے باندھ کر لاتا ہے جو اس کی خاطر ہو گی"۔ لو جی لپیٹ لیا رضیہ پھوپھو کے میاں کو بھی۔ احتشام پھوپھا کی عادت تھی سسرال کبھی خالی ہاتھ نہیں آتے تھے تو بس ان کی خاطر مدارت بھی اسی حساب سے کی جاتی پر اللہ کی پناہ وجاہت پھوپھا کی چائے کا طعنہ مجھے بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔ صبح سے چار بار تو میں معصوم اپنے نازک ہاتھوں سے چائے بنا کر دے چکی تھی۔ پھوپھو ویسے اتنی غلط بیانی اچھی نہیں ہوتی اللہ کو حساب بھی دینا ہوتا ہے۔

"رابعہ جاؤ وجاہت کے لیے چائے بناؤ"۔ دادی نے لڑائی کا رخ لونگ سے ٹرانسفر ہو کر چائے پہ آتے دیکھا تو فوراً ہی جھگڑا نبٹانے کو رابعہ چچی کو آرڈر دیا۔

"میں بنانے ہی والی تھی امی! بس آپا کی لونگ ڈھونڈنے لگ گئی تو۔۔۔" چچی بے چاری کے بس منہ میں ہی تھی بات اور پھوپھو کو آ گیا یاد ایک بار پھر اپنا لونگ۔

"وہ نہیں ملنے کا ایسے۔" لو ہو گئی پھر وہی کہانی شروع۔ سب کچھ ایک بار پھر دہرایا جائے گا۔

"چھوڑ دو بس اب یہ ڈرامے، یہ جھاڑو لگا لگا کر مجھے مطمئن کرنے کی کوشش مت کرو۔ خود ہی چرا کر اب خود ہی ڈھونڈنے کے فریب کر رہے ہیں سب"

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

۔ رضیہ پھوپھو سامنے سے جھاڑو تھامے آرہی تھیں
بے چاری، دردانہ پھوپھو نے انہیں بھی سنا ڈالی۔ وہ
پھوپھو کی طبیعت سے واقف تھیں ان کی بات کو نظر
انداز کرتی دوسرے کمرے میں جا گھسیں۔

"ارے خان صاحب تم کیا منہ سی کر بیٹھے ہو
کچھ کہتے کیوں نہیں"۔ وہاں سے جواب نہ آیا تو کرسی
پہ اونگھتے وجاہت پھوپھا (جو اکثر ایسے موقعوں میں
نا جانے کیسے سو جاتے تھے) کو ٹہوکا مارا۔

"مجھے کیا بولنا تھا؟" وہ ایکدم ہڑبڑا کر اٹھے۔

"اچھا یہاں سب کے سامنے کیا بولنا تھا۔
وہاں گھر پہ تو قینچی کی طرح زبان چلتی ہے۔ ایک یہ سو
سناتے ہو یہاں گونگے کا گڑ منہ میں ڈال کر بیٹھے
ہو سب کے سامنے"۔ پھوپھا کا تو وہ حال آ دردانہ مجھے
مار۔ سن کے ٹھنڈ پڑ گئی نا۔

"نہیں تم بات کر تو رہی تھیں اب میں کیا کہوں"
۔ وہ کچھ شرمندہ سے ہوئے۔

"ہاں! تم کیا کہو۔ یہ جو سب کے سامنے میسنے
بن کے بیٹھے ہیں نا۔۔ اگر لونگ نہ ملی تو ساری زندگی
مجھے طعنے ماریں گے۔ بھائی کی شادی پہ گئی ہیروں کا
لونگ گما آئی"۔ اس عزت افزائی پہ پھوپھا تو ہمیشہ کی
طرح آئیں بائیں شائیں کرنے لگے پر مردِ مومن
مردِ حق ہمارے پیارے غضنفر چچا کے سینگ پھنسنے کو
بے قرار آ گئے درمیان میں۔

"دیکھ دردانہ میرا دماغ پہلے ہی گرم ہو رہا ہے
خواہ مخواہ بات بڑھانے کی ضرورت نہیں۔ میری
شادی پہ یہ جو ہنگامہ کر رہی ہے نا تو، دیکھنا تیرے
بچوں کی شادی پہ بھی ایسا ہی فساد ڈالوں گا۔ میں لکھ
کے رکھ لے۔" دادی نے ہاتھ دبا کر روکنا چاہا۔ آپ
بھی حد کرتے ہیں ویسے چچا۔ اور کچھ نہیں اپنے دولہا
ہونے کا ہی احساس کر کے خاموش ہو جائیں۔
پھوپھو کب تک اکیلی بول سکتی ہیں۔

"بات تو بڑھ چکی غضنفر۔ میں کہے دیتی ہوں آج
کے آج میرا لونگ نہ ملا تو زندگی بھر اس گھر میں پیر نہیں
ڈالوں گی۔" لو جی دھمکی کی اسٹین گن پھر نکل آئی۔

"اچھا تو مت آنا۔ جب بھی آتی ہے کوئی نہ
کوئی مسئلہ لے کر ہی آتی ہے۔ شادی کا گھر پولیس
چوکی ہو گیا قسم سے"۔ غضنفر چچا نے بھی ہاتھ جوڑے۔
ابا نے کچھ کہنا چاہا پر اماں نے آنکھ کے اشارے سے
منع کر دیا۔ ویسے کسی نے دیکھا نہیں پر میری عقابی
نظریں سب کچھ تاڑ لیتی ہیں۔ اماں بھی خوب ہیں
ہماری اب مفت کا شو کسے برا لگتا۔

"یہ دیکھو کیسے دل کی باتیں زبان پر آرہی ہیں۔
یہ تھا اس کے دل میں کب سے جو نکل آیا۔ بہن کو
کیوں برداشت کرے گا۔" پھوپھو تلملا کر اٹھیں۔

"اٹھو جی۔ ابھی کے ابھی رکشا لے کر آؤ۔" ڈیڑھ
پسلی پھوپھا کو بازو سے گھسیٹ کر کرسی سے اٹھایا۔

"اس کا یہ مطلب نہیں تھا میری بچی"۔ دادی بنا
چپل پیچھے بھاگیں۔

"سارے مطلب سمجھ آ رہے ہیں مجھے امی! اب تم
نے بیٹے کی حمایت نہیں کرنی تو اور کس نے کرنی ہے
۔ چلو جاؤ جی رکشا لے کر آؤ"۔ دادی کا ہاتھ جھٹک کر
انہوں نے پھوپھا کو دھکا مارا۔ دادی نے آنکھوں ہی
آنکھوں میں اشارہ کیا جسے وجاہت پھوپھا فوراً ہی
سمجھ گئے۔

"وہ میں کہہ رہا تھا رابعہ چائے بنا رہی تھیں"۔
وہ کھسیانے ہو کر دوبارہ بیٹھ گئے۔

"چائے کی پڑی ہے بس یہاں میری عزت
کا فالودہ ہو رہا ہے اس کا کچھ خیال نہیں"۔ دھپ
سے واپس چارپائی پہ بیٹھتے انہوں نے یہ بڑی سی
گھوری ڈالی پر پھوپھا جی چائے کے سرور میں
تھے۔ آئی گئی کر گئے۔

"رابعہ بیٹا لے آ جلدی سے چائے وجاہت
کے لیے"۔ دادی نے طوفان تھمتے دیکھ کر سکون
کا سانس لیا اور پاس آ بیٹھیں۔

"جلدی کا ہے کو آئے گی بھئی۔ چائے نہیں
پائے بنا رہی ہیں آپ کی لاڈلی بہو۔ سوچتی ہو گی
طلب ہی ختم ہو جائے"۔ لو جی ایک اور سن لو۔ رابعہ
چچی چائے کی ٹرے تھامے منہ لٹکائے باہر آ گئیں۔

سب نے اپنی اپنی پیالی اٹھائی ٹرے پھوپھو کے آگے کی تو انہوں نے منہ پرے کر کے اپنا کپ اٹھالیا۔ اللہ جانے شاید انہیں شک تھا جو رابعہ چچی کو دیکھ کر کپ اٹھایا تو کہیں پتھر کی نہ ہو جائیں۔

"چل اب رونا چھوڑ چائے پی اور ذرا تحمل سے سوچ لونگ کہاں گر سکتا ہے"۔ اماں نے پیٹھ تھپکتے تسلی دی۔

"رہنے دو بس میرا دل بھر گیا۔ پورے سات ہیرے جڑے تھے بھابھی! آپ نے تو دیکھا تھا نا کیسا چوڑا چمک دار تھا"۔ اماں کا ہاتھ پکڑے وہ پھر لونگ کہانی لے کر بیٹھ گئیں۔

"ہاں ہاں مجھے یاد ہے"۔ انہوں نے سر ہلایا۔

"پیچ خراب ہو گیا تھا اس کا ان سے کب سے کہہ رہی تھی مجھے صرافہ بازار لے جاؤ لیکن اس بندہ خدا نے بھی میری ایک نہ سنی"۔ سر جھٹکتے وہ اپنی درد بھری داستان سنانے لگیں جس کے سب سے بڑے ولن پھوپھا وجاہت تھے۔

"اس دن بولا تھا تو چلتے ہیں تم نے کہا شادی کی شاپنگ کرنے اچھرے جاؤں گی تو میں وہاں لے گیا"۔ پھوپھا نے وضاحت تو دے دی پر دردانہ پھوپھو کے آگ لگ گئی۔

"شاپنگ کا طعنہ تو ایسے دے رہے ہو جیسے لبرٹی لے گئے تھے۔ میرے بھائی کی شادی تھی اب کیا چار جوڑے بھی نہ خریدتی"۔ پھوپھا منہ چائے کے کپ میں دیے چپ چاپ سنتے رہے۔

"دیکھا ہے نا آپ نے اس طرح ذلیل کرتے ہیں یہ مجھے۔ اب اگر لونگ نہ ملا تو ساری عمر اٹھتے بیٹھتے گنوائیں گے بھائی کی شادی میں گئی تھی ہیروں کا لونگ گما آئی"۔ کاش پھوپھا بے چارے کی اتنی ہمت ہوتی۔ مجھے یقین ہے میرے ساتھ یہ حسرت پھوپھا وجاہت کے دل میں بھی اٹھی ہوگی۔

"بات کر رہے ہیں وہ دردانہ، اسے طعنہ دینا نہیں کہتے میری بہن"۔ رضیہ پھوپھو آخری کمرے سے بھی جھاڑو لگا کر خالی ہاتھ نکل آئی تھیں۔

"باجی تم سے تو بھائی جان بھی آپ جناب سے کم بات نہیں کرتے۔ تم نے تو خوب رعب میں رکھا ہوا میاں کو۔ جہاں چاہو بٹھا دیتی ہو وہ چپ کر کے بیٹھ جاتے۔ تمہیں کیا پتا۔۔۔۔۔۔ طعنے ایسے ہی دبے جاتے ہیں"۔ لو جی آپ بھی سن لیں۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا ہر عورت کو دوسری عورت کا شوہر ہی کیوں آئیڈیل لگتا ہے۔ اس کے نزدیک دنیا کا سب سے برا، جابر اور سخت گیر انسان اس کا اپنا خاوند ہوتا ہے اور اس کے مقابلے میں اپنی بہن یا بھابھی تو کسی فرشتہ صفت نیک پروین ٹائپ انسان (اس کا مذکر آپ خود کر لیجیے گا کچھ تو ہوتا ہی ہوگا) کے ساتھ زندگی گزار رہی ہوتی ہے۔

"امی سارے گھر کی جھاڑو لگا لی کچھ بھی نہیں ملا بس اب صحن رہ گیا ہے۔ آپ لوگ اٹھیں تو میں یہاں بھی لگا دیتی ہوں"۔ رضیہ پھوپھو نے پہلے کی طرح اس بار بھی دردانہ پھوپھو کی ذاتیات کو جھاڑو میں اڑانے کی کوشش کی۔

"ملے گا بھی نہیں کسی کے ہاتھ لگ گیا۔ اتنا موٹا تھا اتنا موٹا۔۔۔ فرش پہ پڑا صاف نظر آ جاتا۔ اٹھالیا ہے کسی نے"۔ میں کہتی ہوں آخر یہ قصہ کیا لے دے کر ختم ہوگا۔ گھوم پھر کر رونا وہیں سے شروع ہو جاتا ہے۔

"حد ہو گئی آپا! کون اٹھائے گا بھلا سب گھر والے ہیں"۔ رابعہ چچی کا صبر بھی اب جواب دے چکا تھا۔

"مجھے کیا پتا کس نے اٹھایا۔ منحوس مارے ایک سے بڑھ کر ایک چور ہیں اس گھر میں"۔ لو سن لو۔ آ گیا چین سب کو چور بن کر۔

"بیٹا رضیہ! یہاں سے اٹھ کر اب سب کہاں جائیں گے۔ لگا لے جھاڑو ہاتھ نیچا کر کے۔ اللہ کرے بس دردانہ کا لونگ مل جائے میں دو نفل شکرانے کے ادا کروں گی"۔ پھوپھو کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے دادی نے رضیہ پھوپھو کو سمجھاتے ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ سب نے مشترکہ آمین کہا۔

"آمین"۔ سب سے اونچی آواز دردانہ پھوپھو کی تھی۔

"جی امی میں لگا لیتی ہوں"۔ رضیہ پھوپھو نے

میں پکڑا پھول جھاڑو صحن میں لگانا شروع کر دیا۔
"دردانہ ذرا جوتی اتار کر پاؤں اوپر کر لے میں
پائی کے نیچے سے بھی ہاتھ مارلوں"۔ سارے صحن میں
ولگا کر پھوپھو اب اس جگہ آ گئیں جہاں چارپائی بچھی
۔ اماں اور دادی تو پاؤں اوپر کیے بیٹھی تھی۔ رضیہ پھوپھو
بات پہ دردانہ پھوپھو نے منہ بگاڑا اور بجائے جوتا اتار
پاؤں اوپر کرنے کے جوتے سمیت اپنے پاؤں سیدھے
ھے اونچے کر لیے کچھ اس طرح کہ ان کی جوتی کے
وں کا رخ سیدھا میزی طرف تھا۔
"امی۔۔۔ پھوپھو۔۔۔ یہ پھوپھو کی جوتی کے
ے کیا ہے"۔ سیاہ اسفنج کے تلوے میں کچھ چمک رہا
۔ میں ایک دم چلائی۔ پھوپھو سمیت سب کا دھیان
ساتھ دردانہ پھوپھو کی چپل پہ گیا۔
"ہائے میرے اللہ یہ تو میرا لونگ ہے"۔ چپل
ر کر ہاتھ میں پکڑے پھوپھو نے نعرہ لگایا۔ جسے
را گھر پاگلوں کی طرح ڈھونڈ رہا تھا۔ جس کی خاطر
گھنٹے سے ہر شخص چور ڈاکو بن چکا تھا اور جس کی وجہ
ے پھوپھو بس اب شادی سے واک آؤٹ کرنے
والی تھیں، ان کا وہ ہیرے کا لونگ ناک سے نکل
انہی کی چپل کے تلوے میں چبھ گیا تھا۔
"یا اللہ تیرا لاکھ شکر ہے ہم سرخرو ہوئے"۔
ں بیٹھی دادی نے دوپٹا پھیلا کر اللہ کا شکر ادا کیا اور
ر بھاگیں شکرانے کے نفل پڑھنے۔
"لو بھلا سارے جہان میں ڈھونڈ رہی تھی اپنی
جوتی میں پھنسا تھا"۔ اماں نے پاس بیٹھی پھوپھو
ں کمر پہ ایک دھپ لگائی تو وہ کھسیانی سی ہو گئیں۔
"یہ دیکھو میں نے کہا تھا نا پورے سات ہیرے
ں۔" لونگ کو چپل سے نکالنے کی زحمت بھی نہ کی تھی۔
اب بھی بڑی شان سے تلوے میں ٹمٹما رہا تھا جبکہ
وپھو وہاں موجود ایک ایک شخص کو جوتا دکھا رہی تھیں۔
"یہ دیکھ غضنفر میرے بھائی"۔ لو اچانک چچا چور
ے بھائی ہو گئے تھے۔ پھوپھو سا بھی کوئی رنگ کیا
لتا ہوگا۔
"آپا مبارک ہو آپ کو بہت"۔ غضنفر چچا آپ
بھی؟ ویسے دونوں ابھی کیسے زبانی کلامی دست و گریباں
ہو رہے تھے اب اچانک وہ دردانہ سے آپا ہو گئیں۔
"ہائے خیر مبارک۔" دردانہ پھوپھو کی خوشی جب
برداشت سے باہر ہوتی تو وہ ایسی ہی باتیں کرتی تھیں۔
"شکر ہے اللہ کا میرا ہیرے کا لونگ مل گیا۔ یہ
دیکھو خان صاحب جوتی کے تلوے میں پھنسا تھا"۔ پھوپھو
کی چپل اونگھتے ہوئے وجاہت پھوپھا کی ناک کے
عین نیچے تھی۔
"دیکھو"۔ پھوپھا بے چارے پھٹی پھٹی آنکھوں
سے کبھی چپل کا تلوا تو کبھی پھوپھو کی ہزاروات مسکراہٹ
دیکھ رہے تھے۔ مبارک سلامت کے بعد بہر حال
پھوپھو سمیت سب نے سکون کا سانس لیا۔ مجھے بھی
خوب داد ملی جو اس کا لک ملی آنکھ سے خزانہ ڈھونڈ لیا۔
بہر حال وقت کم تھا اور مقابلہ سخت کیونکہ اب تو مہمانوں
کی آمد بھی ہونے ہی والی تھی۔
کیوں بھول گئے کیا؟ بتایا تو تھا آج غضنفر چچا کی
شادی ہے۔ پھوپھو کا لونگ ڈھونڈو مہم سے پہلے سب کو
بارات وقت پہ لے کر جانے کی جلدی مچی تھی۔ ایک
ایک کر کے سب نے اٹھنے کی تو میں بھی ہنستے مسکراتے
خوشی خوشی اپنا منہ دھونے باتھ روم کی طرف بڑھی۔
"ارے بھئی اس خوشی میں تو ایک چائے کی پیالی
پلوا دو۔ بڑی طلب ہو رہی ہے"۔ پھوپھا کی دبی دبی
فرمائش میرے کانوں تک پہنچی۔
"کنگلوں کا میکا ہے میرا۔ سب کو معلوم ہے
میرے میاں کو ہر گھنٹے بعد چائے چاہیے ہوتی ہے
لیکن مجال ہے جو کسی کو توفیق ہو۔ خود ہی بے شرموں
کی طرح مانگنا پڑتا ہے۔ ورنہ بیٹھے رہو سوکھے منہ"۔
ارے باپ رے، دردانہ پھوپھو آپ نہیں بدل سکتیں
لیکن آپس کی بات ہے سچ تو یہ ہے اگر پھوپھو بدل
گئیں نا تو ہمارے شادی بیاہ کی تقریب پھیکی پھیکی
ہو جائے گی۔ کیوں مانتے ہیں نا آپ بھی؟

☆☆

www.paksociety.com
عابدہ احمد
ناولٹ
Downloaded From
paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

کالج کی سنگ مرمر سے بنی سیڑھیوں پہ وہ اس سے کچھ فاصلے پہ بیٹھا تھا۔ وہ ایک سیڑھی اوپر تھی۔ وہ اس کے کندھوں پہ بچے گھنے سیاہ بالوں کو اور وہ ناک کی سیدھ میں دیکھ رہی تھی۔ کالج تقریباً" سارا خالی ہو چکا تھا۔ آج اس نے اسے اصرار کر کے روک لیا تھا۔ وہ کچھ بات کرنا چاہتا تھا اور اب پچھلے دس منٹوں سے وہ بالکل خاموش بیٹھا تھا۔

"شاہ خاور! اب کچھ بولو گے بھی یا یونہی صم بکم بیٹھے رہو گے؟" وہ اب شاید اکتا چکی تھی۔ بار بار ہاتھ پہ بندھی گھڑی دیکھتی۔ اسے دیر ہو جانی یقینی تھی۔

"بس دس منٹ میں ہی صبر ختم ہو گیا تمہارا۔" وہ اپنی گردن ذرا سی موڑ کر استہزائیہ ہنسا تھا۔ "ساری عمر کیسے گزارو گی؟" جھک کر اپنے پیروں کے پاس پڑے چھوٹے چھوٹے سنگریزوں میں سے ایک اٹھایا اور دور ہوا میں اچھال دیا۔

"بکومت میں دیر ہو جانے کی وجہ سے کہہ رہی ہوں۔ میری بس نکل جانی ہے اور گھر میں جو دھما چوکڑی آج کل مچی ہے اس کا بھی تمہیں باخوبی اندازہ ہے۔" اپنا جرنل اس کے کندھوں کے بیچ دھپ سے مارتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"او ہاں! تمہاری سنگت میں مجھے پتا ہی نہیں چلا ٹائم گزرنے کا۔" اپنے موبائل پہ ٹائم دیکھ کر وہ بولا تھا ....

"واہ سنگت ... یہ بھی خوب کہی ... پچھلے دس منٹ سے ایک چپ سو سکھ کی مثال بنے بیٹھے ہو مجال ہے جو اگر ایک بات بھی کی ہو۔" وہ چپ تھی اور اٹھ کھڑی ہوئی، وہ بھی اس کی تقلید میں ہنستا ہوا اٹھا تھا۔

"چچ ... بہت خشک ہو تم ادبی رومینس کو محسوس کرنے والی ایک بھی حس نہیں تم میں۔" اپنی پینٹ جھاڑتے ہوئے وہ بولا تھا۔

"ویسے یہ ادبی رومینس کیا بلا ہے؟" وہ اس کی طرف ذرا سا جھک کر رازدارانہ لہجے میں بولی تھی۔

"ادبی رومینس اور تمہارے بالی ووڈ کے اچھلتے کودتے رومینس میں بڑا فرق ہے ... ایک دوسرے کے ساتھ کو خاموشی سے محسوس کرنا تم بولی ووڈ نسل کیا جانو؟" اپنی طرف سے اس نے اسے بھگو کر ماری تھی اس نے کچھ اٹھا کر اپنا بھاری جرنل زور سے اس کے بازو پہ مارا تھا۔

"سی ..." وہ فوراً" اپنا بازو ملنے لگا۔

"چلو ڈرامے بند کرو اور مجھے بس اسٹاپ تک ڈراپ کرواب ..." اس نے اسے جرنل سے آگے کی طرف دھکیلا۔

"لیکن میری بات ..." وہ کراہا تھا۔

"چلو، چلو بات راستے میں کر لیں گے منگیتر صاحب۔" وہ یونہی اسے دھکیلتی آگے بڑھنے لگی۔

"اب تو شوہر نامدار بننے والا ہوں تمہارا کچھ دنوں میں" وہ اس کی طرف مڑ کر دیکھتے ہوئے شوخ ہوا تھا۔ ایک اور جرنل پڑا تھا۔ وہ مصنوعی دوہائیاں دیتا اس کے آگے آگے چلنے لگا۔

☆ ☆ ☆

وہ گھر میں داخل ہوئی تو آگے ساری دھما چوکڑی جمع تھی سب کزنز لڑکے اور لڑکیاں بڑے سے صحن میں جگہ جگہ بکھرے ٹولیوں کی شکل میں بیٹھے تھے۔ امی، مامی اور چاچیاں علیحدہ گروپ بنا کر بڑے سے تخت پہ براجمان تھیں اسے خراماں خراماں آتے دیکھ کر سب نے نعرہ مستانہ بلند کیا تھا وہ چلتے چلتے رکی تھی اور بڑی ادا سے کانوں پہ ہاتھ رکھے تھے جیسے شور ناگوار گزرا ہو۔

"اوائیں دیکھو لیڈی ڈیانا کی" یہ آواز اس کی یار غار صباحت کی تھی۔ اس نے ایک کندھا بڑی ادا سے اچکایا تھا اور کسی شہزادی کی آن بان سے چلتی امی کے پاس آکر کھڑی ہوئی۔

"انداز دیکھو ریما باجی کے۔" امی نے دانت کچکچا کر اسے فلم اسٹار ریما سے ملایا تھا۔ "چھوڑیں نا آپا اب اس کی شادی ہونے والی ہے۔ تھوڑے دن کی مہمان ہے۔" مامی فوراً" اس کی مدد کو آئی تھیں۔

"نا سلام نہ دعا اٹھلا اٹھلا کر چلتی آرہی ہیں محترمہ۔" امی دوبارہ سے غصہ ہو رہی تھیں۔

"السلام علیکم۔" اس نے ٹھنک کر لٹھ ماری تھی۔

"وعلیکم السلام۔" سوائے امی کے مامی اور سب چاچیوں کا مشترکہ جواب آیا تھا۔

"اب جواب بھی دے دیں۔ مجھے تو اخلاقیات پہ گھنٹوں لیکچر پلایا جاتا ہے اور خود..." امی کا اس کے سلام کا جواب نہ دینا اسے ناگوار گزرا تھا۔

"میں کہتی ہوں لڑکی سدھر جا... سوائے شکل کے اور کوئی گن نہیں تجھ میں... یہ سب ڈرامے نا تمہارے سسرال میں نہیں چلنے پتا بھی ہے انجان لوگ ہیں ایک تو تمہاری ساس کا نخرا ہی الامان اوپر سے تمہارا ہونے والا شوہر! اسے یہ سب میراثیوں والی حرکتیں بالکل پسند نہیں اپنے سر میں تو کھیہ ڈلوائے گی ہے میرا بھی سر اپنے باپ سے گنجا کروائے گی کہ یہ تربیت کی ہے میں نے۔" امی کا لمبا لیکچر وہ منہ بنا بنا کر سن رہی تھی۔ مامی نے کھینچ کر اسے اپنی گود میں گھسالیا۔

"فکر نہ کریں آپ کے ہونے والے داماد کے دماغ کی بتی پوری طرح روشن ہے۔ وہ ان سب باتوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ بلکہ اسے تو میں ایسے ہی پسند ہوں۔" مامی کی گود سے سر نکال کر ہاتھ نچا کر کسی سوکن کی طرح اس نے اپنی بھڑاس نکالی تھی۔

"ٹھہر جا تو۔" امی پنکھے والا ہاتھ اوپر اٹھائے اسے ڈرانے کو آگے کو ہوئی تھیں اور وہ چھلانگ لگا کر اس تخت سے کچھ فاصلے پہ رکھی ایک چارپائی پہ بیٹھی اپنی کزنز میں جا گھسی تھی۔ پتا تھا امی کے جوڑ ہی انہیں سب سے پہلے دغا دے جاتے تھے اس معاملے میں... امی مسلسل بڑبڑا رہی تھیں اور وہ ٹانگیں جھلاتی اپنے جہیز کے کپڑے ٹانکتی، صباحت کے اوپر گری جا رہی تھی۔

"پراں مر جا کر... اتنی گرمی ہے اوپر سے تو چپک رہی ہے۔" صباحت نے مصنوعی غصے سے اسے پرے دھکیلا تھا۔

"ادھر آجاؤ سندس لان... میں حاضر ہوں۔" یہ آواز اس کی مایوں کے لیے کرسی سجاتے فیضان کی تھی وہ اسے ہمیشہ سندس لان ہی کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔

"بدتمیز۔" اس نے اپنا جوگر ایک پاؤں سے اتار کر اس کی طرف اچھالا تھا جسے بڑے مزے سے کیچ کیے وہ ہنس رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"تائی امی... تائی امی۔" کچن میں مٹھائی کے ٹوکرے سنبھالتی ریاست بیگم کے کانوں میں صباحت کی پکار مسلسل پڑ رہی تھی۔

"آئے ہائے باولی... کیوں چلا رہی ہے؟" وہ اپنی کمر پہ ہاتھ جمائے ہائے وائے کرتی وہاں پہنچی تھیں۔ جہاں صباحت لاؤنج میں رکھا ٹیلی فون پکڑے کھڑی تھی۔

"صائقہ آنٹی کا فون ہے۔" اس نے جھاڑ پڑنے پہ منہ بنا کر انہیں مطلع کیا تھا۔

"ہے ہے پہلے بتانا تھا نا... اس وقت سے چلا رہی ہو... کام کی بات اب بتا رہی ہو۔" ابھی ان کی تشفی نہیں ہوئی تھی اس لیے اسے رگیدتے ہوئے ٹیلی فون اس کے ہاتھ سے لیا۔

"کمال ہے بھئی... خود کسی کی سنیں نا اور الزام دوسرے بندے پہ۔" وہ بڑبڑائی تھی اور وہاں سے ہٹ گئی۔

"جی آپا! سنائیں سب خیریت تو ہے نا۔" سلام دعا کے بعد دل میں کھٹکتا سوال نوک زبان پہ آیا تھا۔ مایوں والے دن یوں ان کا کال کرنا... یا اللہ خیر ہی ہو۔ دل سے نکلتی دعائیں۔

"ہاں بھئی! خیر ہی ہے تم سناؤ کہاں تک تیاری پہنچی تم لوگوں کی۔" دوسری طرف صائقہ بیگم کی نخوت سے پر آواز آئی تھی۔

"بس آپا! لگے ہوئے ہیں... کوئی نہ کوئی چیز رہ ہی جاتی ہے۔ اب سندس کو کچھ دیر میں مایوں بٹھانے والے ہیں، سب تیار ہے۔ بس لڑکیاں ٹائم تو لگاتی ہیں نا تو بس..." ریاست بیگم ذرا پزل سی ہو رہی تھیں انہیں اس کال کا مقصد ابھی تک سمجھ نہیں آیا تھا۔ جتنا وہ اپنی سمدھن کو سمجھی تھیں تو وہ کسی سے کوئی بات بغیر مطلب کے ہرگز نہیں کرتی تھیں اور زیادہ تر تو وہ بات

کم اور دمہ کے زیادہ کرتی تھیں۔

"ہاں نا! بھول ہی گئی ہو گی تم۔۔۔ ورنہ میں بھی کہوں دن گزرا شام ڈھلی۔۔۔ رات سر پہ آکھڑی ہوئی ہے۔۔۔ خاور کی سسرال۔ سے کوئی اطلاع نہیں۔" جوں جوں یہ فون کال طویل پکڑ رہی تھی توں توں ان کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ یہ بلی تھیلے سے باہر کیوں نہیں نکل آتی۔

"آپا! میری کوڑھ مغزی معاف فرمائیں۔۔۔ میں سمجھی نہیں۔" بہت دماغ کے گھوڑے دوڑانے پہ بھی انہیں صائقہ بیگم کی بات خاک بھی پلے نہ پڑی تھی۔

"آئے لو بی! سامنے کی بات ہے۔ ہمارے یہاں تو لڑکی کی مایوں والے دن اس کے سسرال اس کا سامان پہنچ جاتا ہے تم لوگوں کے کیا رسم و رواج ہیں۔ مجھے ان کی جان کاری نہیں۔" بڑے بھولپن کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ ریاست بیگم کا دل دھک سے رہ گیا۔ جہیز تو دینا تھا گو کہ خاور نے سختی سے منع کیا تھا کہ اسے کوئی جہیز نہیں چاہیے لیکن پھر بھی موٹی موٹی تیاری تو کر رکھی تھی۔۔۔ جو کہ سندس کی رخصتی کے دن ہی اس کے ساتھ جانا تھا لیکن صائقہ بیگم کی تفتیش نما ڈیمانڈ نے انہیں چکرا کر رکھ دیا۔۔۔ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے یہ بڑی بیگم۔ اپنے دوپٹے سے چہرے پہ آیا نادیدہ پسینہ خشک کیا۔

"کیا ہوا؟ سو گئیں کیا؟" صائقہ بیگم کی ان کی حالت کا سوچ کر مزا لیتی آواز آئی تھی۔۔۔

نن۔۔۔ نہیں آپا! آپ فی۔۔۔ فکر نہ کریں رخصتی والے دن سارا سامان ساتھ کر دیں گے۔۔۔ ہمارا یہی رواج ہے۔" رک رک کر بولتی ریاست بیگم کی حالت پہ دوسری طرف صائقہ بیگم کو ہنسی آئے چلی جا رہی تھی۔

"چلو بھئی تم کر لو اپنی مرضی۔۔۔ ہم تو بڑے کھلے ذہن کے لوگ ہیں۔۔۔ تمہیں تو پتا ہی ہے اب ہمارے بھرے گھر میں کیا کسی مزید سامان کی گنجائش نکلتی ہے؟" انہوں نے ریاست بیگم سے رائے چاہی ان کا منہ کچھ کہنے کے لیے کھلنے ہی والا تھا کہ حسب معمول صائقہ بیگم ان کی سنے بغیر کہے جا رہی تھیں۔

"بھئی سولہ آنے کی بات تو یہ ہے کہ ماں باپ اپنی بیٹی کو کیا کیا نہیں دے کر بھیجتے۔۔۔ ظاہر ہے اسی کے لیے۔۔۔ تاکہ اسے تنگی نہ پڑے کیوں ٹھیک کہا نا؟" اب کے ان کی تائید درکار تھی اس لیے وقفہ بنتا تھا۔

"جی۔۔۔ جی آپا!" ریاست بیگم کا ذہن ماؤف ہو چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

"بات سنیں شفیق صاحب!" رات کے کھانے کے بعد چائے کی چسکیاں لیتے اور موٹی سی کتاب میں محو شفیق صاحب کو ریاست بیگم نے پکارا تھا۔

"جی جناب!" مسکراتے ہوئے کتاب کے درمیان ہاتھ رکھ کر اسے بند کیا۔

"وہ آج سندس کی ساس کا فون آیا تھا۔ باتوں ہی باتوں میں جہیز کا پوچھ رہی تھیں۔" ریاست بیگم اپنی الجھن ان سے شیئر کرنے لگیں۔

"اچھا لیکن خاور میاں نے تو سختی سے منع کیا ہے کچھ بھی دینے کو۔" شفیق صاحب کو خاصا اچنبھا ہوا تھا یہ سن کر۔

"خاور تو بچہ ہے کل کا' اسے کیا پتا اس معاشرے کی چلن کا' اس نے کہا آپ نے مان لیا۔ کتنا کہا آپ کو کہ دینے دیں جہیز کوئی کمی تھوڑی ہے ایک ہی بیٹی ہے۔" ریاست بیگم کو افسوس ہو رہا تھا۔ اپنی سمدھن کی نیچر جانتے ہوئے بھی انہوں نے شوہر کے کہنے میں آکر کوئی خاص تیاری نہیں کی تھی۔ بس زیور اور کپڑے ہی لیے تھے۔

"ہوں۔" ان کا انداز سوچتا ہوا سا تھا۔ "تو اس میں کیا مسئلہ ہے؟ سندس کو میں تو ویسے بھی اس کے حصے کا کیش دینے والا تھا۔" دھیمے لہجے میں کہتے ہوئے جیسے انہوں نے انکشاف کیا تھا۔

"یہ بھی خوب رہی! میں یہاں سندس کے سسرالیوں کے الٹے سیدھے سوال و جواب سیشن میں الجھی ہوں اور آپ مزے سے اتنی بڑی بات خود تک رکھے ہوئے ہیں۔" بے ساختہ سا شکوہ ان کے لبوں

سے نکلا تھا۔

"ہاہاہا!" وہ دل کھول کر ہنسے تھے ان کے انداز پہ۔ "ایسی کوئی بات نہیں عزیزہ محترمہ! آپ نے زیور وغیرہ تو تیار کر رکھا تھا۔ تو میں نے سوچا خاور میاں کو جہیز کی چاہ نہیں لیکن ہمیں تو اپنی بیٹی کی آسانی کی چاہ ہے نا! تو بس میں اسے شادی والے دن کیش ہی دینے والا تھا۔" انہوں نے تفصیل سے جواب دیا کہ شاید بیگم کی تشفی ہو۔ جو سامنے بیڈ پہ بیٹھی مسلسل تیکھے چتون سے انہیں دیکھے جا رہی تھیں۔

"اچھا تو چھپایا کیوں مجھ سے؟" دوسرا شکوہ آیا تھا۔

"بھئی آپ کو بتانے کا مطلب پوری دنیا کو خبر کرا دینا تھا وقت سے پہلے۔" شرارتی انداز میں انہیں دیکھتے ہوئے وہ بولے تھے۔

"اچھا تو میں کیا لاؤڈ اسپیکر میں اعلان کرا دیتی؟" ان کے شکووں کا لمبا سلسلہ چلنے والا تھا۔

"بھئی عورتوں کی عادتوں کا کسے پتا نہیں۔ کسی اور کو نہ بتانے کا وعدہ لے کر ایک سے دوسری' دوسری سے پانچویں اور پھر تو 'کیا بی بی سی کو ٹیک سروس دیتا ہوگا جو آپ کی زبانیں دیتی ہیں۔" اب ان کے غصے سے بھرپور حظ اٹھا رہے تھے انہیں گھورتی ریاست بیگم بھی ان کی آخری بات پہ مسکرا دی تھیں۔

✵ ✵ ✵

"امی! آخر آپ کو کیا ضرورت تھی جہیز کی ڈیمانڈ کرنے کی جب میں خود منع کر چکا ہوں تو پھر" خاور بھرا بیٹھا تھا جب سے سندس کی کال آئی تھی۔ اپنی دکان چھوڑ چھاڑ بھاگا آیا تھا۔ گھر میں دونوں بہنیں' بمع بہنوئی اور اپنے دو دو بچوں کے موجود تھیں۔ مبشر صاحب (والد) بھی ہمیشہ کی طرح نہ تین میں نہ تیرہ میں کی عملی تفسیر بنے خاموش بیٹھے تھے۔

"بھیا! تم تو ہو باولوں کے علامہ... میرا ابھی دماغ سٹھیا نہیں۔ حد ہے۔ بھیجے نے منع کیا' ریاست بی بی اپنی لڑکی کو ڈو ڈو کرتی خالی بھیجنے کو تیار... ایسا کہاں ہوتا ہے؟" وہ بھی اس کی ماں تھیں ہاتھ نچا کر بولیں۔

"ایسا یہاں ہوتا ہے نئے سامان کا اتنا شوق اٹھ رہا آپ کو تو کہیں شام سے پہلے آجائے گا۔ لیکن میری بیوی اور اس کے گھر والوں کو بخش دیں آپ۔" خاور بہت چڑ کر بولا تھا۔

"ارے تمہارا تو باوا آدم ہی نرالا ہے... ساری دنیا جہیز لیتی اور دیتی ہے پوچھو اپنے بہنوئیوں سے کیسے منہ بھر بھر ان کی ماں اور بہنوں نے فرمائشی پروگرام نشر کیے تھے" صائقہ بیگم نے کاندھوں کے بیچ گردن دیے بیٹھے دونوں دامادوں کو رگیدا تھا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ جز بز ہوئے تھے... ساس کی زبان کا کوئی وار آج تک خالی کہاں گیا تھا جواب جاتا۔ دونوں کے منہ بن چکے تھے۔ بھگتنا بیویوں نے تھا۔

"یہ امی بھی نا! کبھی لحاظ نہیں کرتیں۔" سائرہ نے شمائلہ آپا کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

"چلو چھوڑو یار! سندس کے ہی کام آئے گا ویسے بھی یہ عورتوں کی باتیں ہیں' ہمیں کیا لینا دینا جیسے چاہے کریں۔" یہ آواز بڑے بھائی مدثر میاں کی تھی۔

"جی نہیں... یہ مردوں کے ہی کام ہیں۔ پتا نہیں آپ لوگوں نے عورتوں کو کیوں آگے کر رکھا ہے' ان معاملات میں... اسی لیے فیل مچاتی ہیں۔" اپنی جیب سے وائبریٹ کرتا موبائل نکالتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

سندس کے کزن شہزاد کی کال تھی... وہ ایکسکیوز کرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"کس کا فون ہے۔" اسے اٹھتے دیکھ کر صائقہ بیگم نے تیز آواز میں پوچھا تھا۔ وہ کوئی جواب دیے بنا باہر نکل گیا۔

"دیکھا' دیکھا کتنا بدلحاظ ہو چکا ہے بیوی ابھی آئی نہیں اور اس کی آنکھیں ماتھے پہ جا چڑھی ہیں... جب آ گئی تو پتا نہیں کیا کرے گا ہمارے ساتھ..." کہتے کہتے اپنا دوپٹا آنکھوں پہ دھر لیا مطلب رونے کی تیاری تھی...

"اوہو امی! کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ خاور ایسا ہرگز نہیں۔ بس ایک بات سے جب اس نے منع کیا تھا تو

آپ کو نہیں کرنی چاہیے تھی نا۔۔۔ اس کی مرضی ہے جہیز لے یا نہ لے۔" مدثر میاں ماں کے کندھے دباتے میدان میں اترے تھے۔

"تم لوگوں کی ماں کو کہاں چین پڑتا ہے جب تک کوئی فساد نہ اٹھا دے۔۔۔ ہر جگہ اور ہر کسی پہ اپنی مرضی مسلط کرنا" اس کا پرانا مشغلہ ہے۔ ساری عمر میں نے بھگتا اب تم لوگ بھی بھگتو۔" خاموشی سے بیٹھے مبشر صاحب نے بالآخر اپنی بیگم کے حواسوں پہ بم پھوڑا تھا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"لو دیکھو اس بابے کو۔" وہ ہمیشہ مبشر صاحب کو بابا کہہ کر بلاتی تھیں۔۔۔ گو ان کے اور مبشر صاحب کی عمر میں دو چار سال کا ہی فرق تھا لیکن محنتی اور وقت سے پہلے بوڑھے ہو جانے والے اپنے میاں کے سر میں چمکتی چاندی کو دیکھ دیکھ کر جملے کسنا ان کا پسندیدہ مشغل تھا۔۔۔ شریف آدمی تھے بیوی کے ٹھٹھول کو ہنسی میں اڑا دیتے۔۔۔ اولاد بھی ماں کے ساتھ مل کر کھی کھی کرنے لگتی۔ لیکن خاور کی مت الٹی تھی ان کے خیال میں۔۔۔ اپنے باپ کی حمایت اور ماں کی مخالفت پہ ہمہ وقت تیار رہتا تھا۔

"تمہارا کوئی علاج نہیں صائقہ بی بی۔" ان کی توپوں کا رخ اپنی طرف ہوتے دیکھ کر مبشر صاحب کہتے ہوئے واک آؤٹ کر گئے۔

"ہونہہ۔" صائقہ بیگم نے نخوت سے دونوں ہاتھ جھٹک کر ان کے پیچھے دفع دور کا اشارہ کیا آس پاس بیٹھے داماد اور بیٹیاں بے ساختہ ہنسے تھے۔

✵ ✵ ✵

سندس کے گھر آئی بارات کھا پی کر فارغ ہو چکی تھی۔ اب اس کی رخصتی کا انتظار تھا۔

"اے صائقہ! کیا جہیز کی چیزیں پہلے ہی دکھلا چکے یہ لوگ" ہاتھ میں بلا مبالغہ پکڑی چوتھی کوک کی بوتل سے سپ پہ سپ اور ڈکار پہ ڈکار لیتی صائقہ بیگم کو ان کی کسی رشتے دار نے بڑے اچنبھے سے مخاطب کیا تھا۔ نرم 'دبیز صوفے میں دھنسی صائقہ بیگم نے یہ سنتے ہی ماتھے پہ چار بل ڈال کر بوتل ایک ہی سانس میں خالی کی اور وہیں صوفے پہ ہی لڑھکا دی۔ قریب ہی بیٹھی ریاست بیگم نے ناگواری سے دیکھا تھا اور فوراً" ہی کسی کو بلا کر بوتل اٹھانے کا کہا تھا۔

"اے لو! یہ بھی ایک لطیفہ ہی کہا تم نے۔" ہاتھ پہ ہاتھ مارتے ہوئے انہوں نے کہا اور ٹانگیں اوپر کر لیں۔

"لطیفہ کاہے کا بھئی؟ سیدھا سا سوال ہی پوچھا ہے تم تو مذاق اڑانے لگیں۔" وہ خاتون 'صائقہ کی سسرالی عزیز ہونے کی بنا پہ کچھ زیادہ ہی حساس ہونے کا مظاہرہ کر رہی تھیں شاید۔ فوراً" برا مان گئیں۔

"تم سمجھی نہیں بشریٰ باجی! ہماری بہو کے ہاں جہیز دینے لینے کا رواج نہیں ہے۔" دانستہ سمدھن کی طرف دیکھتے ہوئے اونچی آواز میں کہا۔

ریاست بیگم نے پہلو بدلا تھا اور صائقہ بیگم نے پینترا۔

"اور بھئی سچی بات۔۔۔ ہمیں جہیز جیسی لعنت نہیں چاہیے۔ رجتے بستے لوگ ہیں ہم۔۔۔ منع کر دیا۔ بھئی ان کا خاندان لڑکیوں سے بھرا ہے ماشاء اللہ 'کسی بھی غریب کی لڑکی کا بھلا کر دیں۔ ہمارے پاس اللہ کا دیا بہت کچھ۔" اپنے ریشمی لباس پہ ٹکے دوپٹے کا پلو اٹھا کر اللہ کا شکر ادا کیا۔ ان کی باتوں کا منبع ریاست بیگم خوب سمجھ رہی تھیں۔ ان کی برداشت سے باہر کی ہو رہی تھیں صائقہ بیگم کی بھگو بھگو کر ماری گئیں باتیں۔

"ارے واہ! نیکی کمانے چلی ہو تم تو۔۔۔ بہت اچھا خیال ہے۔" وہ تو شدید متاثر ہو چکی تھیں اور صائقہ بیگم ایک تیر سے دو کامیاب شکار کرنے کے بعد اپنی گردن اکڑائے بیٹھی تھیں۔

"نہیں آپا! اب ایسی بھی کوئی بات نہیں کہ ہم اپنی لڑکی خالی ہاتھ ہی رخصت کر دیں۔" اب تو ریاست بیگم اپنی زبان دانتوں تلے دبائے دبائے تھک چکی تھیں۔ بولنا بنتا تھا یہاں ان کا' سو بولیں اور دونوں کی بولتی بند کروا کر ہی چپ ہوئیں۔

"جہیز سے تو خاور بیٹے نے ہی سختی سے منع کیا تھا خیر

اس کی مرضی لیکن سندس کے ابا کی مرضی یہی تھی بیٹی کو کیش دے کر بھیجیں... جانے کب کیا حالات ہو جائیں کیا پتا چلتا ہے کسی کو۔ بتایا اس لیے نہیں کہ پہلے ہی شہر میں بڑی ہولناک وارداتیں ہو رہی ہیں... کچھ ہو ہوا جاتا تو کس کا ذمہ تھا؟"

ریاست بیگم نے بڑے سلیقے طریقے سے اپنا ریشمی دوپٹا سر پہ جمائے ہوئے کہا۔ سسرالی خاتون ہمہ تن گوش ہو گئیں۔ صائقہ بیگم کے بھی کان کھڑے ہوئے... "آگے بھی بولو دل ہی دل میں ان کی خاموشی سے وہ جھنجلا رہی تھیں۔

"ماشاء اللہ اتنا کیش ہے کہ خاور میاں اپنی دکان جیسی ایک اور دکان خرید ڈالیں اللہ انہیں برتنا نصیب کرے آمین۔" ان کی بات نے صائقہ بیگم کو اپنی آنکھیں پھیلانے پہ مجبور کر دیا تھا۔ خاور کی دکان شہر کے مہنگے ترین علاقے میں تھی اور سامان سے غٹا غٹ بھری... دل ہی دل میں بہو کو ملنے والی ممکنہ رقم کا سوچ کر انہیں عجیب سی خوشی ہونے لگی تھی" شکر ہے اماں باوا نے تو عقل کو ہاتھ مارا ورنہ میرے لڑکے نے تو خوب لٹیا ڈبو دی تھی ہماری۔"

"صحیح کہتی ہو بہن! دنیا کے نرالے چلن ہو گئے۔ ماں باپ جہیز دیں یا پیسا بیٹی کے سکھ کی کوئی گارنٹی نہیں۔" دوسری خاتون بیٹی والوں کی آزمائشوں پہ دلی افسوس کرنے میں مشغول ہو چکی تھیں۔ صاعقہ بیگم نے خاتون کی اس تو تا چشمی پہ زیادہ افسوس مناسب نہ سمجھا کہ ان لوگوں کی مطلب سسرالیوں کی تو فطرت تھی سنو لیے یہ ان کا مشہور مقولہ تھا۔

"ارے ریاست بیگم! آپ تو دونوں ہاتھ جھاڑ کر یہاں جم کر بیٹھ گئی ہیں بھئی دیکھیں دلہن تیار ہوئی کہ نہیں۔ اب تو پہلے والا سب کھایا پیا ہی ہضم ہونے کو ہے یہاں بیٹھے بیٹھے اور کتنا انتظار کروائیں گی آپ؟" اپنے سامنے کسی کا چراغ جلتا دیکھنا انہیں کہاں وارا کھاتا تھا اس لیے فوراً" ہی سمدھن کی کینچلی میں جا چھپیں۔

"جی میں دیکھتی ہوں۔" ریاست بیگم نے وہاں سے اٹھنے میں ہی عافیت جانی۔

"اے بی بشریٰ! بندہ موقع محل دیکھ کر منہ کھولتا ہے۔ لگیں سمدھیانے کے آنسو پونچھنے تم۔ جیسے خود تو اپنی بہو کو پلکوں پہ بٹھا کر لائی تھیں۔" بشریٰ بی کو ریاست بیگم کی طرف داری بڑی بھاری پڑنے والی تھی۔

☆ ☆ ☆

سندس رخصت ہو کر خاور کے گھر آچکی تھی ان کی منگنی سے لے کر اس کے رخصت ہو کر گھر آنے تک صاعقہ بیگم کی طرف سے بے شمار اعتراضات اٹھ چکے تھے سچی بات ہے انہیں اپنے بیٹے کی من مانی ایک چیلنج محسوس ہوئی تھی... خاور شروع سے ہی ان کی باقی اولادوں سے ذرا مختلف مزاج واقع ہوا تھا... غلط کو غلط ڈنکے کی چوٹ پہ کہنے والا... سچ کے ساتھ کھڑا ہونے والا اسے اپنی ماں کی بہت سی عادات پہ جڑ سے زیادہ افسوس ہوتا تھا۔ اولاد کی غلط روش اور حرکتیں تو ماں باپ ڈنڈے کے زور پر بھی ختم کروا سکتے ہیں لیکن ماں باپ کی غلطیاں اس معاشرے میں اولاد کو صبر کے گھونٹ کی طرح پینا پڑتی ہیں۔

وہ کبھی صائقہ بیگم اور مبشر لقمان کے درمیان شٹل کاک نہیں بنا تھا۔ جو اسے جہاں غلط نظر آتا وہ برملا اس کا اظہار کر دیتا۔ یوں صائقہ بیگم اپنی چار اولادوں میں سے صرف اسی سے تھوڑا دبتی تھیں۔ باقی بڑا بیٹا اپنے باپ ہی کی طرح کسی گنتی شمار میں نہ تھا۔ بیوی اور اس کے بچوں کا ہر فیصلہ یہ ماں بہنیں ہی اپنی کمرہ بند ہونے والی میٹنگز میں کرتی تھیں ثمینہ (مدثر کی بیوی) صائقہ بیگم کی پسند اور ان کے کسی دور دراز گاؤں میں مقیم رنڈوے کزن کی اکلوتی بیٹی تھی۔ صورت پھولوں سی اور سیرت مصری کی ڈلی۔ ان کی کب سے اس پر نظر تھی۔ خاندان کی مشترکہ ہونے والی تقریبات میں ان کا ولایت علی (ثمینہ کے والد) سے کئی بار آمنا سامنا ہوتا تھا اور ہر بار ان کے ساتھ آئی ان کی بیٹی جو نئے رشتے داروں سے کتراتی ان کے پیچھے چھپنے کی ناکام کوشش

کرتی رہتی تھی۔ وہ صائقہ بیگم کی نظر میں سما چکی تھی۔

اب بڑا شادی کے لائق تھا سرکاری نوکری تھی' اپنی بہنوں اور سسرال کی تیز طرار لڑکیاں کو لا کر انہوں نے اپنے گھر کو کشتی اکھاڑے میں نہیں بدلنا تھا۔ چلتی تو ایسی ہی لڑکی ان کے گھر میں مسکین سی' اعتماد سے عاری۔ جانے کس کونے میں رکھ کر ولایت علی نے اسے پالا تھا کہ بیوی تو ثمینہ کے بچپن میں ہی چل بسی تھی اولاد کی محبت کا گھنگھرو دوسری بیوی کی خواہش پہ حاوی چھنا چھن بجنے لگا تھا سو اس خیال کو ہی جڑ سے اکھاڑ ولایت علی اپنی واحد اولاد کی پرورش پہ کمربستہ ہو گئے۔ کب وہ بڑی ہوئی پتا ہی نہ چلا۔ اس کے چودھویں پاس کرنے پہ انہیں اس کی شادی کا خیال آیا تھا' اب گھر میں کوئی عورت تو تھی نہیں اس لیے مناسب یہی لگا کہ خاندان کی ہونے والی شادی بیاہ کی تقریبات میں اسے اپنے ساتھ لے جایا کریں۔ ایسی ہی کسی تقریب میں ان کا سامنا صاعقہ بیگم سے ہوا تھا اور صاعقہ بیگم کو اپنا شکار کتنی تلاش بسیار کے بعد ملا تھا۔ ان کی جہاں دید نظریں اس لڑکی کی دبو شخصیت بھانپ گئی تھیں اور دوسرے باپ کی مخدوش معاشی حالت۔ ان کی خوش اخلاقی اور ان باپ بیٹی میں دلچسپی ایک دم سے عروج پہ پہنچی تھی کہ وہیں بیٹھے بیٹھے کسی سے پوچھے بغیر ولایت علی سے ان کی بیٹی کا ہاتھ مدثر کے لیے مانگ لیا۔ ولایت علی اپنی اس شہری اور قدرے تیز طرار کزن سے خائف ان کے بلی کی بھاگوں چھینکا ٹوٹا والی بات سے خوش ہو بیٹھے۔ وہیں بیٹھے بیٹھے صائقہ بیگم نے اپنے ہاتھ کی موٹی انگلیوں میں سے چھنگلی میں پھنسی موٹی سی سونے کی انگوٹھی اتاری اور ولایت علی کی بغل میں دبکی ثمینہ کا ہاتھ کھینچ کر باہر نکالا اور نظروں ہی نظروں میں اپنی چھنگلی کا تقابل اس کی مرمریں انگلیوں سے کرتے ہوئے افسوس سے سرہلایا۔

"لو بھئی! لڑکی میں تو جان ہے نا جسم پہ ماس... اب اس انگوٹھی کو کیسے پھنساؤں ان پنجوں میں" اس کا ہاتھ اپنے موٹے ہاتھ میں جکڑے وہ ٹھٹا لگانے والے انداز میں بولی تھیں۔ وہ شرمندہ ہو رہی تھی اور ابا اس اچانک خوشی سے نہال۔ پھر صائقہ بیگم نے خود ہی فیصلہ کر کے اس کے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے میں اپنی انگوٹھی پھنسا دی۔ لو جی لڑکی کی بات پکی ہو گئی... ولایت علی' صائقہ بیگم کی طبیعت کی سادگی کے معترف اور بڑے پن کے مظاہرے سے خود کو کوئی حقیر سا ذرہ جانتے ہوئے ان کے قدموں میں بچھنے کو تیار تھے۔ وہ معنی خیز مسکراہٹ سجائے اب آگے کا پلان سوچ رہی تھیں یہ تو طے تھا کہ ثمینہ اور ولایت علی ان کے سامنے کبھی سر اٹھا کر نہیں کھڑے ہو سکتے تھے اور یہی ہوا جیسا سوچا تھا۔ اب تک ویسے ہی حالات چل رہے تھے صائقہ بیگم اپنی بیٹیوں سمیت ثمینہ پہ حاوی ہو چکی تھیں۔ مدثر بھی ماں کا پلو منہ میں دبائے ان کے پیچھے پیچھے چلنے والا مرد ثابت ہو رہا تھا۔ پستی ثمینہ تھی۔

☆ ☆ ☆

سندس شفیق اپنے نام ہی کی طرح ملیح سی رنگت والی لڑکی تھی۔ شفیق صاحب کی اکلوتی اولاد... عزیز من... سچی' کھری۔ اس کی یہ عادتیں ماں سمیت' اس جوائنٹ فیملی والے گھر میں کسی اور کو پسند تھیں یا نہیں لیکن شفیق صاحب کے لیے گویا کوئی میڈل تھا ان کے ذہین' سمجھ دار... باکردار... یوں تو گھر میں ان کے بھائیوں کی بھی لڑکیاں تھیں لیکن سندس ان سب میں اپنی عادات کے لحاظ سے الگ ہی دکھتی... شفیق صاحب نے اسے ہمیشہ کوایجوکیشن میں ہی پڑھایا تھا۔ ان کا مان اور اعتماد اس نے کبھی ٹوٹنے نہیں دیا تھا۔ جانے کب اور کیسے وہ اپنے کلاس فیلو خاور مبشر کے دل میں آسمائی۔ محنتی' باکردار اور سچ بولنے والا خاور کسی عام سی لڑکی کا خواب کیسے دیکھ لیتا۔ بہت جلد سندس کی یہ عادتیں جہاں باقی کلاس فیلوز پہ کھلیں' وہیں اس پہ بھی۔ فیصلہ تو ہو گیا تھا۔ اب بس اس سے پوچھنا باقی تھا کیا پتا کسی اور کی محبت کا دیا دل میں جلائے بیٹھی ہو؟

"السلام علیکم!" ساری کلاس خالی ہو چکی تھی وہ بیٹھی ابھی تک آج کے لیکچر کے پوائنٹس نوٹ کرنے

میں لگی ہوئی تھی۔ خاور بہت سوچ سمجھ کر اس کی طرف آیا تھا۔ ورنہ اس کی نیک نامی کا خیال اسے خود سے زیادہ تھا۔

"وعلیکم السلام!" سندس کی آنکھوں میں یوں مخاطب کیے جانے پہ حیرانی سے زیادہ سوال تھا۔ کلاس فیلوز سے بات چیت تو ہوتی رہتی تھی۔

"آپ سے ایک بات کرنا چاہ رہا تھا کافی دن سے امید ہے آپ میری جسارت کو معاف کر دیں گی۔" پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ پھنسا کر اس نے فرصت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اندر ہی اندر تھوڑا جزبز ہوئی اور سر پہ کسے بلیک اسکارف کو مزید ماتھے پہ کھینچا... خاور زیر لب مسکرایا تھا۔ اس کی یہ ادا بھی اس کے دل میں جا بسی تھی۔

"جی کہیں۔" اپنا جرنل ساتھ والی کرسی پہ پڑے بیگ میں گھسیڑتے ہوئے اس نے کہا تھا' مطلب جلدی بات کریں مجھے جانا ہے۔

"میں آپ کو کافی عرصے سے میرا مطلب ہے۔" بڑے اعتماد سے بات کرتا کرتا وہ ایک دم ہڑبڑایا تھا۔ جانے اس کا کیا ریسپانس ہو؟ یہ سوچ اب جا کر اس پہ حاوی ہوئی تھی۔ "میں اپنے والدین کو آپ کے گھر بھیجنا چاہ رہا تھا۔" وہ جلدی سے کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"جی۔" وہ اک گہرے شاک میں چلی گئی... وہ اسے جانتی تھی ایک ہی کلاس میں پڑھتے تھے۔ اچھا ذہین طالب علم تھا۔ لیکن کبھی بھی اس سے بات کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی اور آج یوں اچانک۔

"دیکھیے پلیز! کوئی غلط مطلب نہ لیجیے گا۔" اس کے چہرے پہ غصے کے آثار آتے دیکھ کر وہ مزید ہڑبڑایا تھا۔

"میں آپ کو ایک کلاس فیلو کی حیثیت کے علاوہ جانتی تک نہیں اور آپ بارات میرے دروازے تک لانے کے بارے میں سوچ بھی چکے ہیں۔" اسے غصہ آئے چلا جا رہا تھا لوگ پتا نہیں خود سے کیا کیا سوچ لیتے ہیں۔

"بے شک مجھے آپ کلاس فیلو کی حیثیت سے ہی جانتی ہیں لیکن جتنا میں آپ کو جان چکا ہوں اس لحاظ سے آپ سے شادی کا خواہش مند ہوں جو کہ ایسی کوئی بری بات بھی نہیں کہ آپ کی نظریں آگ اگلنا شروع کر دیں۔" بڑے مزے سے اس کے غصے سے حظ اٹھاتا خاور گویا ہوا تھا۔ سندس کا دل کر رہا تھا کہ پاس پڑی بھاری کرسی اٹھا کر اس کے سر پہ دے مارتی۔

"آپ اپنے دماغ کا علاج کروائیں... مان نہ مان میں تیرا مہمان۔" کندھے پہ بیگ لٹکاتے ہوئے وہ جانے کے لیے اٹھی تھی۔

"مہمان نہیں قدر دان کہہ لیں۔" اس کی طرف سے ایک اور پھلجھڑی چھوڑی گئی تھی... وہ کچھ لمحے تو کھڑی اسے گھورتی رہی کمبخت اتنا لمبا کیوں ہے؟ اتنی دیر میں ہی گردن تھک گئی... اینا بھی کی اولاد نہ ہو تو" اس کا اچھا خاصا الساقہ بھی اب اسے غصہ دلا رہا تھا۔ وہ کچھ کہے بغیر اس کے سائڈ سے نکلتی چلی گئی۔

"ارے یہ تو بتا دیں کہ راستہ کلیئر ہے نا؟ کوئی رکاوٹ میرا مطلب آپ کا کوئی منگیتر کوئی کزن وغیرہ۔" وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتا آ رہا تھا۔

"شٹ اپ! میرے پاس فالتو ٹائم نہیں فالتو کاموں کے لیے" وہ پلٹ کر چیخی تھی۔ اور وہ جیسے سمجھ کر کھل کر مسکرایا تھا وہ پاؤں پٹختی وہاں سے چلی گئی اور وہ لبوں پہ مسکراہٹ سجائے اسے جاتا دیکھتا رہا۔

☼ ☼ ☼

بعد کے مراحل اتنی آسانی سے تو طے نہیں ہوئے تھے۔ سندس کا بھرا پرا خاندان تھا۔ یوں اس کے کلاس فیلو کا رشتہ آجانے پہ کئی اعتراضات اٹھے تھے۔ سندس کو ہی مورود الزام ٹھہرایا گیا تھا۔ وہ بڑا تڑپی تھی اور دوسرے دن کالج میں خاور کو بے نقط سنا ڈالی تھیں۔ وہ چپ چاپ کھڑا اس کا غصہ برداشت کرتا رہا۔

کہتے ہیں جوڑے آسمانوں پہ بنتے ہیں۔ دونوں کا جوڑ لوگوں کے توڑ کے باوجود بن گیا تھا۔ شفیق صاحب ایک دو ملاقاتوں کے بعد سے ہی خاور کے گرویدہ ہو چکے تھے۔ پتا نہیں ان کی جہاں دیدہ نظریں اس میں کیا

بھانپ گئی تھیں؟ انہوں نے خاور کا رشتہ قبول کرلیا تھا۔ اس فیصلے پہ 'انکار کی امید لیے بیٹھی صاعقہ بیگم کو بہت پتنگے لگے تھے۔

"ارے حد ہی ہوگئی! یہ لڑکوں کے ساتھ پڑھنے والی لڑکیاں بڑی دیدہ ہوائی ہوتی ہیں۔ کیسے میرے بھولے بیٹے کو پھانس لیا پورے خاندان نے مل کر۔" وہ بیٹیوں کے آگے ہی جلے دل کے پھپھولے پھوڑ سکتی تھیں 'خاور کو اتنا کھلاڈلا تو نہیں سنا سکتی تھیں۔ ایک ہی لائق اور کماؤ پوت تھا' بڑا تو بس واجبی تعلیم حاصل کر کے سفارش سے اچھے وقتوں میں سرکاری محکمے میں اٹکا دیا گیا تھا۔ مانو تو سارے گھر کا خرچ اور ان کی بیٹیوں کے عیش خاور کے سر پر ہی تھے جو کافی چھوٹی عمر سے لیپ ٹاپ ریپیرنگ اور سلنگ شاپ کھول کر بیٹھا تھا۔ کیسا ذمہ دار بچہ تھا پڑھائی اور پورے ٹبر کا خرچ اٹھا رکھا تھا۔ لڑکیوں کی شادیوں میں صائقہ بیگم نے دل کھول کر پیسا برباد کیا تھا دونوں کے ہی شوہر حضرات مٹی کے مادھو تھے۔ ماں بہنوں کے ہاتھوں' پہلے تو خوب ڈرا دھمکا کر مال سمیٹا پھر آئے دن کے تماشوں سے تنگ آ کر خاور نے دونوں بہنوئیوں کو کاروبار کے لیے مناسب رقم تھمائی تھی۔

"اب آپ پلیز اپنا بوجھ خود ڈھوئیں.... یہاں کوئی قارون کا خزانہ نہیں دبا ہوا جو میں نکال نکال کر آپ کے ہاتھوں بلیک میل ہونے والی بہنوں کے ہاتھوں میں دیتا رہوں۔" صاعقہ بیگم کے مشورے سے ہی اس نے دونوں بہنوں اور بہنوئیوں کو گھر بلایا تھا۔ وہ تو خود عاجز آچکی تھیں۔ شروع میں بیٹیوں کے سسرال پہ رعب جمانے کا خواب کیسا ان کا چکنا چور ہوا تھا۔ اب تو الٹی آنتیں گلے پڑنے لگی تھیں.... سو خاور کو ہی آگے کیا۔

"بہت اچھے! یعنی کہ گھر بلا کر یوں بہنوئیوں کی بے عزتی کرنا کیا جائز ہے؟" کافی دیر کی شرمندگی اور چپ کے بعد بڑا بہنوئی ہی بولا تھا جو ہر آنے بہانے بیگم کے ہاتھ میں دو بچوں کا ہاتھ دے کر پیسے اینٹھنے کے مشن پہ بھیج دیتا تھا۔

"بے عزتی کہاں سے ہوگئی آپ کی؟ بے عزتی تو روز روز مانگنے میں ہونی چاہیے.... میں تو آپ کو اپنی جیب سے کاروبار کے پیسے دے رہا ہوں۔ کہ بھائی یہ سفید ہاتھی ہم تو پال پال کر تھک گئے اب آپ کچھ خود حیلہ کریں تو کریں۔" خاور نے بھی لگی لپٹی نہ رکھی تھی اس جواب پر تو صاعقہ بیگم بھی عش عش کرا ٹھیں دل ہی دل میں اس کی بلائیں لے ڈالیں۔

"چلو بھئی امتیاز! کسی غیرت مند کا یہاں کیا کام؟ دعوت کا بہانہ کر کے ہمیں اچھا انعام دیا ہے آپ نے۔" بڑے بہنوئی کو کچھ اور نہ سوجھا تو اپنا مشہور زمانہ "ناک" کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ سامنے بھی خاور تھا جو اب تو ان کی کسی دھمکی میں آنے والا نہیں تھا۔

"بیٹھ جاؤ آرام سے!" شمائلہ آپا نے کبڑے ہو کر تن فن کرتے شوہر کو گھورا تھا۔ "کوئی تم پہ بم نہیں چلایا ہے۔ تمہارے فائدے کی ہی بات ہے اٹھاؤ یہ رقم اور غیرت کا ڈھول بعد میں پیٹنا۔" شمائلہ آپا یہ اچھا موقع کیسے ہاتھ سے جانے دیتیں۔ ان کی بات امتیاز کی عقل میں آگئی تھی اس لیے فوراً" ہی اپنے حصے کے پیسے اٹھا لیے۔ خاور کسی کام کا بہانہ کر کے اور تھوڑی دیر بیٹھ کر وہاں سے جا چکا تھا۔ اب سب ایک بار پھر گھل مل کر چائے کا ایک اور دور اڑا رہے تھے یوں جیسے تھوڑی دیر پہلے کوئی تلخی ہوئی ہی نہیں۔

☼ ☼ ☼

صائقہ بیگم ساری زندگی اپنی ہی چلاتی آئی تھیں۔ شوہر ہو یا گھر کے معاملات ان کی ٹانگ ہمیشہ اوپر ہی رہی تھی۔ لیکن خاور.... اف توبہ اسے سمجھانا یا اپنی مرضی اس پہ چلانا کبھی بھی ان کے لیے آسان ہدف نہیں رہا تھا۔ پہلے تینوں بچوں کی شادیاں اپنی مرضی سے جہاں دل کیا کیں۔ لیکن خاور کی دفعہ ان کا یہ خواب پورا نہ ہو سکا۔

لاکھ چاہے' دھمکائے' واویلا کرنے کے باوجود خاور اپنی من پسند دلہن لا چکا تھا۔ رشتہ ڈالنے سے لے کر شادی والے دن تک صائقہ بیگم کسی نہ کسی طرح

سندس کے گھر والیوں کے دل کھٹے کرنے کی کوششوں میں مصروف رہی تھیں۔ لیکن یہ بندھن تو آسمانوں پہ لکھا جا چکا تھا جسے زمین والے کسی صورت نہیں ختم کر سکتے تھے۔

☆ ☆ ☆

"ہائے میرا سر! مجھے لگتا ہے کہ میرا بی پی ہائی ہو گیا ہے۔ہائے ہائے۔" صائقہ بیگم کی ہائے ہائے اور ان کے گرد لگا گھر آئے مہمان کا مجمع سب مقدور بھر فکر مندی چہروں پہ سجائے مختلف مفت مشوروں سے نواز رہے تھے۔

"لہسن کے دو چار جوے چبالیں.... اکسیر ہے آج گرمی بھی تو اتنی زیادہ تھی اوپر سے شادی کے جھمیلے ...کوئی لیموں پانی پلاؤ باجی کو۔"

"ارے بھئی کیا لیموں پانی اور کیا لہسن کام کرے گا ...جانے کیسا پاؤں پڑا ہے آنے والی کا.... میری ماں تو سر اٹھانے جوگی نہیں رہی۔" یہ تنفر سے بھری آواز کسی اور کی نہیں صائقہ بیگم کی بڑی بیٹی اور دست راست شمائلہ آپا کی تھی۔ بھاری بھرکم جسم' دو بچوں کی ماں' شوہر کی منہ چڑھی اور ماں کے کانوں میں ہر وقت کانا پھوسی کرنے والی شمائلہ اس وقت بھری بیٹھی تھیں۔ یہ سنتے ہی صائقہ بیگم جو کہ دوسری بیٹی کے کندھے پہ سر لڑھکائے بیٹھی تھیں بالکل لم لیٹ ہو گئیں سب ہی گھبرا گئے۔ شمائلہ کی چلائی شرلی پھٹنے سے پہلے ہی ٹھس ہو گئی۔ کوئی دوڑ کر مبشر صاحب اور مدثر کو بلا لایا۔

"ارے ڈاکٹر کو بلاؤ۔" شمائلہ جارجٹ کا باریک دوپٹا ہاتھ کے پنکھے کی صورت میں ماں کو جھلتی سب کو ہولا دے رہی تھیں۔

"کیا ہوا امی کو؟" مدثر حیران پریشان سا ان پر جھک آیا۔

"دیکھ نہیں رہے.... حواس چھوڑے پڑی ہیں جاؤ جا کر ڈاکٹر کو بلاؤ۔" خاور کے بعد اگر کوئی ڈھنگ بندہ تھا تو وہ شمائلہ آپا ہی تھیں۔

"کچھ نہیں ہوا برخوردار! شاید تھکن ہو گئی ہے کیوں خاتون؟" مبشر ہمیشہ سے صائقہ بیگم کو خاتون کہہ کر بلاتے آئے تھے۔

"آئے ہائے! میاں کبھی جو میری کسی تکلیف کو سمجھا ہو آپ نے۔ ہمیشہ اپنی ڈاکٹری کا ڈھول پیٹنا شروع کر دیتے ہیں چاہے اگلا تڑپ کر مر جائے۔" صائقہ بیگم کو شوہر کی گل افشانی ذرا جو بھائی ہو.... تڑپ کر اٹھی تھیں اور ٹھاہ ٹھاہ زبانی میزائل دیکھے کھڑے مبشر صاحب پہ چلا ڈالے۔ وہ وہیں دبک گئے صائقہ زبانی توپ کا دھانہ خالی کر کے پھر دھپ سے گر گئیں۔

"جاؤ مدثر.... خاور کو بلا کر لاؤ۔" اپنے دوپٹے کا پنکھا جھلتی شمائلہ آپا نے ہونق کھڑے مدثر میاں کو مزید ہونق بنایا۔

"جی' پر آپا! وہ تو.... میرا مطلب ہے۔" وہ ہکلائے اور آپا جھلائی تھیں۔

او بھئی جاؤ.... جا کر جو ہے جیسا ہے کی بنیاد پر لے کر آؤ اسے.... کمال ہے ماں کا کچھ ہوش نہیں جورو کے پہلو سے لگا بیٹھا ہے زن مرید۔" آپا کی ساری تپش آخری فقرے میں ڈھل گئی.... یہی تو غصہ تھا ماں کی اجازت لے کر جاتا اپنے کمرے میں وہ بھی رات کے کسی پہر.... ابھی تو شام ڈھلی تھی اور میاں سودائی نے یہ چڑھائی کمرے کی کنڈی.... لو بھلا بتاؤ انوکھی بیوی آئی ہے مہاشے کی۔ آپا.... آؤ دیکھا نہ تاؤ' شروع ہو چکی تھیں اب جو انہیں چپ کرواتا اپنا سر منڈواتا۔ سو چپ ہی بھلی بھیا۔

"آرہا ہے خاور۔" کچھ ہی دیر میں مدثر میاں واپس آچکے تھے۔

"ساتھ لے کر آتے نہ بدھو۔" آپا نے ان کی عقل پہ اپنا ماتھا پیٹا۔ ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔" اور یہ تمہاری جورو کہاں غائب ہے؟ بچہ بھی کوئی دکھائی نہیں دے رہا۔" بیٹھے بٹھائے انہیں بڑی بھابھی کا خیال ستانے لگا۔ کافی دیر ہوئی بارات کی واپسی کے بعد سے بڑی بھابھی کو کسی نے دیکھا نہ تھا۔

"وہ آپا! بچے تھک گئے تھے ناتو وہ انہیں لے کر سو گئی ہے۔" آپا کے تیکھے چتون یونہی مدثر میاں کو گڑبڑا دیا کرتے تھے۔

"لو بھئی! وہ تو محو استراحت ہو گئیں نازک مزاج پری۔ تو بھیا تم کیوں یہاں بیٹھے ہو؟ جاؤ بھئی جا کر سو جاؤ۔۔۔ کل کو بخار وخار ہو گیا تمہیں تھکن سے تو ہمارا گریبان پکڑ گھسیٹتی پھرے گی تمہاری جورو۔۔۔ جاؤ جاؤ" آپا کا دماغ تو صائقہ بیگم سے بھی دو ہاتھ آگے چلتا تھا۔ کیا غوی ایسا ویسا سوچتا تھا جس کی وہ تیقن سے پیش بندیاں کرتی پھرتی تھیں سینہ ٹھونک کر۔ مدثر میاں چپ چاپ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔

"آ گئے بھائی جی" کسی فدائی نے خاور کو آتا دیکھ کر دہائی دی۔۔۔ شاید اس پر مغز لیکچر کے بعد کسی کی غیرت جاگ اٹھی تھی جو خاور کا دروازہ پیٹ اسے نکال باہر لایا۔

"کیا ہوا امی کو؟" صائقہ بیگم کو سیدھا لمبا لیٹے دیکھ کر خاور کا پریشان ہونا فطری عمل تھا جارجٹ کے دوپٹے میں چھپا ان کا چہرہ مسکرایا تھا۔ "اب آیا اونٹ پہاڑ کے نیچے۔۔۔ دیکھتی ہوں آج کی رات کیسے جورو کی بغل میں منہ چھپاتا ہے۔" کمینی سی سوچ ان کے ذہن میں ابھری تھی۔

"لو بھئی! اللہ اللہ کر کے نکل ہی آئے تم حجرے سے۔۔۔ یہاں امی حال سے بے حال پڑی ہیں۔۔۔ ساری خلقت ان کے آس پاس جمع ہے سوائے ان کے ہونہار سپوت کے جو بیوی کے قدموں میں بیٹھے اس کے پیروں کی دھول بننے کو مرے جا رہے ہیں۔" اگر کوئی کہتا تھا کہ آپا آسمان میں تھگلی لگانے میں ماہر ہیں تو سلام کا حق دار تھا۔ ان کے لمبے چوڑے بیان نے صائقہ بیگم کا دل باغ و بہار کر دیا۔

"کیا بے تکی بات کر رہی ہیں آپا۔۔۔ جب مجھے پتا چلا میں آ گیا۔ آپ یہ بھیڑ تو ہٹائیں امی کے پاس سے۔" خاور آپا کی بات کو طول دینے کی عادت سے چڑتا تھا اس لیے انہیں اپنی طرف سے شافی جواب ہی دیا تھا۔۔۔ وہ ناک بھوں چڑھاتی سب رشتے داروں کو تتر بتر کرنے لگیں۔ خاور نے تخت پہ لیٹی ماں کے منہ سے چادر ہٹائی اور ان کے اوپر جھک آیا صائقہ بیگم نے پٹ سے آنکھیں کھولی تھیں۔

"امی! کیسا محسوس کر رہی ہیں۔" ان کے کندھے کے نیچے ہاتھ ڈال کر خود ان کو سہارا دے کر بیٹھ گیا۔

"بس سر چکرا رہا ہے مسلسل۔" صائقہ بیگم نے حتی الامکان بیماری کے اثرات چہرے پر لانے کی کوشش کی اور نحیف سی آواز نکالی۔

"چلیں آپ آرام کریں اپنے کمرے میں شاید تھک گئی ہیں آپ۔" نرم لہجہ، صائقہ بیگم کو اپنے ڈرامے کی اس حد تک کامیابی کا یقین نہ تھا وہ ہائے وائے کرتی اس کے ساتھ لڑکھڑاتے قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگیں۔ شمائلہ آپا کے لبوں پہ ماں کے لیے ستائشی مسکراہٹ بکھری پڑی تھی۔

"اب کرا انتظار بی بی۔۔۔ پہاڑ پہ چڑھی بکری اور لٹی پتنگ آسانی سے واپس نہیں ملتی اور یہ پتنگ تو آج اماں لوٹ کر لے گئیں۔"

☼ ☼ ☼

کتنی دیر گزر گئی تھی اسے یونہی بیٹھے ہوئے۔ خاور اپنا فون کمرے میں ہی چھوڑ کر پانچ منٹ کا کہہ کر جو گیا تھا تو اب تین گھنٹے ہونے کو آئے۔ اس کے جانے کے بعد کسی بندے بشر نے ایک پل کو بھی اس کے کمرے میں نہ جھانکا۔۔۔ بھئی نئی دلہن۔۔۔ نیا گھر کچھ پوچھا گچھا جاتا ہے۔ کچھ بتایا جاتا ہے ایسے موقعوں پہ۔ اب یہ کیا دلہن کو سر جھاڑ منہ پھاڑ اکیلے کمرے میں اہلفی لگا کر بٹھا گئے۔

وہ بہت زیادہ جھنجلا رہی تھی۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔ زیور اور کپڑوں سے زیادہ بھاری اسے یہ بلا وجہ کا انتظار لگ رہا تھا۔ جی میں کئی بار آئی۔ اٹھے جا کر کمرے سے باہر جھانکے لیکن ہمت نہ کر سکی کسی نے دیکھ لیا تو کیا سوچے گا کہ۔۔۔ اس سے آگے سوچنے میں ہی اسے اپنا دل کانوں میں دھڑکتا محسوس ہونے لگتا تھا۔ ساس کے تماشے تو وہ اب تک سنتی اور دیکھتی ہی

آئی تھی جانے کیا فضیحتا کھڑا ہو جاتا؟

"یا اللہ! کیا مسئلہ ہے خاور کا؟ آخر کیوں نہیں دے رہا۔" دھیان کی سوئیاں ایک ہی جگہ جمی ہوئی تھیں۔ اب تو بس پیمانہ چھلکنے کو تھا۔

☆ ☆ ☆

"سو گئی ہیں امی اب آپ ان کا خیال رکھیں آپا میں چلوں۔" صائقہ بیگم کے مدہوش خراٹے سنتا خاور اپنا ہاتھ جو کہ ان کے ہاتھوں کی گرفت میں تھا سے نکالتا ہوا بولا تھا مخاطب شمائلہ آپا تھیں۔ جو ان کے تخت پہ پیر پسارے نیند میں ادھر ادھر جھول رہی تھیں اس کا ہاتھ گیا ہاتھوں سے نکلا صائقہ بیگم پٹ سے آنکھیں کھول جھٹ اٹھ بیٹھیں۔

"تم.... تم کہاں جا رہے ہو۔" لہجے میں حتی الامکان خماری پیدا کی گئی تھی۔

"امی رات بہت بیت گئی ہے۔ سندس بھی پریشان ہو رہی ہو گی اسے تھوڑی دیر کا کہہ کر آیا تھا۔" اپنے ہاتھ پہ بندھی سنہری گول ڈائل والی گھڑی دیکھتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"لو اور سنو! یہاں ماں کی جان حلق تک آئی ہوئی ہے۔ ناس مار گیا میرا' تیری شادی کی تیاریوں میں' دو ماہ سے اور تو ابھی بھی جورو کی فکر میں دبلا ہو رہا ہے۔" مارے غم کے ان کے آنسو نکل آئے۔ خاور اس جذباتی ایکٹنگ پہ جھنجلا سا گیا۔

"ارے امی! آپ نہیں سمجھیں ابھی تک بیٹی کسی اور کی وداع کروا کر لائی ہیں لیکن لال آپ کا پرایا ہو چکا ہے.... اب تو بس آپ کبھی کبھی اس کا دیدار کیا کریں گی۔ جانے دیں بس صبر کر لیں" آپا کا آگ لگا دینے والا بیان۔

"بس بہت ہوا! میں سب سمجھ رہا ہوں آپ لوگوں کا مقصد کیا ہے اس سب سے۔ رشتوں کی ڈوریوں کو اتنا ہی کھینچیں جتنا رشتے سہار پائیں ورنہ ڈوری ٹوٹنے سے ہونے والی تکلیف آپ لوگ سہ نہیں پائیں گے اور آپا جیسے چھوٹی اپنے شوہر کے ساتھ جا چکی ہے

آپ بھی ہم پہ مہربانی کریں۔ اپنا گھر سنبھالیں۔" یہ کہہ کر وہ چلتا بنا۔ کوئی بچہ تو تھا نہیں.... ماں کے ڈرامے اور آپا کے بہانے وہ خوب سمجھ رہا تھا ماں کو آج کے دن کسی بھی جذباتی تکلیف سے بچانے کے لیے ہی وہ اتنی دیر ان کے پاس بیٹھ گیا تھا۔ ورنہ اس جیسے پریکٹیکل اور ہر بات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے والے بندے سے تو صائقہ اور آپا کو اتنے کی بھی امید نہ تھی۔

"خون ہی سفید ہو گیا۔" اب کے صائقہ بیگم اصلی آنسوؤں سے رو رہی تھیں۔ "مجھے کتنی باتیں سنا گیا یہ چھٹکا!"

"اپنی ماں کے لیے رکی ہوں میں تو۔ کسی کو آگ لگتی ہے تو لگا کرے۔" آپا خاور کو تو کچھ نہ کہہ سکی تھیں لیکن غائبانہ وہ سب کے گناہ خوب بخشواتی تھیں سو اب بھی یہی کر رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

صبح بڑی اجلی سی تھی۔ رات کو ہونے والی تھوڑی سی تلخی کے بعد اپنی عادت سے مجبور سندس فوراً" ہی من گئی تھی۔ خاور نے کسی بھی قسم کی شادی کے بعد کی رسومات سے سندس کے گھر والوں کو سختی سے منع کر دیا تھا۔ ناشتا وہ خود باہر سے لے کر آیا تھا۔ ناشتے کی میز پر صائقہ اور آپا نے ان دونوں کا مکمل بائیکاٹ کیے رکھا۔ اگر کمبخت ناشتا من پسند نہ ہوتا تو ان دونوں کی جوتی بھی خاور کے اس پورشن کا رخ نہ کرتی۔ اب بندوں سے تو ناراضی رکھی جا سکتی ہے۔ بے چارے کھانے کا کیا قصور؟ بس یہی سوچ کر دونوں خراماں خراماں چلی آئیں۔ ساتھ ہی نخرہ بھی اٹھا لائیں۔

"عجیب ہی دستور ہو گئے دنیا کے اب۔ پہلے تو ماں' باپ بھاگ بھاگ بٹیا کے نئے گھر ناشتا کھانا پہنچا آتے اور جب تک بٹیا کا سسرال' کھا کر ڈکار نہ لے لیتا' ہاتھ باندھے کونے میں کھڑے رہتے۔ پر اب تو توبہ توبہ شرم نامی چیز کہیں اٹھا کر طاق میں رکھ چھوڑی ہے' لڑکی والوں نے۔ یہ ادھر ایک بار منہ دیکھے کو بندہ جہیز سے

منع کرے' ہاتھ جھاڑ ٹھک ٹھک کرتے یہ جا وہ جا۔"
صائقہ بیگم شروع ہو چکی تھیں۔

"اور کیا امی! بڑوں کی عزت کیا چیز ہے آج کل کی لڑکیاں کیا جانیں۔ جیسی خود ہوتی ہیں ویسے ہی میاں کو بنا لیتی ہیں۔" آپا جلتی کو مزید ہوا دے کر سلگا رہی تھیں' اس کا کھانا محال ہو گیا۔ جی میں آئی کرارا سا جواب دے کر دونوں ساس' نند کی بولتی تو بند کرے' لیکن وہی بات اسے نئے گھر اور لوگوں کا لحاظ آ گیا' جبکہ صائقہ بیگم تو مروت کو شاید دھکے دے کر گھر سے نکال چکی تھیں یا پھر اس کے لیے کوئی رعایت نہیں تھی۔ ان دونوں نے چٹکلے چھوڑنے جاری رکھے۔ خاور بے نیازی سے بیٹھا کھانا کھاتا رہا اور وہ دانت پہ دانت جمائے زبان کو بولنے سے روکنے کی کوشش میں ہلکان ہو گئی۔

✲ ✲ ✲

"تمہیں کتنا کہا تھا' میرے گھر والوں نے جہیز لینے کے لیے۔ لے لیا ہوتا تو آج پہلے دن یوں میری انسلٹ نہ ہوتی۔" کمرے میں آتے ہی وہ پھٹ پڑی تھی۔ اپنی الماری سے ہینگ کیے ہوئے شلوار قمیص نکالتا خاور ایک پل کو تھما تھا۔

"جہیز... ایک لعنت... کیسے لے لیتا۔" بڑا عام سا انداز تھا۔

"جی یہی لعنت نہ لے کر اب ساری زندگی مجھ پر اور میرے ماں' باپ پر لعن طعن کی جائے گی۔" وہ مٹھیاں بھینچے بیڈ پر دھپ سے بیٹھی تھی۔

"یار سب کو پتا ہے کہ تمہارے گھر والوں نے کیش دے دیا تھا تمہیں۔ اب اگر کوئی کچھ کہتا ہے تو دھیان مت دو۔" خاور بڑے ٹھنڈے مزاج کا بندہ تھا۔ بات کو بڑھانا اسے کبھی پسند نہیں رہا تھا لیکن سندس کسی اور سے تو کچھ کہہ نہیں سکتی تھی' اسی سے کہہ کر دل کا بوجھ ہلکا کرنے لگی تو اس نے اسے زیادہ بات کرنے نہیں دی۔ اسے خالص عورتوں کی باتوں سے کوئی سروکار نہیں تھا بلکہ چڑ ہوتی تھی۔

"کیش کہاں نظر آتا ہے دنیا کو۔ ہاں ٹرک بھر کر جہیز آیا ہوتا تو تھوڑی واہ واہ اور عزت میرے حصے میں بھی آ جاتی۔ اب تو بس باتیں سنے جاؤ۔" سندس نے ہونٹ لٹکاتے ہوئے کہا تھا۔ خاور جھنجلا کر اس کی طرف مڑا تھا۔

"میری بات سنو سندس! مجھے عورتوں کی سیاست اور واویلے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم بھی ایک کان سے سنو اور دوسرے سے نکال باہر کرو۔ تمہارا مطمع نظر صرف اور صرف مجھے ہونا چاہیے۔ باقی کوئی کچھ کہے سوچے۔ جب تک میں خوش ہوں تو تمہیں کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے۔ تمہارا علیحدہ گھر اسی لیے ہے۔ یہاں کھاؤ کھیلو... اور باہر کی بات باہر تک ہی رکھو۔ بیڈ روم میں مجھے میری بیوی چاہیے۔ حواس باختہ ہو نہیں۔" اپنے کپڑے ہاتھوں میں پکڑے وہ اس کے برابر آ بیٹھا۔ اتنا لمبا بیان اس کی تشفی کے لیے ہی دیا تھا۔ سندس "ہوں" کہہ کر اپنے ہاتھ کی انگلیاں مروڑنے لگی۔ اسے یہ سب برداشت کرنا اپنی برداشت سے باہر کی چیز لگ رہا تھا۔ فی الحال تو.....

اس دریا کے مگرمچھوں نے تو اس سے اللہ واسطے کا بیر باندھ لیا تھا آتے ہی' آگے کیسے گزرے گی۔ یہی سوچ اس کے ذہن میں کیڑے کی طرح کلبلاتی جا رہی تھی۔

✲ ✲ ✲

ابھی شادی کو دوسرا مہینہ ہی شروع ہوا تھا کہ سندس کے ہاں خوش خبری آ ٹھہری۔ وہ دونوں ہی بہت خوش تھے اور خوشی کی یہ خبر خاور نے اپنی ماں سے بھی شیئر کر لی۔ اس وقت تو صائقہ بیگم مبارک باد دے کر چپ کر گئیں۔ لیکن دوسرے دن شمائلہ آپا کے ساتھ اس کے ہاں آن دھمکیں۔ وہ ابھی کپڑوں کی دھلائی سے فارغ ہوئی تھی اور کچن کا رخ کرنے والی تھی۔

"ہاں بھئی کیا چل رہا ہے؟" سلام دعا کی زحمت دونوں ماں' بیٹی کم ہی کرتی تھیں۔ ہمیشہ کی طرح اب بھی لٹھ ہی ماری تھی' وہ بلبلا کر رہ گئی۔

"کیا چل رہا ہے مطلب؟ یہاں کوئی پاؤڈر کی

فروخت ہورہی ہے یا اور کوئی دھندا۔" آج سندس کی زبان پھسل ہی پڑی تھی۔ انداز بھی تو ان کا تاؤ دلانے والا ہی تھا۔

"ہائے ہائے! ایسا کیا کہہ دیا میری بوڑھی ماں نے۔ جو تم اپنی جوان جہان زبان کے جوہر دکھانے پہ تل گئیں۔" صائقہ بیگم تو جو ہکا بکا بیٹھی تھیں، سو تھیں، لیکن شائلہ آپا کو بھی کچھ دیر تک کچھ نہ سوجھی۔ پھر وہی جیت بھی میری اور پٹ بھی کا فارمولا ہی کام آیا۔

"تو آپ ایسے بے تکے سوال کریں گی تو مجھ سے کس قسم کے جواب کی امید رکھیں گی۔" سندس تو شیر کی کچھار میں ہاتھ دینے پہ تلی تھی۔

"اے بی! تم ناچو گاؤ لٹاؤ، یہاں کون تمہارے سر پہ بیٹھا ہے۔ اپنی مستی میں مست بیل کی طرح جدھر سینگ سمائے ادھر کا رخ تو کرلیتی ہو۔ ساتھ کی دیوار سے منہ اونچا کرکے کچھ پوچھنے کی بھی زحمت تو گوارا نہیں کی۔ ذرا سا سوال کیا کرلیا۔ تم تو آنکھیں ماتھے پہ چڑھا آئیں۔" صائقہ بیگم کی اصل جلن باہر آہی گئی تھی۔ انہیں اس کا اکیلے رہنا زہر سے بھی برا لگتا تھا۔ بہو کو رعایا سمجھنے والی صائقہ بیگم کے سندس کے اس گھر میں آنے کے بعد پہلی بہو کی طرح اس کا تیل نکالنے کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔

"جی حکم کریں۔" وہ اکتا کر واقعی میں ہی ہاتھ باندھے کھڑی ہوگئی۔ ان سے کون جیت سکا ہے۔

"لو حکم کریں تو ایسے کہہ رہی ہے جیسے فرعون کے دربار میں کھڑی ہو۔ ہم تو تمہیں مبارک باد دینے آئے تھے، پاؤں بھاری ہونے کی۔" شائلہ آپا ناک چڑھا کر بولی تھیں۔

"اف یہ خاور بھی نا۔" ان کی زبانی یہ انکشاف نما مبارک باد لیتے ہوئے اس خاور پہ تپ چڑھی تھی۔ کیا ضرورت تھی ساری دنیا میں نشر کرنے کی۔

"ویسے اتنی بھی کیا جلدی تھی ماں بننے کی؟ ابھی مہینہ بھر ہی تو ہوا تھا۔ بندہ تھوڑا ٹائم تو لیتا ہے نا۔" بڑی بے شرمی سے شائلہ آپا نے اپنی طرف سے ٹھٹھا لگایا تھا۔

"دیکھ لیں آپا! اللہ کے کام ہیں۔ ورنہ کچھ لوگ تو شادی کے سات سات سال بعد تک علاج کرواتے ہی پھرتے ہیں، تب کہیں جاکر کچھ ہوتا ہے۔" اب کی بار سندس نے ان ہی کی زبان میں ان کا وار لوٹایا تھا۔ انہیں اپنی شادی کے سات سال بعد تک بے اولاد رہنے کا طعنہ بڑا کھلتا تھا۔ شائلہ آپا اور صائقہ بیگم کے تو تلووں میں آکر بجھی تھی۔

"اے بی! حد میں ہی رہو۔ یوں اونچے میناروں پہ منہ اٹھا کر تھوکنے سے اپنے منہ پہ ہی گند گرتا ہے۔ آنے دو خاور کو۔۔۔ بتاتی ہوں، بہت ڈھیل دے رکھی ہے۔ اپنی گھوڑی کی لگامیں کھینچے۔ اس سے پہلے کہ ساس کا ہنٹر پڑے۔" شائلہ آپا تو صدمے سے بے حال پہ موٹے موٹے آنسو آنکھ میں لائے، ماں کو تکی جاتی تھیں۔ اب آپ ہی بولیں۔ کیسا طعنہ دے مارا ہے اور اک بیٹی کی آنسو بھری آنکھوں میں لکھی تحریر پڑھ کر کس پتھر دل ماں کا کلیجہ نہیں دہلتا ہوگا۔ وہ بھی مچلی تھیں۔

"چلو بھیا! یہاں تو عزت کی واٹ لگا دی صاحبہ نے۔ کہنے کو نئی ہے پر زبان سے تو لگتا ہے، نو سو چوہے کھائے بیٹھی ہے۔" وہ آپا کو اپنے ساتھ لے جاتے ہوئے بھی بڑبڑا رہی تھیں۔ سندس نے اپنا سر تھام کر خود کو صوفے پہ گرا لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"تمہیں منع بھی کیا تھا کہ کسی سے نہ الجھو۔ بندہ گھر سکون لینے آتا ہے، سارے دن کا تھکا۔ آتے ہی عورتوں کی پنچایت۔۔۔ دماغ خراب کردیا میرا۔" رات کو دیر سے کمرے میں آتے ہی خاور اس پہ برس پڑا تھا۔ ماں اور بہن نے اچھی خاصی ٹیوننگ کرکے بھیجا تھا۔

"کیا مطلب؟ میں کس سے الجھی ہوں۔" اس کے انتظار میں ٹہلتی اور اپنی ساس کی طرف اس کی موجودگی پہ پریشان ہوتی سندس کو اس کی اقربا پروری ایک آنکھ

نہ بھائی تھی۔

"کبھی کبھی لوگوں کی باتوں کے جواب میں چپ کر جانا صحت اور ازدواجی زندگی کے لیے بہت مفید ہوتا ہے اگر آپ یہ سمجھ سکیں تو۔" خاور نے اپنے جوتے اور موزے اتارتے ہوئے اک گہرا سانس بھر کر کہا تھا۔

"بہت خوب! آپ کو فون پہ بتائی تو تھی ساری بات۔ ابھی بھی مجھ پہ چڑھائی کر رہے ہیں۔ جانتے بھی ہیں کہ آپ کے گھر والے کس قسم کے لوگ ہیں۔" خود پہ یوں خاور کا برسنا اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ فوراً ہی اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے اور عورت کے آنسوؤں سے جتنی خاور کو چڑ تھی' اتنی کسی اور چیز سے نہیں تھی۔

"او میرے خدا! سندس.... تم پہ کب الزام لگایا ہے میں نے؟ بس یہی تو کہا ہے کہ اگنور کیا کرو' تاکہ ہمارے آپس کے تعلقات خوش گوار رہ سکیں۔ لیکن تم اتنی سی بات سمجھتی ہی نہیں ہو۔" بیڈ کے ساتھ پڑی کرسی کی پشت سے لٹکتا ہوا تولیا کھینچتے ہوئے خاور عاجز آیا تھا جیسے۔

سندس چپ چاپ آنسو بہانے میں لگی رہی۔ اسے تو سمجھنا چاہیے۔ لیکن مرد ہے نا۔ اپنی بیوی کے آنسوؤں پہ اکڑتا اور ماں' بہن کے آنسوؤں پہ پگھلتا ہے۔ دیکھ لیں ابو اپنے منفرد داماد کو.... وہ دل ہی دل میں اپنے والد سے شکوہ کناں ہوئی۔ خاور کب کا واش روم میں بند ہو چکا تھا۔ وہ اپنے آنسو ہاتھوں سے صاف کرتی' اس سے مکمل ناراض ہو چکی تھی۔

✲ ✲ ✲

وہ واش روم میں تھی اور اس کا فون بجے جا رہا تھا۔ فون کی آواز سن کر اس نے جلدی سے شاور ختم کیا تھا۔ واش روم سے باہر نکلتے ہی فون ایک بار پھر بجنے لگا تھا۔ اس نے بیڈ پہ پڑا موبائل تیزی سے اٹھا کر فون ریسیو کیا تھا۔ خاور کی کال تھی۔

"کہاں گم ہو بیوی! تمہارا نمبر ملا ملا کر میری انگلیاں گھس گئیں۔" سلام دعا کے بعد خاور نے فوراً پوچھا تھا۔ موڈ اس کا خوش گوار ہی لگ رہا تھا۔ ورنہ تھوڑی دیر فون نہ اٹھانے پہ ہمیشہ وہ اسے اس کی لاپروائی پر دس پندرہ منٹ کا لیکچر تو دے ڈالتا تھا۔ ان کی ازدواجی زندگی بھی ہر جوڑے کی طرح اتار چڑھاؤ والے ٹریک پہ چل پڑی تھی۔ بہر حال وہ خوش تھی اور خاور بھی۔

"شاور لے رہی تھی۔ گرمی بھی تو ایک دم سے بڑھ گئی ہے' اوپر سے بجلی کی لوڈشیڈنگ۔" جیسے جیسے اس کی پریگننسی پروگریس کر رہی تھی۔ وہ سست اور بے زار سی ہوتی جا رہی تھی۔ پہلا پہلا بچہ تھا' اس لیے خاور اسے کافی رعایتیں دے دیتا تھا' لیکن صرف ایک رعایت ہی اسے نہیں ملتی تھی' اپنے والدین کے گھر رات گزارنے کی اور سندس اس کی اس عادت سے باقی بہت سی عادتوں کی طرح سمجھوتہ کر چکی تھی۔

"اوہو! میں سمجھتا ہوں یار.... بس تھوڑے دن اور ہیں۔ پھر ہمارے ہاتھوں میں ایک خوب صورت کھلونا آجائے گا تو ساری سردی گرمی اور جھیلی گئی تکلیفوں کا احساس تک مٹ جائے گا۔" خاور نے شرارتی انداز اپنایا تھا' وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

"اچھا بھئی بیوی! کھانے میں کیا ہے آج؟" خاور مطلب کی بات پہ آیا تھا' جس کے لیے کب سے فون کر رہا تھا۔ وہ اچھا کھانے کا شوقین تھا اور سندس اچھی کوکنگ میں اب تو ماہر ہو چکی تھی۔ سارے وقتوں کا کھانا وہ گھر پر ہی کھاتا تھا۔ کبھی کبھار دونوں ہوٹلنگ کر لیتے تھے' لیکن زیادہ تو گھر کے کھانے کو ہی اہمیت دیتا تھا۔ اس کا فرمائش بھرا سوال سن کر سندس نے گہرا سانس لیا۔ آج واقعی اس کا کچن میں جانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔

"آج کھانے کی ضد نہ کرو۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد سندس کی سریلی آواز ابھری تھی۔ خاور کے لب پھیلے تھے۔ "وہیں دکان پہ بیٹھے رہو۔" دوسرا مترنم مصرعہ آیا تھا اور خاور کا چھت پھاڑ قہقہہ.... سندس مسکراتے ہوئے اپنا کلام جاری رکھے ہوئے تھے۔

ہم تو مر جائیں گے
ایسی باتیں کیا نہ کرو
خود ہی سوچو ذرا
اتنی گرمی میں کیسے
کچن میں جائیں ہم
یوں نہ فرمائشیں کیا کرو

اس کا گانا ختم ہو چکا تھا اور خاور کے قہقہے ابھی تک اس کی سماعتوں میں گونج رہے تھے۔ وہ بڑی دل فریب مسکراہٹ چہرے پہ سجائے بیٹھی تھی۔

"بہت خوب بہو! میراثیوں والے شوق بھی رکھتی ہو۔" دروازے کے فریم میں ایستادہ صائقہ بیگم کی آواز سن کر اس کے لب بھنچے تھے۔ جانے وہ کب وہاں آکھڑی ہوئی تھیں۔ اسے اندازہ ہی نہ ہو سکا۔

"خاور کا فون ہے امی....." انتہائی برے دل سے ساس کو اطلاع پہنچائی، قبل اس کے کہ کوئی اور ہنگامہ کھڑا کر دیتیں۔

"واہ بھئی! ماں کو تو فون کرنے کی توفیق ہوتی نہیں اور یہاں بیوی سے ریڈیو کا فرمائشی پروگرام شروع کروا رکھا ہے۔" وہ دانستہ اونچی آواز میں بول رہی تھیں' تاکہ دوسری طرف بھی پیغام پہنچ جائے۔ ان کی ہر بات سنتا خاور ایک گہرا سانس کھینچنے پہ مجبور ہوا تھا۔

"امی کو دو فون ذرا....." اس کے ان کی طرف فون بڑھانے سے قبل ہی وہ ہاتھ بڑھا کر فون اچک چکی تھیں۔

"جاؤ بھئی کچھ پینے کو لے کر آؤ۔ تب تک میں اپنے بیٹے سے بات کر لوں۔ یوں سر پہ سوار نہ ہو تم ہمارے۔" تحکمانہ انداز تخاطب۔ سندس نے بمشکل خود کو کچھ کہنے سے روکا تھا اور وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ جبکہ صائقہ بیگم خاور کے ساتھ شروع ہو چکی تھیں۔

☆ ☆ ☆

آج کل وہ امی کی طرف آئی ہوئی تھی۔ خاور نے نہ تو شادی کا کوئی پروٹوکول خود فالو کیا اور نہ ہی اسے یا کسی اور کو کرنے دیا۔ اس کے گھر والے حیران تھے تو خاور کی ماں، بہن غصے میں تلملا رہی تھیں۔ اس کی جان الگ مشکل میں آئی رہتی تھی۔ گو کہ اس کا پورشن علیحدہ تھا' لیکن ایک دروازہ ہی تو پار کرنا پڑتا تھا۔ اس کے یہاں آنے کے لیے۔ صائقہ بیگم کوئی پچاس چکر دن کے شروع ہونے سے لے کر رات سر پر آپڑنے تک اس کے گھر کے لگا جاتی تھیں اور باتیں..... اللہ..... اللہ..... برداشت کرنا کتنا مشکل ہے' یہ اسے اب ہی اندازہ ہو رہا تھا۔ خاور سے شکایت کیا کرتی؟ اس کا اپنا نقطہ نظر تھا' ایسی باتوں کے متعلق..... وہ نظرانداز کرو کی پالیسی اسے اپنانے کا ہزار بار مشورہ دے چکا تھا۔ اب بندہ کب تک نظرانداز کرے۔ یہ سوال نہ وہ خاور سے پوچھ سکتی تھی اور نہ ہی اسے سمجھا سکتی تھی۔ اس لیے اب وہ صائقہ بیگم سے کنی کترائے رکھتی اور تو اور تنگ آکر اب وہ اپنی طرف کا دروازہ بھی لاک کرنے لگی تھی۔ جس پر صائقہ بیگم نے حسب عادت وہ قیامت برپا کی کہ پوچھو مت۔ خیر خاور ہی اس توپ کے دھانے کے سامنے آکھڑا ہوا تھا' اس میں تو اتنی تیز دھار زبانوں کا مقابلہ کرنے کی سکت بالکل نہیں تھی۔

"دروازے بند کرنے کی کیا تک ہے؟ کوئی چور اچکے بستے ہیں یہاں بی بی یا ماں باوا نے سونے کی اینٹیں جہیز میں دی ہیں۔ جن کی چوری ہونے کا خدشہ ہے۔" ہاتھ نچا نچا کر وہ خاور کے پیچھے چھپی کھڑی سندس پہ برس رہی تھیں۔

"ہاہاہا....." یہ بے وقت قہقہہ آپا کے علاوہ کسی کا نہیں ہو سکتا تھا۔

"سونے کی اینٹوں کی بھی خوب کہی امی آپ نے۔ جہیز کا ٹرک تو کیا بھر کر بھیجتے کان بھر کر بھیج دیا کہ جاؤ بی بی اگلوں کا جینا حرام کرو۔ بڑی ہونہار بھولائی ہیں آپ۔" آپا کو تو مزا آرہا تھا۔ تاک تاک کر اس پہ زبان کے تیر پھینکتے ہوئے۔

"دبس بہت ہو گیا۔ بند کریں اپنی یہ نوٹنکی۔ اسی بک بک سے بچنے کے لیے میں نے ہی اسے کہا تھا اپنی سائیڈ کا دروازہ بند رکھا کرے۔ آپ لوگوں کا کوئی قبلہ بھی ہے' جب دیکھو اعتراض' طعنے' میں نے منع کیا جہیز

سے اور ہر چیز سے اور کیوں کیا یہ آپ لوگ اچھی طرح جانتی ہیں۔ اب نکلے ہوئے سانپ کی لکیر پیٹ کر جو پہاڑ آپ سر کرنا چاہتی ہیں کرلیں۔ یہ میرا گھر ہے۔ آپ کے سوال جواب اعتراضات کو میں کسی خاطر میں نہیں لاتا۔ بہتر ہے آپ لوگ بھی اپنی حد پہچان لیں اب ورنہ....“ خاور کا جلال بڑھتا چلا جارہا تھا۔ دونوں ماں بیٹی اس کے یہ تیور دیکھ کر ہمیشہ کی طرح ٹھنڈی ہوگئیں۔ وہ دن اور آج کا دن اس کے بعد کسی نے اس کے پورشن کا رخ نہیں کیا۔

”خاور آرہا ہے ناشام میں....“ اس کے سوچوں کے تسلسل کو امی کی آواز نے توڑا تھا۔ وہ ایک دم سے چونکی تھی۔

”جی امی....“ مختصر جواب۔

”سب ٹھیک ہے نا سسرال میں۔“ جب سے آئی تھی سنجیدہ سے پھر رہی تھی۔ کئی بار پوچھنے کا من ہوا، لیکن سب چنڈال چوکڑی اسے گھیرے رہتی، آج سب پیر کی وجہ سے کالج اور کام پہ گئے ہوئے تھے، ورنہ تو اس نقار خانے میں کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔

”جی الحمدللہ.... خاور تو بہت اچھا ہے، لیکن....“ اپنی آواز کو بشاش بناتے ہوئے وہ کہتے کہتے رکی۔

”لیکن کیا۔“ وہ تو ایک دم سے پریشان نظر آنے لگیں۔ سندس کبھی اپنے سسرال کی بات ادھر نہیں کرتی تھی۔ ان سب کا یہی خیال تھا کہ شروع میں اپنی زبان کی تیزی دکھا کر اب ساس خاموش ہوچکی ہیں اور راوی سندس کے یہاں چین ہی چین لکھتا ہے۔

”ارے امی! وہی ساس نند کی چخ چخ.... آپ کیوں پریشان ہوگئیں؟“ اس نے اپنے ساتھ بیٹھی امی کے کندھے تھام کر کہا۔

”یہ بھی خوب ہی تماشا ہے بیٹا۔ یہ کانٹے تو ہر شاخ پہ ٹنگے ملیں گے۔ ان کے ساتھ تو گزارہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ باقی میاں راضی تو کیا کرے گا قاضی۔“ امی اپنے سمدھیانے کی عادات و مزاج سے اب تک خوب واقف ہوچکی تھیں۔ وہ تو داماد شکر ہے ہیرا تھا۔ شفیق صاحب (شوہر) نے واقعی ٹھوک بجاکر ہی خاور کا انتخاب کیا تھا۔ وہ معترف ہوگئیں۔

”چلو اٹھو! باہر نکلو۔ تمہیں سب خواتین پوچھ رہی ہیں۔“ امی نے اٹھ کر اس کے بال سہلاتے ہوئے کہا۔ تو وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

کسی لیپ ٹاپ کی رپیئرنگ میں مصروف خاور کو اپنے کاؤنٹر کی دراز میں رکھے کب سے بجتے موبائل کا اندازہ ہی نہ ہوسکا۔ کسی اوزار کی تلاش میں دراز کھلنے پہ اس کی نگاہ وائبریٹ ہوتے موبائل پہ پڑی تھی۔ بارہ مس کالز۔“ سندس کی اتنی کالز دیکھ کر وہ زیر لب بڑبڑایا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے کال بیک کرتا اس کی کال دوبارہ سے آگئی تھی۔

”یا اللہ! کہاں ہیں آپ؟ کب سے کال کررہی ہوں آپ کو؟“ اس کے فون ریسیو کرتے ہی سندس کی گھبرائی ہوئی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

”کیا ہوا؟ سب خیریت ہے نا۔“ اس کی حالت کے پیش نظر اس کی پریشانی فطری تھی۔

”خیریت ہی ہے۔ روم کا اے سی کام نہیں کررہا اور اتنی گرمی ہے کہ میرا تو دم گھٹا جارہا ہے۔“ وہ جلدی جلدی سے بتانے لگی۔

”اچھا! تو تم امی کی طرف چلی جاؤ۔ میں تو شام کو ہی آپاؤں گا۔ اس وقت بہت کام ہے۔“ خاور نے صائقہ بیگم کا حوالہ دیا۔

”ان کے ہاں جاکر جلنے سے بہتر ہے میں اسی گرمی میں جل مروں۔“ اسے اس کا یہ آئیڈیا ذرا بھی نہیں بھایا تھا۔

”او گاڈ! ایک تو تم عورتیں رائی کا پہاڑ بنا کر اس پہ چڑھ بیٹھتی ہو۔ تو پھر ٹیکسی کرکے اپنی امی کی طرف چلی جاؤ۔“ اس کا کام میں الجھا ذہن اپنی بیوی کی الجھی گتھیاں سلجھانے کے موڈ میں ہرگز نہیں تھا۔

”بہت اچھے! سات ماہ کی پریگننسی لے کر اس جلتی دوپہر میں کہاں ٹیکسی کے لیے خوار ہوتی پھروں۔“

آپ کسی اے سی ٹھیک کرنے والے کو لے کر آئیں ابھی۔" اس کے سارے مفت مشورے رد کرتی وہ اپنا مطالبہ پیش کر گئی۔

"آنے میں ہی ڈیڑھ دو گھنٹے لگ جائیں گے یار۔ سمجھو چار گھنٹے برباد۔۔۔ تم ایسا کرو اپنے کزن عدیل کو بلالو فون کر کے۔ اسے بہت نزدیک پڑے گا۔" خاور نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تھا۔ عدیل اے سی مکینک تھا اور اس کی دکان یہاں سے زیادہ دور بھی نہیں تھی۔

"ہاں! یہ تو سوچا ہی نہیں میں نے۔۔۔ ٹھیک ہے' میں اسے فون کرتی ہوں۔" وہ ایک دم سے خوش ہوئی تھی۔

"چلو شکر ہے۔ تم اسے بلاؤ اور اے سی ٹھیک کروالو۔ اگر کوئی بڑا مسئلہ ہو تو اسے کہنا تمہیں تمہاری امی کی طرف چھوڑ دے میں رات کو آکر دیکھوں گا کہ کیا ہو سکتا ہے؟"

اس نے اسے تفصیل سے سمجھایا تھا۔ سندس نے اسے خدا حافظ کہہ کر فوراً" ہی عدیل کا نمبر ملا دیا تھا۔ دوسری ہی بیل پر اس کا فون اٹھا لیا گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ہائے امی! دیکھیں ذرا اپنی بہو کے کرتوت۔" یہ آواز آپا کے علاوہ کسی کی نہیں ہو سکتی تھی' ہوا فتاں و خیزاں اپنے بھاری بھرکم وجود میں بجلیاں بھرے لڑھکتی چلی آرہی تھیں۔ لاؤنج میں لیٹی خراٹے لیتی صائقہ بیگم ہڑبڑا کر اٹھی تھیں۔ کچھ دیر تو انہیں حالات و واقعات کو سمجھنے میں لگی کہ ابھی کچی نیند سے جاگی تھی۔

"حد ہے شائلہ! کوئی سوتے ہوئے کے سرہانے ایسے صور پھونکتا ہے؟ ہارٹ ابھی فیل ہو جانا تھا میرا۔" چادر اتار کر صوفے پہ پھینکتی ہوئی آپا کی گوشمالی انہوں نے کرنی چاہی تھی۔

"او ہو امی! مجھے کیا پتا تھا کہ آپ سارے گھر کے دروازے چور' لٹیروں کے لیے کھلے چھوڑ خود خوابوں کی سیر کو نکلی ہوئی ہیں۔" دھپ سے صوفے پہ گرتے ہوئے انہوں نے ان کا اعتراض چٹکیوں میں اڑایا تھا۔

"اے ہاں! تم اندر کیسے آئیں؟ دروازہ تو بند تھا؟" جیسے جیسے صائقہ بیگم کے سوئے حواس بحال ہو رہے تھے' ویسے ویسے ان کی تشویش شروع ہو چکی تھی۔ گھر کے سارے مرد تو اس وقت کام دھندوں پہ ہوتے تھے اور بڑی بہو اپنے بچوں کو اپنے پروں تلے سمیٹے اپنا والا حصہ بند کر کے آرام کر رہی ہوتی تھی۔ تو پھر دروازہ کب اور کیسے کھلا رہ گیا؟

"اسی کا رونا تو میں رو رہی تھی۔ آپ کی بہو نے کسی کو گھر بلا رکھا ہے۔ ابھی دیکھ کر آرہی ہوں۔" آپا نے تو ایک بات کر کے ایک دم سے ان کے چودہ طبق روشن کر دیے تھے۔

"کیا کہہ رہی ہو؟" انہیں یقین نہیں آیا تھا۔

"خود دیکھ لیں چل کر۔۔۔ کسی مرد کی باتوں کی آواز آرہی ہے۔ دروازہ بہو نے اندر سے بند کر رکھا ہے' تاکہ ہم اس کے کرتوت نہ جان جائیں۔ اللہ جانے کب سے یہ چکر چل رہا ہے۔" صوفے پہ پسر کر بیٹھی آپا آنکھیں نچا نچا کر بولتی صائقہ بیگم کا پارہ چڑھا رہی تھیں۔

"دیکھتی ہوں میں جا کر۔" وہ ایک جھٹکے سے صوفے سے اٹھی تھیں۔ ان کے پیچھے پیچھے آپا بھی چلی آئیں۔ خاور کے پورشن کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ کان لگا کر سنا تو انہیں کھٹر پٹر کی آوازیں آئیں۔ ابھی تک کسی مرد کی آواز ان کے کانوں سے نہیں ٹکرائی تھی۔ انہوں نے مڑ کر اپنے پیچھے کھڑی آپا کو گھورا تھا۔ "مجھے تو کوئی مرد کی آواز نہیں آرہی۔"

"لو میں کیوں جھوٹ بولوں گی؟" صائقہ بیگم کی آنکھ میں لکھی تحریر پڑھ کر انہوں نے کہا تھا۔ صائقہ بیگم نے اب اپنا کان پھر دروازے سے چپکا دیا۔ وہی کھٹر پٹر۔۔۔ "او ہو! دروازہ کھٹکھٹائیں۔ وہ اندر ہی ہے اس کے ساتھ۔۔۔" کہتے کے ساتھ ہی آپا نے اپنا بھاری ہاتھ دروازے پہ دے مارا۔ پھر یکے بعد دیگرے کئی بار زور' زور سے دروازہ بجایا۔ جوں جوں دروازہ کھلنے میں تاخیر ہو رہی تھی ان دونوں کا شک یقین میں بدلتا جا رہا

تھا۔

"ارے کھولو دروازہ... کون ہے اندر..." آپا شمائلہ جان بوجھ کر اونچی آواز میں چیختے ہوئے دروازہ توڑنے کے درپے تھیں شاید۔ تب ہی دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا تھا۔ سامنے کھڑی سندس اور اس کے پیچھے اوزار کا تھیلا اٹھائے کھڑے سندس کے کزن کو دیکھ کر صائقہ بیگم کو تو غش ہی آگیا۔

"ہائے میں مر گئی... ہائے ہائے... یہ کیا کر رہی تھیں تم اس مرد کے ساتھ ڈھنڈار گھر میں اکیلے۔" کفن پھاڑ آپا جی بولی تھیں۔ سینے پہ دو ہتڑ مارتے ہوئے۔

"کیا مطلب... کیا ہوا ہے؟" سندس کے پیچھے کھڑا حیران پریشان سا عدیل آگے آیا تھا۔

"آئے تم تو دفعان ہو یہاں سے اب منہ کالا کر کے چوڑے مت بنو۔ کیا ہوا؟" آپا ہی ہاتھ نچا اور منہ بگاڑ کر بول رہی تھیں۔ ان کی لن ترانیاں سمجھنے کی کوشش کرتی سندس کو اچانک ہی چکر آیا تھا۔ وہ دروازے کا پٹ تھام کر بیٹھتی چلی گئی۔

"کرو اور ڈرامے... بدبخت... بے حیا عورت... شوہر دکان پہ ہے اور تو ادھر اس مردود کو گھر بلا کر گلچھرے اڑا رہی ہے۔" آپا زمین پہ سر تھامے بیٹھی سندس پہ جھپٹنے کے لیے آگے بڑھی تھیں۔

"پلیز وہیں رک جائیں۔" عدیل کے حواس ساتھ چھوڑتے جا رہے تھے "یہ عورتیں کیا بکواس کر رہی تھیں؟ "میں یہاں خاور کے ہی کہنے پر اے سی ٹھیک کرنے آیا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ سندس کے سسرال والوں کے دماغ نہیں گندے جوہڑ ہیں۔ شرم کریں آپ آپا۔ اللہ سے ڈریں... کیوں الزام لگا رہی ہیں؟" عدیل کو اب خوب غصہ آ رہا تھا۔ ان کی ہمت کیسی ہوئی ایسا بہتان باندھنے کی۔

"اے لو میاں! اے سی خراب تھا تو کیا اندر کو ئلے دھک رہے تھے جو چار گھڑی مہارانی سے بیٹھا نہ گیا۔ چلو اگر ایسا تھا بھی تو یہاں آجاتی دو قدم چل کر سارا گھر پڑا ہے خالی لوٹنیاں لگانے کو... تجھے کیوں بلایا؟ میاں کو بلاتی۔ ساس سے کہتی، تو اس کے ساتھ اندر بند کیا کر رہا تھا؟" کب سے چپ کھڑی صائقہ بیگم کی باری تھی، اب میدان میں کودنے کی۔

"اپنے بیٹے سے فون کر کے پوچھ لیں۔ کیوں بلایا مجھے اور کس لیے۔" عدیل نے ان بھینسوں کے آگے بین بجانا بے کار ہی جانا تھا۔ اس لیے دوٹوک بولا تھا۔

"اور تم سندس چلو اٹھو... میرے ساتھ چلو... تمہیں تایا۔ (سندس کے ابو) کی طرف چھوڑ دیتا ہوں۔" وہ ان دونوں کو جواب دے کر زمین پہ بیٹھی سندس کی طرف پلٹا تھا۔

"اٹھو... یہاں رکنا مناسب نہیں۔" یونہی ٹھس سی بیٹھی سندس کو اس نے پھر کہا تھا۔ وہ ڈھیلے بدن سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہاں ہاں جاؤ جاؤ اب اسی کے ساتھ ہی کھاؤ کھیلو۔ آنے دو ذرا خاور کو۔ بتاتی ہوں اسے سب..." آپا کے دل کی مراد بر آئی تھی۔ فوراً" اسے اکسانے لگیں۔ سندس سختی سے دانت لبوں پہ جمائے وہاں سے چلی گئی۔ عدیل بھی سر جھٹکتا آپا کے پہلو سے نکل گیا۔

"لگاؤ فون ذرا خاور کو۔ اس سے پہلے کہ یہ حرافہ اس کے کان بھرے۔" کمر پہ ہاتھ جمائے کھڑی صائقہ بیگم نے آپا کو حکم صادر کیا تھا۔ ان کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ایسا ہاتھ آیا موقع کیسے جانے دیتیں۔

"آئے امی! دیکھ لیں۔ خاور ہے الٹی کھوپڑی کا۔ یہ نہ ہو سر منڈواتے ہی اولے پڑ جائیں۔" آپا نے گریبان سے فون نکالتے ہوئے خدشہ ظاہر کیا تھا۔

"ارے جاؤ! کیسا بھی بیوی کا پو کیوں نہ ہو، مرد ایسی بات سن کر چار لفظ نہ لکھ کر بھیجے تو میرا نام بدل دینا۔ ملا تو ذرا فون۔" صائقہ بیگم نے آپا کا خدشہ ہوا کے سپرد کرتے ہوئے سینہ ٹھونک کر دعوا کیا تھا۔ آپا کی انگلیاں فوراً" خاور کا نمبر ملانے لگیں۔

☆ ☆ ☆

"یہ تو حد ہی ہو گئی ہے؟" کمرے میں چکراتے ہوئے شفیق صاحب کا دماغ غصے سے ابل رہا تھا۔

"ارے بیٹھ جائیں! دل کے مریض ہیں۔ کچھ ہو ہوا گیا تو میں کس دیوار میں جا کر سر ماروں گی۔۔۔ ہماری تو چھپر چھایا آپ ہی ہیں۔" فردوس بیگم ان سے زیادہ پریشان ہو رہی تھیں ان کی طبیعت کی ممکنہ خرابی کا سوچ سوچ کر۔

"آپ بھی کمال کی بات کرتی ہیں بیٹی کی نیک نامی پہ سوالیہ نشان اٹھا دیا ان لوگوں نے۔۔۔ یہی سوچ میرا دل کھائے جا رہی ہے اندر سے" زوجہ کی بات سن کر کمرے میں چکر اتنا ملتوی کرتے ہوئے وہ تھکے تھکے سے انداز میں بیڈ کے ساتھ پڑی کرسی پہ گرے تھے۔

"میں بھی آپ سے کم پریشان نہیں ہوں۔۔۔ ایک تو سندس کی یہ حالت اوپر سے انتہائی گھٹیا لوگوں کا یہ الزام۔۔۔ مجھے تو اس کی فکر بھی کھائے جا رہی اللہ خیر ہی رکھے۔ گئے ہیں نا آپ کے بھائی اور بھاوجیں بات کر کے ہی آئیں گے۔ آپ تسلی رکھیں۔" وہ بیڈ سے اتر کر ان کے سامنے والی کرسی پر آ بیٹھیں اور ان کے کندھے کو مسلنے لگیں۔

"ان عورتوں سے تو مجھے کوئی اچھی امید نہیں تھی بس خاور کی سوجھ بوجھ کی عادت نے گرویدہ بنا لیا ورنہ میں کب کرنے لگا تھا سندس کا رشتہ اجنبی لوگوں میں؟" وہ اب دونوں ہاتھوں میں سر تھام چکے تھے۔

"خاور کا فون تو آ گیا تھا آپ کو۔۔۔ کیوں خود کو ہولائے دے رہے ہیں، سو جائیں خدا کے لیے رات کے دس بج گئے کچھ کھایا پیا بھی نہیں آپ نے کہیں دل پہ دباؤ بڑھ نہ جائے" ریاست بیگم بات کرتے کرتے روہانسی ہو گئی۔

"آپ کیوں رونے لگ گئیں۔" ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے تو شفیق صاحب کو احساس ہوا۔

"روؤں نہ تو اور کیا کروں؟ ایک ہی اولاد اور اس پہ ایسا کاری وار کیا دشمنوں نے؟" اب وہ کھل کر رو رہی تھیں۔

"بس کبھی کبھی ہمارے اپنے ہی فیصلے ایک امتحان بن کر سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں دعا کریں سندس پہ

جیسے داغ لگا ہے ویسے ہی ڈھل جائے۔" ان کے کندھے کو سہلاتے ہوئے وہ بولے تو آواز بہت کمزور اور تھکن زدہ تھی۔ ریاست بیگم بس سر ہلا کر رہ گئیں۔

"سندس سو گئی کیا؟" اچانک سے یاد آنے پہ انہوں نے پوچھا تھا۔

"جب مقدر سو جائے تو بندے کی آنکھ پتھر کی ہو جاتی ہے کہاں کی نیند... کیسا آرام 'بیٹھی ہے اندھیرا کیے کمرے میں۔" اپنے دوپٹے سے بہتے آنسو صاف کرتے ہوئے انتہائی آزردگی سے بولی تھیں۔ شفیق صاحب بس چپ چاپ ان کا کندھا پکڑے سہلاتے رہے۔

✡ ✡ ✡

"اچھا ہوا خس کم جہاں پاک" بڑے مزے سے ہاتھ جھاڑتے ہوئے صائقہ بیگم کا ارشاد آیا تھا۔ قریبی صوفے پہ سر پکڑے بیٹھے مبشر صاحب کا دل کیا اٹھ کر دو ہاتھ لگا ہی دیں۔

"حد ہوتی ہے۔ ہر چیز کی صائقہ بیگم... کچھ تو خدا کا خوف کھانا تھا... بہو ہے تمہاری کوئی راہ چلتی نہیں۔ جس پہ اتنا بڑا بہتان باندھ دیا۔" ان کے لہجے میں غصے سے زیادہ افسوس گھلا ملا تھا۔

"ارے میاں! آنکھوں دیکھی مکھی کیسے نگل جاتی؟ جتنا ستھرا بیٹا ہے نا میرا اتنی ہی گند کی پوٹ بیوی اٹھا لایا ہے۔ میں تو جتنا شور مچاتی کم ہے... اندھیر ہے اندھیر پتا نہیں کب سے یہ" وہ آنکھیں مٹکاتے اپنے گال پیٹتے بولتی چلی جا رہی تھیں۔

"اپنے بیٹے کے تنکا تنکا جوڑے گئے آشیاں کو آگ لگا کر کتنے سکون سے بیٹھی ہو؟ تمہیں احساس بھی ہے کہ کتنی بڑی غلطی کر چکی ہو تم؟" مبشر صاحب کا بس نہیں چل رہا تھا کہیں سے دو پیسے کی عقل ادھار پکڑ لاتے اور بیگم کے پلو سے باندھ دیتے۔ جو کوئی بات سمجھنے کے در پہ نہ تھیں۔

"اے ہٹاؤ! جو کرے سو بھرے۔ اب تو اس کا پتا صاف ہی سمجھو..." وہ انہیں کبھی خاطر میں لائی تھیں جواب لاتیں میرا رچتا بچتا خاندان ہے کوئی نہ کوئی کوہ نور ڈھونڈ ہی لوں گی اپنے لعل کے لیے۔" وہ تو آگے تک کی پلاننگ کیے بیٹھی تھیں۔

"فی الحال تو پورے خاندان اور بیٹے کا سامنا کرنے کو تیار ہو جاؤ... آ رہے ہیں سندس کے گھر والے۔ کچھ دیر پہلے کال آئی تھی خاور کی۔" وہ اپنی قمیص کا دامن جھٹکتے ہوئے اٹھے تھے۔

"توبہ ہے بڑے ہی ڈھیٹ لوگ ہیں... ایسے موقعوں پہ تو لڑکی کا پورا خاندان ریت میں منہ دبائے پڑا ہوتا ہے اور یہ لوگ اب کون سا سانپ نکالنے آ رہے ہیں؟ رکھیں اپنی لڑکی اپنے گھر اللہ جانے یہ جو بچہ ہے..." ان کی زبان تو قینچی کی تیزی کو مات دیتی تھی۔

"بکواس بند کرواؤ اپنی۔" اب بھی شوہر کے دھاڑنے پہ ہی رکی تھی۔

"صائقہ بیگم! میں کہتا ہوں چپ کتنا بوجھ اپنی پیٹھ پہ لادے بیٹھی ہو۔ کوئی ہوش ہے تمہیں۔ تم نے دو انچ کی اپنی زبان ہلا کر دو گھروں میں جو فساد برپا کیا ہے نا' اس کی قیمت بڑی بھاری ہوگی تمہارے لیے۔" انگلی اٹھا کر انہیں خبردار کرتے ہوئے وہ بڑبڑاتے کمرے سے نکلے تھے۔

"لو جی! باسی کڑھی بھی ابلنے لگی اب تو..." اپنی ناک پہ انگلی جما کر استہزائیہ انداز میں کہا تھا اور خود ہی اپنی بات کا مزا لینے کو ہنس پڑی تھیں۔

✡ ✡ ✡

سیاہ سمندر جیسی بہتی رات گزرتی جا رہی تھی۔ خاور کے گھر کے ہال میں اس وقت سارے ہی بڑے جمع تھے دونوں طرف سے۔ کمرے کے بیچوں بیچ پڑے میز پہ رکھی چائے کی ان چھوٹی پیالیوں میں چائے پہ بالائی کی موٹی تہ جم چکی تھی... خاور کے گھر کے سارے مرد اس سمیت سر جھکائے بیٹھے تھے۔ سندس کے گھر کی خواتین بول بول کر تھک چکی تھیں شاید اب... ثمینہ ہمیشہ کی طرح چائے پانی کے انتظام پہ مامور کر دی

گئی تھی کمرے میں گہرا سناٹا تھا۔ شمائلہ آپا اور صائقہ بیگم بیٹے کے سسرالیوں کو کینہ توز نظروں سے گھور رہی تھیں۔

"ہاں برخوردار! کیا کہتے ہو اب؟" کافی دیر خاموشی سے ان کی شکلیں گھورتے رہنے کے بعد رفیق صاحب (شفیق صاحب) کے چھوٹے بھائی نے بلند آواز میں خاور کو مخاطب کیا تھا۔

"ارے بھئی اس نے کیا کہنا ہے سوائے دو حرف کہنے کے... آپ رکھیں اپنی لڑکی... ہمیں ایسی بے حیا..." صائقہ بیگم کی ابھی تشفی نہیں ہوئی تھی اسی لیے فوراً "چمک کر" بولی تھیں۔

"بااس..." کافی دیر سے ضبط کرتے خاور کی برداشت ختم ہوئی تھی۔ ماں کو دھاڑ کر بیچ میں ہی ٹوک دیا تھا وہ ایک دم سے ڈری تھیں اور کمرے میں بیٹھے نفوس کی طرف سے ملا جلا رد عمل آیا تھا۔

"بس امی بس! میرے دل میں اپنی محبت کا کوئی تو چراغ روشن رہنے دیں۔" وہ پھٹ پڑا تھا۔ انتہائی دکھ اس کے لہجے سے عیاں تھا صائقہ بیگم کے کچھ کہنے کو ملتے لب اس کی اگلی بات سن کر ساکت ہوئے تھے۔

"سندس کی نفرت میں آپ اتنا آگے بڑھ چکی ہیں کہ مذہب، معاشرے اور اخلاقیات کی ساری حدیں کراس کر چکی ہیں۔" کمرے میں گہری خاموشی تھی۔ بس اس کے بولنے کی آواز تھی جو سندس کے گھر سے آئے بیٹھے لوگوں کے دل کی بھی آواز تھی۔

"آپ ماں سے ساس بنیں اور پھر ساس ہی رہ گئیں... سارے رشتے ایک ایک کر کے چھوڑتی گئیں... کس پہ الزام لگا رہی ہیں؟ یہ تو سوچا ہوتا... کس کا کلیجہ کند چھری سے بھنبھوڑ رہی ہیں؟ کوئی تو سوچ کا در وا رہنے دیا ہوتا۔" ضبط سے سرخ پڑتی آنکھوں میں شفاف پانی تیرنے لگا... صائقہ بیگم کو لگا انہوں نے اپنی زندگی بھر کی نیک نامی اسی پانی میں ڈبو دی ہے۔ "کیا کہوں آپ سے؟ کیا لگا تھا آپ کو... عقل سے پیدل ہوں۔ آنکھ سے کانا ہوں، کوئی کچھ کہہ دے اٹھ کر میں مادو بنا اس کے پیچھے آمین کہتا رہوں گا۔" بھری محفل میں یوں بیٹے کا خود سے مخاطب ہونا، سوال جواب... اب ان کا سانس الجھنے لگا تھا۔ کوئی لفظ منہ سے برآمد نہیں ہو رہا تھا۔ شاید اللہ نے ان کی زبان تالو سے لگا دی تھی... ان کے اندر باہر اک کپکپی سی چڑھنا شروع ہو گئی تھی۔

"میں اللہ کو اور آپ سب کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ مجھے اپنی بیوی کی پاک دامنی پہ کوئی شک نہیں... اپنے گھر والوں کے اس بہتان میں میرا کوئی حصہ نہیں میں اپنی ماں کو معاف کر سکتا ہوں لیکن سندس کی ساس کو نہیں۔" اس کی بات ختم ہوئی ہی تھی کہ صائقہ بیگم وہیں بیٹھے بیٹھے ایک طرف کو لڑھک گئیں۔ شمائلہ آپا کی چیخ سب سے نمایاں تھی۔ کمرے سے نکلنے سے پہلے اس نے دھندلائی آنکھوں سے کمرے کا منظر دیکھا تھا اس میں اسے صرف دو پتھرائی آنکھیں نظر آئی تھیں اپنی ماں کی۔

☆ ☆ ☆

"مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔" رونے سے سوجی ہوئی آنکھوں کے سامنے خاور کے سراپے کا گمان سا ہوا تھا۔۔۔ وہ اس گمان پہ یقین کا سرا تھامے تیزی سے اٹھی تھی۔ خاور نے اپنی باہیں وا کر دیں۔ وہ چپ چاپ اس کے ساتھ لگ کر رونے لگی۔

"بہت بھاری رات گزر رہی تھی۔۔۔ اس سے زیادہ دیر کرتے تو شاید۔۔۔" رونے سے اس کا گلا بھی بیٹھ چکا تھا اس لیے آواز عجیب سی ہو رہی تھی۔ خاور نے اسے اپنی بات مکمل نہیں کرنے دی۔

"تمہارے سارے بار اٹھانے کا وعدہ کیا تھا کیسے نہ آتا؟" نرمی سے اس کے گالوں پہ بہتے آنسو صاف کیے۔

"کیا سب کو یقین آ گیا۔" ذہن میں سرسراتا سوال ہونٹوں کی چوکھٹ پر آ ہی گیا۔

"کیا اس سے کچھ فرق پڑتا ہے کہ کسے یقین آیا اور کسے نہیں؟" وہ اسے ساتھ لگائے بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔

"اور تم۔۔۔؟" اس کے اندر کا خوف باہر آیا تھا۔

"مجھے تم پہ ایسے ہی یقین ہے جیسے اللہ کے موجود ہونے پہ" خاور کے لبوں نے نرمی سے اس کا ماتھا چھوا تھا اک گہرا سانس یا شاید سسکی نکلی تھی اس کے منہ سے۔۔۔

"لیکن تمہارے گھر والے؟" تھوڑی دیر آنسو بہا کر پھر وہی سوال۔۔۔

"چھوڑ دو سب وقت پر۔۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" خاور کا جواب اس کی ایسے کہاں تشفی ہوئی تھی اور ایسے معاملوں میں تو کوئی جواب، کسی زخم کا مرہم نہیں بن سکتا بس وقت۔۔۔ گزرتا وقت دکھ کی شدت کم ضرور کر دیتا ہے اب اسے بھی انتظار کرنا تھا۔ چلتی سانسوں کے ساتھ دوڑتے لمحوں کا اور پھر خاور اس کے ساتھ ہم قدم تھا اس کی عزت کی چادر میلی نہیں ہوئی تھی بس دھول اڑائی گئی تھی۔

✲ ✲ ✲

"کیسی ہیں امی آپ؟" لاؤنج میں صوفے پہ لیٹی صائقہ بیگم یہ آواز سن کر اک جھٹکے سے اٹھی تھیں۔

"ماشاء اللہ۔۔۔ میرا چاند بھی آیا ہے اپنے ابا کے ساتھ" خاور سے حال احوال دریافت کرنے کے بعد انہوں نے لپک کر اس کی گود میں ساڑھے چھ ماہ کے گل گوتھنے بچے کو پکڑا تھا چٹاچٹ کئی بوسے لے ڈالے۔ خاور لبوں پہ ایک دھیمی مسکراہٹ سجائے دادی کی پوتے پہ وارفتگی دیکھتا رہا۔

"وہ۔۔۔ بہو نہیں آئی۔" آہستہ آہستہ بچے کو اپنے گھٹنے پہ بٹھا کر اچھالتے ہوئے وہ آج بھی سندس کے بارے میں پوچھنے پہ جھجکی تھیں۔

"امی جس سوال کا جواب معلوم ہے پھر اسے پوچھ کر خود کو شرمندہ کرنے کا فائدہ؟" خاور آج بھی لگی لپٹی رکھے بغیر دو ٹوک بات کرنے والا انسان تھا۔۔۔ وہ ایک بار پھر شرمندہ ہوئی تھیں۔۔۔ اس وقت کے بعد تو بس چلتی سانسوں اور شرمندگی میں ایک عجیب سا تال میل ہو گیا تھا۔ ماں کے منہ پہ پھیکا پن دیکھ کر وہ بے ساختہ ان کے ہاتھ تھام کر آنکھوں سے لگا گیا۔

"چھوڑ دیں۔۔۔ تھوڑا اور وقت دیں ٹھیک ہو جائے گی آپ بس اپنا خیال رکھیں اور مجھے کچھ اچھا سا بنا کر کھلائیں۔" اس کا اتنا نرم انداز اور محبت ان کی آنکھیں نم کر گیا۔

کچھ غلطیاں انسان سے ایسی ہو جاتی ہیں۔۔۔ جو اس کا سر ساری عمر کے لیے جھکا دیتی ہیں۔۔۔ وہ غلطی نہیں بلکہ گناہ کر بیٹھی تھیں جانتے بوجھتے۔۔۔ جان بوجھ کر کیے گئے گناہوں کے کفارے اتنے آسان کہاں ہوا کرتے ہیں۔۔۔ اور یہ مشکل راہ انہوں نے خود چنی تھی اب تو بس اس پہ چلنا تھا زخم زخم پاؤں لیے۔۔۔ دیکھنا تھا کب سبز مخملیں گھاس ان کے قدموں کے نیچے آ ٹھہرے۔ وہ بس انتظار میں تھیں۔ انتظار اچھے وقت کا، معافی کا، تلافی کا۔۔۔

✲ ✲

مصباح علی سید

ازمیر اور مریم آسٹریلیا کے شہر وکٹوریہ میں رہتے ہیں۔ ان کی اکلوتی بیٹی روائیبہ شادی کے گیارہ سال بعد پیدا ہوئی۔ وہ ایک خوب صورت اور معصوم لڑکی ہونے کے ساتھ والدین کی بے حد لاڈلی ہے۔ وہ اس کی سرپرائز سالگرہ آسٹریلیا کے مشہور نیشنل گرین فورسٹ میں شاندار طریقے سے مناتے ہیں۔ سارا پروگرام جندب ترتیب دیتا ہے۔ جندب کا ہاسٹل ازمیر کے فلیٹ کے بالکل قریب ہے۔ اکثر اوقات وہ ان کے ہاں آتا رہتا ہے۔ ان چاروں کے درمیان دوستی اور خلوص کا رشتہ ہے۔ میرز کا فیصل آباد کے نواحی گاؤں میں مانے ہوئے زمیندار ہیں۔ ان کی والدہ فالج کی مریضہ ہیں۔

میرز کا کے دو بیٹے خیام زکا، حنبل زکا ہیں۔ خیام کی شادی آئمہ سے ہو چکی ہے۔ حویلی میں آئمہ کی حکمرانی ہے۔ آئمہ کے دو بچے ہیں۔ ازلان، اعشال۔ ازلان لاابالی اور شرارتی ہے جب کہ اعشال رکھ رکھاؤ والی زمیندار لڑکی ہے۔

زینب حویلی میں جدی پشتی خدمت گزار کی حیثیت سے ہے، لیکن دل حنبل زکا کی وجاہت میں بری طرح جکڑا ہوا ہے اور اسی بنا پر وہ اپنے لیے آنے والے رشتے ٹھکرا دیتی ہے۔ ایک دن ان ہی کے طبقے سے تعلق رکھنے والے اصغر نے اسے چھیڑا۔ حنبل نے نہ صرف دیکھا بلکہ بے تحاشا پیٹا۔ اس واقعے نے زینب کو مکمل طور پر حنبل زکا کا اسیر کر دیا ہے۔

شہروز کمال سبرینہ کا شوہر ہے۔ دولت مند ہونے کے ساتھ ساتھ رنگین مزاج بھی ہے۔ سبرینہ سے اس کی پسند کی شادی ہے، لیکن اوپر تلے چار بیٹیوں کی پیدائش نے اسے سبرینہ سے متنفر کردیا ہے۔ اسے بیٹے کی شدید خواہش ہے۔ اکثر سبرینہ اس کے طنز و طعنے کے حصار میں رہتی ہے۔ بیٹیاں باپ کے سخت رویے سے خوف زدہ ہیں۔ باپ کے قریب جانے سے بھی ڈرتی ہیں یہ جرم بھی شہروز سبرینہ کے کھاتے میں ڈالتا ہے...

اب آگے پڑھیں۔

مکمل ناول

چھٹی قسط

وہ بیڈ پر آلتی پالتی مارے ابھی بیٹھی ہی تھی کہ کھڑکی کے باریک پردے پر کوئی سایہ گزرتا ہوا محسوس ہوا۔

"رات کے اس پہر جب سب سوئے ہوئے تھے، کون ہو سکتا ہے۔" آنکھیں سیکڑے وہ ادھر پوری طرح متوجہ تھی۔

"ہاں اب بتاؤ، کیا باتیں کرنا تھیں۔" دفعتاً دروازے پہ پھر ناک ہوئی، وہ اچھی خاصی چونکی۔ جنبل مسلسل بول رہا تھا۔

"بولو۔۔۔ چپ کیوں ہو گئیں۔"

"ہاں کچھ نہیں۔۔۔" اس کی نگاہ پردے سے پھسل کر دستک ہوتے دروازے پر تھی۔

"اب نیند آرہی ہے، پھر بات کریں گے۔۔۔ ہاں۔" اپنے تئیں وہ اسے ٹال چکی تھی اور فون بند کر دیا۔ وہ ڈرتے ڈرتے اٹھی۔ آہستہ سے دروازہ کھولا۔ باہر کوئی دکھائی نہیں دیا مکمل اندھیرا اور سناٹا تھا۔ ہاں اس سناٹے کو جھینگروں کی قینچی جیسی آوازیں اور گیدڑ کی دھاڑ چیر رہی تھی۔

"میرا وہم ہے۔" اس نے گہرے سانس لیتے دروازہ پھر سے بند کر دیا۔ ابھی وہ بیڈ تک واپس آئی بھی نہیں تھی کہ پھر دستک ہونے لگی۔ ایک تواتر کے ساتھ دھیرے دھیرے مسلسل کوئی بجائے جا رہا تھا۔ وہ لمحہ بھر سوچتے ہوئے گلاس ونڈو کی جانب بڑھی۔ پردہ سرکا کر دیکھا۔ چھت پر لگے چھوٹے چھوٹے زرد بلبوں سے کوریڈور نیم تاریکی میں ڈوبا تھا۔ کوئی وجود دکھائی نہیں دیا مگر دروازے کے باہر کی جانب ماربل کے فرش پر اک سایہ نظر آرہا تھا۔

"کون ہو سکتا ہے؟ اس نے صرف پل بھر سوچا تھا اور پل بھر کی سوچ ہمیشہ نامکمل ہوتی ہے۔ اس نے آہستگی سے لاک کھول دیا۔ دروازہ کھولا اور وہ اسے دیکھ کر دم بخود رہ گئی۔

"باہر آسیب ہوتے ہیں، تمہیں پکڑ لیں گے۔"

سب سے پہلے اس کے ذہن میں یہی جملہ گردش کیا تھا۔ آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ خوف سے گلابی رنگت تغیر پکڑتی سفید ہو رہی تھی۔

"کک کیا بات ہے، کیا چاہیے۔۔۔"

اس کی ہونق زدہ آواز پر استہزا اس کے چہرے پر بکھرا قدم اندر رکھتے ہوئے پیچھے سے دروازہ بند کر دیا۔

"یہ کیا کر رہے ہو، ازلان، دروازہ کیوں بند کیا ہے۔"

"بتادیتا ہوں، بتادیتا ہوں۔۔۔ بہت جلدی ہے۔"

"تمہیں کیا چاہیے۔۔۔ میں دیتی ہوں، جاؤ باہر۔" وہ مزید قدم آگے بڑھتا آرہا تھا اور وہ آنکھیں پھاڑے ایک ایک قدم پیچھے ہوتی زور سے بولی۔

"سنا نہیں۔" اسے اس کی نظروں سے خوف آیا آواز کانپی "کیا کام ہے۔۔۔ جلدی بتاؤ۔" ازلان نے اس کے منہ پر سختی سے ہاتھ جما دیا اور آگے آگے قدم بڑھاتا اسے دیوار کے ساتھ لگا دیا تھا۔ کانچ جیسی گرے آنکھیں بے یقینی سے پھیلتی جا رہی تھیں اور اس کی سیاہ آنکھیں شیطانیت سے بھری ان میں گڑی تھیں۔ اس نے دفاع میں اپنے ہاتھ پیر چلانے شروع کیے۔ ازلان نے اس کے منہ سے ہاتھ اٹھا کر دونوں کلائیاں مٹھی میں جکڑ کر دانت جماتے ہوئے بولا تھا۔

"زیادہ مزاحمت کی ضرورت نہیں ہے، اس وقت کوئی نہیں ہے تمہاری مدد کو۔"

گلاس ونڈو کے سرکے پردے سے اسے ایک بار پھر کوئی ہیولا سا دکھائی دیا۔۔۔ کچھ امید محسوس ہوئی اس نے چلانا چاہا مگر کلائیوں پر گرفت بہت مضبوط تھی اس نے اسے پوری طاقت سے پکڑ کر جھنجوڑا اور اس کی پشت دیوار سے ہٹا کر دھم سے ٹکائی۔

"آہ۔" روائیبہ کراہ گئی۔ ہیولا یا تو اس کا وہم تھا یا پھر غائب ہو گیا تھا۔

"تم چاہتے کیا ہو۔۔۔" گرے آنکھوں سے پانی چھلک کر سرخ رخساروں پر گرا اسے بے حد دل نشیں لگا تھا۔ نرم کلائیوں کا لمس ابلیس کو دعوت دینے لگا۔

"بہت کچھ۔" لہجے میں ہوس نے غوطہ لگایا۔

"پتا ہے مس روائیبہ، تمہیں دیکھتا ہوں تو دل کو کچھ کچھ ہوتا ہے، اور اب پتا چلا، تمہاری طرف تو بہت پرانے حساب بھی نکلتے ہیں۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بولا "یو نو

.... تمہاری پیدائش سے بھی پہلے کے۔" وہ کوفت سے پلکیں جھپکتی مسلسل خود کو چھڑانے کی کوشش میں تھی۔ اذلان کے اس روپ کا تو وہ مر کر بھی تصور نہیں کر سکتی تھی۔ لاابالی، ہنسوڑ، ہر کسی سے گھل مل جانے والا خود کو اس کا بیسٹ فرینڈ کہتا تھا۔ وہ اس طرح کیسے اس کے ساتھ کچھ کر سکتا ہے۔ اسے یقین تھا وہ اس کے ساتھ مذاق کر رہا ہے۔ یک دم اس کی کلائیاں چھوڑ کر قہقہہ لگائے گا۔

"لو جی ڈر گئیں...."

مگر وہ کروفر سے بھرا پھنکار رہا تھا۔

"میں نے اپنی ماں سے سنا ہے، تمہارے باپ نے تمہاری ماں کے عشق میں ڈوب کر، ان کی پھوپھی کو طلاق دی تھی۔ ہاں.... صحیح کہہ رہا ہوں؟" اس نے استہزائیہ ہونٹ پھیلائے "ہونہہ.... جانتی ہو طلاق کیا ہوتی ہے، داغ.... ایک بدنما داغ جس کے ساتھ وہ پوری عمر جی...." روائیہ کو ایک بار پھر لگا جیسے کوریڈور کی بڑی لائٹ جل کر بند ہوئی ہے۔ یا اسے اس وقت کسی کی مدد کی ضرورت تھی اسی لیے ذہن خاکے بنا رہا تھا۔

"اور اس شخص کی بیٹی یعنی کہ تم...." اس نے بھنوئیں اچکا کر اس کی بے بسی سے محظوظ ہوا۔ "تمہاری وجہ سے میری دوستوں جیسی خالہ کی منگنی ٹوٹی، بچپن کی منگنی، جانتی ہو بچپن کی منگنی، جسمانی اعضا کی طرح پل کر جوان ہوتی ہے، اسے ٹھکرا دیا گیا، یہ تو یاد ہو گا تمہیں، زیادہ پرانی بات نہیں ہے، ابھی کی ہے.... اور ہاں...."

"تم یہ سب مجھے کیوں بتا رہے ہو...."

وہ زور سے دھاڑی تھی۔ وہ جنون میں صرف اپنی ہانک رہا تھا۔ اس کی دھاڑ نہیں سنی۔

"اور ہاں.... میں نے سنا ہے ماں جان نے مجھے نکما، آوارہ، لاپروا کچھ ایسا کہہ کر رد کیا تھا.... صحیح کہہ رہا ہوں نا میں۔"

"اذلان پلیز، میرے ساتھ مذاق نہیں کرو.... جاؤ یہاں سے۔"

"مذاق.... ہونہہ.... مذاق کا ابھی ڈراپ سین رہتا ہے، مائی ڈیئر چاچی۔" اس نے چاچی دانتوں میں چبا کر کہا تھا "اپنے نکمے، آوارہ ہونے کا ابھی ثبوت دینا ہے۔"

اس نے اسے بیڈ پر پٹخا، چیخ نکلنے سے پہلے اس کی نظر موبائل پر گئی اس نے تیزی سے اس کی جانب ہاتھ بڑھایا۔ مگر ایسے موقعوں پر شیطانی حسیات تیز ہو جاتی ہیں۔ اس نے "اس کے ہاتھ سے فوراً" جھپٹ لیا تھا اور سامنے صوفے پر اچھال دیا۔

"اذلان تم ہوش میں نہیں ہو۔" وہ گھبرائی۔

"میں تمہاری بیسٹ فرینڈ ہوں، لمحے میں تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم میرے ساتھ کچھ غلط نہیں کر سکتے پلیز، ورنہ تم جنبل کو جانتے ہو.... وہ تمہیں جان سے مار دے گا۔"

اس نے بیڈ کی جانب بڑھتے زور سے قہقہہ لگایا۔

"جنبل چاچو، ہاہاہا.... بڑے جوش سے مجھے ہراتے تھے، کاش اپنی اس ہار کا تماشا وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے۔"

شیطانیت پوری طرح اس کی آنکھوں میں اتر آئی تھی۔ گلاس ونڈو کے باہر کا ایک ہیولا دیواروں سے ضرب کھا کر روائیہ کو ہر طرف دکھائی دینے لگا۔ وہ مدد کے لیے ان ہیولوں کو پکارنے لگی۔ جھینگروں کی قینچیاں بند کمرے میں اسے اپنے گرد بڑھتی دکھائی دے رہی تھیں۔ لرزتے گلابی ہونٹ، سرخ نمی میں تیرتی گرے آنکھیں اس کی منتیں کرنے لگیں، کن پٹیوں کے دونوں اطراف ایک نہری سی چمک اٹھی۔

"ویسے، آپس کی بات ہے، خوشبو ڈھکی رہے تو محفوظ رہتی ہے، بوتل کھلنے کی دیر ہے، اڑ کر غائب، خوشبو کا جھونکا بن کر تم میرے پاس آئی تھیں۔"

خمار آلود لہجے کے ساتھ وہ بیڈ کے قریب آ رہا تھا۔ "میں نے تمہیں نہیں بلایا تھا، تم خود اندھیرے میں نکل کر مجھے اکسانے آئی تھیں، کہہ رہی تھیں، جو مانگوں گا دو گی۔" وہ بیڈ پر بیٹھا وہ تیزی سے دوسرے کنارے پر سرکی "پہلے سب حساب میں بھلا سکتا تھا، لاپروا، بھلکڑ

ہوں ناں' لیکن جو کام آج تمہاری خوشبو نے کیا ہے' میں کیا کروں۔ انسان ہوں اب فرشتہ تو ہوں نہیں۔"

اس نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔ دفعتاً صوفے پر گرا موبائل چمکا۔ ازلان کے چہرے پر وحشت پھیل گئی۔ اس نے گرے آنکھوں سے نگاہیں پھیر کر صوفے پر گرائیں' اٹھا' دو قدم بڑھا اور اسے اٹھالیا۔

"ہونہہ..." نخوت سے اسے دیکھتے موبائل روائیبہ پر اچھال دیا۔

"تمہارے محافظ کا فون ہے... بتانا چاہو تو بتا دو' اتنی دور بیٹھا کیا کرلے گا۔ جب آئے گا دیکھا جائے گا بلکہ اسے کہو... اپنی ہار آکر دیکھ لے۔" وہ پھر بیڈ پر جھکا... ماتھے پر پسینے کے قطرے تھے۔

اچانک باہر زور کا کھڑکا ہوا تھا' جیسے کوئی بھاری چیز گری ہو... وہ ٹھٹکا پھر سے دروازے کی جانب بڑھا۔ دروازہ کھول کر جھانکا۔ شیطان نے دماغ خالی کیا تو سناٹوں میں اسے ہر طرف آہٹیں محسوس ہوئیں۔ اسے کوریڈور عبور کرتے اپنے پیچھے کوئی محسوس ہو رہا تھا۔

اس نے مڑ کر دیکھا پھر تیزی سے قدم اٹھائے۔ آئمہ سے ٹکراؤ ہوتے ہوتے بچا۔

کچھ دیر پہلے بنے بھیڑیے کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔

"تم! اس وقت... خیریت؟ یہاں کیا کر رہے ہو..." اس کی کف اور گریبان کے کھلے بٹن دیکھ کر' وہ ٹھٹک گئیں۔

"وہ..." اس نے کن پٹی کو سہلاتے ہوئے بہانہ بنایا۔ وہ گھبراہٹ ہو رہی تھی' سر میں درد' میں چاچی سے پوچھنے آیا تھا' کوئی پین کلر وغیرہ' مگر وہ تو شاید سو رہی ہیں۔"

اس کی بات سننے کے دوران آئمہ کی نگاہ روائیبہ کے بند دروازے پر گئی اور پھر گلاس ونڈو کے سرکے پردے سے آتی روشنی پر انہوں نے نچلے ہونٹ پر زبان کا کونا پھیرتے ازلان کو دیکھا۔

"وقت دیکھا ہے' اس وقت کسی کے کمرے میں جانا؟ چلو میں دیتی ہوں۔" آئمہ کا اس کی کم عقلی پر ہمیشہ کی طرح سر پیٹنے کو جی چاہا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا تھا۔

نگاہ کوریڈور میں رکھے ان ڈور پلانٹ پر گئی۔ ایک گملا الٹا ہوا تھا۔ شاید اسی سے گرا ہو۔

✲ ✲ ✲

اس کے پاس پڑا موبائل بری طرح کرلا رہا تھا۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ آن کر کے کان سے لگائے بمشکل اس نے کانپتے ہاتھ سے آن کر کے کان سے لگایا۔ ہاتھوں سے زیادہ اس کی سانسیں کانپ رہی تھیں۔

"ہیلو... ہیلو... ہیلو روائیبہ کہاں ہو یار۔"

اس نے اٹکی سانس زور سے نکالی۔ "یس..."

"کہاں تھیں... یار میں اتنی دیر سے کال کر رہا ہوں... پہلے سگنل پرابلم آتا رہا پھر ریسیو نہیں کر رہی تھیں۔ خیریت... سو تو نہیں گئیں تھیں۔"

"نن... نئیں... ہاں' ہاں سو گئی تھی۔" اس کی بوکھلائی آواز پر وہ الجھا تھا۔

"کیا ہوا خیریت ہے۔ ٹھیک ہو نا تم؟" مکمل خاموشی میں اس کی زخمی سانسوں کی آواز حنبل تک جا رہی تھی۔ جھٹکے سے اٹھ کر دروازہ لاکڈ کیا چٹخنیاں چڑھا کر واپس آبیٹھی۔

"روائیبہ میں کیا پوچھ رہا ہوں۔ کیا بات ہے' بات کیوں نہیں کر رہی ہو۔"

"حنبل...!" آواز میں واضح لرزش تھی۔

"حنبل..." اس نے دروازے کھڑکیوں کی جانب دیکھا پھر چپ۔

"یار کیوں پریشان کر رہی ہو... بولو... کیا ہوا۔"

"کچھ نہیں..." آواز کا بوجھل پن چھپائے نہیں چھپ سکا۔

"تم رو رہی ہو؟" وہ خاموش رہی پلکوں پر جھولتا پانی گرنے لگا۔

"نہیں....."

"پھر... آواز کو کیا ہوا؟"

"تم کب آؤ گے' پلیز آجاؤ... حنبل پلیز...."اس کی ہچکیوں کا تانتا بندھ گیا۔

"تم مجھے مسئلہ بتاؤ گی یا یہ کہ میں فون سے نکل کر وہاں آجاؤں۔"وہ بری طرح زچ ہوا تھا۔

"کوئی مسئلہ نہیں ہے' بس تم آجاؤ.... مجھے بہت ڈر لگتا ہے' مجھے اکیلے نہیں رہنا' پلیز... پلیز۔"

"اوہ مائی گاڈ!"اس نے گہری سانس نکالی۔ وہ اچھا خاصا گھبرا گیا تھا کہ جانے ایسی کیا افتاد آگئی جو روئے جا رہی ہے' کچھ توقف سے بولا۔

"یار... بتایا تو تھا تمہیں ٹائم لگ جائے گا..... ابھی تو صرف' ایک ماہ ہوا ہے.... بزنس کی اسٹیبلشمنٹ وقت مانگتی ہے... اور بے وقوف اپنے گھر سے کون ڈرتا ہے۔ سب لوگ تو ہیں۔"

"لیکن تم نہیں ہو۔"گیلی پلکیں زور زور سے جھپک رہی تھی۔

"چلو لیٹو.... آنکھیں بند کرو' نیند آجائے گی۔"

اپنے طور پر اس نے بہت محبت سے کہا تھا۔ پورے دن کی شدید تھکاوٹ کے باوجود وہ بہت نرم لہجے میں ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ اس کا خیال تھا اس کے اکیلے پن کا دھیان بٹ جائے گا اور سو جائے گی۔ روائیبہ کو اس کی باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہو رہی تھی خالی چھت کو گھورتی"ہوں ہاں"کہتی' سننے کا تاثر دیتی رہی۔ وہ بولتے بولتے جانے کب نیند میں چلا گیا آواز بوجھل ہو کر دھم ہوتی خاموش ہو گئی تھی۔ اسپیکر میں صرف اس کی ہموار سانسوں کی آہٹ تھی جو وہ زخمی وجود کے ساتھ پوری توجہ سے' بہت دیر سنتی رہی۔

☼ ☼ ☼

سلوٰی کا رشتہ طے ہو چکا تھا۔ اگلے ماہ نکاح ہونا تھا۔ رخصتی کے لیے کچھ وقت لیا گیا۔ حنبل کے جرمنی جانے کے بعد خیام زکا پاکستان آگئے تھے۔ ادھر کے کاروباری معاملات دیکھنے کے لیے بھی کسی ذمہ دار شخص کا ہونا بہت ضروری تھا۔ میرزکا اپنی ہمیشہ کی روٹین کی طرح سیاسی حلقوں میں گم رہتے زیادہ ہوا تو ڈیرے کا چکر لگا لیتے۔ ادھر بھی حلقہ بندیوں پر بات چلتی رہتی۔ اذلان شروع سے من موجی تھا۔ اس کی بچکانہ فطرت کی وجہ سے کوئی کاروباری ذمہ داری کا بھروسا کرنا مشکل تھا۔ حالانکہ اب وہ خاصا وقت دینے لگا تھا۔ خیام کے ساتھ چاولوں کی مل پر بھی چلا جاتا۔ گوداموں کے سامان کی پڑتال تقریباً"اپنے ذمہ لے لی تھی۔ آئمہ' سلوٰی کے نکاح کی تیاریوں میں گم تھیں اعشال چند دن کے لیے خالہ کے پاس چلی گئی۔

خیام مل کے لیے نکل رہے تھے تب آئمہ نے اپنا شاپنگ کا ارادہ ظاہر کیا اور تیار ہو کر ان ہی کے ساتھ نکل لیں۔ گھر میں اس وقت زینب اور روائیبہ تھیں۔ اس واقعے کو تقریباً"ایک ہفتہ ہونے کو آیا تھا اور اس ایک ہفتے میں وہ زندہ لاش کی طرح ہو گئی تھی۔ آنکھیں وحشت زدہ ہرنی کی طرح پھیلی رہتیں۔ بدن کبوتر کی مانند لرزتا رہتا کھانا کھایا' کھایا ورنہ کسی کونے میں جہاں کی تہاں سوچوں میں گم رہتی۔ جب وہ گھر میں داخل ہوتا سانس ڈوب جاتی سارے جسم کے رونگٹے خاروں کی مانند ابھر آتے اور اگر وہ ایک ترچھی نظر اس پر ڈال لیتا آنکھیں سختی سے بند کر کے خود کو غیر مرئی تصور کرتی تھی۔ تنہائی اس کی موجودگی سے قدرے بہتر رہی تھی۔

بہت دیر لاؤنج میں تنہا بیٹھے بیٹھے ٹی وی دیکھ کر اس کا دل بری طرح سے اوب گیا۔ اترتی شام کا وقت تھا وہ اٹھ کر باہر لان میں آگئی۔ رنگ برنگے پرندوں سے بھرے پنجرے کے پاس اسے زندگی محسوس ہوئی تھی۔ وہ قید ضرور تھے مگر اپنے خاندان کے ساتھ اس سے بہتر زندگی گزار رہے تھے۔ اس کا جی چاہا چیخ چیخ کر انہیں بتائے اس کے ساتھ کیا ہونے لگا تھا تحفظ کے خدشے سے وہ پردیس سے یہاں لائی گئی تھی۔ اپنوں میں' اپنے خاندان میں کس طرح بے اماں ہو جاتی۔ سوچوں کے بھنور میں گھری وہ وہاں ہی ایک بینچ پر ٹک گئی۔ اذلان صبح سے ڈیرے پر گیا ہوا تھا۔ ابھی کسی ارادے سے گھر

آیا۔ گیٹ سے اندر جیپ کے داخل ہوتے ہی پہلی نگاہ روائیبہ کی پشت پر گئی تھی۔ وہ اندر جانے کے بجائے اسی جانب آگیا۔ کسی کے بہت قریب کھڑے ہونے کا سایہ روائیبہ کو چونکا گیا تھا اس نے سٹپٹا کر اسے دیکھا۔ بدن برف کی سیل کی طرح بینچ پر جم گیا تھا۔ سانس ختم ہو چکی تھی۔

"یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔"

"شوق سے۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی اس نے اس کی کلائی زور سے پکڑی تھی اس نے خوف زدگی سے بازو چھڑاتے چیخیں ماریں۔

"چھوڑو مجھے۔ چھوڑو۔"

"آرام سے۔" وہ دانت جما کر بولا تھا "زیادہ چلانے کی ضرورت نہیں ہے' یہاں بیٹھ کر میری بات آرام سے سنو۔"

"کیوں۔ کیوں سنو تمہاری بات۔ مجھے کچھ نہیں سننا سمجھے۔" وہ ہذیانی انداز میں ایک بار پھر چلانے لگی مگر ازلان نے سرزنش کرنے کے لیے اس کی کلائی کو نیچے کی جانب جھٹکا دیا روائیبہ کی آواز کانپ کر اندر ہی رک گئی۔ پھٹے منہ اور آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"بیٹھو۔"

اس نے بینچ کی جانب اشارہ کیا وہ دھپ سے بیٹھ گئی۔

"اگر تو تم یہ سمجھ رہی ہو' شور مچا کر بچ جاؤ گی' تو یہ غلط فہمی دور کرلو۔ گھر میں اس وقت امی ابو نہیں ہیں۔ اور جو ملازم ہیں' ان کی اتنی جرات نہیں ہے کہ مجھے روک سکیں۔" روائیبہ نے پرندوں کی جانب گردن پھیر لی۔ وہ معمولی فاصلہ رکھتے ہوئے ساتھ بیٹھ گیا۔

"ہاں تو میں یہ پوچھ رہا تھا۔ تمہارے محافظ کا اس رات فون آرہا تھا' بتایا نہیں تم نے اسے۔ روائیبہ نے میکانکی انداز میں اسے دیکھا پھر تنفر سے گردن پھیر لی۔ "بتانا تھا اسے کہ میں اسے کیسے ہرا سکتا ہوں۔" وہ دوسری جانب دیکھتے گہرے سانس لیتی رہی نمی حلق کی طرف سفر کرنے لگی "تم خواہ مخواہ ڈر رہی ہو۔ وہ کچھ نہیں کہے گا۔" اس نے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائی رعونت سے اسے دیکھ کر سامنے سبزلان کو دیکھنے لگا۔ کسی دوسرے دیکھنے والے کو یہ تاثر ملتا تھا جیسے عام روٹین میں دو لوگ بیٹھے معمول کی باتیں کر رہے ہوں۔

"ویسے مجھے پورا یقین ہے' وہ اس بات کو اچھالے گا نہیں' اسے اپنی عزت کی بہت فکر رہتی ہے۔" روائیبہ کے جبڑے بھاری ہوئے کانوں کی سنسناہٹ پورے رخساروں پر پھیل گئی تھی۔

"ہاں البتہ۔ ایک پیپر بھیج دے گا۔ یا قتل کر دے گا' مجھے یا تمہیں۔"

اس نے گردن پھیر کر ایک بے بس نگاہ ازلان پر ڈالی' وہ بھی استہزائیہ دیکھ کر سامنے پھر سے دیکھنے لگا۔

"ویسا پیپر جیسا کبھی حاجرہ کے نام آیا تھا۔ خیر تم فکر نہیں کرو۔ حاجرہ کو میں نے دیکھا ہے نہایت معمولی شکل کی تھیں۔ جب اس معمولی شکل کو کوئی داغ سمیت قبول کر سکتا ہے' تم تو اس کے مقابلے میں بے پناہ خوب صورت ہو۔"

دیکھے بنا بھی اسے روائیبہ کی زخمی سانسیں واضح محسوس ہو رہی تھیں۔ "اسی حویلی والے تم پر مرمٹنے کو تیار ہیں' ویسے اگر میرے بارے میں سوچو تو اتنا برا بھی نہیں ہوں' رہی اس رات کی بات' اندھیرا' تنہائی' اعتماد سب تم نے ہی اس رات دیا تھا۔ نہ تم آتیں نہ میں آتا۔"

"شٹ اپ۔" وہ بمشکل کہہ پائی۔

"اچھا شکریہ کی جگہ شٹ اپ۔ بڑی بات ہے۔" اس نے ٹانگ پر رکھی ٹانگ رعونت سے جھلانی شروع کی۔ "ویسے میں دل سے چاہتا ہوں تم اسے بتا دو' میری خواہش پوری ہو جائے گی۔" کچھ توقف سے بولا "یا ایسا کرو۔" اس نے ٹانگ سے ٹانگ ایسے اتاری جیسے کوئی ضروری بات بتانے لگا ہو "اپنی جٹھانی کو بتا دو' وہ سمجھ دار ہیں مناسب طریقے سے حل ڈھونڈ لیں گی۔ کیا خیال ہے۔"

جواب طلبی نگاہ اس پر اٹھائی وہ نتھنے سکیڑتے ہوئے غصے سے بولی تھی۔

"تم یہاں سے جاتے ہو یا میں جاؤں۔"

"نہیں نہیں شکریہ۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا "مجھے جو کہنا تھا کہہ دیا ہے' عمل اب تم نے کرنا ہے' چاچی۔" وہ لمحہ بھر اس کے جواب کا منتظر رہا پھر تلخی کی جگہ نہایت رسان سے بولا تھا۔

"میں آرام کرنے کے لیے اپنے کمرے میں جا رہا ہوں' چاہو تو آسکتی ہو۔۔۔ بیوٹی کوئین۔" اس کی دائیں رخسار پر اپنی دو انگلیوں کی پشت بجا کر "ہوں" کرتا عمارت کی جانب بڑھا روائیبہ نے کراہیت سے گردن پھیری تھی۔

اپنے کمرے میں وہ اس اطمینان سے گیا تھا جو کچھ اس رات ہوا کم از کم اب کسی کو بتانے والی نہیں۔

برآمدے کے ستون صاف کرتی زینب انہیں ایسے بیٹھے دیکھ چکی تھی۔ اور گاہے بگاہے دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ پاس سے گزرتے ازلان کو سلام کرنے کے بعد آہستہ قدموں سے روائیبہ تک گئی اور یک لخت بولی۔

"بی بی۔" اس کی یک دم آواز سے وہ خوف سے ٹھٹکی۔

"ہاں۔۔۔"

"وہ آپ چائے ازلان صاحب کے ساتھ پئیں گی یا بعد میں۔۔۔ وہ مانگ رہے ہیں۔"

"مجھے کسی کے ساتھ نہیں پینی۔" وہ کہہ کر کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھی۔ کمرے میں جا کر لاک کیا اور دروازے کے ساتھ پشت ٹکا کر بہت دیر گھٹنوں میں سر دیے' جاڑے کی بارش کی طرح روتی رہی۔ زندگی میں پہلی بار اسے اپنے دائیں رخسار سے کراہیت آئی۔

☆ ☆ ☆

شروع رات کے اس پہر صدر بازار میں ہجوم بڑھتا جا رہا تھا۔ روشنیاں' آوازیں' لوگ' ٹریفک۔۔۔ گاڑی میں تو ناممکن تھا۔ پیدل چلنا دو بھر ہو رہا تھا۔ اسی ہجوم کا حصہ بنے ان تینوں نے ساری دکانیں' مالز چھان مارے

' عائشہ اور ماہم تو ابھی اور پھرنا چاہ رہی تھیں۔ مگر رضا حیات نے تھکاوٹ کا کھل کر اظہار کیا تھا۔

"بھئی اب اور نہیں۔۔۔ میری بس ہو گئی ہے۔ اگر تم دونوں کو خواہ مخواہ مارے مارے پھرنا ہے تو شوق سے پھرو' صبح مجھے کال کر دینا آ کر لے جاؤں گا۔" عائشہ نے گھرک کر دیکھا تھا ماہم نے ہنسی دبائی۔

"ایک تو کئی گھنٹوں سے تمہارے ساتھ خوار ہو رہا ہوں۔ اوپر سے آنکھیں نکال رہی ہو۔۔۔ لوگ کہا کہیں گے کہ ملازم کو گدھا سمجھ رکھا ہے۔۔۔ دیکھو کتنا سامان مجھ پر لاد دیا۔" کئی شاپنگ بیگز سے بھرے ہاتھ اوپر اٹھا کر کہا تھا۔

"اگر میرا بیٹا یہاں ہوتا ناں' کبھی اتنی باتیں نا سناتا۔ آپ نے بھیجا ہے اسے اتنی دور۔" بیٹے کے نام پر گہرا سایہ رضا کے چہرے سے گزرا' پھیکی سی ہنسی چہرے پر ابھری۔۔۔ رضا نے بات بدلنے کے لیے فوراً" آفر دی۔

"چلو زبائش پہ چلیں۔"

"ڈیڈی سامان زیادہ ہے' پہلے یہ گاڑی میں رکھ آتے ہیں۔"

ماہم کہہ کر پارکنگ کی جانب بڑھی وہ دونوں بھی ساتھ تھے۔ عائشہ نے اونچی آواز میں ماہم سے پوچھا تھا۔

"تمہاری کل اس سے بات ہو رہی تھی' کیا کہہ رہا تھا آنے کا۔"

"وہ آئے گا۔۔۔ سیٹ کنفرم کروانے ہی جا رہا تھا۔"

"اس نے کسی بات کا پوچھا تو نہیں' میرا مطلب ہے کسی سامان۔۔۔ مہمان یا ہوٹل وغیرہ کے بارے میں۔"

رضا حیات کے رک رک کے پوچھنے پر ماہم نے چونکتی نگاہ اٹھائی۔ وہ تینوں ہی جانتے تھے وہ یہاں کیوں نہیں آرہا۔ آنا تو در کنار اب فون بھی ریسیو کرنا چھوڑ دیا تھا۔ زیادہ سے زیادہ ہوتا دو منٹ کی کال کرتا۔ حال احوال پوچھتا اور بند۔ ان دنوں اس نے ایک شوز فیکٹری میں نئی نئی جاب شروع کی تھی صبح یونی میں' پھر فیکٹری صاف کہہ دیتا "میں بزی ہوتا ہوں۔" اب بھی

یہی خدشہ تھا پتا نہیں آتا ہے یا بہانہ کردے گا۔

ماہم نے آہستگی سے کہا تھا۔

"نہیں کچھ نہیں پوچھا..." سڑک کراس کر کے اپنی گاڑی کی جانب قدم بڑھاتے عائشہ فوراً" بولی تھیں۔

"آپ جانتے ہیں وہ کیوں نہیں آرہا۔" وہ اب سڑک کے دوسری طرف آچکے تب انہوں نے مزید کہا۔

"کل آیا تھا روائیبہ کا فون... میں نے بالکل تذکرہ نہیں کیا ماہم کی شادی کا... آپ نے ضرور اسے بلانا ہے؟"

"کیا مطلب ضرور بلانا ہے۔" وہ بگڑ کر بولے۔ "اس ملک میں اس کا کوئی عزیز رشتے دار نہیں' میکے نام کی کوئی چیز نہیں ہے اس کی زندگی میں' اب کیا شادی پر بھی نہ بلاؤں... ماہم کی طرح عزیز ہے وہ مجھے۔" ماہم ڈگی کھول چکی تھی۔ ایک ایک کر کے سارے شاپرز اس میں بھرنے لگے جہاں پہلے ہی بہت سا سامان تھا۔

"دھنبل کو فون کیا تھا میں نے' اور کہہ دیا تھا میں اپنی بیٹی کو ہفتہ پہلے لے کر آوں گا۔ اسے کوئی اعتراض نہیں ... روائیبہ سے پوچھ کر بتادے گا۔" ہاتھ مار کر ڈگی زور سے بند کی "دس پندرہ دن تو رہ گئے... سنڈے کو جاؤں گا اسے لینے..."

"آفرین ہے آپ کی دوستی پر رضا..." عائشہ کو سمجھ نہیں آرہی تھی ان پر غصہ کرے یا روئے... "دوست کی بیٹی آپ کو بہت عزیز ہے' اور اپنے بیٹے کا ذرا خیال نہیں... وہ اسی کی وجہ سے نہیں آنا چاہتا' شادی پر ضروری ہے کہ وہ ابھی آئے؟ آپ بعد میں اسے لے آنا... جندب چند دن کے لیے تو آرہا ہے۔"

عائشہ نے اپنا پھسلتا دوپٹا درست کیا۔

"مجھے مت پڑھاؤ' اس کی شادی ہو چکی ہے' اپنے بیٹے کو یہ سمجھاؤ... زندگی میں ہر چیز خواہش کے مطابق نہیں ملتی... اتنی لمبی عمر ہے' جانے اس میں کیا کیا ہونا ہے' یہ کیا طریقہ ہے' سب سے کنارہ کش ہو جاؤ۔"

رضا کو یک لخت غصہ آگیا تھا کچھ توقف کے بعد تحمل سے بولے تھے "خاموشی سے پاکستان آنے دو... میں خود سمجھاؤں گا اسے... چلو اب اور کیا خریدنا ہے' خریدو پہلے ہی دیر ہو گئی ہے' صبح آفس بھی جانا ہے۔"

"رہنے دیں... میں تھک گئی ہوں..." عائشہ دروازہ کھول کر بیٹھنے لگیں تو ماہم نے کہا تھا۔

"اوہو' زیبائش پر چلتے ہیں... روائیبہ کے لیے بھی تو چیزیں لینی ہیں۔ کیوں ڈیڈی۔" وہ جانتی تھی اگر اس خراب موڈ سے گھر گئے اگلے کتنے ہی دن یہ جھگڑا نہیں سمٹنے والا۔ اس وقت رضا حیات کا موڈ بھی آف ہو چکا تھا فوراً" ڈرائیونگ سیٹ کی جانب بڑھے۔

"روائیبہ کو اس کی پسند سے لے کر دوں گا' بیٹھو تم۔"

سارے راستے ایک خاموشی چھائی رہی تھی۔ تینوں اپنے اندر ابھرتے جملے توڑتے پھوڑتے رہے۔ ماہم نے کئی بار اس خاموشی کو توڑنے کی جسارت کی' خاطر خواہ جواب نہ آیا تو فوراً" کہا تھا۔

"اچھا فوڈ سیورز سے کھانا لے کر چلتے ہیں۔"

"اور جو میں بنا کر آئی تھی' بھوت تمہیں بلائے دعوت پر' جو کھا جائیں گے۔" عائشہ کے ہنوز غصیلے انداز پر رضا نے اچٹتی نگاہ ڈالی پھر گاڑی "فوڈ سیورز" کی پارکنگ میں روکی۔

"کیا کھانا ہے۔" انہوں نے ویو مرر میں ماہم کو دیکھا۔

"رہنے دیں..." اس کے منہ بھلائے انداز پر ایک بار پھر رضا نے خفگی بھری نگاہ عائشہ پر اٹھائی اور دروازہ کھول کر باہر نکلے۔ ماہم کو یہاں کی بریانی پسند تھی۔ انہوں نے وہی اس کے لیے پیک کروائی۔

اس رات کھانا بھی خاموش ماحول میں کھایا گیا۔ رضا نے برائے نام کھایا اور اٹھ کر کمرے میں چلے گئے۔ ماہم اور عائشہ کچھ دیر شاپنگ دیکھتی رہیں پھر تمام سامان اٹھا کر الماریوں میں رکھ دیا۔ کچن سمیٹ کر وہ کمرے میں آئی تھیں۔ بیڈ کراون سے ٹیک لگائے رضا نیم دراز تھے۔ عائشہ کو دیکھ کر سویا ہوا ظاہر کرنے کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ انہوں نے آگے بڑھ کر

سائڈ ٹیبل پر نیم گرم دودھ کا مگ رکھا۔ ان کی عینک اتارتے ہوئے ہنسی تھیں۔

"اسے تو اتار دیں' یا خواب بھی واضح نظر نہیں آتے۔" وہ خاموش رہے۔

"ایکٹنگ نہیں کریں' یہ دودھ پی لیں' کھانا بھی صحیح نہیں کھایا۔"

"میں نے کھالیا تھا۔" آنکھیں بند کیے ہی جواب دیا۔

"بس کرجائیں رضا۔۔۔ میں کوئی ہٹلر نہیں ہوں۔"

"کم بھی نہیں ہو۔" اب انہوں نے آنکھیں کھول دیں اور کہنی کے بل اونچے ہو کر بیٹھ گئے۔ عائشہ ڈریسنگ ٹیبل سے موسچرائزر اٹھا کر کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"روائیبہ کے ساتھ جو کچھ ہوا' مجھے دکھ ہے' اس کے ماں باپ ہمارے اصرار پر یہاں آرہے تھے اور حادثہ ہو گیا۔۔۔ لیکن آپ یہ تو سوچیں مشیت الٰہی میں ہم کیا کر سکتے ہیں' پھر جو اس کی فیملی نے فیصلہ کیا' ہم بول سکتے تھے بھلا؟ خواہ مخواہ کی دشمنی۔"

"مگر اس کی اخلاقی سپورٹ تو کر سکتے ہیں۔" وہ جھلا کر بولے تھے۔

"میں نے منع نہیں کیا' مجھے بھی وہ بچی بہت پیاری ہے' مگر دوسری طرف میرا اکلوتا بیٹا ہے' اسے یہاں بلا کر جندب کو زک ضرور پہنچانی ہے۔"

"اتنا گرا ہوا نہیں ہے میرا بچہ۔۔۔" وہ اب پوری طرح عائشہ پر متوجہ تھے۔ "وہ آئے گا' اسے خوش باش دیکھے گا' اسے سنبھلنے میں آسانی ہوگی۔۔۔ اور ویسے بھی کوئی قول و اقرار نہیں تھے ان کے بیچ' جندب کو تو اسے خوش دلی سے دعوت دینی چاہیے۔۔۔ ایک تم ہو الٹے مشورے دینے والی۔" عائشہ نے اب انہیں گھورنے پر اکتفا نہیں کیا تھا۔ بلکہ روندھی آواز میں بولیں۔

"میں ماں ہوں ناں۔۔۔ اس لیے درد محسوس کر سکتی ہوں۔۔۔ باپ کو کیا پتا اولاد کیا محسوس کرتی ہے' کیا دکھ ہیں اسے۔"

"بالکل بیگم' بالکل درست۔۔۔" وہ زچ ہوئے "باپ تو اٹھائی گیرے (اغوا کرنے والے) ہوتے ہیں ناں' کسی بھی چیز کو اٹھا کر کہہ دیتے ہیں' ہمارا بچہ ہے۔۔۔ ہونہہ۔" انہوں نے نخوت سے گردن جھٹکی "دنیا ختم ہو جائے گی' مگر ماؤں کے ممتا جتانے کے ڈرامے ختم نہیں ہوں گے۔"

دو گھونٹ میں دودھ ختم کر' تکیہ سیدھا کیا اور دراز ہو گئے۔ "روائیبہ بھی آئے گی اور جندب بھی' کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔۔۔ تم اپنے چھوٹے دماغ پر وزن نہ ڈالو۔۔۔ سوچ سوچ کر۔"

☼ ☼ ☼

دن آدھا بیت چکا تھا۔ بجی ماندی روشنی چاروں جانب سے گھر کر آتے سیاہ بادلوں نے ڈھانپ دی۔ لہروں کی صورت آسمان پر کروٹیں بدلتے بادلوں کے بیچ آسمانی بجلی بار بار چمکتی دراڑ ڈال کر چیخنے لگتی۔ کچھ ہی دیر میں موسلا دھار بارش شروع ہو گئی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں فارغ ہی بیٹھی تھی اٹھ کر کمرے کے ٹیرس پر آگئی۔ آسمان سے برستے تیز پانی نے تاحد نگاہ دھندلکا بنا دیا تھا۔ چرند پرند نے فضا کو بادلوں کی گڑگڑاہٹ پر ہی خالی کر دیا تھا۔ اب صرف آسمانی بجلی کی آواز تھی یا پھر بارش برسنے کی۔ جب ان کے بیچ ہوا سرسراتی تو درختوں سے سیٹیاں بجنے کی آوازیں آتیں وہ ہونٹ کا کونا دبائے بارش میں جھومتے درختوں کو دیکھ رہی تھی۔ ہوا اسے ایک جھونکے سے بہت دور لے گئی تھی۔ وہاں بھی درخت اور تیز بارش تھی۔ لیکن وہ حویلی کا لان نہیں بلکہ وکٹوریہ میں ان کے فلیٹ سے ملحقہ سبز احاطہ تھا بہت دنوں بعد وہاں بارش برسی تھی۔ مریم نے سات آٹھ سالہ روائیبہ کا ہاتھ پکڑا فلیٹس کی سیڑھیاں اتر باہر احاطے میں آگئی تھی۔ یہ وہاں کی سخت سردی کی بارش تھی اور شدید موسم ہمیشہ سے مریم کی کمزوری رہے تھے۔ وہ روائیبہ کو بھگاتی چکر کاٹتی بہت خوش ہو رہی تھی۔ ازمیر کی گاڑی احاطے میں داخل ہوئی بارش کے دھندلکے میں گاڑی کی ہیڈ لائٹس مریم پر پڑیں وہ اچھے خاصے برہم ہوئے۔ گاڑی پارک کر کے تیزی سے باہر نکلے اور اس کی جانب

تیزی سے قدم اٹھا رہے تھے۔

"آر یو میڈ... اتنی سرد بارش میں تم بچی کو بھی باہر لے آئی ہو... کیا بیمار پڑنے کا ارادہ ہے۔"

"پلیز ازمیر... ہم انجوائے کر رہے ہیں۔ تم بھی آؤ... بعد میں کافی پینے چلیں گے۔"

"میرا دماغ ابھی اپنی جگہ پر ہے۔" وہ نیچے جھکے اور روائیہ کو اٹھا کر۔ بازوؤں میں بھر لیا۔ اس کے گال سے گال جوڑا۔

"اف اتنا سرد۔" مریم کو تندی سے دیکھا۔

"میں اسی لیے تمہیں تنہا نہیں چھوڑتا' پتا نہیں اپنے اور بچی کے ساتھ کیا سے کیا کر ڈالو احمق۔" مریم کی کلائی پکڑ کر بلڈنگ کی جانب چلنے لگے۔

"بہت لاپروا ہو تم... مریم۔"

"اور تم بورنگ اولڈ مین..."

مریم کی آواز میں خفگی در آئی۔ ازمیر کے ساتھ اندر کی جانب گھسٹتے ہوئے دوسرے بازو کو پھیلا پھیلا کر ہاتھ میں پانی جمع کرتی اور ازمیر کے چہرے پر اچھال دیتی۔ ازمیر مصنوعی خفگی دکھاتے بالآخر اسے اندر بلڈنگ میں لے آئے تھے۔ ٹیرس پہ کھڑی روائیہ اس منظر میں اتنی کھو گئی تھی۔ بے اختیار اپنا بازو بھی گرل سے باہر پھیلا لیا۔ اس نے لیدر کی گرم جیکٹ پہن رکھی تھی پانی کی بوندیں لیدر کی آستین پر گر کر نیچے پھسلنے لگیں۔

"آہ... کہاں چلے گئے ہیں' آپ دونوں! حنبل مجھے تنہا چھوڑ گیا اور لاپروائی میں میرے ساتھ کیا ہو جاتا۔"

آسمان جیسی گرج چمک اس کی آنکھوں میں تیرنے لگی۔ اس نے لان سے رخ پھیر کر لوہے کی گرل سے ٹیک لگا لی۔ شروع دسمبر کی یخ ٹھنڈی ہوا بوندوں میں بوجھل ہو کر اسے پیچھے سے آگے کی جانب دھکیلنے پر مصر تھی۔ اس کے کھلے بھورے بال نم ہونے کے باوجود اڑ کر آگے کو آ گئے' اس نے زخم رسیدہ سانس اندر کی جانب اتاری اور دونوں ہاتھوں سے آگے کو اڑتے بال پکڑ کر ایک بار پھر پیچھے کیے۔ پھر اپنی گردن پشت کی جانب پیچھے کو ڈھکالی۔ تیز بارش کی بوندیں اس کے سر پر گرتیں بال نچڑنے کی حد تک بھیگ چکے تھے۔ اب ان سے پانی پھسل پھسل کر لیدر کی جیکٹ پر گرنے لگا۔ اس کی آنکھیں سختی سے بند تھیں تڑ تڑ بوندیں اس کے نرم چہرے پر برس رہی تھیں رخسار دھل رہے تھے۔

"یہ سب میرے ساتھ کیوں ہوا' کیا حنبل کے چھوڑ جانے کی وجہ سے' یا میرے رشتوں پر ضرورت سے زیادہ اعتماد نے سب کر دیا۔ میں کہاں جاؤں... اللہ۔" بلی جیسی آنکھیں کھول کر آسمان کو دیکھا تھا' جہاں صرف پانی تھا تا حد نگاہ پانی "کیا یہ آفاقی پانی مجھے کبھی پاک کر سکتا... کیا میں اپنی اس زندگی میں کبھی دھل پاتی۔" پانی کی تیز بوندیں بلی کی آنکھوں میں براہ راست گر رہی تھیں۔ یہ اندازہ لگانا مشکل تھا بارش کا پانی آنکھوں میں گر کر زیادہ بہہ رہا ہے یا آنکھوں کا اپنا پانی بے شمار ابل رہا ہے۔

اس نے ہچکی نما سانس بھری تھی۔ گردن ہنوز پیچھے کی سمت تھی۔

"ڈیڈی نے حاجرہ کو طلاق دی۔ باعزت طریقے سے چھوڑ دیا... حنبل میرے ساتھ کیا کرتا۔ اگر اسے بتایا تو کیا کرے گا... کیا وہ اس کو قتل کر دے گا یا مجھے۔"

سوچتے ہی اس کی سانس اٹکی چند برس پہلے کا واقعہ ذہن میں گھومنے لگا۔

ان کے فلیٹس کی بلڈنگ میں رات کو اچانک فائر کی آواز آتے ہی کچھ دیر میں بہت شور مچ گیا تھا۔ ازمیر اور مریم کے ساتھ وہ بھی ڈر کر اٹھی۔ مریم بیرونی دروازے کی جانب لپکیں تاکہ دیکھ سکیں کیا ہوا ہے۔ لیکن ازمیر نے جھٹکے سے ان کی کلائی پکڑ کر لاؤنج میں بٹھایا تھا۔

"کہاں جا رہی ہو' بیٹھو ادھر' سنا نہیں فائر کی آواز تھی۔"

"دیکھیں تو سہی ہوا کیا آخر... کس نے فائر کیا۔" مریم متجسس تھیں۔

"تمہیں ضرورت نہیں ہے دیکھنے کی۔" وہ ان دونوں کو بٹھا کر خود ٹیرس پر آ گئے۔ باہر لوگوں کا شور'

ریسکیو اور موبائل پولیس تھی۔ چند دن بعد پتا چلا تھا' پچھلے فلیٹس کی لڑکی نے اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ بے وفائی کی۔ اس کے ہوتے ہوئے کسی اور لڑکے سے بھی تعلقات تھے۔ اس کے بوائے فرینڈ کو پتا چلا رات کے اندھیرے میں اسے قتل کر گیا تھا۔ بعد میں اسے بھی سزائے موت ہوئی تھی یاد آتے ہی روائیبہ کی گردن سیدھی ہوتی آگے کو جھکی۔ کانوں میں حنبل کی آواز تھی۔

"ہم دیہاتی لوگ بہت سادہ دل ہوتے ہیں' لیکن عورت کے معاملے میں بہت پوزیسو' کنزرویٹو' ہم عورت کی حفاظت زمین' فصل' جاگیر سے بڑھ کر کرتے ہیں اور عورت بھی وہ جو عزت کی اولین صفوں پر کھڑی ہو۔ اس کی حفاظت' زندگی موت کا مسئلہ بنا لیتے ہیں۔ ہم عورت کو مار دیتے ہیں مگر رسوائی برداشت نہیں کر سکتے۔" اس کی دھڑکن کے ساتھ سانسوں کی ترتیب بگڑنے لگی۔

"دیہاتی ہی کیوں' شہری بھی بس عورت کو مارتے ہیں' اس کی حفاظت کا بندوبست کیوں نہیں کرتے؟ اسے تنہا چھوڑتے ہی کیوں ہیں۔" خود کلامی کرتے اسے پہلے سے بھی زیادہ زور سے رونا آنے لگا۔

"تو تم نے کیوں حفاظت نہیں کی میری' مجھے ساتھ کیوں نہیں لے گئے تھے' اب کیا میں واجب القتل ہوں۔" وہ ہچکولے کھاتی روتے روتے وہیں ٹیرس پر بیٹھ گئی سر گرل پر ٹکا لیا تھا۔

"صحیح کہہ رہا تھا "حنبل اپنا دھیان رکھنا" وہ تو مجھے اکثر منع کرتا تھا ازلان کے ساتھ کہیں آنے جانے سے۔ کتنا غصہ کیا تھا جب بولنگ اسٹیشن گئی تھی اور جب وہ ڈیرے پر گئی تھی کتنا خفا ہوا تھا اور ازلان کو کہا تھا "روائیبہ کو بٹھا کر فوراً" "میرے پاس آؤ" "میں نہیں سمجھی... ہمیں ٹریکٹر پر اکٹھے دیکھ کر کیسے شعلے نکلے تھے حنبل کی آنکھوں سے... آہ۔" اس نے اپنا سر ذرا سا اٹھا کر دوبارہ گرل پر بجایا "کیوں گئی تھی میں رات کو اس کے پاس' کیوں میرا اعتماد ٹوٹا... وہ کہتا ہے میں نے اسے دعوت دی۔" سر لوہے کی سلاخ پر رگڑتے کھانے لگا۔

"اگر مزید بھی کچھ ہو جاتا تو کیا کر لیتی' اب کیا کر لیا... یہیں ہوں' یہاں ہی رہنا ہے' کون اعتبار کرتا' کون کرے گا... اللہ۔" اس نے سر گھٹنوں پر ٹیک لیا۔

بارش اس کی پشت پر برسنے لگی۔

بارش کا زور کچھ دیر میں ٹوٹ گیا تھا۔ بس ٹھنڈی یخ ہوا کے ساتھ پھوار رہ گئی تھی۔ وہ ہنوز بیٹھی تھی کہ اس کی جیکٹ کی جیب میں موبائل تھرکنے لگا۔ وہ بیٹھے بیٹھے سرک کر شیڈ کے نیچے ہوئی۔ موبائل نکال کر چمکتی اسکرین دیکھی۔ سارے پچھتاوے آہستہ آہستہ اڑنے لگے۔ کال ریسیو کرتے کچھ حوصلہ ہوا تھا۔

"ہیلو..."

"وعلیکم السلام..." حنبل کی گمبھیر آواز میں یاددہانی تھی۔ روائیبہ نے کھسیاہٹ میں گردن جھلائی۔

"اوہو... سوری سوری... السلام علیکم۔"

"وعلیکم... اور تم...؟"

"فائن... اور تم...؟"

"اللہ کا شکر... کیا کر رہی تھیں۔"

"کچھ خاص نہیں... بارش ہو رہی ہے... بس وہ دیکھ رہی تھی... وہاں کیسا موسم ہے؟"

"یہاں جرمنی میں بہت سخت ٹھنڈ ہے' آج تو بہت سنوفال ہو رہی ہے۔" وہ موبائل کان سے لگائے فلیٹ کی گلاس وال کے پاس آ کھڑا ہوا کافی سائڈ شیڈ پر رکھ دی۔

"اچھا...!" وہ پھیکا سا مسکرائی "اور آسٹریلیا میں آج کل بہت سخت گرمی ہو گی... ویسے وہاں گرمیوں میں بھی ٹھنڈی بارش ہوتی ہے۔"

"آسٹریلیا یاد آ رہا ہے؟"

حنبل کے استفسار پر اندر تک اٹکی سانس دھیرے دھیرے باہر آئی۔ بارش اب تواتر سے مگر گرج چمک کے بغیر ہو رہی تھی۔

"کیا ہوا' چپ کیوں ہو گئیں..."

"ہاں..." یک لخت ہی روائیبہ کے حلق میں نمی آ گری تھی۔ "ہاں یاد آ رہا ہے آسٹریلیا بھی' آسٹریلیا کا

موسم بھی' آسٹریلیا میں رہنے والے بھی.... اور...." کھوئے انداز میں کہتے وہ پل بھر کو رکی تھی' حنبل نے لقمہ دیا تھا۔

"اور.... اور کون...."

"اور وہ پاکستانی جو جرمنی جاکر سنوفال انجوائے کر رہا ہے۔" وہ زچ ہو کر روانی میں بولی تھی "جسے یہ تک یاد نہیں اس کے پیچھے کوئی اس کے لیے دن گن رہا ہے' اسے پکار رہا ہے۔" سادگی سے کہے جملے پر حنبل کا فلک شگاف قہقہہ چھوٹا.... امڈ امڈ کر آتی ہنسی کو قابو کرتے۔ اس نے کافی کا مگ اٹھایا ایک دو سپ لیے اور گلاس وال سے کندھا ٹکا لیا۔

"چلو پھر اس ظالم پاکستانی کی باتیں کرتے ہیں' جو جرمنی میں بیٹھ کر سنوفال انجوائے کر رہا ہے' جسے یہ تک یاد نہیں کوئی اس کے لیے دن بھی گنتا ہے' اسے پکارتا بھی ہے۔"

"ہونہہ....!" روائیبہ نے نروٹھے پن سے گردن جھٹکی۔

"کیا بہت یاد آرہا ہے.... وہ۔"

"ہاں...." اس کا واضح اقرار حنبل کے کہیں اندر تک کا سکون تھا۔

"کتنا....؟"

"کاش دوسرے آلات کی طرح یادوں کی شدت' گہرائی ناپنے کا بھی آلہ ہوتا' تو میں بتاتی' کون کتنا اور کیوں یاد آرہا ہے۔" حنبل نے سٹپٹا کر موبائل کان سے ہٹایا حیرت سے اسکرین دیکھی' پھر کان سے لگا لیا۔

"کیا یہ وہی روائیبہ ہے جسے میں پاکستان چھوڑ کر آیا ہوں.... اتنی باتیں۔" بادل ایک بار پھر زور سے گرجا۔ بوندیں زور زور سے گرنے لگیں۔ آواز سمندر پار تک گئی۔

"لگتا ہے' بارش بہت تیز ہو رہی ہے۔"

"ہاں' ہو تو رہی ہے۔"

"بے وقوف لڑکی' پھر اندر جاؤ' دسمبر کی بارش ہے' ٹھنڈ لگ جائے گی۔" اب وہ کیا بتاتی وہ ساری بھیگ چکی ہے۔ مدھم سا بولی۔

"بارش اچھی لگ رہی ہے' کمرے میں تم یاد آتے ہو۔"

"اوہ لیلیٰ' انسان بن کر کمرے میں جاؤ اور زینب سے کہو پکوڑے چائے بنا کر لائے' chill چل (انجوائے) یار...."

"تم کب آؤ گے....؟" اس نے بار بار پوچھا جانے والا سوال کیا تھا۔

"بتایا تو ہے تمہیں' دو' تین ماہ لگ جائیں گے.... ابھی تو صرف ایک ماہ ہوا ہے' کاروبار کی اسٹیبلشمنٹ کوئی آسان کام نہیں ہے.... ڈیئر۔"

وہ قدم قدم چلتی کمرے میں آکر صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ اداسی ہنوز برقرار تھی۔ اس کی اداسی بھانپ کر اس نے موضوع بدلا۔

"ہاں یار تمہیں بتانا تھا' رضا انکل نے کال کی تھی۔"

"اچھا.... خیریت؟"

"ہاں.... ان کی بیٹی کی شادی ہے اسی سلسلے میں۔"

"ہیں.... ماہم کی!" اسے حیرت ہوئی۔ "آنٹی کا فون آیا تھا' انہوں نے تو ذکر نہیں کیا۔"

"بھول گئی ہوں گی۔"

"کب ہے؟" وہ پچھلی کیفیت سے باہر آگئی تھی۔

"شاید اگلے ہفتے.... وہ تمہیں لینے آنے کا کہہ رہے تھے' لیکن یار میں نہیں چاہتا وہ لینے آئیں.... تم انہیں کہہ دو کہ خود گھر والوں کے ساتھ آؤ گی.... میں نے خیام بھائی اور بھرجائی سے کہا ہے' شادی پر وہ تمہارے ساتھ چلے جائیں گے.... کیا خیال صحیح کہہ رہا ہوں نا میں...."

"لیکن مجھے پہلے جانا ہے.... کچھ دن پہلے پلیز۔" وہ کچھ دن کے لیے کہیں دور جانا چاہ رہی تھی۔

"پہلے جا کر کیا کرو گی۔"

"حنبل پلیز.... مجھے یہاں کے فنکشنز دیکھنے ہیں' جندب بتاتا تھا ان کے ہاں بہت فنکشنز ہوتے ہیں.... مجھے بھی دیکھنا ہے سب.... پلیز۔" وہ اسے قائل کرنا چاہ رہا تھا مگر وہ اس کی سنے تب ناں۔ وہ اپنی ہی پلیز

پلیز کی رٹ لگاتی رہی۔۔۔ بالآخر وہ مان ہی گیا۔

"اچھا' اچھا۔۔۔ لیکن بس دو تین دن کے لیے۔۔۔ مہندی پر چلی جانا اور ولیمہ پر واپس۔۔۔ اتنے دن کے لیے خیام بھائی تو نہیں جا سکیں گے۔ لیکن بھرجائی کو ضرور کہہ دینا۔۔۔ میں بھی کہہ دیتا ہوں۔"

"تھینک یو۔۔۔ حنبل یو آر سو سوئیٹ۔"

"زیادہ پھیلو نہیں۔۔۔ اور انکل کوئی مارکیٹ وغیرہ کا کہہ رہے تھے۔ یار تم بھرجائی کے ساتھ کل جانا' جو شاپنگ کرنی ہے کر لینا۔ گفٹس وغیرہ بھی' شادی کی شاپنگ انکل کروائیں اچھا نہیں لگتا۔"

"او کے۔۔۔ اینڈ تھینکس۔"

اداسی' تنہائی کا احساس بارش کی بوندوں نے بہا کر کہیں مٹی میں دفن کر دیا تھا۔ دونوں اپنی ذات کے حوالے سے باتوں میں مگن بہت دیر کال پر لگے رہے تھے۔ حنبل کی بھوری آنکھوں میں ہی لو نہیں تھی بلکہ لہجے میں بھی حدت تھی۔ سمندروں کے فاصلے ہونے کے باوجود اس کی آواز نے روائیبہ کے رخسار سرخ اناری کر دیے تھے۔ بہت حد تک خوف دور ہوا مگر بتانے کی ہمت ابھی بھی نہیں تھی۔

✲ ✲ ✲

وہ تمام تر شرمندگیوں کے باوجود پورے اہتمام کے ساتھ گاؤں گئی تھی۔ شہوز کمال دو دن کے لیے کراچی گیا ہوا تھا۔ اتنے برسوں میں پہلی بار اسے بتائے بنا گاؤں گئی تھی۔ چاروں بچیاں سلویٰ کے گھر چھوڑیں اور سلویٰ کے ساتھ مزار پر آ گئی۔ ایسی جگہ وہ پہلی بار آئی تھی۔ عجیب و غریب سا ہجوم تھا۔ ایک درخت کے نیچے چند لوگ بیٹھے قوالی پڑھ رہے تھے۔ چند سامنے دھمالیں ڈالنے میں محو تھے۔ آتے جاتے لوگ ان کے قریب رکھے تھال میں پیسے ڈالتے اور آگے بڑھ جاتے۔ چادریں سنبھالتیں وہ کچھ اور آگے بڑھیں ایک پھٹے پر پھول فروش پھول پرونے میں مصروف تھا۔ اس کے سامنے چاندی سے بنے دیے' پیالے آیت شفا لکھی پلیٹیں اور بہت سی چیزیں تھیں۔

سبوینہ کو وہاں جا کر پہلا تاثر کسی میلے کا آیا تھا۔

سلویٰ اس کا ہاتھ پکڑے اندر ہال کی جانب بڑھی تھی۔ ہال کے بیچوں بیچ سبز گرل لگا کر ایک قبر محفوظ تھی۔ بہت سے لوگ گرل کے اردگرد کھڑے دعائیں مانگ رہے تھے۔ کچھ اندر جا کر پھولوں کی چادریں چڑھاتے گرل پر ربن باندھتے بھی دکھائی دیے۔

سبوینہ یہاں آنے سے پہلے بے طرح ڈر رہی تھی۔ مگر اس وقت ہاتھ اٹھائے ہر چیز سے بے خبر مسلسل اس کے لب ہل رہے تھے بند آنکھوں کے کناروں سے پانی چھلک کر ہتھیلیوں میں جمع ہوتا رہا۔ وہاں سے فارغ ہو کر ہال میں بنے طاقچوں میں انہوں نے دو دیے جلائے اور باہر آ گئیں۔۔۔ سارے راستے سلویٰ اسے حوصلہ دیتی' دعا قبول ہونے کی یقین دہانی کرواتی گھر تک آئی تھی۔ وہ وہاں شام تک رکی پھر اپنے گھر آ گئی۔

✲ ✲ ✲

رف جینز پہنے اور انتہائی رف حلیے میں وہ کام میں مشغول تھا۔ فیکٹری سے آج بہت سا مال شوروم میں ڈسپلے پر جانا تھا۔ وہ اس شو فیکٹری میں کوالٹی کنٹرول گروپ میں شامل تھا۔ ریمپ پر چلتے ڈبوں سے کوئی سا ڈبا اٹھا کر اسے اچھی طرح جانچ کر پھر سے رو میں لگا دیتا وہ اپنے کام میں پوری طرح منہمک تھا' تب وہ دونوں پیچھے سے آ کر کھڑے ہوئے۔ اسمتھ نے باقاعدہ اس کی گردن پر زور سے چٹکی کاٹی تھی۔ وہ چونک کر مڑا اس کی اس حرکت پر تند نگاہ سے گھورا۔ وہ سیاہ چہرے پر دانتوں کی نمائش کرتا اسے مزید پیارا رہا تھا۔

"کیا مسئلہ ہے' اور اندر کیسے آئے؟ وہ بیک وقت میرڈین اور اسمتھ دونوں سے مخاطب تھا۔ اسمتھ نے شان بے نیازی سے کندھے اچکاتے گردن تفاخر سے مٹکائی۔

"میرے لیے کبھی' کہیں بھی اندر باہر آنا مسئلہ نہیں ہے' بڈی۔"

"یقیناً" تمہاری یہی حرکتیں تمہیں ہمیشہ کے لیے

اندر کروا دیں گی پھر تم باہر نہیں نکل سکو گے.... الیکٹرک چیئر تمہارا مقدر بنے گی" (الیکٹرک چیئر وہ کرسی جس پر آسٹریلیا میں قاتلوں کو پھانسی دی جاتی ہے) میرڈین نے جب اسے کہا تو وہ بہت وثوق سے بولا۔

"میں کسی کو قتل نہیں کرنے والا' وہ الگ بات ہے میری محبت میں تم خود ہی مر جاؤ۔"

میرڈین نے اس کے کندھے پر زور کا پنچ مارا تھا۔ وہ مزید دانت نکوستا کچھ پیچھے ہو گیا۔ قریب ہی کام کرتے دوسرے ورکرز نے ایک بار انہیں ناگواریت سے دیکھا پھر اپنا کام کرنے لگے۔ اب وہ جندب سے مخاطب تھی۔

"تمہارے منیجر کی خوب منتیں کر کے اندر آئے ہیں' ایک ایک چیز باہر رکھ لی' شکر ہے کپڑے نہیں اتارے' خیر تم سے بات کرنا تھی کچھ دیر کے لیے باہر آؤ...."

جندب نے لمحہ بھر سوچا پھر اپنے ساتھی ورکر کو بتا کر ان کے ساتھ باہر کی جانب بڑھا تھا۔ دروازے پر گارڈ سے اسمتھ نے اپنے اور میرڈین کے وہ تمام شاپرز وصول کیے جو اندر داخل ہوتے اس نے رکھ لیے تھے۔

راہداری میں نکلتے ہی اس نے پوچھا تھا۔

"ہاں بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟"

"تم پاکستان جا رہے ہو...." میرڈین کی نظریں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔

"صرف یہ پوچھنے آئے ہو...." جندب کو وہ حقیقتاً "احمق" لگے۔

"ہم پوچھنے نہیں بلکہ کچھ سامان دینے آئے ہیں۔" اس نے چند گفٹ پیک اس کی طرف بڑھائے۔

"یہ چیزیں ہماری طرف سے روائیبہ کو دے دینا۔" جندب نے سامان پکڑنے کے لیے ہاتھ آگے نہیں بڑھایا تھا۔ ویسے ہی جیبوں میں اڑسے میرڈین سے کہہ رہا تھا۔

"پاکستان بھی آسٹریلیا کی طرح بہت بڑا ہے' بہت سے شہر ہیں.... اور میں وہاں اپنی بہن کی شادی میں صرف چند دن کے لیے جا رہا ہوں' روائیبہ سے ملنے نہیں' جو چیزیں پہنچاتا رہوں۔" اسمتھ پوری سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا تھا۔

"کیا ایسا ممکن ہے' تم اسے ملے بغیر آجاؤ۔"

جندب نے ایک اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی اور زخمی سانس جھٹکے سے باہر نکالتے گردن کو "ہونہہ" میں جنبش دی۔

"تم اس سے ملنا چاہتے ہو' اسے دیکھنا چاہتے ہو' یہ تمہیں خود بھی معلوم نہیں.... مجھ سے لکھوا لو' تم اس سے ملنے کا بہانہ ڈھونڈو گے۔" وہ سامنے غیر مرئی مناظر کو دیکھتا رہا۔ میرڈین نے "چلو چھوڑو" کے انداز میں اسمتھ کو گھر کا اور نرمی سے بولی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے' تم یہ لے جاؤ اگر وہ ملے تو دے دینا اور اگر ملاقات نہ ہو تو پلیز یہ مجھے واپس کر دینا' رکھ مت لینا لیڈیز چیزیں ہیں۔" اس نے اپنے انداز سے مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ بالکل نہیں مسکرایا۔

"اب دیکھو روائیبہ اتنی بے وفا ہے' اپنی شادی پر بلانے کے لیے ہمیں ٹکٹس تک نہیں بھیجے' اور نہ ہی میرا بوائے فرینڈ اتنا امیر ہے کہ خود سے لے جاتا۔" بوائے فرینڈ بولتے اس نے اسمتھ کو دیکھا وہ خواہ مخواہ اترانے لگا۔ "لیکن ہم اس سے محبت کرتے ہیں' اسی لیے اپنی محنت کی کمائی سے اس کے لیے گفٹس بھیج رہے ہیں۔" اسمتھ جو پہلے چپ تھا فوراً بولا۔

"ہاں تمہارا غریب بوائے فرینڈ تمہیں جہاز کے ٹکٹس تو نہیں لے کر دے سکتا مگر ٹائی ٹینک کے ٹوٹے تختے پر لٹا کر یخ پانی میں بہتا پاکستان تک پہنچا سکتا ہے' اگر وہاں ہمارے فرینڈ جندب کی شادی ہو' تو...."

جس گہرائی سے وہ کہہ رہا تھا جندب نے ٹھٹک کر اسے دیکھا پھر قہقہہ مار کر تمام گفٹس پکڑ لیے۔

"لاؤ.... دو' تمہیں پانیوں میں جمنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ کچھ دیر اس سے باتیں کر کے' روائیبہ کے لیے محبت بھرے اور خفگی لیے پیغامات دے کر رخصت ہو گئے اور جندب کا دماغ بہت دیر پچھلے ہر ہر منظر میں گھومتا رہا۔ واقعی وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

اسے اب روائیبہ سے ملنا چاہیے یا نہیں۔ وہ کسی اور کی ہو چکی ہے' ہاں البتہ ایک خواہش ابھرتی تھی۔ وہ اسے خوش باش دیکھنا چاہتا ہے' بالکل پہلے کی طرح' بھلے ایک جھلک ہی سہی مگر اس کی زندگی سے بھرپور آواز سننا چاہتا ہے۔" وہ بہت دیر بے کار لوگوں کی طرح راہداری کی سیڑھیوں پر بیٹھا رہا پھر اٹھ کر وہ سامان گارڈ کے پاس جمع کروادیا کہ واپسی پر لے لے گا۔ اب اسے فیکٹری میں چند دن آنا تھا پھر اس کی فلائٹ تھی پاکستان کی جانب۔

☆ ☆ ☆

اس نے اپنے کمرے میں ایک ہڑبونگ مچا رکھی تھی۔ الماریاں شوریکس سب کھلے تھے۔ بار بار بیگ کھولتی کسی چیز کا یاد آتے ہی الماری کے کسی خانے میں گھس جاتی۔ حالانکہ رات زینب اس کی تمام تیاری کر کے بیگز بند کر کے گئی تھی۔ اس نے رات میں سہی اٹھ کر کوئی چار دفعہ وہ کھولے چیزوں کی ترتیب ادل بدل کی پھر لیٹ گئی۔ اس کی تیاری دیکھ کر قطعاً" اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ اگلے تین دن کے لیے جا رہی ہے جتنے بیگز اس نے بنا رکھے تھے اور بے قراری ایسی تھی جیسے لڑکی پہلی بار میکے جا رہی ہو۔ شاپنگ کے لیے بھی وہ اتنی ہی پرجوش تھی۔ آئمہ اسے مارکیٹ لے گئیں۔ دکان در دکان وہ بہت دیر یال میں پھرتی رہی جس طرح کے وہ لباس پسند کر رہی تھی آئمہ بول ہی پڑیں۔

"اس طرح کے لباس ہمارے ہاں شادیوں پر نہیں پہنے جاتے' انہوں نے اسے کامدار میکسی اور فراک نما سوٹس' شوخ رنگوں میں خرید کر دیے۔ گفٹ لینے کے لیے' بھی وہ ماہم کے لیے' چاکلیٹس' پرفیوم' میک اپ کا سامان لینے لگی تو آئمہ مسکرادیں۔

" روائیبہ تمہیں اپنی حیثیت کا کچھ اندازہ بھی ہے۔"

روائیبہ نے سر پر سے پھسلتی چادر کو دوبارہ سے جماتے ہونقوں کی طرح آئمہ کو دیکھا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح پیار بھری خفگی سے اسے دیکھ کر مسکرائیں۔ اپنے پرس کو کھول کر ایک حجاب پن نکال کر زینب کو تھماتے ہوئے کہا تھا۔

"اس کی چادر اس سے درست کرو۔" زینب نے پن پکڑ کر اس کے پھسلتے پلو کو ماتھے کی جانب اونچا کیا اور وہاں پین ٹکا دی پھر پیچھے کی جانب بھی دو تین پنیں لگائیں تاکہ چادر اپنی جگہ پر رہے۔

"ہاں تو میں کہہ رہی تھی' تمہیں اپنی حیثیت معلوم ہے لڑکی' تم حنبل ذکا کی بیوی ہو۔" انہوں نے تمہید کے انداز میں کہا تھا "اور چیمہ حویلی سے کسی فنکشن میں شرکت کرنے جا رہی ہو۔" اسے تمہید کی بھی سمجھ نہیں آئی تھی ہنوز ہونق بنی آئمہ کو دیکھے گئی۔ وہ آواز دبا کر بولیں "بھئی میرا مطلب ہے تم انہیں یہ چاکلیٹس' پرفیوم گفٹ دو گی..... حنبل میری جان کو آجائے گا۔" پھر انہوں نے خود ہی رضا کی فیملی کے لیے بہترین لباس اور کچھ دوسری چیزیں پسند کر کے پیک کروائیں اور ان سب چیزوں سے اس کا سامان اور بھی اچھا خاصا ہو گیا تھا۔

زینب نے بیگز باہر لے جا کر ہدایت اللہ سے گاڑی میں رکھوائے تھے۔ ہدایت اللہ کو میرز کا نے بطور خاص بہت ہدایت دیں تھیں۔

"گاڑی راستے میں کہیں نہیں رکنی' گھر سے نکلتے وقت پانی تیل' بریکس اچھی طرح چیک کر لینا گھر سے نکل کر گھر پر ہی رکنا ہے..... کوئی پریشانی نہ ہو' ازلان کو گاڑی بالکل ڈرائیو کرنے نہیں دینی' لمبا راستہ ہے پھر چڑھائی ہے..... تم خود خیال رکھنا۔"

ہدایت اللہ خاندانی ڈرائیور تھا برسوں سے اعتبار والا تب ہی اس کے ساتھ روانہ کرنے کو تیار ہوئے تھے۔ وہ پنوں سے اپنی میرون چادر سیٹ کر کے باہر لاؤنج میں آئی تھی۔ کہیں جانے کے لیے تیار ہوا ازلان پشت پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی ٹھٹکی۔ بھرے آنکھوں میں وحشت اتری ماتھے پر ناگوار بل ابھر آئے تھے۔ وہ الٹے پاؤں اپنے کمرے میں مڑ آئی۔

"میں اس کے ساتھ کسی صورت نہیں جاؤں گی'

بھلے کچھ ہو۔۔۔" وہ کتنے دن سے دبے لفظوں میں سمجھا رہی تھی وہ اکیلے بھی جاسکتی ہے۔

حنبل نے آئمہ اور خیام کو اس کے ساتھ جانے کا کہا تھا لیکن جب روائیبہ کا پروگرام رکنے کا بنا۔ تو خاصی مشکل بن گئی۔ مل کے لیبرز نے ہڑتال کر رکھی تھی۔ خیام کی انجمن مزدوران کے ساتھ میٹنگ چل رہی تھی۔ آئمہ کی گردن کے پٹھے کئی دن سے شدید اکڑاؤ میں تھے۔ انہوں نے روائیبہ سے کہا بھی تھا۔

"ایسا ہے شادی والے دن صبح صبح نکلیں گے، رات کو رخصتی کے بعد فورا" آجائیں گے، خاصا وقت مل جائے گا مل لینا تمہیں جس جس سے ملنا ہے۔۔۔ میری طبیعت بھی بہتر نہیں ہے۔۔۔ اور پھر ایک دو دن رک کر کریں گے بھی کیا۔"

"لیکن مجھے وہاں چند دن رہنا ہے۔" اس کے چہرے پر لجاجت تھی "کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ آپ اعشال کو میرے ساتھ بھیج دیں!"

"اعشال۔۔۔" آئمہ کو اچنبھا ہوا سامنے بیٹھی اعشال بھی استہزائیہ رخسار پھیلا کر کان کی پشت سے بالوں میں انگلی چلاتی دوسری جانب دیکھنے لگی۔ آئمہ کہہ رہی تھیں "اعشال کو یوں غیروں کے گھر خیام کبھی نہیں جانے دیں گے۔۔۔ اور پھر رکنے کے لیے یہ تو ممکن ہی نہیں۔" کچھ توقف سے سوچ کر بولیں۔

"پھر ایسا کرلو۔۔۔ ازلان سے کہہ دیتی ہوں، اس کے ساتھ چلی جاؤ، ساتھ زینب اور ہدایت اللہ چلے جائیں گے۔۔۔" ازلان کا نام سنتے ہی اس کی سانس یک دم بیٹھ گئی۔ تھوک نگل کر کچھ ہمت پیدا کرتے ہوئے وضاحت دی تھی۔

"نہیں نہیں۔۔۔ بھرجائی اگر سب لوگ بزی ہیں تو، میں۔۔۔ میں زینب، ہدایت اللہ کے ساتھ ہی چلی جاؤں گی۔ اور ویسے بھی ازلان، وہ تو بے چارہ وہاں بور ہی ہوگا، اس کا ایج فیلو تو شاید وہاں کوئی نہ ہو۔ جندب بہن کی شادی کی وجہ سے بزی ہوگا۔۔۔ ازلان کو کمپنی کون دے گا۔ رہنے دیں اسے۔۔۔" ازلان نے تب ہی لاؤنج میں قدم رکھا تھا کچھ جملے سن کر ساری بات سمجھ گیا تھا۔

فرنیچر پر کپڑا پھیرتی زینب البتہ زور سے ہنسی تھیں۔

"بی بی آپ جو ہوں گی کمپنی دینے کے لیے۔۔۔ اتنی تو آپ دونوں کی دوستی ہے، کسی دوسرے کی کیا ضرورت۔" ازلان نے بھنوئیں اچکا کر روائیبہ کے چہرے کو دیکھا۔ اس نے صرف اچٹتی نگاہ ازلان پر ڈالی تھی ماتھے پر قطرے چمک گئے تھے۔

"اچھا تم اپنا کام کرو۔۔۔" آئمہ نے زینب سے کہا تھا۔ پھر روائیبہ کی جانب دیکھنے لگیں۔ "دیکھ لو جیسے کرنا ہے، ہیں ازلان۔۔۔! تم چلے جاؤ گے یا نہیں۔۔۔"

"مجھے کیا اعتراض ہونا ہے، چاچی سے پوچھیں جن کا فنکشن ہے۔" اس وقت روائیبہ کا دل چاہا اٹھ کر اسے دو تین تھپڑ لگائے اور چیخ چیخ کر کہے "ہاں، ہاں مجھے اعتراض ہے، ہر اس جگہ پر اعتراض ہے جہاں یہ موجود ہو، اٹھتا ہو، چلتا ہو، بیٹھتا ہو۔" وہ گلابی ہونٹوں کو اندر کی جانب سے کچل رہی تھی۔ آئمہ بات ختم کرتے انداز میں بولی تھیں۔

"چلو حنبل سے مشورہ کر لیتے ہیں، وہ کیا کہتا ہے۔"

"میں نے پوچھ لیا تھا حنبل سے۔" اس کے فورا" سے بولنے پر ایک فکر بھرا سایہ ازلان کے چہرے پر لہرایا اگلے ہی پل اندر تک طنزا" مسکرایا تھا۔

"ہوں اتنی ہمت بھی ہوئی نہیں کی۔۔۔"

"کیا کہہ رہا تھا حنبل۔" آئمہ نے اس کی جانب نگاہ اٹھائی۔

"وہ کہہ رہا تھا زینب کے ساتھ چلی جانا۔۔۔ ہدایت اللہ جو ساتھ ہوگا پھر کسی کی کیا ضرورت ہے۔" زینب اپنا نام سن کر خواہ مخواہ ہی خوش ہوگئی تھی کہ اس نے دوسرے ملک جا کر بھی اسے یاد رکھا ہوا ہے۔

"اچھا ٹھیک ہے جیسے کرنا ہوگا کرلینا۔۔۔ میں بابا جان کو بتا دوں گی۔" میرزکا کو انہوں نے کب اور کیا بتایا تھا۔ انہوں نے زیادہ اعتراض نہیں کیا۔ البتہ زینب اور ہدایت اللہ کو بہت سخت ہدایات دیں تھیں۔ اب جب سب طے ہوچکا تو پھر سے ازلان کا تیار ہو کر کھڑے ہونا وہ اندر تک بھنا گئی۔ وہ اس کے پیچھے

کمرے تک آیا وہ دروازے کی جانب پشت کیے غصے میں حل سوچ رہی تھی کہ وہ مخل ہوا۔

"دیر ہو رہی ہے' جانا نہیں ہے۔" وہ میکانکی انداز میں گھومی۔

"جانا ہے' مگر تمہارے ساتھ نہیں' سمجھے میں چپ ہوں' اسے میری کمزوری مت سمجھنا' جس دن بول پڑی تم پر تمہارے فرشتے بھی روئیں گے۔"

"تو بول دو۔۔۔ روکا کس نے ہے' اچھا نہیں ہے کہ تمہارے اور میرے فرشتے اکٹھے ہی ہم پر رولیں گے ۔۔۔ کیوں۔" اس نے سوالیہ نگاہ اٹھائی تھی۔ آئمہ کے قدموں کی آہٹ پر روائیبہ تیزی سے باہر آئی اور قدرے مضبوط لہجے میں بولی تھی۔

"بھرجائی۔۔۔ ازلان کہہ رہا ہے' اسے کوئی ضروری کام ہے' اسے نہیں جانا۔۔۔ آپ کیوں زبردستی اسے بھیج رہی ہیں۔" آئمہ نے پیچھے آتے ازلان کو حیرانگی سے دیکھا۔

"ہیں۔۔۔! مجھے تو کچھ اور کہہ رہا تھا۔۔۔ کیا ضروری کام ہے بھئی۔" ازلان نے کندھے اچکائے۔

"جو بتا رہی ہیں' کام بھی ان ہی سے پوچھ لیں۔۔۔ ویسے بھی مجھے کوئی شوق نہیں ہے' کسی کی پہرے داری کا۔" وہ کہہ کر غصے سے باہر نکل گیا۔ آئمہ نے اپنی سوچ پر بمشکل قابو رکھا تھا۔ اس سے گلے مل کر دعاؤں میں رخصت کیا۔ لیکن شام کو جب ازلان اکیلا اپنے کمرے میں تھا۔ آئمہ ادھر آگئیں۔۔۔ اس کے پاس بیٹھ کر بہت پیار سے پوچھا تھا۔

"بات کیا ہے ازلان تم اور روائیبہ آج کل زیادہ ہی کھچے کھچے نہیں رہتے' کوئی مسئلہ ہے؟" ماں کو شک پڑنے پر لحہ بھر تو اسے خوف آیا پھر خود پر قابو پاتے مضبوطی سے بولا تھا۔

"مجھے نہیں پتا' وہ خود ہی کچھ دنوں سے اس طرح بی ہیو کر رہی ہیں۔ شاید چاچو کی کمی یا پھر سوچتی ہوں گی' ہم نے انہیں یہاں رکھا ہوا ہے' جرمنی جانے نہیں دے رہے۔"

"یہی بات ہے۔۔۔ اور تو کچھ نہیں ہے۔" ان کی تفتیش پر اس کے رونگٹے کھڑے ہوئے تھے' دل بہت زور سے دھڑکا تھا۔ اس رات وہ آئمہ کی تسلی کر کے اپنے کمرے میں چلا ضرور گیا تھا مگر ساری رات جاگا تھا۔ سمندروں پار بیٹھے حنبل اور اپنی ماں کا خوف اسے کسی پل سکون لینے نہیں دے رہا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو اسی رات ہزاروں بار کوسا تھا۔

"کیا دماغ خراب ہو گیا تھا میرا' خود پر قابو کیوں نہیں رکھ سکا' اگر اس نے سب کو بتا دیا' مجھے تو میری ماں ہی مار دے گی اور چاچو وہ تو شاید میری بوٹیاں کر کے کوؤں کے آگے بھی نہ ڈالیں' چیونٹیوں کو نوچنے کے لیے پھینک دیں گے۔۔۔ کس طرح اس کی زبان بند کی جا سکتی ہے۔" سوچ سوچ کر اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ لیکن صبح روائیبہ کے ناشتے کی میز پر نہ آنے سے کچھ حوصلہ ہوا پھر سارا دن سر کے درد کا بہانہ کیے کمرے سے نہیں نکلی تھی۔ تب ہی وہ سمجھ گیا تھا اس کی زبان کیسے بند رکھنی ہے۔ اس نے آتے جاتے اسے تندی سے دیکھنے اور موقع ملتے ہی دھمکانے سے اس کی زبان بالکل بند کروا دی تھی۔ اسے اندازہ ہو چکا تھا جتنی ڈرپوک وہ ہے۔ قتل یا طلاق کے خوف سے کبھی کچھ نہیں بتائے گی۔ لیکن آج ایک بار پھر وہ ماں کے پوچھنے پر خوف زدہ ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ان کو گھر سے نکلے کچھ دیر ہوئی تھی لینڈ لائن پر حنبل کی کال آگئی۔ آئمہ کے بتانے پر اس کے لہجے میں تحیر ابھرا۔

"کیا مطلب' آپ نے اسے اکیلے ہی بھیج دیا۔۔۔ مجھے بتایا تک نہیں۔"

"وہ کہہ رہی تھی تم سے پوچھا ہے۔" لحہ بھر وہ چپ ہوا پھر اس کے جھوٹ کا پاس رکھتے کہا تھا۔

"ہاں پوچھا تو تھا۔۔۔ لیکن آپ ساتھ چلی جاتیں۔"

"بتا تو رہی ہوں تمہیں' میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی' دو تین دن رکنا مشکل ہو جاتا' ازلان کو بھیج رہی تھی مگر وہ اکیلے ہی جانا چاہ رہی تھی' میں نے مداخلت

کرنا مناسب نہیں سمجھا۔" وہ بات کاٹ کر بولا تھا۔
"آپ اسے سمجھا کر واپس لے آتیں۔۔۔ آپ کی بات مان جاتی وہ۔۔۔"
"حنبل میری بات سنو۔" ان کا لہجہ نصیحت آموز ہو چکا تھا "وہ وہاں جانے کے لیے بہت پرجوش ہو رہی تھی' اس کی خوشی کو خراب کرنا مجھے اچھا نہیں لگا اور تم بھی خواہ مخواہ اس پر اپنی مرضی مت ٹھونسا کرو۔۔۔ اور رہی بات ازلان کی تو پتا نہیں اس نے خود ازلان کو ساتھ لے جانے سے منع کیا ہے۔ اب کیا اچھا لگتا میں کہتی نہیں بھئی ہمیں اعتبار نہیں رضا حیات پر یا اس پر۔۔۔ جب مجھے اعتراض نہیں ہوا' تمہیں بھی نہیں ہونا چاہیے۔۔۔ کبھی بیویوں کی بھی مان لینی چاہیے۔"
"اوکے' اوکے۔۔۔" ان کی لمبی چوڑی وضاحت پر وہ دیر تک مسکرایا۔۔۔ "بہت ہمدردی نہیں ہونے لگ گئی آپ کو اپنی دیورانی صاحبہ سے۔۔۔"
"کیوں نہ ہو۔" وہ قطعیت سے بولیں۔ "اکلوتی دیورانی ہے میری۔"
"اور دیور۔۔۔ وہ اکلوتا نہیں ہے؟"
"ایک منٹ۔"
انہوں نے اسے روکا "تم میرے دیور نہیں بیٹے ہو۔۔۔ آئی سمجھ۔"
"اوہو۔۔۔ سوری سوری۔۔۔ غلطی ہو گئی۔" ان کے رسانیت بھرے انداز سے وہ بھی سرشار ہو گیا "اپنی طبیعت کا بتائیں۔ ڈاکٹر کے ہاں گئی تھیں۔"
"ہوں۔" پھر وہ کچھ دیر اپنی معمول کی باتیں کرتے رہے' اور رسمی جملوں کے بعد فون بند کر دیا۔
حنبل نے دوسری کال روائیہ کو ملائی تھی۔ ایک تو پتا کرنے کے لیے سفر کتنا طے ہو گیا۔ اور دوسرا جھوٹ بولنے کی ضرورت کیوں پیش آئی' اس نے پہلی بیل پر کال ریسیو کی تھی۔ رسمی حال احوال کے بعد چھوٹتے ہی حنبل نے پوچھا تھا۔
"تم نے جھوٹ کیوں کہا' میں نے تمہیں اکیلے جانے کا کب کہا تھا؟ مجھے اچھا نہیں لگا۔"
"کچھ جھوٹ ضروری ہوتے ہیں' بول لینے چاہئیں۔۔۔ اور تمہیں اچھا نہیں لگا۔۔۔ تو سوری۔۔۔ آئی ایکسٹریملی سوری۔۔۔!"
"اٹس اوکے۔۔۔ لیکن یار تمہیں اکیلے نہیں جانا چاہیے تھا۔ وہ لوگ کیا سوچیں گے' اکیلی کو بھیجا۔۔۔ یہاں کے رسم و رواج' روایات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اچھا نہیں لگتا۔"
"کیا اچھا نہیں لگتا۔۔۔" وہ انگریزی زبان میں یک لخت درشتی سے بولی تھی۔ زینب کے لہجے پر چونکی روائیہ نے اپنا رخ ونڈو کی جانب موڑ لیا "ہاں' تم کیا اچھا نہیں لگتا' تم اکیلے کہیں بھی جا سکتے ہو' جتنے مرضی عرصے کے لیے جا سکتے ہو' وہ اچھا لگتا ہے میں کہیں چلی جاؤں' وہ اچھا نہیں لگتا کیوں؟ کیوں میں انسان نہیں ہوں۔"
حنبل نے پہلی بار اس کا تلخ لہجہ سنا تھا وہ درمیان میں بولنا چاہ رہا تھا مگر وہ رکے تب ناں' وہ مسلسل بولتی رہی۔
"ہاں۔۔۔ اور کون سی روایات' شادی کر کے اپنی بیوی کو رشتے داروں میں پٹخ جاؤ' یہ روایت اچھی لگتی ہے' واہ کیا بات ہے حنبل ذکا۔۔۔ تمہارے اچھے اور برے کے معیار کی۔" اس نے تنفر بھری سانس نکالی اسی وقفے کے دوران حنبل مخل ہوا۔
"یار یہ ایک ڈیڑھ ماہ میں تمہیں ہو کیا گیا ہے' کس سے سیکھ رہی ہو ایسی باتیں' آج کل کیا پڑھ رہی ہو۔۔۔ اتنا غصہ۔"
"جو باتیں کتابیں اور ہجوم نہیں سکھا سکتا ناں۔۔۔ وہ تنہائی سکھا دیتی ہے۔" اس جملے پر اس کی آواز اچھی خاصی روندھ گئی تھی۔ حنبل حیرت زدہ تھا۔ پھر نرمی سے پوچھا تھا۔
"بات کیا ہے۔۔۔ کچھ بتاؤ گی نہیں۔۔۔"
"کچھ نہیں۔۔۔ بس تم سے شادی کر کے پچھتا رہی ہوں۔۔۔ بلکہ مجھے پاکستان آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔"
"ارے۔۔۔ اتنی ناراضی مائی ڈیئر میں جلد آ جاؤں گا۔ بس ایک ماہ' اور وہ کچھ نہیں بولی تب اس نے خود ہی کہا تھا۔ "اور مادام میری جرات جو آئندہ کچھ کہوں

...جتنے مرضی دن رہ لینا ادھر... لوکے...'' کچھ معمول کی باتیں ہوئی اور فون بند ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

گاڑی گیٹ کے سامنے رکتے ہی عائشہ اور رضا دونوں گیراج کی جانب لپکے تھے روائیبہ کے آنے کی رضا کو بے حد خوشی تھی۔ ساتھ کسی کے نہ آنے کا سرسری گلہ کرنے کے بعد وہ اسے گھیرے لاؤنج میں بیٹھے رہے۔ سامان ماہم کے کمرے میں رکھوا دیا تھا۔ عائشہ کام دیکھنے کی غرض سے کچن میں آگئیں۔ وہ بھی کچھ دیر بعد ان ہی کے پاس تھی دل میں مریم کا گمان ہونے لگا۔ عائشہ کے منع کرنے کے باوجود اسٹول کھینچ کر ان کے ساتھ بیٹھی باتیں کرنے لگی۔

عائشہ چائے ڈرائنگ روم میں لگوا رہی تھیں مگر خود ملازمہ کے ساتھ کچن میں تھیں سو اس نے بھی وہاں ہی بیٹھے بیٹھے چائے پی۔ بالکل ماؤں والے انداز میں وہ اس سے گھر اور گھر والوں کے رویے کے بارے میں پوچھتی رہیں اور وہ مصنوعی ہنسی ہنس کر انہیں مطمئن کر رہی تھی۔

''اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے... سچ تمہاری طرف سے اتنی پریشانی ہوتی تھی کیا بتاؤں... اب تمہیں دیکھ لیا ہے ناں' اندر تک سکون اتر رہا ہے۔'' دم لگے کھانے کو چیک کر لینے کے بعد وہ سنٹر ٹیبل پر خشک ہونے کے لیے رکھے برتن ملازمہ سے ڈائننگ ٹیبل پر لگانے کا کہہ رہی تھیں ساتھ اسے بھی مشورہ دیا تھا۔

''تم کچھ دیر آرام کر لیتیں' شام کو فنکشن ہے' پھر تیار بھی ہونا ہو گا۔''

''آنٹی کوئی تھکاوٹ نہیں ہو رہی... اور ماہم کدھر ہے' ابھی تک ملی ہی نہیں مجھ سے آکر...''

''میری جان وہ پارلر گئی ہوئی ہے' فیشل وغیرہ کے لیے... تمہارے آنے کی مجھ سے زیادہ اسے خوشی ہے' اب تک کئی میسجز کر لیے' روائیبہ آگئی' کون کون ساتھ ہے' کیسی لگ رہی ہے۔''

''تو آپ نا بتائیں ناں' اچانک سے مل کر زیادہ خوش ہوتی۔'' وہ سن کر مسکراتی رہیں کچھ توقف سے کہا تھا۔

''تم اس کے کمرے میں جاؤ' وہاں بیڈ پر اس کی چیزیں رکھی ہیں' جو رات کو پہننی ہیں' دیکھو ذرا سب ٹھیک ہے۔''

''اوکے...'' وہ اسٹول سے اٹھ کر کچن سے باہر نکلی تب انہوں نے ہانک لگائی۔ ''اپنے پہننے کے کپڑے وغیرہ نکال دو' فوزیہ پریس کر دے گی۔''

''آپ اپنے کام نبٹائیں... زینب ہے میں اس سے کروا لوں گی۔''

ان کی ہدایت کے مطابق ماہم کے کمرے میں جانے کے لیے لابی کی طرف مڑی تھی۔

وہ سامنے کمرے سے نکل کر' قریب لگے زینے پر چڑھنے لگا تھا۔ اس کی پشت دیکھتے ہی روائیبہ نے اسے پیچھے سے آواز دی تھی۔

''ہائے جندب...!'' اس نے آواز پر سرسری گردن پھیر کر دیکھا آنکھوں میں شناسائی کی چمک ہلکی سی تھی۔

''ہیلو... کیسی ہو۔'' وہ زینے کی گرل پکڑے بہت سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔ کچن سے باہر نکلتی عائشہ نے بھی اس کا انداز محسوس کیا تھا۔

''میں تو ٹھیک ہوں' تم البتہ ٹھیک نہیں لگ رہے۔'' وہ آہستہ آہستہ چلتی اس کے قریب آگئی' ''تین گھنٹے ہونے والے ہیں ہمیں آئے ہوئے' تم نے ملنے تک کی زحمت نہیں کی... ایسی بھی کیا مصروفیت۔'' سن کر وہ بالکل پھیکا سا مسکرایا تھا۔

''ہاں بس' گھر کا فنکشن ہے ناں... مصروفیت تو بنتی ہے... تم بیٹھو ناں۔'' اجنبی انداز میں کہہ کر وہ تیزی سے زینہ پھلانگتا اوپر بڑھ گیا اور وہ بہت دیر وہاں کھڑی اس کے انداز پر غور کرتی رہی اس کی سوچوں کا بہاؤ ماہم نے پیچھے سے آکر زور سے لپٹتے ہوئے روک دیا تھا۔

سلور نگوں سے مزین بلیک نیٹ کی کامدار ساڑھی میں جہاں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی وہاں اسے سنبھالنے میں بہت الجھی ہوئی تھی۔ اس کی کھلی رنگت پر ہلکے پھلکے میک اپ نے مزید چار چاند لگا دیے۔ ماہم

نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔

"تم پیاری تو بہت لگ رہی ہو' مگر خدا کے لیے بیٹھ جاؤ اس میں الجھ کر گر جاؤں گی۔"

وہ وہاں ہی اس کے پاس اسٹیج پر بیٹھی رہی تھی۔ جندب تمام فنکشن میں اسٹیج سے پرے ہی رہا۔ اس کی لاتعلقی مہندی پر تو زیادہ محسوس نہیں ہوئی تھی کیوں کہ آسٹریلیا سے یکسر مختلف فنکشن اس کی بھرپور توجہ کا مرکز تھا۔ اس کو انجوائے کرتے وقت گزر گیا لیکن شادی پر بھی ہنوز دور دور اسے خاصا عجیب لگا تھا۔ اس نے کئی بار اس سے بات کرنے کی کوشش کی۔ لینا فیڈرک' میرڈین اسمتھ کے بارے میں وہ "ہوں ہاں" میں جواب دے سائڈ پر ہو گیا۔ تاہم کی رخصتی کے بعد جب ہال مہمانوں سے خالی ہو رہا تھا۔ جندب بھی وہاں سے جلد ہی نکلنے کے چکر میں تھا۔ ٹیرس کے ساتھ بنی سیڑھیوں وہ تیزی سے اترنے لگا تھا۔ روائیبہ دوسری جانب سے آرہی تھی فوراً اس کی کلائی پکڑ کر روک لیا۔ وہ اچھا خاصا چونکتے ہوئے مڑا تھا۔

"جندب میری بات سنو۔"

"ہوں۔۔۔"

"آئی تھنک' ہم بہت اچھے فرینڈز تھے۔"

"تھے نہیں' ہیں۔" اس نے روائیبہ کی درستی کرتے ہوئے آہستگی سے اپنی کلائی چھڑوائی۔

"اچھا!" اس کے لہجے میں تعجب ابھرا "اگر ہیں' بقول تمہارے۔۔۔ تو پھر ایسے بی ہیو کیوں کر رہے ہو' تم کبھی بھی اتنے روڈ نہیں رہے' ناراض کس بات پر ہو۔۔۔ کیا میری شادی سے۔"

"میں تمہاری شادی سے ناراض کیوں ہونے لگا۔" وہ تیزی سے بولا تھا "میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے' شاید تمہیں اس لیے ایسا لگا ہو۔" وہ بات ختم کر کے جانے کی جلدی میں تھا مگر روائیبہ نے اب پہلے سے بھی زیادہ سختی سے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا۔

"میری بات ابھی ختم نہیں ہوئی۔"

"دیکھو روائیبہ' میں واقعی تم سے ناراض نہیں ہوں' نا تم سے' نا خود سے' نا اپنی قسمت سے۔۔۔" اس کے درشتی بھرے لہجے پر روائیبہ کا چہرہ سنسناتے ہوئے سرخ پڑا' آنکھوں میں گرد بار اکٹھا ہو گیا تھا۔ دہکتی رنگت پر گرے آنکھوں میں اترتی لالی' اچھا خاصا دشوار تھا اسے دیکھنا۔

"میں اس وقت بزی ہوں' پھر بات کریں گے۔"

اس نے جھٹکے سے کلائی چھڑوائی اور دو دو سیڑھیاں پھلانگتا تیزی سے اترا۔ وہ ٹیرس کے ساتھ بنی گلاس وال کے ساتھ لگ گئی۔ ناک اور رخساروں پر سرخی پھیلتے جبڑے بے حد بھاری ہو چکے تھے۔ مسکارے سے بھاری پلکیں تیزی سے جھپکتے تھوڑا سا منہ کھول کر سانس لیا پھر ہونٹ آپس میں بھینچ لیے۔ گاڑی میں بیٹھ کر زن سے اڑاتے اس نے گلاس وال سے جندب کو دیکھا تھا۔

"اتنی بے مروتی' پوچھتے تو سہی' شاید مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہوتی۔" اسے شدت سے رونا آیا۔ شاید وہ زور سے رو بھی پڑتی کہ سامنے عائشہ آگئیں۔ انہوں نے دور سے ہی اسے جندب کو روکتے دیکھ لیا تھا۔ اور وہ کسی حد تک خوف زدہ بھی ہو گئی تھیں کہیں یہ اسے بتا نہ دے کہ میں نے ہی اسے شادی کے لیے قائل کیا تھا اور جندب کو سمجھانے کا بھی۔۔۔ جب وہ دونوں بات کر رہے تھے وہ دور ہی رک گئیں۔ اب جندب کے جاتے ہی پاس آگئیں۔

"کیا ہوا میری جان۔۔۔ ایسے کیوں کھڑی ہو۔" انہوں نے اس کی کہنی نرمی سے پکڑ کر اپنی جانب گھمایا۔ لمبی پلکوں کی نوک سے قطرے پھوٹ پڑے۔ اس نے شکوہ کناں نگاہوں سے عائشہ کو دیکھا۔

"یہ میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہا ہے؟"

"نہیں ایسا کچھ نہیں ہے' جندب ویسے ہی چینج ہو گیا ہے' سنجیدگی آگئی ہے اس میں' شاید جاب کرنے لگا ہے' اس لیے خیر تم آؤ گھر چلتے ہیں۔"

"ہاں بس اب ہمیں بھی واپسی کے لیے نکلنا ہے۔"

عائشہ کو اس کے یکدم فیصلے پر حیرت ہوئی تھی۔

جب وہ آئی تھی اپنا کئی دن کا پروگرام بتا رہی تھی مگراب یوں کھڑے کھڑے رات کے وقت سفر۔ انہوں نے اسے بہت روکا۔ مگر اس نے زینب سے کہہ کر فوراً" سامان سمٹوا کر گاڑی میں رکھوایا۔ گھر آکر رضا اپنے قریبی رشتہ داروں میں مصروف تھے۔ معلوم بھی نہیں ہو سکا وہ کب نکل گئی جب انہیں پتا چلا بہت برہم ہوئے۔

"میں کیا مر گیا تھا' جب جا رہی تھی تب کیوں نہیں بتایا۔"

"آپ بزی تھے' وہ رکی ہی نہیں....."

"ایسی بھی کیا ایمرجنسی' جو ملے بغیر چلی گئی۔"

"وہ..." عائشہ نے ایک پل میں جواب سوچ لیا تھا۔ "اس کے گھر سے بار بار فون آرہا تھا' شاید کوئی مسئلہ ہو۔"

"عجیب گھر دماغ لوگ ہیں' جوان بچی کو یوں رات میں بلا لیا۔"

"آپ اپنا بلڈ پریشر نہ بڑھائیں۔ اس نے بتایا تھا' خاندانی ڈرائیور ان کے ساتھ ہے' پھر وہ ملازمہ خاصی سمجھ دار ہے۔ وہ کہہ رہی تھی پہنچ کر فون کر دے گی۔"

"حد ہوگئی...." رضا حیات کے بڑھتے پارے کو نارمل کرنے کے لیے وہ پانی کا گلاس بھر کر لائیں اور ان کی جانب بڑھایا۔ اپنے جھوٹ پر شرمندہ تھیں مگر بتاتیں بھی کیا۔ دل میں سوچتی رہیں کہ روائیبہ کو فون پر بتا دیں گی تمہارے انکل ناراض ہو رہے تھے تو انہیں کیا بتایا۔

☆ ☆ ☆

اسلام آباد آتے ہوئے بھی سارا راستہ سوچنے میں کٹا تھا۔ اب واپسی پر شدید کرب تھا آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ جو بات وہ حنبل کو بتاتے ڈر رہی تھی اسے لگا تھا وہ جندب کو بتا سکتی ہے۔ وہ اس کا بہترین دوست ہے' مشورہ دے سکتا ہے کہ حنبل کو بتائے نا بتائے' مگر جندب نے دکھ درد کیا سننا تھا حال تک پوچھنا گوارہ نہیں کیا..... بس اتنی دوستی تھی'

صرف اتنی سی محبت.... آہ.....

آدھی رات کے گزرتے لمحوں میں اس کی آمد پر آئمہ اچھی خاصی حیرت زدہ تھیں۔

ایسا وہاں کیا ہو گیا' جو آدھی رات کو نکلنا پڑا۔ کیا جانے کے لیے اتاولی ہوئی تھی۔ انہوں نے صرف اتنا پوچھا تھا۔

"کیا ہوا.... سب خیریت تھی وہاں...."

"جی میری طبیعت کچھ خراب ہو رہی تھی.... وہاں رکتی تو ان کا فنکشن خراب ہوتا۔" وہ کہہ کر تیزی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھی تھی۔ آئمہ نے زینب کو بہت کرید کرید کر پوچھا۔ مگر وہ انجان تھی انجان رہی۔

جاڑے کے سوکھے پتوں جیسے بے رونق دن رات ہر چیز پر ویرانی برسا رہے تھے۔ اداس دسمبر کے سناٹا زدہ لمحے خواہ مخواہ اس کا دل بھر آتا۔ طبیعت کا بوجھل پن نقاہت اس ایک ہفتے میں اس پر بے طرح قنوطیت چھائی رہتی۔ اپنی طبیعت' اپنی روٹین کی طرف بھی دھیان نہیں جاتا تھا بس ایک بت۔ خاموش ساکت' اس کے نزدیک یہ ساری وجہ جندب کے ہرٹ کرنے کی تھی۔ دن میں کئی بار فیصلہ کرتی اب کبھی اس کی شکل تک نہیں دیکھے گی' رضا حیات کا اگلی صبح ہی فون آیا اس نے اپنی طبیعت خرابی کے بہانے کے ساتھ حویلی میں ایک ضروری کام کا بہانہ بنا دیا تھا۔ کیوں کہ عائشہ اسے میسج پر بتا چکی تھیں۔

"تمہارے انکل تم سے بہت خفا ہیں۔"

حنبل بھی اس کے جلدی گھر آجانے پر خوش بھی تھا' حیرت زدہ بھی۔

"میرا وہاں دل ہی نہیں لگا۔"

"لگنا بھی نہیں چاہیے کسی فنکشن میں میرے بغیر۔" وہ جوش سے بولا تو روائیبہ کی آواز میں درد امڈ آیا۔

"تم آجاؤ پلیز.... پلیز!"

"آجاؤں گا.... پریشان کیوں ہوتی ہو...."

اس نے فنکشن کی تصاویر اسے واٹس ایپ کیں

حنبل نے دیکھ کر اتنا کہا تھا۔

"ہر کسی کے فنکشنز پر ایسے تصویریں۔" وہ لمحہ بھر رکا پھر بولا "اگر کچھ کہوں گا تو پھر تمہیں غصہ آجائے گا۔"

"وہ غیر نہیں ہیں... اچھا۔"

"اچھا بی اچھا..." اسے اپنی مرضی پر ڈھالنا ہے اپنے رسموں رواج پر چلانا قدرے مشکل ضرور لگتا تھا مگر حنبل کو روز قیامت کی طرح یقین تھا۔ وہ اس کی مرضی پر ضرور چلے گی۔

✡ ✡ ✡

جرمنی کے شہر برلن میں اس وقت پانچ بج چکے تھے وہ اپنے آفس میں تقریباً" پچھلے تین گھنٹوں سے ظہیر تقی کے ساتھ میٹنگ میں تھا۔ ظہیر تقی خیام ذکا کے اچھے خاصے ملنے والوں میں سے تھا کئی برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ اس ہی کے مشورے سے جرمنی میں کاروبار کرنے کا دھیان آیا تھا اب جب وہ اپنے کاروباری پارٹنر سے ہونے والے اختلاف کے باعث اپنا بہت سا حصہ اس کے کاروبار سے الگ کر چکا تھا۔ اب وہ اپنا آفس جو گورنمنٹ سے کنٹریکٹ کی حیثیت سے اس کی ملکیت میں تھا وہ اسے ری سیل کرنا چاہ رہا تھا۔ حنبل نے یہاں ابھی عارضی آفس بنایا تھا۔ اور کنٹریکٹ بیس پر ملنے والے آفسز کا ان سے ذکر کیا۔ تو ظہیر تقی نے اپنے آفس کی لوکیشن اور مالیت کا ذکر کیا تھا۔

"لیکن یہ آفس تو پانچ سال کے کنٹریکٹ پر ہے یہ مدت کم نہیں ہے۔" اس نے فائل کے صفحات پلٹتے ہوئے ظہیر تقی پر نگاہ ڈالی وہ پوری طرح سے متوجہ تھا۔

"میرا کنٹریکٹ پانچ سال کا ہوا تھا مگر یہاں گورنمنٹ کی پالیسیز تیزی سے بدلتی ہیں' وہ اپنے ملک میں کاروبار کرنے والوں کے لیے بہترین تجاویز نکالتے ہیں' وقت کے ساتھ کنٹریکٹ بڑھا دیا جاتا ہے۔"

حنبل نے سوچتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ اسے کچھ واضح سمجھ نہیں آرہا تھا ایک طرف ظہیر تقی اپنا آفس ری سیل کرنا چاہ رہا تھا۔ دوسری طرف وہ چاہتا تھا ان سے فوڈ پروسیسنگ یونٹ کے تیس فیصد شیئرز خرید لے۔ آج سے پہلے بھی وہ تین چار میٹنگ اسی ٹاپک پر رکھ چکے تھے مگر ان کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا تھا۔ حنبل نے اسے کافی پلانے کے بعد یہ کہتے رخصت کیا۔

"ٹھیک ہے' میں اپنے لیگل ایڈوائزر سے بات کر لوں' پھر ملتے ہیں کسی میٹنگ میں۔" حنبل مصافحہ کے لیے آگے ہاتھ بڑھاتا اٹھ کھڑا ہوا' ظہیر تقی بھی اپنی نشست چھوڑ چکا تھا۔ اس کے چلے جانے کے بعد حنبل نے خیام ذکا کو کال ملائی تھی۔ رسمی حال احوال کے بعد اصل موضوع کی جانب آگئے تھے۔

"مجھے سمجھ نہیں لگ رہی' اس کا پارٹنر سے جھگڑا ہو گیا اور جھگڑے سے پہلے آفس کنٹریکٹ دونوں کے نام ہے' جھگڑے کے فوراً" بعد کے پیپرز صرف ظہیر تقی کے نام ہیں۔ اب جب کہ میں اسے کہہ رہا ہوں متروکہ پارٹنر سے ملنا چاہتا ہوں تو وہ جرمنی چھوڑ کر جا چکا ہے' اس کا کوئی اتا پتا نہیں... کوئی چھوٹی موٹی مالیت کا کنٹریکٹ نہیں ہے خاصے یورو کا معاملہ ہے آپ بتائیں کیا کرنا چاہیے۔"

"یار میں اتنا جانتا ہوں' تقی بڑا اچھا بندہ ہے' اگر وہ یہ سب کہہ رہا ہے' تو یقیناً" ایسا ہو گا۔ باقی اب فائلز تمہارے پاس ہیں' لیگل ایڈوائزر سے بات کر لو... اور میں تو کہتا ہوں ڈن کر و یار... ویسے بھی تقی کی طبیعت کچھ خاص بہتر نہیں رہتی میرا خیال ہے وہ اس لیے بھی بزنس سے ہٹنا چاہ رہا ہے۔"

"لیکن وہ پارٹنر شپ کی بات کر رہا ہے مجھ سے۔" حنبل کرسی کے اگلے پنجوں پر وزن ڈالتا آگے کو ہوا۔

"ہاں ہاں... یہ تو اس نے مجھ سے بھی کی تھی' دراصل اب اس سے کاروبار کی سرپرستی نہیں ہوتی' وہ کسی کی سرپرستی میں تھوڑا بہت کام چلانا چاہتا ہے۔ باقی اب تم دیکھ لو۔"

"چلیں ٹھیک ہے میں سوچتا ہوں کچھ۔" حنبل

نے فون بند کیا۔ کچھ دنوں کی ریسرچ اور سوچ و بچار کے بعد اپنے لیگل ایڈوائزر سے میٹنگ کی۔ اس نے تمام کاغذات بغور دیکھتے کہا تھا۔

"پیپرز تو اوریجنل ہیں، لیکن ایکس پارٹنر کا حلفیہ بیان ساتھ ہوتو بہتر ہوتا۔"

"ہاں لیکن میں نے آپ کو بتایا ہے، وہ جرمنی چھوڑ کر جاچکا ہے۔" حنبل کی وضاحت پروہ مسکرادیا۔

"جی بالکل... لیکن کہیں سے تو اس نے چیک آوٹ کیا ہوگا، کسی ایگزٹ پر اس کا ثبوت ہونا چاہیے۔" حنبل اسے دیکھتے ہوئے استہزائیہ ہنسا تھا۔

"وہ جس طریقے سے یہاں رہ رہا تھا، ایسے لوگ زیادہ ثبوت نہیں چھوڑتے، ال لیگلی (غیر قانونی) یہاں رہائش پذیر تھا، اور مجھے لگا ہے اسی چیز کا ظہیر نقی نے فائدہ اٹھایا ہوگا۔"

"ممکن ہے..." اس نے اتفاق کیا اور ستر فیصد اسی طرح کے کیسز میں لوگ بہت خاموشی سے اپنے معاملات پورے کرکے چلے جاتے ہیں، یقیناً" وہ بھی خاموشی سے سائن کرگیا ہوگا۔"

"یعنی حرج نہیں ہے، اس ایگریمنٹ میں..."

"نہیں میرا نہیں خیال، کوئی پرابلم ہے۔"

"اوکے پھر ملتے ہیں۔" حنبل کسی حد تک مطمئن ہوچکا تھا۔ اب اسے جلد از جلد اس معاملے کو حل کرنا تھا۔

✲ ✲ ✲

بے مہار وقت کا پنچھی اپنے پروں کو توازن میں کرتا منڈیر منڈیر داستانیں رقم کرتا جارہا تھا۔ حنبل کو جرمنی گئے تقریباً" دو ماہ سے زیادہ ہوگئے تھے حویلی میں سب اپنی لگی بندھی روٹین میں چل رہے تھے البتہ آئمہ کی مصروفیات قدرے بڑھی ہوئی تھیں کیوں کہ سلویٰ کا نکاح چند دن بعد تھا۔ آئمہ آج بھائی کی طرف جانا چاہ رہی تھیں لیکن صبح ہی سلویٰ ادھر آگئی۔ اسے مارکیٹ سے چند بہت ضروری چیزیں لانا تھی۔ اس نے یہی خیال کیا آئمہ کے ساتھ جاکر لے آوں گی۔ دونوں بہنیں نکاح کی تیاریوں پر بہت دیر باتیں کرتی رہیں۔ جب بازار کے لیے تیار ہوئیں تو زینب سے کہا تھا۔

"ہدایت اللہ سے کہو گاڑی تیار کرے مجھے شہر جانا ہے۔"

"وہ تو جی بڑے صاحب کو لے کر کہیں گیا ہوا ہے، شاید کسی ممبر کی طرف دعوت تھی۔" زینب کی یاددہانی پر آئمہ کو یاد آگیا تھا میرزا اسے لے کر سرگودھا کسی سے ملنے گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے پھر ازلان کا کہا تھا۔

"ازلان کو دیکھو کدھر ہے، ڈیرے سے گاڑی منگوائے، ہمیں ضروری جانا ہے۔" زینب ازلان کے کمرے کی جانب بڑھی تھی تب آئمہ نے ہانک لگائی۔

"چھوٹی بی بی کو بھی بتا کر آنا۔ ہم شہر جارہے ہیں۔"

"بڑی اجازت لینی پڑتی ہے، آپ کو اپنی دیورانی صاحبہ سے۔" سلویٰ کے لہجے میں طنز تھا۔

"اس میں اجازت کہاں سے آگئی، گھر کی فرد ہے اسے پتا ہونا چاہیے، کون گھر پر ہے، کون نہیں۔ ویسے بھی کچھ منگوانا ہوگا تو بتادے گی۔"

"تو آپ اس کی خادمہ بھی ہیں۔" سلویٰ نے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے استہزائیہ قہقہہ لگایا تھا۔

"میری ایک بات سنو سلویٰ۔" آئمہ جما جما کر کہتی صوفے پر ذرا آگے ہو کر بیٹھیں۔ "اپنی حکومت قائم رکھنے کے لیے چھوٹوں کو یہ احساس دلا کر رکھنا پڑتا ہے کہ وہ چھوٹے ہیں۔ اپنے مزاج میں کچھ تبدیلی لاؤ، اگر چاہتی ہو حکومت کرسکو تو معاملات کو دماغ سے سمجھا کرو، دل سے نہیں۔"

وہ کہہ کر جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئیں تاکہ جانے کے لیے تیاری کرسکیں۔ اسی لمحے زینب بوکھلائی ہوئی اندر آئی تھی۔

"وہ... وہ بی بی چھوٹی بی بی۔"

"کیا ہوا چھوٹی بی بی کو...؟" آئمہ جھلا کر بولی تھیں۔

"وہ صحن میں... وہ ازلان، وہ بلا رہا ہے آپ کو۔"

سنتے ہی آئمہ کی آنکھیں پھیلیں۔ تیزی سے پچھلے صحن کی جانب لپکیں۔

وہ بے سدھ زمین پر گری تھی ازلان اس پر جھکا چیخیں مار رہا تھا۔

"چاچی.... چاچی.... آنکھیں تو کھولو۔" آئمہ کے قدم تیز تیز اس جانب اٹھ رہے تھے۔

"کیا ہوا ہے اسے...." انہوں نے جھک کر اس کے ماتھے اور ہاتھوں کو چھوا تھا جو بے حد سرد تھے۔ موسم سرد ہونے کے باوجود ماتھے پر نمی کے قطرے نمودار تھے۔

"وہ.... وہ ہم کرکٹ کھیل رہے تھے' یک دم پتا نہیں انہیں کیا ہوا کھڑے کھڑے گر گئیں۔" وہ بے طرح سے بوکھلا گیا تھا۔

آئمہ نے نخوت سے ازلان کو دیکھا تھا۔ زینب اتنی دیر میں پانی لے آئی تھی۔ ٹھنڈے چھینٹے پڑنے سے اس کی پلکوں میں ہلکی سی جنبش ہوئی پھر آہستہ آہستہ بدن حرکت میں آنے لگا۔ زینب اسے سہارے سے اندر لے گئی تھی۔ ازلان سے ڈاکٹر کو بلانے کا کہا تھا۔

پورے گاؤں میں ایک ہی اسپتال تھا۔ جہاں پر گنتی کے ڈاکٹرز تھے۔ آن ڈیوٹی ہوں نہ ہوں مگر حویلی میں بلانے پر جن کی طرح حاضر ہو جاتے تھے۔ لیڈی ڈاکٹر کے آنے تک اس کی طبیعت کافی حد تک سنبھل چکی تھی۔ لیڈی ڈاکٹر نے چیک کر کے بی پی انتہائی حد تک لو بتانے کے ساتھ کچھ ٹیسٹ لکھ کر دیے۔ کیوں کہ جو کچھ وہ بتا رہی تھی آئمہ حیرت سے سن رہی تھیں۔

"لیکن....!" وہ بمشکل بولیں۔

"آپ یہ ٹیسٹ کروالیں' کنفرم ہو جائے گا.... ویسے ان کی کنڈیشن بتا رہی ہے۔" آئمہ ٹیسٹ والی رسید پکڑے بہت دیر اس کے پاس بیٹھی رہیں۔ زینب ڈاکٹر کو باہر تک چھوڑنے گئی تھی۔

"کب سے ہو رہی ہے تمہاری طبیعت اس طرح ...." آئمہ نے اس سے پوچھا تو وہ نا سمجھی سے انہیں دیکھتی رہی۔

"کیا مطلب.... کس طرح.... آج ہی سر چکرایا ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے تم لیٹ جاؤ....." آئمہ کا دماغ مختلف سوچوں کی آماجگاہ بن چکا تھا' شاپنگ کا تو دھیان تک نہ رہا۔ البتہ وہاں سے اٹھتے ہوئے اسے سمجھایا تھا۔ "کل میرے ساتھ ہسپتال چلنا' کسی اچھی ڈاکٹر کو دکھالیں گے اور...." دروازے کے پاس پہنچ کر پلٹ کر آئیں۔ "اگر حنبل کا فون آئے ابھی اسے کچھ مت بتانا کل ہسپتال ہو آئیں۔ پھر میں خود اسے بتا دوں گی۔"

آئمہ جب تک اس کے کمرے سے نہیں نکلیں' ازلان باہر لاؤنج سے ہلا تک نہیں تھا۔ انہیں لاؤنج کی جانب بڑھتا دیکھ کر ترچھی نگاہ سے ان کا موڈ جانچنا چاہا تھا۔ بظاہر خود کو بہت مضبوط پوز کرنے کے باوجود اس کا دل اندر سے سوکھے پتے کی طرح لرز رہا تھا۔ اسے قطعاً اندازہ نہیں تھا وہ اس سے کس قدر خوف زدہ ہو چکی ہے۔ کچھ دیر پہلے وہ معمول کی طرح ڈیرے سے آیا۔ اپنے کمرے کی کھڑکی سے روائیبہ کو پچھلے صحن میں کرسی پر بیٹھے دیکھا تھا۔ ڈرانے دھمکانے سے اس کے چہرے پر پھیلنے والے رنگ دیکھنے میں اسے عجیب سا لطف آنے لگا تھا۔ وہ خاموشی سے کمرے سے نکلا قدم قدم چلتا اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔ وہ آنکھیں موندے کرسی کی بیک سے سر ٹکائے بیٹھی تھی۔ بھورے نم بال کرسی کی پشت پر بکھرے تھے۔ ازلان نے اس کے چند بال نرمی سے مٹھی میں پکڑ کر خمار آمیز انداز میں کہا تھا۔

"تمہاری طرح تمہارے بال بھی بہت خوب صورت ہیں۔" آنکھیں پٹ سے کھولتے وہ جھٹ سے اٹھی۔ اس کے چہرے پر کمینی مسکراہٹ دیکھ کر وہ سن سی رہ گئی نگاہیں چاروں طرف سارے صحن میں گئی تھیں ہر طرف صرف جنوری کی نرم دھوپ کا راج تھا کوئی ملازمہ' کوئی گھر کا فرد' کوئی آہٹ کچھ بھی نہیں۔ ناشتے کی ٹیبل پر آئمہ نے اپنے بھائی کے گھر جانے کا سرسری سا تذکرہ کیا تھا۔ لیکن اسے معلوم نہیں تھا وہ گئیں یا نہیں اور نا ہی سلوی کی آمد ابھی پتا چلی تھی۔ اکیلے پن کا بہت سا خوف اس میں امڈ امڈ آ رہا تھا۔ اس کا یہی خوف زدہ انداز ازلان کو اس کے قریب

رہنے پر اکسا رہا تھا۔ وہ اپنے خوف پر بمشکل قابو پاتے ہوئے بولی تھی۔

"تم آخر چاہتے کیا ہو.... کیوں مجھے تنگ کر رہے ہو...." نچلے ہونٹ کو اندر کی جانب دانتوں سے کاٹتے آنکھیں سکیڑتے وہ مسکرایا تھا۔

"یہی کہ تم میرے سامنے بیٹھی رہو، مجھے ٹائم دو، مجھ سے باتیں کرو.... جیسے پہلے ہماری دوستی تھی اس سے بھی زیادہ قریبی دوستی بس یہی چاہتا ہوں۔ صرف اتنا سا۔"

"تمہیں ذرا سی بھی شرم نہیں آتی یہ سب کہتے ہوئے، میرے اعتبار کو جس طرح تم نے توڑا میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔" بولتے ہوئے گہرے آنکھوں میں رگیں گلابی پڑنے لگیں اور کناروں پر نمی چمکنی شروع ہوئی تھی۔

"زندگی میں ایک بہت بڑے صدمے میں، جو شخص میرے قریب تھا، جس نے مجھے حوصلہ دیا وہ اندر سے اتنا بدنیت ہوگا.... تمہارا میرا جو تعلق ہے تمہیں اس رشتے کا بھی پاس نہیں ہے۔ میں حنبل سے بہت محبت کرنے لگی ہوں.... کیوں ہماری زندگیوں کو جھلسانے آرہے ہو.... خدا کے لیے میرا پیچھا چھوڑ دو۔" نمی یک لخت اکٹھی ہو کر کناروں سے چھلکی۔

"نا، نا، نا۔" کہتے اس نے اپنے دونوں انگوٹھے اس کے رخساروں پر مس کرنے کی کوشش کی تھی لیکن روائیبہ نے اس کے ہاتھ تیزی سے جھٹکے۔

"پیچھے کرو.... پیچھے کرو۔" انگلیوں کی پشت سے اپنے آنسو پونچھتے اسے خوف زدہ کبوتری کی مانند لگ رہی تھی اس نے مسکرا کر اپنے بازو پشت پر باندھ لیے۔

"لو اچھا، پیچھے کر لیتا ہوں۔ اور کوئی حکم...."

"دفع ہو جاؤ یہاں سے...."

"بس اتنا سا حکم.... ہو جاؤں گا۔" سپاٹ لہجے میں کہتا کچھ دیر اسے دیکھے گیا پھر اطمینان بھری سانس اندر اتارتے گہرے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"تم جس شخص سے محبت کر رہی ہو ناں.... اس سے تمہیں ملنا کچھ بھی نہیں ہے سوائے کاروباری معروفیت کے.... تمہارا اس کا میچ بھی کوئی نہیں ہے۔ البتہ میں تمہیں سب کچھ دے سکتا ہوں، وقت، توجہ، محبت اور...." وہ اس کا جملہ کاٹ کر دھاڑی تھی۔

"گیٹ لاسٹ...."

"آرام سے...." وہ ہاتھ سے روکتا تحمل سے بولا تو روائیبہ کے تن من میں آگ لگ گئی۔ وہ دانت جما کر بولی۔

"اذلان میں سب کو سب کچھ بتا دوں گی، نتیجے کی پروا کیے بغیر.... مجھے مت اکساؤ۔"

"اوہ.... ریئلی۔" اس نے خوش گوار حیرانگی کا تاثر دیا اور اس کی کلائی پکڑ کر زبردستی اندر کی جانب کھینچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"آؤ.... آؤ ابھی اندر جا کر اعلان کرو.... تمہاری جیٹھانی بیٹھی ہے اسے بتاؤ.... اور اپنے اس محافظ کو فون...." اس کے بقایا لفظ منہ میں رہ گئے اسے محسوس ہوا تھا وہ ڈھیلی پڑتی بے جان ہو گئی ہے۔ اس کی کلائی ٹھنڈی ہوتے ہوئے نم ہو گئی تھی اور چکرا کر وہیں گر پڑی۔ یک دم تو اذلان کے بھی پسینے چھوٹ گئے، پہلا خیال آیا یہاں سے فوراً کہیں چلا جائے لیکن جب زینب کو صحن کے حصے میں داخل ہوتے دیکھا وہ چلانے لگا تھا۔

"چاچی، چاچی، پلیز اٹھو کیا ہوا.... زینب امی کو بلاؤ۔"

آئمہ کے سامنے اس نے فوراً کرکٹ کا بہانہ گھڑ لیا تھا۔ مگر اندر سے فکر بہت تھی جانے اس نے ہوش میں آکر امی سے کیا کہا ہو.... وہ ترچھی نگاہ سے آئمہ کا رویہ جانچ رہا تھا۔ وہ خاصی فکر مندسی سامنے صوفے پر بیٹھی تھیں۔

"کیا ہوا.... کیا کہا ڈاکٹر نے....؟"

"کچھ نہیں.... بی پی لو ہو گیا تھا.... ایک تو مجھے تمہاری عقل پر رونا آتا ہے۔" اس نے چونک کر دیکھا۔

"وہ اب شادی شدہ ہے' یہ بات ہے کرنے والی' کرکٹ کھیلیں' یہ کریں' وہ کریں' سیزر امیز کے دائرے میں رہا کرو۔" سلویٰ آکر پاس بیٹھی تھی۔

"حد ہے میری بہن کی بھی.... اس ایک کے پیچھے سارے گھر کو ڈپٹ کر رکھتی ہیں' وہ شادی شدہ ہے' اسے نہیں پتا.... "سلویٰ کے کہہ دینے سے اسے اچھا خاصا حوصلہ مل گیا تھا ٹھوس انداز میں بولا۔

"میں نے تھوڑی کہا تھا' وہ خود کہہ رہی تھیں.... آئندہ نہیں کہوں گا۔" فوراً" اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

دو ماہ کی شدید تھکاوٹ گھر سے دوری اور مسلسل کام نے اس کے اعصاب بری طرح سے تھکا رکھے تھے۔ روز پلان بنتے اور بدلتے۔ پاکستان میں رہ کر ریسرچ کرنے اور دیگر ڈیلروں سے مل کر جو کام کا اندازہ تھا' وہ سوچ بہت آسان تھی۔ لیکن عملی طور پر سب کچھ مکمل قانونی طریقے سے کرنا اتنا آسان بھی نہیں تھا۔ جرمنی ایک بہترین ترقی یافتہ ملک ہونے کے ساتھ قوانین کے معاملے میں اتنا ہی بااصول آئین رکھتا ہے۔ سرکار اپنے رہائشوں کو بے حد سہولیات دینے کے ساتھ بہت مضبوط قوانین رکھتی ہے اور وہ قوانین جو سب پر ایک جیسے طریقے سے لاگو ہوتے ہوں۔ حنبل نے ٹریڈنگ رولز سرچ کرکے خاصی معلومات اکٹھی کی تھیں۔ اور ان سب کے نچوڑ میں متروکہ پارٹنر کا ہونا یا اس کی دستبرداری کا ثبوت ہونا ازحد ضروری تھا۔

اس ریسرچ کے باوجود خیام بھائی کی یقین دہانی' لیگل ایڈوائزر کے مشورے پر بار بار ذہن الجھتا۔ ایک دن پہلے بھائی جان نے زیادہ باریکیوں میں جانے کے بجائے کام نبٹانے کا کہا تھا کیونکہ جب تک کنٹریکٹ میں باقاعدہ آفس شو نہیں ہو جاتا انہیں اپنا کام کرنے میں کسی قسم کی آزادی نہیں تھی اوپر سے روائیہ کا روز کوئی نہ کوئی اداسی بھرا پیغام سن کر دماغ ایک نقطے پر رک جاتا۔ "کہ بس اب جلدی نبٹاؤ' کام اسٹارٹ لے تو اسے یہاں ہی بلا لیتا ہوں۔"

صبح سے موسم بھی خاصا ابر آلود تھا۔ رات تیز بارش برسی مگر بادل پھر بھی ویسا ہی تنا کھڑا تھا کچھ نقاہت اور سستی کے سبب آج گھر رہنا چاہتا تھا مگر ظہیر تقی نے اسے بار بار کال کی کہ کنٹریکٹ بیس پر پہنچنے کا کہا تھا۔ تنگ آکر ساری تھکاوٹ بالائے طاق رکھی اور تیار ہو کر کنٹریکٹ بیس پر پہنچا۔ اپنے لیگل ایڈوائیزر کو راستے میں فون کر چکا تھا وہ اس سے پہلے وہاں موجود تھا۔ برلن کی پر رونق سڑک پر بنی اس سات منزلہ عمارت میں وہ اپنے مطلوبہ فلور پر پہنچ کر کنٹریکٹ بیس کے آفس میں موجود تھا آفس کی چھ میزوں پہ رکھے کمپیوٹرز کے چلتے کی بورڈز پر تمام فائلز ڈال دی گئیں۔

ظہیر تقی نے اسے اپنا کزن شو کیا تھا جو اس کے یہاں سے جانے کے بعد تمام معاملات کا اکلوتا اونر ہو گا۔ ایسے کنٹریکٹ وہاں صبح شام ہو رہے تھے کوئی اتنا اہم نہیں تھا کہ بہت سا وقت لگ جاتا چند جگہ سائن اور بائیو میٹرک ڈیٹیکٹر پر اس کی پوروں کے پرنٹ سیو کر لیے گئے تھے۔ منیجر نے درخواست کی ایک کاپی خود رکھی باقی دو کاپیاں حنبل اور ظہیر تقی کو دے دیں۔ تین دن تک گورنمنٹ اپروول ملتے ہی باقاعدہ پیپر ان دونوں کے حوالے کر دیے جانے تھے۔ دونوں اچھے موڈ میں باہر نکلے تھے۔

ظہیر تقی نے اپنے لیے کیب روکی تب حنبل نے اسے آفر دی۔

"آئیں' میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔" اس نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا تھا۔

"نہیں یار' اتنی بھی کیا زحمت.... میں چلا جاؤں گا۔"

"زحمت کیسی آپ آئیں۔" تقی نے کچھ دیر سوچا پھر اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ راستے میں حالات حاضرہ کے علاوہ کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی البتہ تقی نے اترتے وقت کل ڈنر کی دعوت دی تھی۔ جو حنبل نے مسکرا کر قبول کر لی۔

٭ ٭ ٭

سرما کی بے رونق دھوپ حویلی کے لان سے سمٹ کر درختوں کی انتہائی اوپر کی شاخوں سے لپٹی تھی۔ نچلی شاخوں اور گھاس سے ساری گرمائش ہوا کے سرد جھونکوں نے چھین لی۔ شانوں کے گرد لپٹی۔ میرون شال پر کندھے سے کچھ نیچے آتے اس کے بھورے بال بکھرے تھے۔ کمرے سے باہر نکلتے اس نے بالوں کو سمیٹ کر دائیں کندھے پر ڈالنے کی کوشش کی۔ بال ابھی اتنے لمبے نہیں تھے آرام سے کندھے پر ٹکے رہتے' سر ملنے سے وہ پھر پشت کی جانب آگئے وہ لاؤنج میں آکر کھڑی ہوئی' آئمہ جانے کی تیاری میں تھیں۔ زینب ان کے کمرے سے بیگز اور مختلف بیکس لے کر نکلتی پھر خارجی دروازے کی جانب بڑھ کر ہدایت اللہ سے گاڑی میں رکھنے کا کہہ دیتی۔ زینب آئمہ کے کمرے کی سمت جارہی تھی جب اعشال نے آواز دی تھی۔

"میرا بیگ بھی لے جاؤ۔" روائیبہ نے گردن پھیر کر دیکھا اعشال کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور زینب اب اسی کے کمرے کی جانب بڑھ رہی تھی۔

"کیا اعشال بھی آپ کے ساتھ جارہی ہے۔" اس کے استفسار پر آئمہ نے مسکرا کر سر ہلایا تھا۔

"ہاں پرسوں نکاح ہے' سلوی ناراض ہورہی ہے۔ میں نے سوچا آج ہی چلی جاتی ہوں' یہ دن بھی شمار ہو جائے گا۔"

"لیکن بھرجائی... میں' میں اکیلی رہوں گی۔"

ازلان کسی ملازم سے بات کرتا ہوا دروازے سے اندر داخل ہوا تھا۔ اس کی آواز سنتے ہی روائیبہ ایک قدم مزید آئمہ کے قریب ہوگئی۔

"اکیلی کیوں...؟" آئمہ نے اسے تحیر سے دیکھا تھا۔ "زینب ادھر ہی ہوگی اور خالہ گلزاری سے میں نے کہا ہے' تین چار دن ادھر ہی رکے گی' پھر ازلان' بابا جان اور تمہارے بھائی بھی تو ادھر ہی ہوں گے۔" ازلان نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے ٹی وی اسکرین آن کر لی۔ آئمہ کے اس قدر اطمینان پر اسے وحشت نے گھیرا۔

"نہیں' مجھے بھی آپ کے ساتھ جانا ہے۔" ازلان نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا تھا' روائیبہ کی بھی اچٹتی نگاہ اس سے ملی۔ اس نے فوراً" آئمہ کا بازو پکڑلیا۔

"بس مجھے آپ کے ساتھ جانا ہے' مجھے نہیں رہنا اکیلے' مجھے ڈر لگتا ہے۔"

"پگلی اپنے گھر سے کون ڈرتا ہے۔"

"آسٹریلیا تو آپ بالکل اکیلی رہ گئی تھیں' یہاں تو پھر کئی افراد ہیں۔" ازلان کے ٹوکنے پر وہ آئمہ کی کہنی سے لپٹ گئی تھی' بہت مضبوطی سے۔

"جب مجھ سے غلطی ہوگئی تھی' مگر اب نہیں' میں آپ کے ساتھ ہی جاؤں گی' پلیز... پلیز۔"

"اچھا ٹھیک ہے' میں حنبل سے پوچھتی ہوں۔"

"وہ کچھ نہیں کہے گا... میں اسے بتا دوں گی۔ بھرجائی میں اکیلے نہیں رہنے والی بے شک وہ اجازت نہ دے مگر میں جاؤں گی' پلیز۔" کسی چھوٹے سے بچے کی طرح وہ ان کی بازو سے لپٹی ضد کررہی تھی اس کے جملے "میں اسے بتادوں گی" پر ازلان اچھا خاصا چونکا تھا اس کے بار بار اصرار پر اسے خدشہ ہوا۔ یقیناً" وہ اب کسی کو بتادے گی۔ تب ہی ٹی وی کی جانب دیکھتے ہوئے وہ بالکل سپاٹ لہجے میں بول رہا تھا۔

"امی پلیز' آپ چاچی کو ساتھ لے کر جائیں' ورنہ یہ میرا جینا دوبھر کردیں گی' ڈر لگ رہا ہے۔" لمحہ بھر کے لیے روائیبہ کا چہرہ سنسنایا' نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ ٹانگیں جھلاتا ٹی وی پر کرکٹ میچ دیکھنے میں محو تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے' تم اپنا سامان وغیرہ دیکھو' میں سوچتی ہوں کیا کرنا ہے۔"

"پرامس کریں' آپ مجھے چھوڑ کر نہیں جائیں گی۔" آئمہ نے یقین دہانی کرواتے اثبات میں سرہلایا تھا۔ اسے بھی اطمینان بھری سانس آئی۔

٭ ٭ ٭

رشتہ داروں سے بھرے ہال میں اس کا دل بے

طرح سے گھبرا رہا تھا۔ جیسے جیسے مہمان آتے جا رہے تھے عجیب سی گھٹن کا احساس اندر اتر رہا تھا۔ شکل و صورت اور بولنے کے انداز سے بالکل مختلف کچھ اس لیے بھی لوگوں کی نگاہوں کا مرکز تھی۔ پھر اس کے ساتھ جڑے حوالے سب کے لیے دلچسپی رکھتے تھے اکثر رشتہ داروں کی مقامی زبان اس کی سمجھ سے باہر تھی بس مسکرا کر' اسمائل پاس کر دیتی۔ کئی بڑی عمر کی خواتین صرف یہی پوچھنے اس کے پاس آئی تھیں۔

"تم حاجرہ کے پہلے شوہر از میر کی بیٹی ہو' ناں....." وہ پھیکا سا مسکرا کر "ہاں" میں سر کو جنبش دیتی رہی بار بار دماغ میں ایک ہی سوچ ابھرتی "جس تعلق کو بننے سے پہلے ختم ہوئے سالوں گزر گئے' لوگ اس کو یاد رکھتے ہیں' جو میرا حوالہ ہے۔ اس کے بارے میں کوئی نہیں پوچھ رہا کہاں ہے' کیوں ہے زندہ سے تو مرے ہوئے ہی بہتر ہیں' اہمیت تو دی جا رہی ہے۔"

وہ اسٹیج سے اتر کر آخری رو کی ٹیبل پر بیٹھ گئی۔ یک لخت اسے محسوس ہوا اس کی گرفت خود پر کم ہوتی جا رہی ہے۔ کانوں میں سائیں سائیں بڑھتی گئیں کھلی آنکھوں میں بھی ہر عکس پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ صرف پل دو پل کا دورانیہ تھا اسے اپنی زندگی پر محیط لگا۔ اپنی ہتھیلیاں میز کی سطح پر زور سے جما دیں۔ گہری سانس لیتے ہی ہاتھ ہلکے ہلکے گرم ہوئے ہر منظر آہستگی سے واضح ہونے لگا۔ عروسی لباس اور بیوٹیشن کی مہارت نے سلویٰ کو اچھا خاصا پرکشش بنا دیا تھا۔ دائیں بائیں آئمہ اور سبرینہ بیٹھیں اس سے کوئی بات کر رہی تھیں۔ ان کی باتوں سے سلویٰ کے چہرے پر آسودہ مسکراہٹ تھی جو بہت دور بیٹھی روائیہ کو بھی محسوس ہوئی تو اسے بھی اطمینان ہوا۔ اذلان کے جملے "بچپن کی منگنی جسمانی اعضاء کی طرح پل کر جوان ہوتی ہے۔" نے روائیہ کے اندر اک عجیب سا گلٹ بھر دیا تھا۔ خواہ مخواہ اپنا آپ خجل محسوس ہوتا تھا مگر اس وقت اس کے چہرے کا اطمینان خود اسے اپنے اندر بھی محسوس ہوا۔

"ہیلو..... مسز حنبل۔" عقب سے آتی آواز پر وہ چونکی وہاں شہوز کمال کھڑا تھا۔ چونکہ روائیہ دروازے کے قریب آخری میز پر بیٹھی تھی دروازے کے پاس سے گزرتے شہوز کمال کی نگاہ اس پر گئی۔ یہ سوچے بنا ہال میں صرف خواتین ہیں وہ سیدھا اندر آگیا تھا' بالکل ایسے جیسے مہمان نہیں بلکہ میزبان ہو۔

"ہائے....." وہ مسکرائی تھی۔

"کیسی ہیں آپ..... اور حنبل دکھائی نہیں دیا' کہاں ہے وہ....."

"وہ یہاں نہیں ہے..... آج کل جرمنی ہوتا ہے۔"

"اوہ..... بزنس کے سلسلے میں؟" اس کے استفسار پر اس نے صرف اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"پھر تو بہت بور ہو رہی ہوں گی آپ....."

اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی گیارہ بارہ سالہ دو بچیاں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ڈرتی جھجکتی اس کے پاس آکر رکیں..... انہیں دیکھ کر اس کے چہرے پر ایک ناگواری سی لہر ابھری تھی۔

"پاپا....." وہ آہستہ سے مخاطب ہوئیں "مما کہہ رہی ہیں' ہمیں ساتھ لے کر جانا۔" جواباً اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ بچیاں تیزی سے مڑنے لگیں روائیہ نے ایک کی کلائی پکڑلی تھی۔

"یہ آپ کی بیٹیاں ہیں۔"

"ہوں....." اس نے مدھم سا ہوں کہا اور نگاہیں ہال میں بیٹھے افراد پر تھیں۔

"بہت پیاری ہیں۔" اس نے اسے بالکل اپنے سامنے کر لیا تھا۔ محبت پاش نگاہوں سے دیکھتے روائیہ کہہ رہی تھی۔

"ان کے نقش بالکل اپنی مما پر ہیں۔ آنکھیں بہت پیاری ہیں ان کی۔" میٹھے لہجے میں اپنی تعریف پر دونوں بچیوں کی سیاہ آنکھیں پہلے سے زیادہ چمک اٹھیں' روائیہ کی نرم نگاہیں انہیں اچھی لگ رہی تھیں۔

"اچھا.....!" شہوز کمال کو اچنبھا ہوا آج تک تو یہی سنا ہے مجھ پر ہیں۔"

"یقیناً آپ پر بھی ہوں گی بچے ماں باپ دونوں پر ہوتے ہیں۔" اس نے حبہ کے گال کو پیار سے چھوتے

پوچھا تھا "کس کلاس میں پڑھتی ہو؟" وہ اب پوری طرح ان پر متوجہ تھی' سبرینہ اسٹیج سے اتر کران کے پاس آکھڑی ہوئی۔ خاموش چپ مگراس کے انداز میں شہروز کمال کے لیے کوئی استفسار تھا اور وہ بہتر طریقے سے سمجھ بھی گیا تھا' البتہ روائیبہ صرف ان بچیوں سے باتیں کر رہی تھی۔ شہروز کمال نے جیبوں میں ہاتھ اڑستے سبرینہ پر نگاہیں جمائے جتا جتا کر بولا تھا۔

"میں انہیں کہہ رہا تھا' ہمارے ساتھ چلیں' فیصل آباد دکھاتے ہیں.... حنبل تو ہے نہیں' حویلی میں بور ہی ہوتی ہوں گی۔" سبرینہ دانت پیوست کیے طنزیہ نگاہ سے اسے دیکھتی رہی۔ روائیبہ نے ان دونوں کو دیکھنے کی زحمت تک نہیں کی تھی۔ عشا کے گال چھیڑتے کہا تھا۔

"نہیں میں حویلی میں بالکل بور نہیں ہوتی' اور فیصل آباد مجھے حنبل نے دکھایا تھا اچھا شہر ہے۔" شاید اسے اسٹیج سے آئمہ نے اشارہ کیا تھا وہ "ایکسوزمی" کہتے اٹھی آئمہ کی جانب بڑھی' البتہ سبرینہ شہروز کمال کو طنزاً" مسکراہٹ سے دیکھتی رہی۔

"بہت احمق ہے تمہارا خالہ زاد' بیوی کو ساتھ لے کر نہیں گیا۔"

"تم لے کر جاتے ہو؟ سبرینہ کے لہجے میں بہت سی تلخی امڈ آئی تھی۔ جس کا اس نے خوب حظ اٹھایا۔

"ہونہہ.... تم اس جیسی ہو بھی نہیں۔" وہ اس کا جواب سنے بغیر مڑا اور آہستہ سے کہا تھا۔

"فارغ ہو کر جلد آجاؤ.... بس اب چلتے ہیں۔"

☆ ☆ ☆

کام کو سمیٹتے آج اسے خاصا وقت لگ گیا تھا۔ لیپ ٹاپ سے نظریں اٹھا کر جب وال کلاک پر گئیں وہ اچھا خاصا حیران ہوا۔

"واٹ آٹھ بج گئے...."

پہلا شبہ اسے وال کلاک کی خرابی پر ہوا تھا کیوں کہ لنچ کے بعد اس نے صرف چند ڈیلرز کی پروفائلز چیک کی تھیں' اسے اندازہ نہیں ہوا کہ وہ کام میں اتنا منہمک ہوا کئی گھنٹے چٹکیوں میں گزر گئے۔ ریوالونگ چیئر کو بیٹھے بیٹھے پیچھے کی جانب دھکیل کر بیک ونڈو کی سلائیڈز سرکا کر دیکھا۔ اسے واقعی حیرت ہوئی تھی باہر سارا برلن روشنیوں میں نہا چکا تھا۔

"کمال ہو گیا یار' مجھے پتا ہی نہیں چلا...." اس نے خود کلامی کرتے ضروری چیزیں سمیٹنی شروع کیں فائلز ساری لاکڈ کر کے اپنی چابیاں اٹھاتا آفس سے باہر نکل آیا تھا۔ کل کا سارا دن انٹرویو لینے میں گزرا تھا آفس کا کام شروع کرنے کے لیے اسے چند ورکرز کی ضرورت تھی آن لائن سلیکشن کے بعد کل بالمشافہ انہیں جوائننگ لیٹرز بنا کر دیے تھے۔ نئے ورکرز تھے آج وقت پر پہنچے اور وقت پر آف کر گئے۔ خارجی دروازے سے باہر نکلتے اس نے پیون کو دیکھا جو مستعدی سے بیٹھا تھا۔

"تم کیوں نہیں گئے....؟"

"کیوں کہ آپ نہیں گئے...." اس کے اس قدر اطمینان بھرے انداز پر اسے حیرت ہوئی۔

"ٹھیک ہے' لیکن تمہیں مجھے بتانا چاہیے تھا' ٹائم کتنا ہو چکا ہے۔"

"سر میں دو بار آپ کے پاس آیا تھا' دونوں بار آپ نے اوکے کا اشارہ کیا اور مصروف ہو گئے۔" اس نے ضروری چیزیں سمیٹ کر دروازے بند کرنے شروع کیے حنبل اپنا گرم لونگ کوٹ پہنے سوچ رہا تھا۔

"کمال ہے' اتنا غائب دماغ تو میں کبھی نہیں رہا...."

اس نے گلاس ڈور دھکیلا باہر نکل آیا۔ بند آفس میں موسم کی شدت کا اندازہ "قطعاً" نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن باہر نکلتے ہی یخ جھونکے منہ سے ٹکرائے اس نے مفلر گردن کے گرد درست کرتے لونگ کوٹ کے کالر کھڑے کر لیے اور تیزی سے بس اسٹینڈ کی جانب بڑھا تھا اس کی کار کی بریکس کل فیل ہو گئی تھیں اور ابھی تک گاڑی فلیٹ کی پارکنگ میں کھڑی تھی۔ اتنا وقت نہیں ملا کسی گیراج مکینک کو فون کر سکے۔ سرد ہوا کے ایک جھونکے نے اسے اپنی گاڑی یاد کروادی تھی۔

کوٹ کی جیب سے سیل نکال کر چلتے چلتے مکینک کو کال ملائی اور ایڈریس بتا کر جلد ٹھیک کرنے کا کہا۔

دبئی اور شارجہ کی روشنیاں حنبل نے کئی بار دیکھ رکھی تھیں وہاں کے آفیسرز' شاپنگ مالز دنگ کر دینے کی خوبی رکھتے تھے مگر جرمنی دیکھنے میں لگتا ہے بجلی سے بنا ملک ہے بجلی کا استعمال' روشنیاں شاید ہی دنیا کے کسی دوسرے ملک میں اتنی ہوں جتنی جرمنی میں ہیں۔ ہزاروں وولٹیج کے فانوس میں صرف پلے بورڈ پر لگے تھے۔ اس کی ایک بہت بڑی وجہ آبادی کی نسبت وسائل میں بہترین اضافہ ہے' پھر گورنمنٹ کی جانب سے بجلی کا استعمال ہر طرح سے مفت ہے۔ یہاں تک تو اس نے سن رکھا تھا۔

جرمنی بجلی کی پیداوار میں اتنا خود کفیل ہے' اپنے ملک پر لگا لینے کے بعد دوسرے ملکوں کو سپلائی کرنے میں پہلے نمبر پر آتا ہے۔ یہ بات تو ٹھیک تھی جو دوسری بات اس نے سنی تھی چند سال پہلے وہاں کے پاور پلانٹس نے اتنی بجلی پیدا کر دی تھی کہ پلانٹس کے جنریٹرز خطرے میں تھے کیوں کہ استعمال اتنا نہیں تھا گورنمنٹ نے انعام رکھ کر عوام سے اضافی بجلی استعمال کروائی تھی۔ پاکستان میں رہ کر یہ بات بہت حیرت انگیز لگی تھی مگر وہاں پہنچ کر اسے اندازہ ہو چکا تھا یہاں کی عوام کس قدر بجلی استعمال کر سکتی ہے۔

بجلی کی تاروں پر دوڑنے والی بلو لوئنگ کیبن اسٹاپ پر پہنچی وہ اپنا پاس دیکھتے ہوئے اس میں سوار ہو گیا اسے یہاں سے آخری اسٹاپ پر اترنا تھا وہاں سے اس کا فلیٹ بہت قریب پڑتا تھا۔ لیکن بس میں سوار ہوتے اسے ایسا لگا کوئی اس کے ساتھ سفر کر رہا ہے اسی وہم نے اسے چوکنا کر دیا۔ آہستہ سے گردن پھیر کر اپنے اردگرد پر نگاہ ڈالی۔ "تقریباً" دو رو چھوڑ کر ایک شخص رنگ اسٹینڈ پکڑے کھڑا تھا سیاہ پینٹ والے اس شخص کا رخ حنبل کی جانب ہی تھا مگر نگاہیں باہر دکھائی دیتی روڈ پر۔ اس شخص سے کچھ فاصلے پر ایک اور شخص بیٹھا تھا اس نے اخبار چہرے کے آگے پھیلا رکھا تھا مگر حنبل کو جانے کیوں لگا ان دونوں کے جسم بناوٹ کچھ ایک سی ہے۔ حالانکہ وہ دونوں اپنے آپ میں متوجہ تھے مگر حنبل کو کچھ کھٹک رہا تھا۔ وہ غیر محسوس طریقے سے انہیں دیکھتا رہا وہ اپنی اپنی پوزیشن میں تھے۔

بس پہلے اسٹاپ پر رکی رنگ اسٹینڈ پکڑے کھڑا شخص حنبل سے آگے کی جانب بڑھا تب حنبل نے غور کیا تھا وہ جاتے جاتے اخبار پڑھتے شخص کے پاؤں کی نوک پر اپنی ایڑھی کا وزن ڈال کر بس سے باہر نکل گیا تھا۔ اب اخبار والا شخص اپنا اخبار لپیٹ کر حنبل کے برابر خالی ہوئی نشست پر آبیٹھا۔ حنبل نے اپنے فلیٹ پر جانے کا ارادہ "فوراً" بدلا اسے اگلے اسٹاپ کا انتظار تھا۔ اس شخص نے اخبار پھر سے کھولتے حنبل سے پوچھا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ)

ندا حسنین
چوراستے
XNWER

پرانے وقتوں کے لوگوں کا کہنا تھا کہ "نیکی کر، دریا میں ڈال"۔ مگر کومل کا انداز ذرا جدا گانہ تھا۔ جب سے اس نے فیس بک کا اکاؤنٹ سنبھالا تھا تب سے اس کا ماننا تھا کہ "کچھ بھی کر، فیس بک پر ڈال" اور اس مقولے پر وہ انتہائی سختی سے کاربند بھی تھی۔

ماموں جی کی شادی تھی۔ اونچی ایڑی کی نازک سی سلور سینڈل خریدی۔ پیروں میں پھنسائی، تصویر بنائی اور فیس بک پر ڈال دی۔ خوب واہ، واہ ہوئی۔ مہندی کی تقریب میں مہندی لگائی۔ گورے گورے ہاتھوں میں سجی سرخ مہندی من کو بھائی۔ نہ جانے کس بات پر بھلا کیوں شرم آئی۔ چہرے کو دونوں ہاتھوں سے چھپایا۔ تصویر بنوائی اور فیس بک پر ڈال دی۔ خوب ماشاءاللہ، ماشاءاللہ ہوئی۔ اور یہی تعریفیں کومل کو فیس بکی دنیا کا عادی بنائی جا رہی تھیں۔

موسم ابر آلود تھا۔ ہلکی پھلکی پھوار نے بھی برسنا شروع کر دیا۔ کومل اپنی سہیلیوں کے ہمراہ کالج کینٹین تک جا پہنچی۔ آلو کے چپس اور ٹھنڈی کوک کی بوتلیں منگوائیں اور وہیں کرسی ٹیبل پر بیٹھ گئیں۔

"ہائے کیا موسم ہے۔ چپس کے ساتھ ساتھ اگر گرما گرم پکوڑے بھی ہو جائیں تو کیا ہی بات ہے۔" سدا کی چٹوری فیروزہ نے حسین موسم کو اپنی چنی منی آنکھوں میں سموتے ہوئے ایک آہ بھری۔

"خیال تو بڑا اچھا ہے۔ مگر میری پاکٹ اجازت نہیں دیتی۔" ازم نے بے چارگی سے کہا۔

"ارے بھئی ایسا کرتے ہیں کہ سب اپنی اپنی پاکٹ منی ملا کر آج اس حسین موسم کی خوشی میں پارٹی کرتے ہیں۔" کومل نے مشورہ دیا۔

"آئیڈیا تو بہت اچھا ہے۔ چلو ذرا سب بتاؤ کس کس کے پاس کتنے پیسے ہیں۔" سارہ نے حمایت کے ساتھ ساتھ عملی مظاہرہ بھی شروع کر دیا۔ سب نے اپنی اپنی جیبیں جھاڑیں۔ اتنے پیسے تو بن ہی گئے کہ پکوڑوں اور چھولے کی ایک ایک پلیٹ میز پر سب کے سامنے سج گئیں اس سے قبل کہ وہ سب ان چٹ پٹے اہتمام پر ٹوٹتیں۔ کومل نے سب کو یاد دلایا۔

"ارے ارے...... سیلفی رہ گئی......!" چاروں نے بامشکل منہ میں آتے پانی کو روکا اور جھٹ سے سیلفی پوز بنا ڈالا۔ تصویر کھینچی اور چند ہی ساعتوں میں دس لوگوں کے ہمراہ فیس بک پر اپلوڈ بھی ہو گئی۔ اور اس چٹ پٹے اہتمام کو دیکھ کر کتنوں کے منہ میں پانی بھر آیا۔ بہت سوں نے تو اس محفل میں شامل نہ کرنے کی شکایت بھی کر ڈالی۔ اور کچھ بے چاروں نے تو تصویر دیکھ کر ہی چٹ پٹی دعوت کا لطف اٹھا لیا۔ فیس بک کی دنیا صرف نرالی ہی نہیں بلکہ بے حد منفرد بھی تھی۔ کم سے کم کومل کو تو یہی محسوس ہوتا تھا......

☆☆☆

اگر جمیل الدین سے پوچھا جائے کہ وہ کون سا کام ہے جسے کرتے ہوئے انہیں موت آتی ہے تو جواب ہوگا "بڑے بھیاؤں کا کام۔"

جمیل الدین کچھ الگ مزاج کے نوجوان تھے۔ زمانہ طالب علمی میں پڑھنے لکھنے میں دل نہ لگتا تو فقط آوارہ دوستوں کے ساتھ آوارہ گردیوں میں رات گئے تک دوستوں کی بیٹھک چلتی وہ برخاست ہوتی تو موبائل پر نیندیں حرام ہوتیں۔ فجر کے وقت آنکھ لگتی تو آدھا دن گزر جانے کے بعد بے داری ہوتی۔

احسن الدین صاحب جب فجر کی نماز کے لیے جاگتے سب سے پہلے برخوردار جمیل پر لعن طعن بھیجتے پھر نماز کو جاتے۔ نماز کی ادائیگی کے بعد ایک بار پھر نہایت عاجزی کے ساتھ برخوردار کی شان میں قصیدے پڑھتے اور یہی قصیدے میاں جمیل کے لیے لوری کا کام کر جاتے۔ باپ کی ڈانٹ پھٹکار سنتے سنتے میاں جمیل کی آنکھ لگ جاتی اور ہاتھوں میں تھرتھرکتا موبائل لڑھک کر زمین بوس ہو جاتا۔ یہی روز کا معمول تھا۔

دن میں بے داری کے بعد ماں کی صلواتوں کے ساتھ انڈا پراٹھا نوش کیا جاتا اور پھر دروازے کا رخ کر لیا جاتا۔ بے چارہ جمیل دن کا نکلا پھر رات گئے گھر لوٹتا۔

ایسا نہ تھا کہ احسن الدین کی تمام اولاد ایسی ہی نامعقول اور پاجی تھی۔ یہ تو صرف جمیل میاں تھے جو

سب سے الگ اور سب سے جدا کی عملی تفسیر بنے بیٹھے تھے۔ اگر ایک انڈا وہ بھی گندا ہوتا تو یقیناً احسن الدین اور ان کی زوجہ کی راتوں کی نیندیں حرام ہو جاتیں۔ مگر یوں آدھے درجن انڈوں میں ایک آدھ انڈا گندا نکل بھی آئے تو بھی معاملہ چل جاتا ہے۔

احسن الدین اور ان کی زوجہ کے گھر ماشاء اللہ بچوں کی بہتات تھی۔ سو جمیل کی خطائیں، نادانیاں اور سرکشی اکثر و بیشتر نظر انداز ہو جاتی۔ لامحالہ اگر علم میں آ جاتی تو زیادہ سے زیادہ احسن الدین اپنے بڑے بیٹے کی کمر سے بیلٹ اتارتے اور جمیل میاں کو دھن دھنا دھن دھنتے...... مگر یہ سانحہ بھی جمیل میاں کے ساتھ چھ ماہ میں کوئی ایک آدھ بار ہی گزرتا...... اور نتیجہ یوں نکلتا کہ جمیل میاں پورے دن کے ساتھ ساتھ اس پوری رات میں بھی غائب رہتے۔

مسئلہ یہ تھا کہ کثرت اولاد کے باعث ماں جی جمیل کی تربیت پر وہ توجہ نہ دے پاتیں جو انہیں دینی چاہیے۔ سونے پہ سہاگہ یہ کہ اس غفلت سے اس کے بڑے بہن بھائیوں نے خوب فائدہ اٹھایا اور بے چارے جمیل پر ناحق رعب جمایا۔ جمیل میاں اس رعب و دبدبے کے آگے بے بس و لاچار نظر آتے۔ اماں جی اس برادرانہ سیاست سے لاعلم تھیں۔ ویسے بھی وہ نئے مہمان کی تیاری میں مصروف تھیں۔ کچھ طبیعت خرابی کے باعث چڑچڑا پن بھی مزاج میں عود آیا تھا۔ لہٰذا بے چارے جمیل میاں کی شکایتوں پر توجہ بھی شاذ و نادر ہی دی جاتی۔ اور اس بات کا فائدہ بھیاؤں کی ٹیم نے خوب اٹھایا۔

"چھوٹے پانی لا کر دو، چھوٹے جوتے مرمت کرا کر لاؤ، چھوٹے ذرا فون تو اٹھاؤ، چھوٹے پیر دباؤ، چھوٹے ذرا باہر سے مستری بلا کر لاؤ، چھوٹے کپڑے جلدی استری کر دو، ذرا دروازہ کھول آؤ، بھاگ کر پانی تو لے کر آؤ ذرا۔" یہ سارے فقرے جمیل میاں کی سماعتوں میں رفتہ رفتہ زہر گھولنے لگے۔

کچھ بڑے ہوئے تو دوستوں کو ساتھ پڑھنے کے بہانے زیادہ تر وقت باہر گزارنے لگے آہستہ آہستہ تعلیم سے توجہ ہٹنے لگی۔ اور گھر میں بھاگ بھاگ کر کام کرنے سے بھی نجات مل گئی۔ جمیل میاں گھر سے وقت بے وقت باہر بھاگتے لپکتے چور راستے ڈھونڈنے لگے۔ کسی بھیا نے کوئی کام دیا وہ آدھا گھنٹے کا کام گھنٹا، ڈیڑھ گھنٹے میں کر کے آتے۔ بہانے ان کے پاس کئی ہوتے۔ سب سے پہلے بڑے بھیا نے یہ بات نوٹ کی اور خوب کھچائی کی۔ پھر بھی نہ سدھرے تو ابا جی کے علم میں بات لائی گئی۔ خوب چھترول ہوئی۔ جمیل میاں خاموشی سے پٹتے جاتے، اف بھی نہ کرتے۔ مگر رات سوتے وقت ان کی آنکھوں سے خاموشی سے آنسو بہتے جاتے۔ اختیار کی جانے والی خاموشی سرکش اور باغیانہ خیالات کو جنم دیتی۔ یہ سوچ پریشان کرتی کہ نہ اماں کو ان کے دل کے حال کی خبر نہ ابا کو۔ نہ توجہ ملی، نہ پیار ملا۔ فقط رعب اور مار ہی انہیں اس گھر سے ملتی آ رہی تھی۔ اس خیال نے جمیل میاں کو مزید سرکشی اختیار کرنے پر آمادہ کیا۔ سو پہلے سے زیادہ وقت باہر گزرنے لگا۔ دوستوں کی صحبت انہیں گھر والوں سے زیادہ عزیز ہوتی چلی گئی۔ اور صحبت ہی رنگ لاتی ہے۔ بڑھتی عمر کے ساتھ ساتھ جمیل میں تبدیلیاں بھی بڑی بڑی رونما ہونے لگیں۔ جن کا ادراک ابا جی کو بڑی دیر سے ہوا۔

☆☆☆

رمضان کا بابرکت مہینہ تھا۔ کومل بی بی نے بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ عبادتوں کی تیاری کی۔ تیاری کا مطلب تو یقیناً سمجھ گئے۔ ہوں گے آپ۔ ارے نہیں سمجھے...... بھئی بڑے ناسمجھ ہیں آپ!۔

پچھلے سال چچا جی عمرہ پر گئے تھے۔ وہاں سے بڑی خوب صورت جائے نماز اور تسبیح لے کر آئے تھے۔ اماں سے ضد کر کے کومل نے وہ جائے نماز اور تسبیح نکالی۔ اور فجر کی نماز بڑے اہتمام کے ساتھ ادا کی۔ البتہ نماز کے بعد تسبیح کے دانے گنتے ہوئے تصویر بنانا نہ بھولی۔

صبح سویرے فیس بک پر تصویر اپلوڈ ہوئی۔ سارے نمازی، جاگے ہوئے تھے۔ اس پرنور عبادت

پر دل کھول کر داد دی۔ خوب سبحان اللہ، سبحان اللہ ہوئی۔ کومل بی بی بے حد خوش ہوئیں۔ داد و تحسین محترمہ کو فیس بکی دنیا کا مزید دیوانہ بنائے دے رہی تھیں۔ اب کومل جب بھی افطاری بناتی صرف گھر والوں کے ساتھ تناول نہ کرتی۔ بلکہ فیس بک کے چالیس پچاس دوستوں کے ہمراہ کرتی اور ایسا کیوں نہ کرتی بھئی! فیس بکی دوست اسے چاہتے بھی تو اتنا تھے۔

اب اس نے جو پتھر کی طرح سخت دہی بھلے بنائے تھے۔ گھر والوں نے تو خوب مذاق بنایا تھا۔ مگر فیس بکی دوستوں نے تو خوب تعریفوں کے ڈونگرے بجائے۔ بھلا اگر دہی بھلے خراب بنتے تو کیا دوستوں کو نظر نہ آتے۔ سوڈیڑھ سو لوگوں نے پسند کیا تھا، اس کے دہی بھلوں کو اور گھر کے چند افراد اس کے دہی بھلوں کو ناپسند ٹھہرا رہے تھے۔ جمہوریت کا زمانہ ہے بات اس کی مانی جائے گی جو اکثریت میں ہوگا۔ سو کومل نے بھی سوڈیڑھ سو دوستوں کی رائے کو اہم جانا اور گھر والوں کی رائے کو ناک سے مکھی کی طرح اڑا دیا۔

عید میں بھی فیس بکی دوستوں نے کومل کے ہاتھوں کے بنے مزے دار پکوان کھائے اور خوب واہ واہ کی۔ کومل اپنے تمام دوستوں میں ایک بہترین مہمان نواز کے طور پر مشہور و مقبول ہو چکی تھی۔ کومل بھی بے حد خوش تھی۔ ذرا سا کچھ بنائی اور سوڈیڑھ سو لوگوں تک اس کا بنایا گیا پکوان پہنچ جاتا۔ بھئی فیس بک نے تو کھانوں میں بھی برکت ڈال دی تھی۔ کومل کو محسوس ہوا وہ دن بدن سگھڑ اور مہمان نواز ہوتی جا رہی ہے۔ اپنے اندر در آنے والی اس تبدیلی پر بے حد خوش تھی۔ انجانے میں ہی سہی مگر فیس بک اس کی اچھی تربیت کرنے کا بھی باعث بن رہا ہے۔ اس خیال کا ذکر اس نے اپنے والدہ ماجدہ سے بھی کیا۔

"اگر اتنی سگھڑ ہوگئی ہو تو ذرا جا کر پورے گھر کی صفائی ستھرائی ہی کر دو۔" والدہ ماجدہ نے بے زاری کے عالم میں اسے دیکھ کر کہا۔

"او ہو امی.....! مجھے دیکھ کر تو آپ کو سب کام یاد آجاتے ہیں۔" کومل نے منہ بنایا۔

"اچھا پھر مہمان نوازی تو آ ہی گئی ہے تمہیں۔ ذرا جا کر بڑے بھیا کو کباب پراٹھا بنا کر دے دو۔ کتنے دن سے پراٹھے کی فرمائش کر رہا ہے۔" والدہ ماجدہ نے ایک اور تیر پھینکا کومل کو پڑھائی کا بہانہ بناتے اٹھتے ہی بنی۔

☆☆☆

دیر سے سہی پر محلے والوں کے تعاون سے ابا جی کو ادراک تو ہوا۔ گھر میں، اماں جی اور آل اولاد کے درمیان ایک میٹنگ بٹھائی گئی۔ فیصلہ کیا گیا جمیل میاں کی پڑھائی لکھائی جو دراصل ساڑھے بائیس ہے اور اس کی آڑ میں بدمعاش دوستوں کی محفل سجتی ہے۔ تو اس پڑھائی لکھائی کو بند کر کے ملازمت ڈھونڈنے پر زور دیا جائے۔ جمیل میاں کے گھر آمد پر ابا جی نے انتہائی سختی کے ساتھ فیصلہ صادر کر دیا۔

"اب یوں نہ چلے گا برخوردار...... پڑھنا لکھنا نہیں ہے تو کچھ کام دھندا تو ڈھونڈنا پڑے گا جوان جہاں لڑکا گھر میں مفت کی روٹی توڑتا اچھا نہیں لگتا۔" ابا جی نے خوب گرج چمک کے ساتھ فیصلہ سنایا۔

برخوردار نے سر تسلیم خم کیا۔ اور دھندا ہی ڈھونڈ لیا۔ اور جو دھندا ڈھونڈا وہ بھی کیا خوب دھندا ڈھونڈا۔

فیس بکی دنیا سے جمیل میاں اور ان کے یاروں کی دوستی دیرینہ اور پرانی تھی۔ بیٹھے بٹھائے انہیں دھندا مل گیا۔ سب سے آسان شکار اسے لڑکیاں لگیں۔ جو ہر گھڑی گھر اور اپنے اردگرد کی لحہ بہ لحہ بدلتی صورت حال کی خبر فیس بک پر نشر کرتی رہتی تھیں۔

جمیل میاں اور اس کے دوستوں نے کئی زنانہ ناموں سے جھوٹے فیس بک اکاؤنٹ بنائے۔ اور کئی لڑکیوں کو دوستی کی درخواست بھیج دی۔ جس میں سے اکثریت نے قبول بھی کر لی۔ جمیل میاں اور ان کے دوست دن رات موبائل پر ان لڑکیوں کے روزمرہ کے معمول کی تفصیلات پر نظر رکھتے۔ ایک لڑکی نے اپنی کچھ سہیلیوں کو ٹیگ کیا اور آؤٹنگ پر جانے کے بابت دریافت کیا۔ سہیلیوں نے خوب محفل جمائی۔ خوب باتیں ہوئیں۔ آخر میں فیصلہ ہوا کہ کس وقت

پرکس جگہ جانا ہے۔ یہ ساری ڈسکشن کھلے عام ہوئیں۔ اور اگلے دن جیسے ہی وہ اس مقام تک پہنچیں بائیک پر سوار نامعلوم نوجوان ان سب کے پرس، موبائل سب چھین کر بھاگ گئے۔ بے چاری لڑکیاں حق دق رہ گئیں۔

دوسری جانب جمیل میاں اپنے دوستوں کے ہمراہ لوٹی گئی رقم اور موبائل کا مزے سے حساب کتاب کرنے میں مصروف رہے۔ ان لڑکیوں کے پاس سے قیمتی موبائل اور اچھے خاصے پیسے درآمد ہوئے تھے۔ چاروں دوستوں کے حصے میں اچھی خاصی رقم آئی تھی۔ یوں جمیل میاں کماؤ پوت ہو گئے۔

☆☆☆

عیدالاضحیٰ کی آمد قریب قریب تھی۔ یہ وہ مذہبی تہوار ہے جسے ملک بھر میں مردانہ طبقہ نہایت ہی جوش و خروش سے مناتا تھا۔ کومل کے دونوں بھیا جی قربانی کے جانوروں کے پیچھے خوب دیوانے تھے۔ جوں جوں دن قریب آتے جاتے ان دونوں کے مویشی منڈی میں چکر لگنا شروع ہو جاتے۔ کومل کے ابو جو اس علاقے کے تھانے کے انسپکٹر تھے۔ قربانی کے جانوروں میں بے حد دلچسپی رکھتے تھے۔ دونوں بیٹوں کو اچھی خاصی موٹی رقم دے کر، بہترین نسل کے جانوروں کے لیے ذی الحج کا چاند نظر آتے ہی انسپکٹر صاحب نے مویشی منڈی بھیج دیا۔ دوسری جانب بھائیوں کے ساتھ ساتھ کومل بھی قربانی کے جانوروں کے پیچھے خوب دیوانی تھی۔ بھائیوں کے منڈی جانے کے بعد آنگن میں جانوروں کے استقبال کی منتظر چکراتی پھر رہی تھی۔ ساتھ ساتھ اس کے ہاتھ میں موبائل تھرکتا تھا اور تھرکتے موبائل سے لحہ بہ لحہ درآنے والی اندرونی کیفیت کی خبر فیس بک پر نشر کی جا رہی تھی۔

"فیلنگ بے چین" کا اسٹیٹس اڑتا لیس دوستوں کے ہمراہ کومل کے اکاؤنٹ پر جگمگا رہا تھا۔

"کیوں بے چین ہو، کتنوں نے سوال کیا اور کومل اسی سوال کی منتظر تھی۔

"میرے بھائی مویشی منڈی جانور لینے گئے ہیں۔ اور میں بے چینی سے ان دونوں کا انتظار کر رہی ہوں۔ ہمارے جانور صرف محلے کے ہی نہیں بلکہ علاقے کے بھی سب سے بڑے جانور کہلاتے ہیں۔"

"یہ بڑا ٹینٹ لگتا ہے ہمارے جانوروں کے لیے......" یہ چھوٹی چھوٹی باتیں کومل نے باتوں باتوں میں بتا ڈالی تھیں۔ دوستوں کے ساتھ کومل کا وقت اچھا گزر گیا۔ انتظار کی کوفت زیادہ نہ ہوئی۔

☆☆☆

اماں، ابا جمیل میاں سے بے حد خوش تھے۔ مہینے کے دس پندرہ ہزار جو ہاتھ میں لا کر رکھ دیتا تھا۔ کھوٹا سکہ چل نکلا تھا۔ مگر کس طرف کو چل نکلا تھا۔ اماں ابا کے وہم و گمان میں نہ تھا۔

جمیل اور اس کے ساتھیوں نے رفتہ رفتہ کئی وارداتیں کر ڈالیں۔ ایک لڑکی نے خبر نشر کی کہ اس دفعہ ان کا خاندان شہر سے باہر جا رہا ہے۔ دوستوں رشتہ داروں سے گپ کے دوران وہ اپنے علاقے کا نام بھی بتا بیٹھیں۔ جمیل عرف جمیلہ جھٹ سے اسے میسج کر بیٹھا نئے سفر کی نیک خواہشات کے ساتھ ساتھ باتوں باتوں میں گھر کا پتا بھی معلوم کر لیا۔ لڑکی کے خاندان کے شہر سے رخصت ہوتے ہی اگلے دن اس گھر میں واردات ہو گئی۔

اماں ابا کے ہاتھ اس بار معمول سے زیادہ پیسے آ گئے۔ ابا جی سمجھے برخوردار صحیح راہ پر چل نکلے۔ اٹھتے بیٹھتے جمیل میاں کی تعریف ہوئی۔ اماں صدقے قربان جائیں۔ بھیا بھی مطمئن ہو چکے تھے ویسے بھی وہ سب اب شادی شدہ تھے اور اپنی اپنی زندگیوں میں مشغول و مصروف ہو چکے تھے۔

عیدالاضحیٰ کی آمد آمد تھی۔ ہر طرف گائے بکرے کی باتیں ہو رہی تھیں۔ جمیل اور اس کے ساتھیوں نے انوکھا پلان بنایا۔ اس بار چوری گائے بکروں کی ہو گی۔ پلان اچھا تھا مگر خطرناک تھا۔ گائے بکرے کوئی سامان تھوڑی تھے جو چوں چرا کیے بنا چوری ہو جاتے۔ اور انہیں چرانے کے لیے ایک بہترین منصوبے اور مکمل انتظام کی ضرورت تھی۔ سب سے پہلے مرحلے میں

جمیل نے فیس بک کا سروے کیا۔ اور ان تمام لوگوں کو جمیلہ کے نام سے دوستی کی درخواست بھیجی جنہیں قربانی کا شوق حد سے سوا تھے اکثریت نے بھولی بھالی جمیلہ کی دعوت قبول کرلی۔ کومل بھی اسی اکثریتی گروہ میں شامل تھی۔

کومل کے بھائی خوب صورت اور تنومند بیلوں کی جوڑی منڈی سے لے کر آئے تھے۔ ایک سفید اور دوسرا چتکبرا۔ دونوں ہی بہترین نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ انسپکٹر فاروق نے گھر کے باہر ٹینٹ لگوایا۔ دونوں بیلوں کو اس کے اندر باندھا۔ اور سپاہی رشید کو پہرے داری پر باہر بٹھادیا۔

کومل بی بی بڑی خوش تھیں۔ کتنی ہی تصویریں دونوں بیلوں کی فیس بک پر اپ لوڈ کرڈالیں۔ کئی دوستوں نے بیلوں کی تعریفوں میں زمین وآسمان کی قلابیں ملاڈالے۔ کومل کا جوش وخروش دیدنی تھا۔ جمیل نے بیلوں کی تصاویر دیکھیں تو منہ سے رال ٹپکنے لگی۔ جھٹ سے کومل سے رابطہ کیا۔ خیر خیریت دریافت کی۔ اور بیلوں کی تعریف میں رطب اللسان ہوگئی۔ باتوں کی شوقین کومل کو جمیلہ سے بات کرنے میں مزا آنے لگا۔ باتوں باتوں میں جمیلہ نے کومل کے گھر کا پتا بھی حاصل کرلیا۔ اب انہیں انتظار اس وقت کا تھا جب انہیں موقع ملے اور وہ کارروائی شروع کریں۔

پروگرام کے مطابق ان سب کو رات کے تیسرے پہر کارروائی کرنی تھی۔ ایک دوست ارشد نے شہزور پہلے ہی کرائے پر لے لی۔ اور دوسرا دوست بیلوں کو دیکھنے کے بہانے ٹینٹ کے باہر جمع مجمع میں گھس گیا۔ سپاہی رشید سے باتوں باتوں میں اس نے پتا لگالیا کہ وہ رات جاگنے کی غرض سے چائے پیتے پیتے گزارتا ہے۔ اور اس کا تھرماس چائے سے بھرا رہتا ہے۔ رات کا اندھیرا جوں جوں بڑھتا گیا۔ مجمع چھٹنا شروع ہوگیا۔ جمیل کے دوست نے موقع ملتے ہی نظر بچا کر سپاہی رشید کے تھرماس میں نیند کی گولیاں ملادیں۔ مجمع جب چھٹ چکا تو سپاہی رشید چائے پیتے ہی مدہوش ہونے لگا۔ رات کا سناٹا چھاچکا تھا۔ جمیل کے دوست ارشد نے فوراً اطلاع جمیل تک پہنچادی۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ فوراً جائے واردات پر آپہنچا۔ سپاہی رشید بے چارہ کرسی سے لڑھکا نیند میں غرق تھا۔

جمیل اور اس کے ساتھیوں نے ایک چوکنی نگاہ چاروں اطراف دوڑائیں۔ اور برق رفتاری کے ساتھ ٹینٹ کے اندر گھس گئے۔ بیلوں کا جوڑا بڑی شان سے سر اٹھائے بیٹھا آنکھیں موندے جگالی کررہا تھا۔ جمیل نے دونوں بیلوں کو ایک ایک لات رسید کیں۔ دونوں بیل ہڑبڑا کر کھڑے ہوگئے۔ ایک ساتھی گاڑی ٹینٹ کے دروازے تک لے آیا......

دوسرے ساتھی نے جھٹ پٹ دونوں بیلوں کی رسیاں کھولیں۔ اور ڈنڈا ڈولی کرتے دم مروڑتے دونوں بیلوں کو گاڑی میں چڑھانے لگے۔ بیل چڑھانے کے بعد وہ چاروں گاڑی میں ایسے سوار ہوئے جیسے ابھی ابھی منڈی سے جانور خرید کر لارہے ہوں۔

آج جمیل اور اس کے ساتھیوں نے لمبا ہاتھ مارا تھا۔ یہاں سے سیدھا اپنے علاقے کے چوراہے پر بجی چھوٹی سی منڈی جانے والے تھے۔ عیدالاضحیٰ میں گنتی کے دن باقی تھے۔ منڈی میں لوگوں کا ہجوم بڑھتا جارہا تھا۔ ان کا ارادہ بھی یہی تھا کہ منڈی میں دونوں سجے سنورے، مخملی چادر اوڑھے دونوں بیلوں کو وہ مہنگے داموں فروخت کریں گے۔ شہزور پر سوار جمیل اور اس کے ساتھیوں کے چہروں پر فاتحانہ مسکراہٹ رقصاں تھی۔ آج کی اس کامیاب واردات کے بعد انہوں نے سوزوکی میں بیٹھے بیٹھے ہی کل کی واردات کا منصوبہ بھی بناڈالا تھا۔ مگر وہ اس بات سے انجان تھے کہ اس بار ان کا پالا کس سے پڑا تھا۔

''ہاں بھئی! کتنے کے لیے دونوں جانور؟''

ابھی وہ لوگ جائے واردات سے کچھ ہی فاصلے پر پہنچے تھے کہ پولیس وین سے کسی نے آواز لگائی۔ گھنی موچھوں والا سپاہی ڈرائیونگ سیٹ سے دانت نکالے پوچھ رہا تھا۔

''چار لاکھ'' پولیس وین کو دیکھ کر ان چاروں کی سٹی گم ہوگئی تھی۔ چوری کے جانور تھے۔ وہم اور

خدشات دونوں ہی خوف میں مبتلا تو کریں گے۔ پھر بھی جمیل نے اپنے اوسان بحال کرتے ہوئے بڑی ہمت سے جواب دیا۔

''ماشاء اللہ، ماشاء اللہ! بہت ہی اعلا جانور ہیں'' سپاہی بھی قربانی کے جانوروں کا شوقین معلوم ہو رہا تھا۔

''سر آپ نے بیل دیکھے...... بڑے اعلاقسم کے ہیں!'' سپاہی نے جوش جذبات میں ساتھ بیٹھے انسپکٹر فاروق کو بھی متوجہ کیا۔

''بات تو تمہاری ٹھیک ہے۔ مگر یہ جانور مجھے کچھ دیکھے دیکھے لگ رہے ہیں۔'' انسپکٹر صاحب نے آنکھیں سکیڑے اندھیرے میں دور جاتی شہزور میں کھڑے جانور کو گھورتے ہوئے کہا۔

سر...... ان بیلوں کی بھی جسامت اور سجاوٹ آپ کے بیلوں کی طرح ہے۔ اسی لیے آپ کو دیکھے دیکھے لگ رہے ہیں۔'' سپاہی نے ہنستے ہوئے کہا اسی اثنا میں انسپکٹر فاروق کے موبائل کی گھنٹی بجی۔

''ہاں بیٹا...... بس راستے میں ہوں...... گھر آرہا ہوں......'' انسپکٹر فاروق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''کیا...... ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔ رشید کہاں ہے؟'' انسپکٹر فاروق اچانک پریشانی سے گویا ہوئے۔ سپاہی رفیق بھی متوجہ ہوا۔

''اوہ شٹ...... تم لوگ پریشان نہ ہو۔ میں دیکھتا ہوں۔ بچ کے جانے نہ دوں گا اس چور کو۔'' انسپکٹر فاروق طیش کے عالم میں بولے۔

''کیا ہوا سر جی...... سب خیریت تو ہے۔ کس چور کی بات کر رہے تھے آپ۔'' رفیق نے سر کو موبائل جیب میں رکھتا دیکھ کر فوراً سوال داغا۔

''اس چور کی رفیق جو ہمارے بیل چرا کر بھاگا ہے۔ اس شہزور میں ہمارے بیلوں جیسے بیل نہیں بلکہ ہمارے ہی بیل تھے۔ گاڑی بھگاؤ ان کے پیچھے۔'' اور رفیق نے سائرن کے ساتھ گاڑی بھگائی۔

اچانک شوں شوں کرتی پولیس وین ناگن کی طرح بل کھاتے ان کے پیچھے آئی تو چاروں کے اوسان خطا ہوگئے۔ گاڑی کی رفتار مزید تیز کردی گئی۔ بڑے جل دینے کی کوشش کی گئی۔ مگر بے سود۔ تعاقب میں وہ پولیس تھی۔ جو ہاتھی کو بھی چور کھلوا دینے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ اس بار چوری بے چاری عوام کے گھر تھوڑی نہ ہوئی تھی۔ کہ پولیس ہاتھ ملتی رہ جائے۔ اس بار چوری پولیس کے گھر ہوئی تھی۔ اور یہ چوری چور کو بڑی مہنگی پڑنے والی تھی۔

☆☆☆

بکرے کی ماں آخر کب تک خیر مناتی۔ جمیل میاں اور ان کے ساتھی حوالات میں دو چھتر کھا کر اپنی ساری بپتا سنا بیٹھے تھے۔ کس طرح فیس بک سے نادان لڑکیوں کو شکار بنا کر وہ واردات کرنے کے عادی ہیں۔

انسپکٹر فاروق کے سامنے اماں، اباجی ہکا بکا سے اپنے بیٹے کے کارناموں کی داستان سن رہے تھے۔ اولاد ایک ہو یا ایک درجن، اپنی اپنی جگہ۔ سب ہی اہمیت کے حامل ہوتی ہیں۔ کسی ایک کی جانب سے بھی برتی گئی بے توجہی وکوتاہی اولاد کو بھی خسارے میں لے جاتی ہے اور ماں باپ کے لیے بھی پریشانی کا باعث بنتی ہے۔ اباجی بیٹے کی وکالت میں کمزور سی دلیل دے کر منمنائے ہی تھے کہ انسپکٹر فاروق زور سے گرجے۔

''باباجی جب تربیت کر نہیں سکتے تو پیدا کیوں کرتے ہو؟'' اماں، اباجی شرمندہ سے سر جھکا کر رہ گئے۔

☆☆☆

گھر کے سب ہی افراد پریشان و مضمحل سے ادھر سے ادھر پھر رہے تھے۔ کچھ دیر قبل ہی انسپکٹر فاروق کی طرف سے خبر آئی تھی کہ بیلوں کو بازیاب کرالیا گیا ہے۔ اور کچھ دیر میں وہ بیلوں کے ہمراہ گھر لوٹ رہے ہیں۔ مزید اس سے زیادہ کچھ نہ بتایا گیا تھا۔ کیونکہ بیل چوری ہونے کی خبر محلے میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔ لہٰذا گھر کے باہر ایک مجمع دونوں بھیا کی سربراہی میں بیلوں کا انتظار کر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد ہی سائرن بجاتی پولیس وین اور اس کے پیچھے شہزور گھر کے سامنے آرکی۔ دونوں بیل

م صورت حال سے بے نیاز جگالی کرنے میں مصروف
تھے۔ بے چاروں کی آج رات کی نیندیں حرام ہو کر
رہ گئی تھیں۔ بیلوں کو دیکھتے ہی مجمع میں رونق دوڑ گئی۔
چوری ہوتے بیل کا صحیح سلامت بازیاب ہونا کوئی
معمولی بات نہ تھی۔ صبح صادق کا وقت تھا۔ محلے کے
تمام نوجوان جاگ اٹھے تھے۔ ان کے ہوتے ہوئے
قربانی کے جانوروں کا یوں اغوا ہونا ان کی بہادری
اور غیرت پر بھرپور طمانچہ تھا۔

فاروق صاحب وین سے اترے۔ بنگلے کے
اندر داخل ہو گئے۔ ایک بھیا بابا ہر اپنی نگرانی میں بیلوں
کو ٹینٹ میں بندھوانے لگے جبکہ دوسرے بھیا تجسس
سے ابا کے پیچھے ہو لیے۔

بیگم فاروق اور کومل جو ٹیرس سے سارا احوال دیکھ
رہی تھیں۔ بابا کو اندر آتے دیکھ کر جلدی سے نیچے آئیں
پھر انسپکٹر فاروق نے انہیں سارا ماجرا سنایا۔

حقیقت جان کر کومل کے بدن میں کاٹو تو لہو
نہیں والی حالت ہو گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ
اس کی ذرا سی نادانی ایک دن یہ گل کھلائے گی۔ وہ تو
سمجھتی آ رہی تھی کہ فیس بک پر سب بہت اچھے اور
بہترین انسان پائے جاتے ہیں۔ گھر کے باقی افراد
بھی ہک دک سے سب سن رہے تھے ان میں سے کسی
کے وہم و گمان میں نہ گزرا تھا کہ بیلوں کی چوری کی
کڑیاں یوں آ ملیں گی۔

ساری کہانی سنا کر انسپکٹر فاروق کومل کی جانب
متوجہ ہو گئے۔

''دیکھو بیٹا یہ جتنی بھی سماجی ویب سائٹس ہوتی
ہیں۔ انہیں استعمال کرنے والے مریخ یا چاند سے
نہیں اترے ہوتے ہیں۔ وہ اسی دنیا کے لوگ ہوتے
ہیں۔ اس لیے ان ویب سائٹس پر صرف قابل اعتماد
اور جان پہچان کے لوگوں کو شامل کرو۔ اور گھڑی
گھڑی کی خبر فیس بک پر نشر کرنا بھی مناسب نہیں!''
انسپکٹر فاروق رسان سے سمجھا رہے تھے۔

''بلکہ میں تو کہتی ہوں ان جھمیلوں کا خود کو عادی
نہ بناؤ۔ اس سے صرف نقصان ہی ہاتھ آتا ہے اور جو
لوگ بھی اپنوں سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔''
والدہ ماجدہ نے بھی رائے ظاہر کی۔

''بیٹا ہم تم پر پابندی نہیں لگاتے مگر فیس بک،
ٹوئیٹر وغیرہ پر محتاط رہو۔ ہر کسی کو اپنا خیر خواہ سمجھ لینا
مناسب نہیں۔'' انسپکٹر فاروق نے بات مکمل کر کے
کومل کو جانے کا اشارہ کر دیا۔ کومل ساری بات سمجھتے
ہوئے سر ہلاتی پشیمان سی وہاں سے چلی گئی۔

''جو بات نرمی سے سمجھائی جا سکتی ہے پھر اس کے
لیے سخت الفاظ استعمال کرنے کی کیا ضرورت، سماجی ویب
سائٹس دنیا بھر میں استعمال کی جا رہی ہیں میں کومل پہ سختی کر
کے اسے باغی نہیں بنانا چاہتا۔ مگر اسے صحیح اور غلط کا فرق
ضرور سمجھا سکتا ہوں۔ تا کہ آئندہ وہ محتاط رہے۔'' انسپکٹر
فاروق ایک جہاندیدہ انسان تھے۔ آج کل کی نسل کی
ضروریات و مشاغل سے بخوبی واقف تھے۔ بڑے بھیا بابا
کی بات سمجھ گئے۔ ویسے بھی حالیہ واقعے میں فیس بک پر
بیٹھے ہر نوجوان کے لیے سبق چھپا تھا۔

☆☆☆

''فیلنگ ہارٹ بروکن'' (دل ٹوٹنے کا احساس)
کومل کی وال پر جگمگا رہا تھا۔ کومل اپنی اس نادانی پر بے
حد شرمندہ تھی۔ سب سے پہلے اس نے فیس بک پر
جا کر اپنے اکاؤنٹ سے جمیلہ کا صفایا کیا۔ اور پھر
اسٹیٹس لگا کر تمام دوستوں کو متوجہ کیا۔ جمیلہ اور اس
کے دوستوں کی حقیقت سے سب کو آگاہ کیا۔ اور محتاط
رہنے کی نصیحت کی۔ دوستوں نے سارا ماجرا سن کر
مردانہ جمیلہ کو خوب کوسا۔ کومل نے بھی اپنے دل کی
خوب بھڑاس نکالی۔ دل کچھ ہلکا ہوا تو کومل کو اپنے
بیلوں کی یاد ستائی۔

سیکھتے سیکھتے ہی انسان کچھ سیکھ پاتا ہے تجربہ اسی
کا نام ہے۔ یہ ایک واقعہ کومل کی آنکھوں سے بندھی
اندھے اعتماد کی پٹی اتر چکی تھی۔ فیس بک کی دنیا اور
اس میں بسنے والوں کو چور راستے اسے اب واضح طور
پر نظر آ سکتے تھے۔ حالیہ واقعہ اسے فیس بک کی دنیا کے
نشیب و فراز سے بخوبی روشناس کرا چکا تھا۔

☆☆

ناولٹ
فرح بھٹو
تو کہ ہے اجنبی
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
DOWNLOADED FROM PAKSOCI

وہ بے قراری سے بستر پر کروٹیں بدل رہی تھی۔ دل کو کسی پل چین نہ تھا۔ سانسیں بوجھل محسوس ہو رہی تھی اور آنکھوں سے نیند غائب تھی۔ نیند بھی کتنی پیاری شے ہے اگر مہربان ہو جائے تو انسان کو دنیا مافیہا سے بے گانہ کر دیتی ہے۔ سب دکھ درد منہ چھپا کر کہیں غائب ہو جاتے ہیں۔ اور گر یہ نامہربان ہو تو انسان سرتاپا اذیت کی آگ میں سلگ اٹھتا ہے۔ ہر غم ہر تکلیف رات کے سکوت میں کچوکے لگانے چلی آتی ہے۔۔۔ عروہ نے لب کاٹتے سوچا۔۔۔ لیکن کچھ عرصہ پہلے تک تو اس پر زندگی بھی مہربان تھی اور نیند بھی۔۔۔ پھر جدائیوں کے عذاب نے زیست کی رونقیں ہی چھین لیں۔ جدائی جو گرم کھولتے پانی کی طرح ہے۔ جس میں انسان کا وجود تیزی سے پگھلتا جاتا ہے۔ ماس ہڈیوں سے الگ ہو جاتا ہے اور آخر میں کچھ نہیں بچتا۔ سوائے یادوں کی اذیت کے۔

☆☆☆

وہ تینوں ٹی وی پر اپنی پسندیدہ موی دیکھتے پیزا سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔

"زونی میرا پیس کہاں لے گئی۔"

چونکہ لاؤنج میں نیم اندھیرا کر کے فلم دیکھی جا رہی تھی اسی لیے عروہ عرف بلی نے آنکھوں پر زور دے کر زونی کے تیزی سے چلتے منہ کو دیکھا۔

"قسم سے میں نے نہیں کھایا۔" زونیہ نے کولڈ ڈرنک کا گلاس منہ سے لگایا۔

"عروہ نے مشکوک نظروں سے تلبیہ کی صورت دیکھی۔" وہ پوری طرح ٹی وی کی طرف متوجہ تھی۔

"میرے پیزا کا ایک پیس غائب ہے۔ جلدی بتاؤ کس کے پیٹ میں ہے۔" عروہ نے اٹھ کر لائٹ جلا کر دونوں سے تفتیش شروع کر دی۔

"ارے لائٹ کیوں آن کی۔ سارا مزا کرکرا کر دیا۔ بند کرو جلدی۔" زونیہ نے دہائی دی۔

"مجھے ابھی کے ابھی میرا پیزا واپس چاہیے۔ میری بھوک رہ گئی ہے۔" عروہ رونے جیسی ہو گئی۔

"موٹی کم کھایا کرو بھلکو بھی تو ہو۔ خود ہی کھا کر ہم معصوموں پر الزام لگا رہی ہو۔" تلبیہ عرف تبو نے بے زاری سے کہا۔ اس کو بھی موی سکون سے دیکھنا تھی۔

"میں کیوں بھلکو ہونے لگی۔ میں پھر آڈر کرنے لگی ہوں پیزا اور اس بار پیمنٹ تم دونوں کرو گی۔" عروہ نے ایکدم فیصلہ کیا اور سیل سے نمبر ملایا۔

"میرا کھالو موٹو۔ اب پھر سے کیوں پیسے خرچ کروا رہی ہو۔" زونی نے فوراً اس کے ہاتھ سے فون لے لیا تو وہ منہ بناتی لائٹ بند کر کے دوبارہ کارپیٹ پر بیٹھ گئی۔

اس بار تینوں خاموشی سے فلم دیکھ رہی تھیں کہ اماں دروازہ کھول کر کمرے میں چلی آئیں۔

"ارے پھر سے کمرے میں اندھیرا کیے رکھا ہے۔ نہ گھر کا ہوش نہ کام کی فکر۔ جب دیکھو ٹی وی کے آگے بیٹھی ہیں۔" اماں نے لتاڑتے ہوئے سوئچ بورڈ پر ہاتھ مارا تو کمرہ ایکدم روشن ہو گیا۔

"اماں امتحانوں کے بوجھ سے آزادی ملی ہے۔ اب تو مزے سے رہنے دیں۔" عروہ نے کشن سے سر اٹھا کر ناپسندیدہ نظروں سے ٹیوب لائٹ کو دیکھا۔

"پڑوس کی ممتاز آئی تھی۔ ردا کی شادی کا کارڈ دے گئی ہے۔ تم لڑکیوں کو کسی آئے گئے سے غرض ہے نہ ماں کا ہاتھ بٹانے کا خیال۔" اماں نے آڑی ترچھی کارپیٹ پر لیٹی بیٹیوں کو ناگواری سے دیکھا۔

"ہمم۔۔۔ تو ردا بھی ڈولی چڑھ رہی ہے۔" عروہ نے اماں کے ہاتھوں سے شادی کارڈ اچک کر نظر دوڑائی۔

"تین تاریخ کو شادی ہے۔ اور مہندی؟ اس کا کارڈ کہاں ہے۔" عروہ کو صرف ایک بلاوے کا افسوس ہوا۔

"ان کے خاندان میں کسی کی میت ہو گئی ہے کارڈ تو چھپ چکے تھے اسی لیے بس شادی کا فنکشن ہو گا۔" اماں نے صوفہ پر بیٹھتے بتایا۔

"مجھے تو شادی پر بالکل مزا نہیں آتا ایک طرف ہو کے بیٹھے رہو اور دولہا دولہن کے ڈرامے دیکھو جو آج کل عروج پر ہیں۔ اور اب تو موی میکر بھی مہمانوں کی موی نہیں بناتے۔ میں نے تو نہیں جانا۔" زونیہ

نے منہ بسورتے اعلان کیا۔

''ہاں تو تم اپنے بابا کے ساتھ گھر رہنا۔ ویسے بھی وہ پرہیزی کھانا کھاتے ہیں۔'' اماں جیسے زونیہ کی بات پر مطمئن ہوئیں۔''اب بند کرو ٹی وی اور باہر آکر رات کا کھانا بناؤ'' اماں نے کہا تو تلبیہ نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آف کر دیا کہ دل ایکدم ہی اچاٹ ہو گیا تھا۔

ردا ان کے پڑوسن اور عروہ کی ہم عمر لڑکی تھی۔ ابھی تو انٹر کے ایگزامز عروہ کے ساتھ دے کر فارغ ہوئی تھی کہ اس کی بھی شادی ہونے جا رہی تھی اور تبو جوان سے تین سال بڑی تھی ابھی تک رشتوں کے لیے آنے والوں کے نخروں سے نبرد آزما تھی۔ وہ اپنی دونوں چھوٹی بہنوں سے کچھ دبتے رنگ اور الگ نقوش کی وجہ سے کم صورت دکھائی دیتی حالانکہ انفرادی طور پر دیکھو تو وہ ایک پرکشش لڑکی تھی۔ لیکن زونیہ اور خصوصاً عروہ کے آگے تو بہت بجھی ہوئی لگتی۔ عروہ کا گورا رنگ اور کھڑے نقوش اس پر نکلتا متناسب سراپا غضب ڈھاتا تھا۔ وہ پوری اماں پر پڑی تھی۔ جبکہ زونیہ اماں بابا کا مکسچر اور تلبیہ مکمل بابا کی کاپی تھی۔

اور اماں کی اسی خوب صورتی کی وجہ سے ہی تو پچیس سال پہلے بابا اپنا دل ہار بیٹھے اور اپنی بچپن کی منگیتر کو چھوڑ کر اماں سے شادی کر لی۔ اسی وجہ سے ان کے خاندان میں ہنگامہ مچ گیا۔ دادا اور تایا نے بہت زور لگایا کہ بابا اماں کو چھوڑ دیں لیکن بابا اپنی محبت پر قائم رہے اور ان کے خاندان نے ان سے لاتعلقی اختیار کر لی۔

☆☆☆

''بلی اب چلو بھی آئینے سے چپک گئی ہو۔''

تبو کوئی تیسری بار کمرے میں آئی اور عروہ کو گھر کا جو مکمل تیار ہو کر اب آنکھوں میں لینس لگا رہی تھی۔

''تم تو ایسے تیار ہو رہی ہو جیسے شادی ہی تمہاری ہو۔ اتنی اچھی شکل خدا نے دی ہے سنگھار نہ بھی کرو تب بھی خوب صورت ہو۔'' اس نے پیار سے بہن کو دیکھا۔

''ایک منٹ تبو۔۔ بس ابھی آتی ہوں تم اماں کو تسلی دو پکارے ہی جا رہی ہیں۔'' عروہ ہنوز آئینے سے جڑی ہوئی بولی۔ وہ بڑی بہن کو نام سے ہی مخاطب کرتی تھی۔

''چلو جلدی۔۔۔ مسئلہ کیا ہے مجھے دکھاؤ۔'' تبو نے اس کی الجھن محسوس کی تو کندھوں سے پکڑ کر اپنی طرف گھمایا۔ پنک اور اورنج کلر کے خوب صورت لباس میں اپنے لمبے گھنے بال کھولے چہرے پر مہارت سے میک اپ کیے وہ دلکشی کا پیکر لگ رہی تھی۔ ہیزل گرین لینس اس کی بڑی آنکھوں کو دو آتشہ کر رہے تھے۔

''تبو یار لینس لگائے تو ہیں پر دھندلا دکھ رہا ہے۔''

وہ منہ بسورتے بولی تو تلبیہ نے بغور اس کی لال ہوتی آنکھوں کو دیکھا۔

''ایک تو تمہیں دس بار کہا ہے لینس آنکھوں کو نقصان دیتے مگر تم نے تو بس دنیا بھر کا سنگار کرنا ہے۔ زونیہ کی تو مجبوری ہے چشمہ لگاتی ہے تو کسی تقریب میں لینس پہن لیتی ہے تمہیں کیا آفت پڑی ہے۔'' تبو چڑ گئی۔

''کبھی کبھی تو کوئی دعوت ملتی ہے۔ ہمارا نہ ددھیال نہ ننھیال۔ کہیں جانے کا موقع کہاں ملتا ہے۔'' عروہ کے زخم ادھڑ گئے۔

''لڑکیوں اب کیا رخصتی کے ٹائم پہنچو گی۔''

اتنے میں اماں غصے سے اندر چلی آئیں۔ تمہارے بابا گاڑی میں بیٹھے انتظار کر رہے اور یہاں سنگار ختم نہیں ہو رہا۔ وہ لتاڑنے لگیں تو عروہ نے جلدی سے سینڈل پہن کر دوپٹا اوڑھا۔ پھر تلبیہ اور اماں کے ساتھ باہر نکلی۔

''خدا حافظ بہنوں۔'' لاؤنج سے گزرتے زونیہ نے صوفے پر بیٹھے ہانک لگائی تو عروہ دھندلی بینائی سے بمشکل دیکھ سکی۔ پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی کار تک پہنچی۔ شادی کا ریسیپشن ہوٹل میں رکھا گیا تھا۔ ہوٹل کے چکنے فرش پر چلتے عروہ نے تلبیہ کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔ سامنے ہی ہال کے دروازے پر ردا کی امی اور بہنیں استقبال کو کھڑی تھیں۔ مووی

میکرز بھی ساتھ تھے۔

"السلام علیکم آنٹی جی کیسی ہیں۔" اماں اور تلبیہ کے بعد عروہ بھی نزاکت سے آنٹی سے ملی۔

"ارے میں آنٹی نہیں حرا ہوں ردا کی بڑی بہن۔" ساڑھی میں ملبوس حرا کو زبردست شاک لگا۔

"اوہ سوری۔" عروہ نے آنکھیں مسلیں۔ کچھ ہلکی دھند چھٹی پھر چڑھ گئی۔

"کیسی ہو حیا۔" آگے ایک اور ملنے والی عروہ سے ٹکرائی تو وہ مسکرا کر پوچھ بیٹھی۔

"میں حیا نہیں فروا ہوں بلی۔" فروا نے اچھا خاصا برا منایا تھا۔

"کیا کر رہی ہو عروہ۔ اندھی ہو گئی ہو کیا؟ چلو شرافت سے بیٹھو ایک طرف۔" تلبیہ اس کو بازو سے پکڑ کر پاس پڑے صوفوں کی طرف لے آئی۔ اور سچ تو آج عروہ کو بھی نہیں آرہا تھا کہ اس کی بینائی کو ہو کیا گیا ہے آنکھیں جھپکتی تو صاف دکھتا پھر دھند سامنے آجاتی۔ ساری شادی کا مزا کرکرا ہو کر رہ گیا۔ دلہن اور دولہا کا کیٹ واک نظر آسکا نا ہی ڈھنگ سے کھانا کھایا گیا۔ سیلفیز کی شوقین بلی دل مسوس کر کے موبائل ہاتھ میں لیے بیٹھی سوچتی رہی کہ واقعی اندھوں کی طرح جینا بھی کوئی جینا ہے۔ کئی بار دل میں آیا واش روم میں جا کر لینسز اتار لے۔ پھر سوچا اتار کر رکھے گی کہاں سلوشن والی ڈبیا تو گھر پر پڑی ہے۔

ردا اس کی کلاس فیلو تھی۔ اخلاقاً عروہ کو اسٹیج پر اس کے پاس جا کر مبارک باد دینی چاہیے تھی پر اماں کے اصرار کے باوجود وہ ہل کر نہ دی۔ اخلاقاً اماں بڑبڑاتی تلبیہ کے ساتھ اسٹیج کی طرف چلی گئیں۔ اماں کو اپنی کنڈیشن بتانا یعنی اپنی شامت بلوانا تھا۔ کھانے کے دوران ہی بابا کی کال آنے لگی کہ وہ لینے آپہنچے تھے۔

"اماں! بابا آگئے ہیں۔" تلبیہ نے ماں کو بتایا جو کسی جاننے والی کے ساتھ دھیمی آواز میں گفتگو کر رہی تھیں۔

"آہاں اچھا۔" اماں نے بے دھیانی سے سر ہلایا۔

"تو فہمیدہ ابھی مل لو ان خاتون سے تبو بھی تیار ہے اچھی لگ رہی ہے کیا پتا پسند ہی کر لیں۔" اماں کی جاننے والی نے کہا تو اماں خوش ہو گئیں۔

"ہاں تو ملواؤ نا۔"

"کیسے ملواؤں اپنی چھوٹی بیٹی کو کہیں گم کرو ورنہ وہ اسی پر ریجھ جائیں گی۔" نجمہ آنٹی نے چہک کر کہا تو ان کی گفتگو سنتی دونوں بہنوں کو بہت کچھ سمجھ آگیا۔

"اچھا ٹھیک ہے تم ان خاتون کو یہاں لے کر تو آؤ۔" اماں کے کہنے پر نجمہ آنٹی نے اثبات میں سر ہلایا اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ہاں تو تبو کیا کہہ رہی تھی تم تمہارے بابا لینے آگئے؟" پھر اماں ان کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"جی اماں۔ وہ کہہ رہے جلدی باہر آئیں صبح ان کو آفس بھی جانا ہے۔" تلبیہ نے بتایا۔

"ہاں تو بلی تم جلدی جا کر گاڑی میں بیٹھو تاکہ تمہارے بابا کو تسلی ہو۔ میں اور تلبیہ کھانا کھا کر آرہے ہیں۔" اماں نے اس سے کہا تو وہ گھبرا کر تلبیہ کو دیکھنے لگی۔

"اماں یہ کیسے جائے گی۔ میں چھوڑ آتی ہوں۔" تلبیہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"ارے کیوں؟ پیروں پر چل کر جائے گی وہ باہر تو کھڑے ہیں۔"

اماں نے ناگواری سے تلبیہ کو دیکھا پھر نظر گھمائی تو ہڑبڑا کر رہ گئیں۔ سامنے ہی نجمہ ایک خاتون کو لیے چلی آرہی تھیں۔

"بلی جلدی جاؤ اپنے بابا کے پاس اور تبو تم چپکی بیٹھی رہو۔" اماں نے کہا تو سچویشن کے پیش نظر وہ ناچار کھڑی ہوئی اور پھر عجلت میں قدم بھی بڑھا دیے۔

"خیال سے جانا۔" پیچھے سے تلبیہ کی فکر مند آواز آئی تو وہ پریشانی میں بھی مسکرا دی۔ پھر سہج سہج کر قدم اٹھاتی وہ ہال سے نکلی تو ہوٹل کا چکنا کوریڈور اس کا منتظر تھا۔ وہ وہیں رک کر کچھ دیر آنکھیں جھپکتی اندازہ لگانے لگی کہ کوریڈور کتنا لمبا ہے۔ اس کے بعد باہر تو پھر بھی آسانی تھی۔ خیر اللہ کا نام لے کر وہ دھندلی آنکھوں سے چلنا شروع ہوئی۔ یہاں کم لوگ دکھائی دے رہے تھے۔ وہ احتیاط سے آہستہ آہستہ چلتے اپنی

بڑی جیل اور خراب لینس دونوں کو کوسے جا رہی تھی کہ اچانک اس کا پیر بری طرح رپٹا اور چکنے فرش پر پھسلتی چلی گئی۔

''آ۔۔اماں۔'' عروہ شدت سے چیخی۔ ایک دم دو مضبوط ہاتھوں نے اسے مزید پھسلنے سے بچالیا۔

''اُف اللہ۔'' تکلیف سے اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

''آپ پلیز خود کو سنبھالیں شاباش۔'' بلیک ڈنر سوٹ میں وہ جو کوئی بھی تھا عروہ کو کندھوں سے تھام کر اٹھانے کی کوشش میں تھا۔ مردانہ پرفیوم کی ایک تیز مہک عروہ کی سانسوں میں سرایت کرگئی۔ تیکھے نقوش اور گندمی رنگت والے اس وجیہہ بندے کو اس نے آنکھیں جھپکتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ بمشکل لیٹے سے اٹھ بیٹھی تو درد کی ایک شدید لہر کمر میں محسوس ہوئی۔

''آرام سے اٹھیے۔'' وہ اس کو نرمی سے اٹھانے لگا تو پہلی بار عروہ کو اس انجانے شخص کی قربت کا احساس ہوا۔

''میں اٹھ سکتی ہوں۔'' وہ ناگواری سے بولی مگر اس نے ہاتھ نہ ہٹائے اور اسی کے سہارے عروہ کھڑی ہوسکی۔ ''اُف۔'' سینڈل کے ساتھ کھڑا ہونا چودہ طبق روشن کرگیا تھا۔ وہ لڑکھڑا سی گئی۔

''آپ پلیز وہاں بیٹھ جائیں اور اپنے سینڈلز اتار لیں۔ اس بندے نے تھوڑی دور کچھ صوفوں کی طرف اشارا کیا۔ پھر خود ہی سہارا دے کر عروہ کو وہاں تک پہنچایا۔

صوفہ پر بیٹھ کر عروہ نے اپنے پیر سینڈلز سے آزاد کیے۔

''یہ لیں جوس پی لیں۔'' وہ پاس گزرتے ویٹر کی ٹرے سے جوس اٹھالایا۔

''میں اب ٹھیک ہوں۔'' عروہ نے شرمندگی سے لب کاٹے۔ کھانے سے فراغت حاصل کرکے لوگ اب ہال سے نکلنا شروع ہوگئے تھے۔ عروہ کو اپنے سر پر کھڑے اس بندے سے کوفت ہوئی سارے ہی محلے دار تھے کیا سوچتے ہوں گے کہ وہ کس کے ساتھ بیٹھی ہے۔ اتنے میں اماں اور تلبیہ بھی ہال سے نکلیں اور چلتے ہوئے ان کی نگاہ عروہ پر پڑی جو صوفہ پر سر جھکائے بیٹھی تھی اور ایک لڑکا جوس کا گلاس اٹھائے اس کے پاس کھڑا تھا۔

''عروہ کیا ہوا تمہیں یہاں کیوں بیٹھی ہو؟''

تلبیہ لپک کر آئی۔

''گر گئی تھی۔'' بہن کو سامنے دیکھا تو درد کا احساس گہرا ہوگیا۔ ''کمر میں درد ہو رہا ہے۔'' وہ سسکتے ہوئے بتانے لگی۔

''اے تو گری کیسے دیکھ کر نہیں چل رہی تھیں کیا؟'' اماں نے حیرانی سے بیٹی کو دیکھا پھر سوٹ بوٹ میں ملبوس لڑکے کو جو جوس کا گلاس لے کر ایک طرف ہوگیا۔

''چلو اب گھر۔'' تلبیہ نے اس کے سینڈلز اٹھائے اور اس کو سہارا دے کر چلنے لگی۔ اماں اور تلبیہ کے ساتھ چلتے عروہ نے گردن پیچھے موڑی تو وہ جوس کا گلاس لیے وہیں کھڑا نظر آیا۔

☆☆☆

گھر آئے تو زونیہ غصے سے منہ پھلائے بیٹھی تھی۔ تبو کے سہارے عروہ کو لنگڑاتے ہوئے آتے دیکھا تو سب بھول کر بہن کے پاس آگئی۔

''کیا ہوا تمہیں اس طرح کیوں چل رہی ہو۔''

''بس کچھ مت پوچھو۔'' تلبیہ نے مختصراً اس کو احوال بتایا۔

''میرے لینس کی ڈبیا تو لاؤ مجھے یہ منحوس لینس ابھی اتارنے ہیں۔'' عروہ تلبیہ کی مدد سے کمرے میں آئی اور بیڈ پر بیٹھ کر دراز سے چھوٹا سا آئینہ نکالا پھر لال ہوتی آنکھوں کا جائزہ لیا۔

''تمہاری ڈبیا تو نجانے کہاں ہے میرے کانٹیکٹ ٹرانسپیرنٹ لینس کہاں غائب ہیں۔ یہ کیوں خالی ہے۔'' زونیہ کو اپنا غم یاد آیا۔ اس نے اپنی خالی ڈبیا دکھائی۔ ان کے جانے کے بعد وہ ڈریسنگ ٹیبل پر بکھری میک اپ کی اشیاء درست کرنے لگی تو اپنے نظر کے بے رنگ لینس کی ڈبیا خالی ملی تب سے وہ غصے میں تھی۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

''اب تمہارے لینس کہاں گئے''۔ عروہ نے بے زار ہوکراس سے ڈبیالی اور لینس اتار کراس میں ڈالے۔

لینس اتارتے ہی دنیا ایکدم صاف دکھائی دینے لگی۔ عروہ نے ایک بڑا سا شکرانے کا سانس لیا۔ سلوشن کے اندر تیرتے گرین لینس دو سے چار ہوگئے تھے۔ اس نے حیرانی سے غور کیا۔ پانی میں جا کر گرین لینسز سے زونیہ کے کانٹیکٹ لینس علیحدہ ہورہے تھے۔

''یہ کیا'' زونیہ نے چشمہ درست کر کے دیکھا۔ تلبیہ بھی حیران ہوئی۔

''تم اپنے لینسز کے ساتھ میرے نظر کے لینس بھی پہن کر شادی میں چلی گئیں۔ اور پھر اندھوں کی طرح...... ہاہا۔'' زونیہ کو بات سمجھنے میں سیکنڈز لگے۔ وہ پیٹ پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگی۔ تبو کی ہنسی بھی بے ساختہ تھی۔ عروہ نے کھسیانی مسکراہٹ سے ڈبیا کو گھورا۔ نجانے کس وقت بے دھیانی میں ایک ڈبیا میں چار لینسز رکھ دیئے جو ایک دوسرے سے جڑ کر فساد پھیلا گئے تھے۔

☆☆☆

پھر کتنے ہی دن وہ ٹانگ اور کمر کا درد لیے پھرتی رہی' اٹھنا بیٹھنا بھی محال سا لگتا۔ ڈاکٹر کو دکھا کر دوا کھاتی رہی تب جا کر آرام آیا۔ ردا کی شادی ایک یادگار واقعہ بن چکی تھی۔ جس کو دہراتے تینوں بہنوں کی ہنسی چھوٹ جاتی۔۔۔۔۔ اس کے ساتھ ہی عروہ کو وہ پرکشش لڑکا یاد آجاتا جس نے مشکل وقت میں اس کی مدد کی۔ اور وہ اس کا شکریہ بھی ادا نہ کرسکی۔ اس وقت تو کوفت سوار تھی۔

اب احساس ہورہا تھا کہ برا کیا اس مہربان کے ساتھ۔

ان ہی دنوں ایک خوش گوار بات یہ ہوئی کہ تلبیہ کو شادی میں پسند کرنے والی آنٹی اس کا ہاتھ مانگنے گھر تک چلی آئیں۔ ان کا بیٹا دبئی میں جاب کرتا تھا۔ اور ان دنوں چھٹیوں پر آیا ہوا تھا۔۔۔ مناسب چھان پھٹک کے بعد بابا نے پسندیدگی کا عندیہ دے دیا۔ اور یوں تلبیہ صاحبہ ایک عدد ہینڈسم سے لڑکے کی منگیتر بن گئیں۔ اماں بابا کی ایک ذمہ داری جیسے آدھی ہوئی تھی دونوں نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔

تلبیہ بھی منگنی کے بعد بہت خوش تھی۔ وہ سعد سے فون پر بات کرلیا کرتی تھی۔ اس کا منگیتر کافی رومانٹک مزاج رکھتا تھا۔ منگنی کے بعد چودہ فروری کو تبو کو بہت پیارا سا گفٹ پھولوں کے ساتھ بھیجا تو دونوں بہنوں نے چھیڑ چھیڑ کر تبو کا ناک میں دم کردیا۔ تبو فون پر سعد کا شکریہ ادا کرنے لگی تو عروہ ٹیرس میں چلی آئی۔ آج موسم بھی حد درجہ خوش گوار ہورہا تھا۔ ایسے خوبصورت موسم میں ایک عجیب کیفیت دل میں چٹکیاں لینے لگی تھی۔ عروہ آکاش پر پھیلے بادلوں کے ٹکڑے دیکھتے الگنی پر سوکھتے کپڑے اتارنے لگی کہ بارش کبھی بھی متوقع تھی۔ اچانک اس کے پیروں سے کچھ ٹکرایا۔ اس نے جھک کر دیکھا تو حیران رہ گئی۔

ایک بڑا سا پیکٹ خوب صورت ریپنگ میں نظروں کے سامنے تھا۔

''یہ کہاں سے آیا۔'' اس نے آنکھیں گھما کر چاروں طرف دیکھا۔ ''کہیں اس میں بم نہ ہو۔'' یہ سوچ آتے ہی عروہ گھبرا کر دو قدم پیچھے ہوئی۔ ''لیکن ہماری کسی سے کیا دشمنی۔'' پھر خود کو تسلی دی اور تجسس کے ہاتھوں مجبور ہوکر وہ پیکٹ اٹھالیا۔ ایک چھوٹی سی چٹ بھی پیکٹ کے ساتھ چپکی ہوئی تھی عروہ نے اس کو کھول کر دیکھا۔

''فار سوئیٹ بلی''

فرام۔ یور ویل وشر۔

چٹ پڑھتے ہی عروہ کے چودہ طبق روشن ہوئے۔ اس نے ایک بار پھر خالی چھت پر نظر دوڑائی پھر کپڑوں کو ادھر ہی چھوڑ کر عجلت میں نیچے چلی آئی۔ اپنے کمرے میں آکر اس نے گفٹ پیپر آہستگی سے اتار کر ڈبا کھولا۔ ایک خوب صورت گھڑی اور چاکلیٹ کے پیکٹس کے ساتھ گلاب کی ایک ادھ کھلی کلی بھی تھی۔ عروہ نے حیرت سے ان چیزوں کو دیکھا۔ زونیہ کسی کام سے کمرے میں آئی اس کو بیڈ پر ساکت بیٹھا

دیکھ کر قریب چلی آئی۔

''کیا ہوا ببلی۔۔ ایسے کیوں بیٹھی ہو اور یہ گفٹ کس نے بھیجا۔'' زونیہ کی نظریں اس سے ہوتی گفٹ پر ٹھہر گئیں تو وہ چشمہ درست کرتی حیرت سے پوچھ بیٹھی۔

''معلوم نہیں۔'' عروہ نے گفٹ پیپر سے چٹ نکالی اور اسے دی۔ زونیہ نے حیرت سے پڑھا۔ ''یہ چھت پر پڑا ہوا تھا۔'' عروہ نے کندھے اچکا کر کہا۔

''یہ تمہارا ویل وشر اچانک کہاں سے پیدا ہو گیا۔'' زونیہ بے اختیار ہنسی۔

''مجھے کیا پتا۔ نجانے کس نے مذاق کیا ہے۔'' وہ الجھن کا شکار تھی۔

''مذاق کے لیے بھی کیا دن چنا ہے۔ چودہ فروری۔۔۔ کیا بات ہے۔'' زونیہ نے دانت نکالے تو عروہ نے اسے گھور کر دیکھا۔ ''ویسے یہ مذاق کا نہیں دل کی باتیں کرنے کا دن ہے پگلی۔'' اس نے جیسے اس کی کم فہمی کو کوسا۔

''یہ دل کی باتیں دل میں نہ رکھو تم۔ ہو۔'' اتنے میں تلبیہ گنگناتی اندر آئی۔

''منگنی کے بعد یہ محترمہ تو سنگر بن گئی ہیں۔'' زونیہ تبو کے کھلتے چہرے کو دیکھ کر ہنسی۔

''تم دونوں یہ کیا لے کر بیٹھی ہو؟'' تلبیہ کچھ جھینپ کر بولی۔

''ببلی کے نام ویل وشر کا پیغام۔'' زونیہ کی کھی کھی شروع ہو گئی۔

''کیا مطلب۔'' تبو نے ناسمجھی سے دیکھنے لگی۔

عروہ نے مختصراً اسے بتایا تو تبو سوچ میں پڑ گئی۔

''محلے کے کسی لڑکے کی شرارت لگتی ہے۔ تم بھی نا ببلی ہر وقت چھت پر دوڑ لگائی ہو اب بند کرو ادھر جانا۔ نجانے کس بدتمیز کو بھا گئی ہو۔'' تلبیہ نے بڑی بہن والے دبدبے سے تنبیہہ کی۔

''تبو وہ لوفر نہیں ویل وشر ہے بہنا۔'' زونیہ پھر ہنسی۔

''میں ابھی یہ سب اس کے منہ پر مار کر آتی ہوں۔'' عروہ کو غصہ چڑھ گیا تو گفٹ سمیٹ کر اٹھی۔

''کس جگہ مارو گی بندے کا پتا نہیں اور منہ پر مارنے چلی ہے۔'' زونی نے اسے کھینچ کر واپس بٹھایا۔

''چھت کی دیوار پر ماروں گی خود ہی اسے پتا لگ جائے گا۔'' عروہ نے تنک کر کہا۔

''اپنا تماشا لگواؤ گی گھر سے گھر ملے ہوئے ہیں۔'' تبو نے ناگواری سے کہا۔

''لڑکیوں کہاں اندر بیٹھی ہو۔۔ بارش ہو رہی ہے۔ کپڑے تو چھت سے اتار لو۔'' اماں کی آواز پر تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور بے اختیار مسکرا دیں۔

☆☆☆

تبو کی شادی کی تاریخ طے ہوئی تو گھر میں روایتی تیاریاں شروع ہو گئیں۔۔ بابا گھر کے واحد مرد ہو کر کئی ذمہ داریاں ایک ساتھ نمٹا رہے تھے۔ یہ بہنیں دیکھتی تو کڑھتی رہتیں۔

ایک جوان بھائی کی خواہش دل میں ضرور بے دار ہوتی جو بابا کا سہارا بنتا۔

''تبو شادی کے بعد تم اتنی دور چلی جاؤ گی۔ ہم تمہیں بہت یاد کریں گے۔'' زونیہ نے تبو کے جہیز کے کپڑے پیک کرتے کہا تو تبو کے ساتھ عروہ بھی آبدیدہ ہو گئی۔

''چلو چھوڑو اداسی۔ ہم میں سے کوئی تو باہر جا رہا ہے۔ ورنہ ہم تو اس شہر سے بھی باہر نہیں نکلے۔ اچھا ہے اسی بہانے کبھی دبئی گھوم آئیں گے۔'' عروہ نے کہا تو زونی نے تائید میں سر ہلایا۔ ''ویسے آج میری برتھ ڈے بھی ہے جو تم دونوں شادی کی افراتفری میں بھول گئی ہو۔'' اس نے منہ پھلایا تو تبو اور زونی چونکیں۔

''ارے سو سوری بہنا۔۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔'' تبو نے اسے ساتھ لگا کر ماتھا چوما۔ زونیہ نے بھی گلے لگایا۔

''خالی وشز سے کام نہیں چلے گا؟ جلدی سے کیک اور پیزا آڈر کرو۔'' عروہ نے ٹھنک کر کہا۔

''جو حکم محترمہ۔''

''اور تبو تم دبئی جا کر مجھے اچھا سا گفٹ کوریئر کرنا او کے۔'' اس نے ایک اور حکم جاری کیا۔

''تکمیل ہو گی۔'' تبو نے سر خم کیا۔

''ویسے تبو تم نے برتن چاٹے ہیں نا۔۔ تبھی تمہاری شادی پر بارشیں ہو رہی ہیں۔'' عروہ نے اٹھ کر کھڑکی کھولی تو باہر برسات کا موسم چھب دکھلا رہا تھا۔

''اب ایسی بھی بات نہیں۔'' تلبیہ مسکراتی رہی۔ عروہ نے کھڑکی سے ہاتھ نکال کر برستی بارش کو محسوس کیا۔

''ہائے آفت موسم ہے۔'' وہ بڑا سا سانس بھر کر بولی۔

اتنے میں اطلاعی گھنٹی کی آواز پر زونیہ باہر گئی پھر ہاتھوں میں پیزا اور کیک لے کر آئی تھی کہ لائٹ چلی گئی۔ تبو نے بڑی بڑی کینڈلز جلا کر سینٹرل ٹیبل پر رکھیں تو اجالا سا ہو گیا۔ زونی کچن سے چھری اٹھا لائی۔

''بلی اب کھڑکی کی جان چھوڑو اور کیک کاٹو۔'' زونیہ نے آواز لگائی تو وہ میز پر دھرے کیک کے نزدیک آ گئی۔ پھر ان دونوں نے زور و شور سے ہپی برتھ ڈے ٹو یو کا راگ الاپ کر تالیاں بجائیں اور عروہ نے نزاکت سے کیک کاٹا۔

''یہ میری پردیسی بہن کے نام۔''

وہ ایک پیس کاٹ کر تبو کو کھلانے لگی تو زونیہ نے ایکدم چھین کر اپنے منہ میں ڈالا۔

''بدتمیز زونی۔'' عروہ غصے سے پلٹی تو وہ ہنستی ہوئی کمرے سے باہر بھاگی۔ ''اب آؤ ذرا واپس پیزا کھانے۔'' عروہ نے اونچی آواز سے کہا تو زونیہ کی ہنسی گونجی۔

تبو بہنوں کی لڑائی سے لطف لیتی رہی۔

''ایسے نظارے اب قسمت سے ہی نصیب ہوں۔'' وہ سوچ کر افسردہ ہوئی۔

☆☆☆

دوسرے دن بھی صبح سے ہلکی بوندا باندی جاری تھی۔ تلبیہ اور زونیہ موسم کے پیش نظر دوپہر میں ہی مارکیٹ چلی گئی تھیں۔ بابا آفس گئے ہوئے تھے۔ عروہ کھانے سے فراغت کے بعد موبائل پر اپنا پسندیدہ گیم کھیلنے میں مگن تھی کہ بیل بجنے کی آواز پر دوپٹا اوڑھتی باہر آئی۔ اماں اپنے کمرے میں نماز پڑھ رہی تھیں۔

''کون ہے۔'' بلی کے پوچھنے پر پھر دروازہ بجا۔ اس نے دروازہ کھولا تو ایک نو عمر لڑکا سامنے کھڑا تھا۔ عروہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''یہ لے لیں۔'' اس نے ایک شاپر عروہ کی طرف بڑھایا۔

''یہ کیا ہے۔'' عروہ نے جھجک شاپر پر غور کیا۔

''یہ آپ کے لیے ہے پلیز لے لیں باجی۔'' وہ شاپر عروہ کو دے کر بولا تو اس نے ناسمجھی میں تھام لیا۔ لڑکا سرپٹ دوڑا اور کہیں غائب ہو گیا۔ وہ حیرت سے اسے دیکھتے اندر آ گئی۔ دروازہ بند کر کے اپنے کمرے میں آنے تک وہ عجیب سے احساس کا شکار رہی۔۔ پھر شاپر کو کھولا تو اندر سے ایک گفٹ برآمد ہوا۔ پرپل کلر کے گفٹ پیپر پر چسپاں چھوٹی سی چٹ تھی۔ عروہ نے دھڑکتے دل سے چٹ کھولی۔

ہپی برتھ ڈے بلی سوری فار لیٹ
فرام یور ویل وشر۔

یہ الفاظ پڑھتے ہی عروہ سن سی ہو گئی۔ کانپتے ہاتھوں سے ریپر اتارا تو اندر ڈبے میں ایک ڈیزائنر سوٹ، پرفیوم اور گلاب کی ادھ کھلی کلی کے ساتھ ایک وشنگ کارڈ بھی تھا۔

عروہ کی سانسیں تیزی سے چلنے لگیں۔

''یہ کون ہے جس کو میری برتھ ڈے کا بھی علم ہو گیا ہے۔'' وہ سوچ کر پریشان سی ہو گئی۔ پھر گفٹ دوبارہ شاپر میں ڈال کر الماری میں رکھ دیا اور خود کمرے میں بے چینی سے ٹہلنے لگی۔ تھوڑی دیر گزری کہ۔ باہر سے زونیہ اور تبو کی آوازیں آنے لگیں۔ دونوں بہنیں شاپرز اٹھائے یہیں چلی آئیں۔

''ہائے جیسے ہی مارکیٹ سے نکلے ہیں۔ بارش کی بوچھاڑ ہمیں بھگو گئی۔'' زونی اپنا چشمہ اتار کر صاف کرنے لگی۔

''تبو تمہاری شادی تو بہت مشکل پڑی۔'' پھر ٹشو سے چہرہ پونچھتی تبو کو دیکھا۔ ''سارا چشمہ پانی سے بھر گیا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔''

''تو اپنے چشمے پر وائپر لگوا لو نا بہنا۔۔ ساتھ

ساتھ صاف ہوتا رہے گا۔'' تبو نے مشورہ دے کر گم صم سی عروہ کو دیکھا۔

''تمہیں کیوں چپ لگی ہے؟'' عروہ نے جواب میں الماری سے گفٹ پیک نکال کر تبو کو تھمایا۔ تبو نے چٹ کو کھول کر پڑھا پھر گفٹ کھولا۔ زونی بھی قریب چلی آئی۔

''ویل وشر نے بھیجا ہے؟'' پھر اشتیاق سے پوچھنے لگی تو عروہ نے سر ہلایا۔ ''چھت پر پڑا تھا؟ بھیگا کیوں نہیں۔'' اس نے تفتیش شروع کی۔

''نہیں دروازے پر کوئی لڑکا دے گیا۔''

''کیا۔ لڑکے سے تم نے لیا کیوں؟'' تبو کو غصہ چڑھ گیا۔

''میں سمجھی پڑوس سے کچھ آیا ہے اکثر شاپرز میں حلیم یا بریانی بھی تو آتی ہے۔'' عروہ نے شرمندگی سے کہا۔ ''پھر وہ اتنی جلدی تھما کر بھاگ گیا کہ مجھے سوچنے کا موقع نہ ملا۔'' وہ سر جھکا کر لب کاٹنے لگی۔

''اچھا تمہیں کیا لگا یہ وہی ہے جو گفٹ بھیج رہا ہے؟'' تبو نے جانچتی نظروں سے دیکھا تو عروہ نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں وہ تو بارہ تیرہ سال کا بچہ تھا۔''

''لڑکا پہلے دیکھا ہوا ہے؟'' زونی نے پوچھا تو عروہ نے پھر نفی کی۔

''اچھی بھلی خوشی میں پریشانی ڈالنے یہ ویل وشر نجانے کہاں سے آٹپکا ہے۔ اب اس کا سراغ لگائیں یا شادی منائیں''۔

زونی نے آواز میں زمانے بھر کی لاچارگی ملا کر کہا ''یہ ویل وشر بدتمیز ہمارا موڈ خراب کر رہا ہے''

''خیر موڈ کیوں خراب ہوگا۔ بس سوچ رہی ہوں یہ ہمارے بارے میں کیسے جان کاری حاصل کر رہا ہے۔'' تبو کی بات دونوں بہنوں کے دل کو لگی۔

''چلو دفع کرو مجھے دکھاؤ آج کیا خریداری کی۔'' عروہ نے سر جھٹک کر موضوع بدلا تو زونی شاپرز اٹھا کر دکھانے لگی۔

☆☆☆

پھر بہ ظاہر تو عروہ نے بات بدل دی اور لاپروائی دکھائی لیکن اب اس کو اس ویل وشر نامی لڑکے کے متعلق تجسس ہو چکا تھا کہ آخر یہ ہے کون۔ اور وہ براہ راست سامنے آنے کے بجائے گفٹس دے کر کیا بتانا چاہتا ہے۔ سوال بہت سارے تھے لیکن جواب ندارد۔ اسی ادھیڑ بن میں تلبیہ کی شادی کا دن بھی آ پہنچا اور یہ بہنیں جو مایوں مہندی تک خوب بھنگڑے ڈال رہی تھیں شادی والے دن بہن کی رخصتی کے خیال سے رنجیدہ ہوگئیں۔

بس دو چار گھنٹوں بعد ان کی تکون کو ٹوٹ جانا تھا۔ تلبیہ بھی بھیگی آنکھیں بار بار صاف کر رہی تھی۔ اس کو دوری کا غم بھی ستا رہا تھا۔ محض سات دن بعد وہ دبئی جانے والی تھی۔ رخصتی کا وقت ہوا تو تینوں کے ضبط ایک ساتھ ٹوٹے۔ یہ دونوں بہنیں تبو سے لپٹ کر رو پڑیں۔ اماں بھی آبدیدہ تھیں۔

''تبو تمہارا میک اپ خراب ہو رہا ہے۔ بس کرو۔'' عروہ کو خود ہی احساس ہوا تو وہ دانستہ ہنس کر بولی۔

''میرے لینس بھی بہنے لگے ہیں ظالمو۔ اتر گئے تو اندھی ہو جاؤں گی۔'' زونی نے بھی دہائی دی تو تبو مسکرا دی۔ سعد ساتھ کھڑا بیگم اور سالیوں کو دیکھ رہا تھا۔

''سعد بھائی آپ میری بہن کو ہمیشہ خوش رکھیے گا۔'' عروہ نے اسے مخاطب کیا تو وہ مسکرا دیا۔

''فکر مت کریں میں آپ کی بہن کو ہمیشہ خوش رکھوں گا۔ ابھی بھی آپ ہی رلا رہی ہیں۔''

سعد نے ہشیاری سے نکتہ اٹھایا تو عروہ نے ناراضی سے دیکھا۔

''یہ وقت تو ہوتا ہی ایسا ہے جس میں ہر لڑکی روتی ہے۔''

اس نے ٹھنک کر کہا پھر دانستہ تبو سے تھوڑی دور جا کھڑی ہوئی کہ باوجود ضبط کے آنسو بہے ہی چلے جا رہے تھے۔ یہ سب اس وقت میرج ہال سے باہر کھڑے تھے۔ تبو کو بابا نے قرآن کے سائے میں گاڑی میں بٹھایا۔ تو عروہ دھندلی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا۔ معاً ہاتھ میں پکڑے سیل فون کی میسج بپ

بجی۔عروہ نے ان باکس کھولا۔
"پلیز اپنی خوب صورت آنکھوں پر ظلم ڈھانا بند کریں۔آپ کے رونے سے مجھے تکلیف ہورہی ہے۔"
"ویل وشر"
کسی اجنبی نمبر سے آیا میسج عروہ کو متحیر کرگیا۔
اس نے دھڑکتے ہوئے دل سے آس پاس نظریں دوڑائیں۔ہال کا احاطہ لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔برات کی گاڑیاں سست روی سے روڈ پر نکل رہی تھیں۔کچھ جانے انجانے چہروں کو بغور دیکھتے عروہ الجھن میں پڑ گئی۔برات کے رخصت ہوتے ہی ساری رونق ماند پڑ گئی تھی۔وہ دھیمے قدموں سے اماں اور زونیہ کے پاس آکھڑی ہوئی۔
"چلو تم لوگ گاڑی میں بیٹھو میں آتا ہوں۔"
بابا نے گاڑی کا لاک کھول کر کہا تو وہ تینوں اندر بیٹھ گئیں۔میرج بنکوئٹ ابھی بھی جگمگ جگمگ کررہا تھا لیکن اب اس کی روشنی بجھی بجھی ہوئی سی لگ رہی تھی۔اصل رونق تو تبو اپنے ساتھ لے گئی تھی۔گھر آکر بھی یہی احساس ہوا۔چینج کرکے دونوں بہنیں مشترکہ کمرے میں آکر بیڈ پر لیٹیں تو تبو کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔
"کس قدر عجیب سا احساس ہوتا ہے بہن کا پرایا ہوجانا۔"
عروہ بے اختیار کہہ بیٹھی تو زونی نے ایک سانس بھری۔پھر زونی تو کچھ دیر بعد بے خبر سوگئی مگر عروہ کو نیند نہ آئی کبھی تبو کے ساتھ بتائے دن رات آنکھوں کے آگے گھومتے کبھی دھیان اس "خیر خواہ" کی طرف چلا جاتا۔اسی طرح ساری رات بیت گئی۔

☆☆☆

پھر ولیمے کے بعد دن اتنی تیزی سے گزرے کہ تبو اپنے میاں کے ساتھ دبئی بھی سدھار گئی۔اس کے رخصت ہونے سے گھر میں جو ویرانی سی آگئی تھی اس کے دبئی چلے جانے سے اور گہری ہوگئی۔دونوں بہنیں عجیب سی بوریت محسوس کرتیں۔اسی دوران کالج کھل جانے سے جیسے یہ بہل سی گئیں۔۔اماں اب زونیہ کے رشتے کے لیے دوڑ دھوپ کرنے لگیں۔نجانے ان کو کیا جلدی لگی تھی بیٹیوں کو رخصت کرنے کی۔عروہ کو ویل وشر اور اس کے دیے گفٹ اب بھی الجھن کا شکار کردیتے تھے۔اس دن کے بعد کوئی میسج بھی نہیں آیا تھا جبکہ وہ لاشعوری طور پر منتظر تھی۔
انہی بے کیف دنوں میں رمضان شروع ہوگئے۔تو روزوں کی مصروفیت میں عروہ سب بھول بھال گئی۔
تبو نے اپنے ماں بننے کی خوش خبری بھی سنائی تو اماں بابا نہال سے ہوگئے اور زونی اور عروہ بھی خالہ بن جانے کے خیال سے بہت خوش ہوئیں۔گھر کی پہلی خوشی تھی سو بابا نماز ادا کرنے کے ساتھ مٹھائی لینے گھر سے نکلے۔اماں اور زونی صفائی ستھرائی میں لگ گئیں۔
عروہ بستر میں گھسی بور سی شکل بنائے سوچتی رہی کہ کاش ہمارے بھی ددھیالی ننھیالی رشتہ دار ساتھ ہوتے تو خوب رونق لگتی۔کبھی وہ ہمارے گھر آتے کبھی ہم ان کے گھر جارہے ہوتے۔
اپنے ہاتھوں سے مہندی جھاڑتے وہ مسلسل افسوس میں تھی۔
"بلی بلی۔" اتنے میں زونی اس کے نام کی گردان کرتی کمرے میں آئی۔
"کیا ہوا کتے پیچھے لگ گئے ہیں۔" عروہ نے بے زاری سے ٹوکا تو وہ ان سنی کرتی ایک پیکٹ اس کی طرف بڑھا کر مسکرانے لگی۔عروہ کو سمجھنے میں سیکنڈز لگے تھے۔
"ویل وشر۔" اس کے لبوں سے سرسراتا نکلا۔زونی نے زوروشور سے سر ہلایا۔
"ایک بچہ دے گیا۔"
"اف۔" عروہ نے سر پر ہاتھ مارا۔"منع کرتی نا۔"
"مجھے کیا پتا تھا اس میں گفٹ ہوگا۔" زونی نے ایک شاپر لہرایا۔"ویسے دیکھیں تو دیا کیا ہے۔" پھر وہ تجسس سے پیکٹ کھولنے لگی۔ایک خوب صورت ڈیزائنر سوٹ، ایک پرفیوم گلاب کی ادھ کھلی کلی اور وشنگ کارڈ۔

"ٹو مائی ببلی فرام یور علیان۔"

کارڈ پڑھ کر زونی نے بے اختیار عروہ کو دیکھا۔ عروہ خود اس نئے طرز تخاطب پر چونک اٹھی تھی۔

"اففف یہ ہے کون؟ اتنا رومانٹک بندہ۔" اب تو زونی کو بھی تجسس لگ گیا تھا۔

"اماں کو بتا ئیں کیا۔" زونی کے پوچھنے پر عروہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"وہ خوامخواہ پریشان ہوں گی"

"پھر۔۔"

"پھر کیا رکھ دو الماری میں۔" عروہ نے بے نیازی سے کہا تو زونی نے اس سے گھور کر دیکھا۔

"ان چیزوں کا نیلام گھر بنانا ہے جو جمع کرتی جارہی ہو۔"

"تو کیا گلی میں پھینک دوں۔" عروہ نے الٹا سوال کیا تو زونی نے گھور کر دیکھا۔ پھر اٹھ کر الماری کھولی اور اسے رکھ دیا۔

"اٹھو تم بھی ہاتھ منہ دھو کر تیار ہو جاؤ۔ عیدی تو مل ہی گئی ہے تمہیں۔" کمرے سے باہر نکلتے زونی نے ہانک لگائی تو عروہ نے مصنوعی آنکھیں دکھائیں اور پھر سے اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی جن پر رات کو سادی سی مہندی لگا کر سو گئی تھی۔ اور اب اس کا بہت خوش گوار رنگ نکلا تھا۔ اتنے میں موبائل تھرتھرایا تو عروہ نے اٹھا کر بٹن دبایا۔ انجان نمبر سے میسج تھا عروہ نے دھڑکتے دل سے کھولا۔

"اسلام علیکم! عید مبارک ہو۔ کیسی ہیں آپ۔ کافی دن سے رابطہ نہیں ہوا۔ یاد کیا مجھے؟"

میسج کے آخر میں اسمائلی ایموجی بنا تھا۔ عروہ عجیب سے احساسات میں گھر گئی۔ یوں لگا کئی دن سے گمشدہ کوئی چیز مل گئی ہو۔

"آپ کون ہیں؟" اس نے محتاط انداز میں ٹائپ کیا۔

"آپ سے یہ امید نہ تھی کہ آپ مجھے اتنی جلدی بھول جائیں گی۔" جوابی میسج کے ساتھ ایک اداس ایموجی بنا تھا۔ عروہ سوچ میں پڑ گئی۔

"آپ ہوٹل کا وہ چکنا فرش کیسے بھول سکتی ہیں جس پر آپ کا پاؤں پھسل گیا اور مجھے آپ کو تھامنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔"

یہ میسج کے پڑھتے ہی عروہ کی آنکھوں کے آگے وہ پرکشش لڑکا لہرا گیا۔ اور ساتھ ہی اس کا مہکتا لمس بھی یاد آیا۔

"گفٹس بھیجنے کا مطلب؟" عروہ نے ہونٹ دبا کر اسکرین پر ٹائپ کیا۔

"آپ کی توجہ حاصل کرنا۔" مسکین سے ایموجی کے ساتھ جواب آیا۔ "میں لینا چاہوں نہ چاہوں آپ دیتے جارہے ہیں۔" وہ روانی سے لکھنے لگی۔ آج ذہن سے "وہ کون ہے" کی الجھن سلجھی تھی۔

"میرا دل چاہتا ہے بس۔" آنکھ بند اور زبان نکلا ہوا ایموجی۔

"میں اجنبیوں سے تحائف لینا پسند نہیں کرتی۔" جملے کے ساتھ عروہ نے غصے والا ایموجی بھیجا۔

"اور میں جذبوں کے اظہار کا بہترین ذریعہ تحائف کو سمجھتا ہوں۔" سنجیدہ سے ایموجی کے ساتھ لکھا گیا۔

"میں بحث میں پڑنا نہیں چاہتی۔ یہ تحائف کا سلسلہ بند کیجیے اور ہاں میرا نمبر آپ کو کہاں سے ملا۔ اور میری سالگرہ کی تاریخ کیسے پتا چلی۔" عروہ نے ذہن میں کلبلاتے سوال کیے۔

"چاہ کی راہ میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہوتا ڈیئر ببلی۔" دل والے ایموجی کے ساتھ یہ جملہ عروہ کا دل دھڑکا گیا۔

"اس دن ابر آلود موسم میں کھڑکی سے سر ٹکائے بارش کے قطروں کو اپنی ہتھیلیوں میں جمع کرتی آپ۔۔۔ دوسری بار میرا چین برباد کر گئی تھیں۔" یہ سطریں فوراً ہی اسکرین پر نمودار ہوئیں تو عروہ کا دھڑکتا دل رفتار پکڑ گیا۔

"آپ میرے پڑوس میں رہتے ہیں۔" اس نے کمرے کی بند کھڑکی کو دیکھتے ٹائپ کیا۔

"میری ایسی قسمت کہاں۔۔۔ میرا دوست

یہاں رہتا ہے۔" جواب آیا تھا۔

"ارے تم ابھی تک بستر میں گھسی ہوئی ہو۔" زونیہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھے کمرے میں چلی آئی تو بلی نے فوراً موبائل بند کیا۔

"اٹھ رہی ہوں نا۔" وہ فوراً بستر سے نکلی تھی۔

☆☆☆

زندگی میں ایک دم ہی نیا پن در آیا تھا۔ علیان دن میں کئی بار اس کو میسج کیا کرتا اپنی روزمرہ کی چھوٹی چھوٹی باتیں۔ بریک فاسٹ ٹائم۔ یونی ٹائم۔ لنچ ٹائم جم ٹائم۔ اسٹڈی ٹائم۔

لمحہ لمحہ کی آگاہی۔

وہ سول انجینئرنگ کے تھرڈ ایئر میں تھا۔ اور ہاسٹل میں رہائش پذیر تھا۔ اکثر عروہ کے پڑوسی اور اپنے دوست کے گھر آتا رہتا۔ اسی دوست کے توسط سے اس نے ردا کی شادی اٹینڈ کی اور عروہ کو وہاں دیکھا۔۔۔ اور اسی گھر کی کھڑکی سے عروہ کو نجانے کب سے نظروں میں رکھے ہوئے تھا۔۔ شہزاد کا گھر ان سے کچھ فاصلے پر تھا۔ چونکہ ان کی فیملی گاؤں میں اور لڑکے تعلیم کی غرض سے یہاں رہتے تھے اسی لیے ان لوگوں کی اتنی جان پہچان نہ تھی۔ اور اب علیان نے کیسے نامحسوس انداز میں اس کو مرکز نگاہ بنا لیا۔ عروہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ بہرحال کوئی آپ کو چپکے چپکے دیکھتا ہے۔ پسند کرتا ہے۔ یہ احساس ہی بہت خوش کن تھا۔

وہ یونی میں پڑھتی تھی شروع سے کو ایجوکیشن رکھا۔ مگر اتنے لڑکوں میں کسی کو نہ پسند کیا نہ کسی کی پیش قدمی پر اس کی حوصلہ افزائی کی۔ ہمیشہ اپنے کام سے کام رکھا۔ لیکن علیان کے حوالے سے دل عجب لے پر دھڑکنے لگا تھا۔

اس نے زونی کو سارے میسجز دکھا دیے وہ بہنیں آپس میں کوئی پردہ نہیں رکھتی تھیں۔

اور زونی، تیو نہیں تھی جو فوراً ٹوک دیتی۔ وہ الگ مزاج کی لڑکی تھی میسجز دیکھ کر ہنستی رہی۔

☆☆☆

تو کہ ہے اجنبی سراسر
میری ذات کے لیے
پھر کیوں
کنکھیوں سے تکتے
رہنے کو تجھے یہ دل چاہے
ہر لحہ سوچتے رہنے کو
تجھے یہ دل چاہے
چاہتی ہوں اپنے تمام غم
تیرے گوش گزار دوں
تو جانے کو قدم بڑھائے تو
پیچھے سے آواز دوں
تری پرچھائی کو آنکھوں ں میں
بسا کر رکھوں
تجھ کو زمانے نگاہوں سے
چھپا کر رکھوں
تو کہ ہے اجنبی سراسر
میری ذات کے لیے
پھر کیوں۔۔

عروہ کو علیان کے پیغامات کی عادت سی ہو گئی تھی۔ وہ کبھی کبھار پڑوس کی ٹیرس پر بھی نظر آ جاتا تھا۔ عروہ کو دیکھتا تو ہلکا سا ہیلو کر دیتا اور بس۔۔۔۔ اس سے زیادہ کی نہ اس نے طلب کی نہ عروہ نے خواہش۔ اور نامحسوس انداز میں محبت ان کے درمیان آ بیٹھی تھی۔ وہ اس کی دید کے لیے بے قرار رہنے لگ گئی۔ اس کے میسجز اس کی زندگی کا حصہ بننے لگے۔

☆☆☆

"اس ویک اینڈ پر میں دوستوں کے ساتھ مری جا رہا ہوں۔" ایک دن اس نے میسج میں اطلاع دی تو عروہ نے ہیو آ سیف جرنی لکھ کر جہاز کا اسٹیکر بھیج دیا۔

"ان شاء اللہ اگلی بار تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ جواباً میسج آیا تو عروہ کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

"مذاق مت کریں۔" عروہ نے سنجیدگی سے ٹائپ کیا۔

"تم سے شادی کر کے بابا۔" ہنستا ہوا ایموجی

آن وارد ہوا۔
"تعلیم مکمل کر کے تمہارے گھر رشتہ بھیجوں گا اس سے پہلے کہیں شادی مت کر لینا۔" یہ میسج پڑھ کر عروہ کو عجیب سی خوشی ہوئی۔
"حالانکہ ہماری فیملی میں باہر شادیاں نہیں کی جاتیں پھر بھی میں تمہارے لیے آخری حد تک جاؤں گا۔" دوسرا جملہ پڑھتے ہی بیلی کا منہ اتر سا گیا۔
"مجھے نہیں کرنی ایسی شادی جو جنگ سے شروع ہو اور ویرانی پر ختم ہو۔" عروہ نے غصے سے لکھا۔ اپنے والدین کی مثال اس کے سامنے تھی جو محبت کا جرم کر کے معیوب ٹھہرے تھے۔ دونوں کا ملن ان کی زندگی میں ہمیشہ کی تنہائی لے آیا تھا۔ دونوں ہی اپنے خاندان سے کٹ کر بہ ظاہر مطمئن مگر اذیت ناک زندگی گزار رہے تھے۔
"ایسا مت کہو عروہ۔۔۔ میں تمہیں اپنی عزت بنانا چاہتا ہوں۔ تین مہینے ہو گئے ہمیں میسج پر بات کرتے۔ کیا میں نے تم سے ملاقات کا تقاضا کیا؟ یا کسی اور طرح سے تمہیں تنگ کرنے کی کوشش کی؟ مجھے تم سے ٹائم پاس نہیں کرنا ڈیئر۔ اور محبت کی ہے تو جنگ تو کرنی پڑے گی۔" علیان کی بات دل کو لگی تھی۔ عروہ کئی ساعتوں تک کچھ نہ کہہ سکی۔

☆☆☆

پھر ویک اینڈ پر وہ اس سے یوں مس کر رہی تھی۔ جیسے وہ اس کے ساتھ ہی رہتا آیا ہو۔ مری جانے سے پہلے ایک میسج کر گیا تھا اور اب اتنے دن سے کوئی بات نہیں کی تھی۔
شاید دوستوں میں مصروف ہو گا۔ عروہ نے خود کو تسلی دے کر سوچوں کو جھٹکا اور بابا کو دیکھا جو میکینک سے موٹر وغیرہ ٹھیک کروا کر فارغ ہوئے تھے۔
"بابا چلیں فیئر مارٹ سے گروسری وغیرہ لے آئیں۔" اتنے میں زونیہ ہاتھ میں سودے کی لسٹ لیے چلی آئی۔
"ہاں بیٹا ذرا ٹھہر کر چلتے ہیں۔ بابا کے چہرے سے تھکن واضح تھی۔
"زونی آج چھوڑو کل چلی جانا۔ ان کی طبیعت اچھی نہیں۔" اماں پانی کا گلاس بابا کو دے کر بولیں۔
"ارے نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔" بابا نے تسلی دی۔
"میں بھی چلتی ہوں۔" عروہ نے لایعنی سوچوں سے فرار کی خاطر فوراً دوپٹا اوڑھا اور ان کے ساتھ کار میں آ بیٹھی۔
"بیٹا بابا کا دھیان رکھنا۔ صبح سے بلڈ پریشر ہائی ہے۔" اماں نے بیٹیوں کو ان کا خیال رکھنے کا کہا تو دونوں نے فرمانبرداری سے سر ہلا دیا۔

☆☆☆

گروسری شاپنگ کرنے میں ہی ڈیڑھ گھنٹہ لگ گیا پھر زونی ملازم کے ساتھ مل کر باہر گاڑی میں سامان رکھوانے لگی اور عروہ بابا کے ساتھ دھیرے دھیرے مارٹ کی سیڑھیاں اترنے لگی۔
بابا کا ہاتھ عروہ کے ہاتھ میں تھا۔ اچانک اس سے کچھ غیر معمولی محسوس ہوا تو اس نے بابا کو دیکھا جو پسینے میں نہائے ہوئے تھے اور انہوں نے کسی اذیت کو ضبط کرنے کی خاطر لب بھینچ رکھے تھے۔
"بابا آپ ٹھیک تو ہیں۔" عروہ نے گھبرا کر پوچھا تو انہوں نے نفی میں سر ہلایا اور وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ "بابا پانی پلاؤں۔ گرمی لگ رہی ہے آپ کو۔" اس نے بیگ میں پانی کی بوتل کھنگالی جو جلدی میں ہاتھ نہیں آ رہی تھی۔ عروہ نے سارا بیگ ہی الٹ دیا۔ "بابا یہ لیں پانی پی لیں۔" اس نے کہہ کر پھر خود ہی ان کے ہونٹوں سے بوتل لگائی۔
"زونی ادھر آؤ بابا کی طبیعت ٹھیک نہیں۔" وہ چیخ کر بولی تو زونی دوڑی آئی۔ "ان کو ہسپتال لے کر چلیں۔"
"باجی ایمبولینس کو کال کریں۔" مارٹ کے ملازم نے مشورہ دیا۔ تو زونیہ نے لرزتے ہاتھوں سے کال ملائی۔ پھر ایمبولینس کے آنے تک وہ وہیں سیڑھیوں پر بابا کے ٹھنڈے ہوتے ہاتھ پیر مسلتی رہیں۔
ایمبولینس کے آتے ہی زونی نے بیلی کو اس میں بابا کے ساتھ بٹھایا اور خود اپنی کار ڈرائیو کر کے

پیچھے لے چلی۔ بابا اپنا سینہ مسل رہے تھے ان کی سانسیں تیز چل رہی تھیں۔عروہ نے ان کا سر اپنی گود میں رکھا ہوا تھا۔ وہ مسلسل قرآنی آیات کا ورد کر رہی تھی آنسو تواتر سے گالوں پر پھسل رہے تھے۔ وہ جلد از جلد ہسپتال پہنچنا چاہتی تھی۔ لیکن ہسپتال کے احاطے میں پہنچ کر جیسے ہی ایمبولینس رکی تو انہوں نے عروہ کی گود میں آخری ہچکی لی۔ عروہ نے بے یقینی سے بابا کے ساکت وجود کو دیکھا۔ اور زونی کو پکارا۔ زونیہ فوراً کار سے باہر نکلی اور ایمبولینس کے کھلے دروازے سے بابا پر جھک گئی۔

"نہیں بابا کو کچھ نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹر میرے بابا کو چیک کریں۔"

اس کے حواس معطل ہو گئے پاس سے گزرتے ڈاکٹر کا بازو پکڑ لیا۔ وہ فوراً آیا۔ بابا کی نبض ٹٹولی۔ دھڑکن چیک کی۔ پھر مایوسی سے سر نفی میں ہلایا۔

ان دونوں بہنوں کی جیسے دنیا لٹ گئی۔ عروہ وہیں رونے لگی۔ زونیہ نے بابا کو زور سے ہلانا شروع کر دیا۔

"بابا پلیز ہوش میں آئیں۔ بابا اٹھیے نا۔" وہ التجا کرتی رہی لیکن بابا خاموش ہو چکے تھے۔ گھر پر اماں نے جو ان کو ایمبولینس میں آتا دیکھا تو کلیجہ پکڑ لیا۔ پھر بابا کی میت دیکھ کر وہ کٹی شاخ کی طرح گر گئیں۔ محبت کرنے والا ساتھی اچانک ہی دنیا چھوڑ کر ان کو اکیلا کر گیا تھا۔

وہ جتنا روتیں کم تھا۔ ہنستا کھیلتا گھر ایکدم ہی ماتم کی فضا میں تبدیل ہو گیا تھا۔ تلبیہ کو اطلاع دی تو وہ دبئی میں تڑپ اٹھی اس کا جلدی آنا ممکن نہیں تھا۔ وہ بیڈ ریسٹ پر تھی۔ گھر میں آس پڑوس کی عورتیں جمع ہونے لگی۔ اچانک غم میں ڈوبی اماں کو کچھ خیال آیا انہوں نے زونیہ کو کہہ کر موبائل سے کسی کو بابا کی وفات کی اطلاع دی۔ عروہ نے سوالیہ نظروں سے ان کو دیکھا۔

"بیٹا تمہارے بابا کی وصیت تھی کہ ان کو ان کے آبائی قبرستان میں دفنایا جائے اور ان کی وصیت کے مطابق مجھے تمہارے ددھیال فون کر کے بتانا ضروری تھا۔" اماں نے سرخ آنکھوں سے جواب دیا۔

پھر چند ہی گھنٹوں میں بابا کے اپنے ان کو لینے چلے آئے۔ وہ چار تنومند سانولے سلونے مرد جو بابا کی طرح پر کشش دکھتے تھے۔ روایتی شلوار قمیص میں ملبوس تھے۔

کاندھوں پر اجرکیں ڈالے بابا کی میت کے قریب بیٹھ کر اداسی سے ان کا چہرہ دیکھتے رہے ۔۔۔۔ پھر تین تو بابا کو آخری آرام گاہ میں پہنچانے کا انتظام کرنے اٹھ گئے باقی ایک دزدیدہ نظروں سے گھر اور اہل خانہ کا جائزہ لیتا رہا۔ اماں اور یہ بہنیں سر جھکائے دکھ کی تصویر بنی بیٹھی تھیں جب وہ قدرے عمر رسیدہ مرد ان کے قریب چلا آیا۔

"بھاجائی جو ہوا برا ہوا۔۔۔ ادا سائیں اب خدا کے پاس چلے گئے ہیں سو اب کچھ کہنا بے کار ہے۔" اس مرد نے تمہید باندھی تھی۔ "جانے والا تو چلا گیا۔ اب مسئلہ پیچھے رہ جانے والوں کا ہے۔" وہ گہری نظر ان تینوں پر ڈال کر بولا۔

"ہمیں معلوم ہے۔ ادا سائیں اولاد نرینہ سے محروم ہیں۔ اور ان کے جانے بعد کسی مرد کے بغیر آپ کا اس گھر میں رہنا اچھی بات نہیں۔۔۔۔ ہمیں کسی طور یہ منظور نہیں کہ ہمارے بھائی کی لڑکیاں اکیلی زمانے کے دھکے کھائیں۔ اسی لیے ہم اپنی بھتیجیوں کو بھی اپنے ساتھ حویلی لے جائیں گے۔" اس آدمی نے جو یقیناً ان کا سگا چچا تھا ایکدم فیصلہ سنایا تو وہ بری طرح چونکیں۔ اماں نے بھی ہراساں ہو کر دیکھا۔

"لیکن ہمیں آپ کے ساتھ نہیں جانا۔۔۔۔ زندگی میں پہلے آپ کی شکل دیکھی نہ کبھی آپ کا نام سنا اور اب اچانک آپ لوگوں کے ساتھ چل پڑیں۔"

عروہ نے اونچی آواز میں غصے سے کہا تو وہ ناگواری سے۔۔۔ اسے دیکھنے لگے۔ "اتنا پیار تھا آپ کو اپنے بھائی سے۔۔۔ تو کیوں ان کو خود سے کاٹ پھینکا۔ ساری زندگی بابا خوشی کے ہوتے بھی اداس رہے صرف آپ لوگوں کی وجہ سے۔ ان کو دل کا عارضہ

بھی اپنوں کی بے مروتی نے دیا۔ اور اب آپ ان کے جانے کے بعد آئے ہیں ہمارے سر پر ہاتھ رکھنے۔۔۔ہمیں ضرورت نہیں آپ کی ہمدردی کی۔"

وہ تنفر سے مزید کہتی رہی تو زونی نے ہاتھ دبا کر اس کو گھر میں لوگوں کی موجودگی کا احساس دلایا۔

"بڑوں کے سامنے اونچا نہیں بولتے۔۔۔ یہ تمہیں کسی نے نہیں سکھایا۔۔۔رہی بات ادا سے ناراضی کی تو وہ معاملہ تمہارا نہیں۔۔۔اور اس نا انصافی کا مداوہ ہم کر رہے ہیں تم عورتوں کو پورا تحفظ فراہم کر کے۔ ادا کے نام سیکڑوں ایکڑ اراضی تم بہنوں میں برابر تقسیم کریں گے۔"

وہ ٹھہر ٹھہر کر بولے تو عروہ نے پہلو بدلا۔ "اور ۔۔۔ میں بھاجائی سے مخاطب ہوں تم کل کی بچی سے نہیں۔۔۔ ہاں تو بھاجائی اپنا ضروری سامان سمیٹو اور چل کر حویلی میں اپنی عدت گزارو۔" وہ رعب سے کہہ کر پلٹ گئے تو عروہ اور زونی چلبلا گئیں۔

"اماں یہ کیا ہو رہا ہے۔ ساری زندگی آپ کا وجود جن لوگوں نے برداشت نہیں کیا۔۔۔ اب وہ کیوں ہمیں اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں۔" عروہ نے بے قراری سے ماں کو دیکھا جو سر جھکائے آنسو بہا رہی تھیں۔

"بیٹا میں کس برتے پر جانے سے انکار کروں ۔۔۔ تمہارے بابا کے بعد کون سا مرد رہ گیا ہے اس گھر میں۔۔۔ جو ہم عورتوں کو اپنا تحفظ دے۔۔۔ یہ معاشرہ اکیلی عورتوں کو جینے نہیں دیتا۔ میں کیسے تم جوان بچیوں کو ان گدھوں سے بچاپاؤں گی جو تمہارے بابا کے بعد ہماری طرف جھپٹیں گے۔" اماں ہچکیوں سے رونے لگیں تو عروہ ایک دم خاموش ہو گئی۔ اور فیصلہ تو ہو ہی گیا تھا۔

سو یہ بہنیں چپ چاپ اپنا ضروری سامان سمیٹنے لگیں۔

زونی میرا موبائل۔۔۔" عروہ کو کہیں بھی اپنا موبائل مل کر نہ دیا تو اس کو مارٹ کی سیڑھیوں پر اپنا بیگ کھنگالنا یاد آ گیا۔

کئی چیزوں کے ساتھ موبائل بھی وہیں سیڑھیوں پر گر گیا شاید۔۔۔

وہ سوچنے لگی۔ موبائل کے ساتھ ہی اس کو علیان یاد آیا تو بہتے آنسو رفتار پکڑ گئے۔ "آج بہت برا دن تھا۔۔۔"

بابا کی میت کو پھر سے ایمبولینس میں رکھ کر یہ بہنیں اماں کے ساتھ کرولا کار میں جا کر بیٹھ گئیں۔ صبح تک ان کی باتوں سے مہکتا گھر اب بڑے سے تالے کے ساتھ مقفل پڑا تھا۔

عروہ نے ڈبڈبائی آنکھوں سے آخری نظر اپنے پیارے گھر پر ڈالی اور سر جھکا لیا۔

☆☆☆

ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت طے کر کے گاڑی ایک بڑی حویلی کے سامنے آ رکی۔ یہ تینوں شیشے کے پار اس پر شکوہ عمارت کو دیکھنے لگیں۔ جس سے بابا کی زندگی میں دیکھنا نصیب نہ ہوا تھا۔۔۔ ہم اکثر مرنے کے بعد انسانوں اور ان سے وابستہ ہستیوں کی قدر کرتے ہیں۔ عروہ نے اذیت سے سوچا۔ بڑے سے پھاٹک کے کھلتے ہی گاڑی برق رفتاری سے اندر داخل ہوئی۔

حویلی اندر سے بھی بہت شاندار تھی۔ یہ تینوں نپے تلے قدم اٹھاتی چاچا کی معیت میں بڑے سے ہال کمرے میں داخل ہوئیں۔ یہاں زمین پر چاندنیاں بچھی ہوئی تھیں اور کافی عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ کچھ کے ہاتھ میں سپارے تھے۔ وہ ماں بیٹیاں بھی وہیں بیٹھ گئیں۔ اتنے میں بابا کے آخری دیدار کا بلاوہ آ گیا۔ گھر کی دوسری عورتوں کے ساتھ وہ دونوں بھی باہر آئیں۔ مرد حضرات کو ایک طرف کر دیا گیا تھا۔ دونوں نے بین کرتے دل کے ساتھ سفید کفن میں لپٹے باپ کو دیکھا۔ آنسو بے آواز بہہ رہے تھے۔

چند منٹ بعد میت اٹھا کر لے گئے تو یہ بہنیں ایک دوسرے سے لپٹ کر شدت سے رو دیں۔ چاچا پھر ان کو اندر لے آئے۔ جہاں اماں ایک معمر خاتون کے پاس بیٹھی تھیں جو بادامی رنگ کا لباس پہنے ہاتھ میں تسبیح اٹھائے ہوئے تھیں۔ انہوں نے چشمے کی

اوٹ سے بغور ان دونوں کو دیکھا۔

آؤ میرے پاس بچیوں۔۔۔انہوں نے اپنی بانہیں پھیلا دیں تو وہ باری باری ان کے وجود میں سما گئیں۔ان خاتون سے بابا کی مہک آرہی تھی۔

''میرے عمادالدین کی نشانیاں میرے بچے کا خون۔'' وہ آبدیدہ ہو کر انہیں چومتی رہیں۔بابا کے نام پر یہ بہنیں بھی سسک اٹھیں۔

''یہ تمہاری دادی ہیں۔'' اماں نے آنکھیں پونچھتے تعارف کروایا۔

''کیسی ہو امامہ۔'' دو عورتیں آکر اماں سے ملنے لگیں۔''یہ ہیں ادا کی بچیاں۔'' وہ غور سے ان کو دیکھنے لگیں۔

''میں تائی ہوں تمہاری اور یہ چاچی۔'' فربہی مائل قدرے سانولی عورت نے تعارف کروایا۔

''یہ تو تم پر پڑی ہے امامہ گوری چٹی اور حسین۔'' دوسری نے عروہ کو دیکھ کر کہا جو روتا گلابی چہرہ لیے کھڑی تھی۔

☆☆☆

زندگی نے ایکدم ہی اپنا نیا چہرہ دکھایا تھا جو بالکل انجان تھا۔۔۔اتنی بڑی حویلی اور اس میں بستا ان کا ددھیال۔۔۔دادی۔تایا تائی۔چاچے چاچیاں۔کزنز۔۔۔وہی سب رشتے جن کے لیے کبھی یہ بہنیں آہیں بھرا کرتیں۔اچانک ہی ان کی جھولی میں آگرے تھے۔لیکن ایک سب سے پیارے اور جان سے عزیز رشتے کے بچھڑ جانے کے بعد۔۔۔

اماں کمرے میں بند عدت کے دن پورے کر رہی تھیں تو ان بہنوں کو بھی حویلی میں پھرنے کا شوق نہ تھا۔یہ بھی اداس سی ایک طرف بیٹھی رہتیں۔پہلے پہل چند کزنز لڑکیوں نے بے تکلف ہونے کی کوشش کی مگر ان بہنوں کے تکلف کو دیکھ کر وہ دور ہٹ گئیں اور پھر حویلی میں مشہور ہو گیا کہ عمادالدین کی شہری لڑکیاں بہت مغرور اور خود پرست ہیں۔۔۔یہ باتیں عروہ اور زونی کے کانوں میں بھی پڑتیں لیکن وہ پروانہ کرتیں۔ان کے بابا کی زندگی میں ان کو قبول نہ کرنے والے رشتے ان کی موت کے بعد ان بہنوں کے لیے بے معنی تھے۔

عروہ کو ان دنوں علیان بھی بہت شدت سے یاد آیا کرتا۔۔۔معلوم نہیں وہ اس کے بارے میں کیا سوچتا ہوگا۔ان کے درمیان ایک ہی رابطے کا ذریعہ تھا جو بلی کے موبائل کے ساتھ ختم ہو چکا تھا۔

☆☆☆

دن یونہی بے کیف گزر رہے تھے کہ ایک دن دادی اور چاچی اماں کے پاس چلی آئیں۔

''امامہ۔۔میں نے ان بچیوں کے رشتے اپنے پوتوں سے طے کرنے کا ارادہ کیا ہے۔گھر کے مردوں سے بھی مشورہ لیا ہے۔فی الحال زبانی بات پکی کرنے آئی ہوں۔باقی منگنی وغیرہ تمہاری عدت کے بعد کرلیں گے۔'' وہ جیسے حتمی فیصلہ کرکے آئی تھیں اور اب ہر صورت اماں کی ہاں چاہتی تھیں۔اماں نے اچنبھے سے انہیں دیکھا۔۔لبوں سے کچھ کہنا چاہا کہ وہ بول اٹھیں۔

''کوئی کمی نہیں میرے پوتوں میں۔پڑھے لکھے۔خوبرو۔اتنی زمینداری والے۔نہ نشے کی لت نہ زنانی کی۔عیش کریں گی بچیاں۔'' انہوں نے فخر سے گنوایا۔

''لیکن میں ماں ہوں بچیوں کی۔۔مجھے لڑکوں کو دیکھ بھال تو لینے دیجیے۔'' وہ بول اٹھیں تو دادی نے ہاتھ سے مکھی اڑائی۔

''دیکھ لینا جب آئیں گے بڑی عید کی چھٹیوں پر۔۔۔ہیرے ہیں میرے پوتے۔کوئی عام لڑکے نہیں۔ویسے بھی دینی تو تمہیں لڑکیاں اسی خاندان میں ہیں کہ ہماری روایت نہیں غیروں میں رشتہ جوڑنے کی۔یہ عمادالدین ہی تھا جو روایتوں کا منکر نکلا ورنہ نئی نسل کی بھی مجال نہیں خاندان سے نکل کر نکاح کرنے کی۔'' دادی کے آخری جملوں نے اماں کو تکلیف پہنچائی۔ان کی آنکھیں چھلکنے لگیں۔

''اور لڑکیوں کی مرضی؟'' ان کی بات پر دادی

نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"کیسی مرضی۔۔۔ان کے سرپرست اب ہم ہیں۔ میں اور اللہ زندگی دے ان کے تایا چچا۔ ہم نے سوچ سمجھ کر ہی فیصلہ کیا ہے۔ تم لوگ شہر میں نہیں ہو امامہ۔۔ ہماری حویلی میں ہو اور اب تم لوگوں کو اسی حویلی کے طور طریقوں کے ساتھ چلنا ہے۔" دادی کی لرزتی آواز میں عجیب سی گرج تھی۔

"یہ لو منہ میٹھا کرو اور بچیوں کے اچھے رشتے ملنے پر خدا کا شکر ادا کرو۔ وہاں دو کمروں میں بیٹھی رہتیں تو کون بن باپ کی بیٹیوں کو بیاہنے آتا۔"

انہوں نے ایک گلاب جامن اماں کے منہ میں ڈالا تو انہوں نے اشکوں کے ساتھ بمشکل نگلا۔ پھر دادی چاچی کے سہارے لاٹھی ٹیکتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

"اماں یہ دادی آج آپ کے پاس کیوں آئی تھیں۔" عروہ جو کمرے میں آرہی تھی دادی کو نکلتے دیکھ کر حیران ہوئی۔

"تم دونوں کی اپنے پوتوں کے ساتھ بات پکی کر کے گئی ہیں۔" اماں نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بتایا تو عروہ نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔

"ہماری مرضی کے بغیر۔۔۔ آپ نے ہاں کیسے کہہ دی۔" وہ غصے سے کہتی ماں کے سامنے آ بیٹھی۔

"انہیں تم دونوں کی مرضی سے مطلب نہیں ہے۔۔۔ نا ہی وہ میری ہاں کی منتظر تھیں۔ وہ صرف فیصلہ سنانے آئی تھیں سو سنا گئیں۔" اماں کی آواز پر آنسو غالب آگئے۔

"اماں ہمیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔۔۔ یہ غلط سلط فیصلے زبردستی ہم پر تھوپ رہے ہیں۔ مجھے شادی نہیں کرنی۔ آگے پڑھنا ہے۔" عروہ بے اختیار چیخ اٹھی۔

"بیٹا قسمت میں یہی لکھا تھا۔ ان کی وصیت پوری نہ کرتی تو قیامت میں وہ میرا دامن پکڑتے۔۔۔ مجھے شوہر کی رضا کا پاس رکھنا تھا۔" وہ یاسیت سے بولیں۔

"لیکن ان کو ہمیں کھونٹے سے باندھنے کی جلدی کیا ہے گائے بھینس سمجھ رکھا ہے کیا۔" زونی جو عروہ کے پیچھے ہی آئی تھی اپنے انداز میں بولی۔

"یہ اس لیے بہنا کہ بابا کے نام جو زمینیں ہیں وہ ان کے انتقال کے بعد ہمیں ملنی ہیں۔ سو وہ یہ زمینیں اپنے پاس ہی رکھنا چاہتے ہیں۔" عروہ دور کی کوڑی لائی تو زونی سوچ میں پڑ گئی۔

"خاوند کا سایہ سر سے اٹھ جائے تو عورت بڑی بے مایا ہو جاتی ہے۔" اماں نے افسردگی سے آہ سی بھری تو دونوں بہنوں نے ان کے ٹوٹے لہجے کو شدت سے محسوس کیا۔ "وہ لڑکے شہر میں زیر تعلیم ہیں۔ خدا کرے اخلاق و کردار کے اچھے ہوں۔ عید کی چھٹیوں پر حویلی آئیں گے دیکھ لوں گی پھر۔۔۔ ویسے یہ عزت دار لوگ ہیں بس کچھ روایات کے پابند ہیں۔ باقی ان کے مردوں میں کوئی برائی نہیں۔ تمہارے بابا تو ہمیشہ تعریف ہی کرتے تھے اپنے خاندان کی۔" اماں ان سے زیادہ خود کو ہی تسلی دے رہی تھیں۔

تو کہ ہے اجنبی سراسر
میری ذات کے لیے
پھر کیوں۔۔۔
میں چاہنے لگی ہوں
ایسی باتیں
ہو نہیں سکتی پوری
یہ مانا جاتیں
تو میری دسترس سے
دور اتنا ہے
صحرا سے پرے
سمندر جتنا ہے
یہ جاننے کے باوجود
ماننے سے ہے
انکاری میرا وجود

علیان کی یاد ایک اذیت بن کر عروہ کو چمٹ گئی تھی۔ جب سے دادی کا فیصلہ سنا تھا دل چاہ رہا تھا کہ کسی طرح پر لگ جائیں اور وہ اڑ کر اس کے پاس جا

پہنچے جو اس کے دل کی پہلی طلب بن گیا تھا۔ بہ ظاہر حالات اس کے حق میں ناموافق سہی مگر خدا کے ہاتھ میں تو ہر طرح کا اختیار ہے وہ چاہے تو معجزہ کر دے۔ یہی سوچ کر وہ سجدوں میں گڑگڑانے لگی۔ اس کے برعکس زونی اتنی بے قرار نہ تھی کہ اس کا دل اس سے قبل کسی کا طلب گار نہ تھا۔

"یہ محبت بھی کیا ظالم شے ہے جو زندگی کو سکون سے خالی کر دیتی ہے"۔ عروہ نے اس کو دیکھ کر سوچا تھا۔

☆☆☆

پھر ذالحج کا مبارک مہینہ شروع ہوا تو بڑی حویلی میں ہلچل سی مچ گئی۔ سب دور دیس رہنے والے حویلی میں جمع ہونے لگے۔ وہ نئی پود جو تعلیم کی غرض سے شہروں میں مقیم تھی۔ وہ گھر کی بیٹیاں جو دوسری جگہ بیاہی گئی تھیں۔ وہ مرد حضرات جو شوقیہ نوکری کی وجہ سے فیملی کے ساتھ حویلی چھوڑے ہوئے تھے۔ بابا کی وفات کے سبب بقول چاچی عید سادگی سے گزر رہی تھی لیکن افراد خانہ کے بڑھ جانے سے فطری طور پر حویلی کی رونق عروج پر پہنچ چکی تھی۔ اس سے اندازہ ہوا کہ بس غیر خاندان میں شادی ہی سب سے بڑا جرم ہے باقی ہر چیز کی شخصی آزادی سب کو حاصل تھی۔ کوئی شہر میں پڑھنا چاہے۔ کہیں باہر جاب کرنا چاہے حتیٰ کہ حویلی سے نکل کر کسی اور جگہ رہنا چاہے۔۔۔ کھلی اجازت حاصل تھی۔

اور بابا نے یہی ناقابل معافی جرم کیا تھا۔ جس کی بدولت ان کو تا حیات حویلی سے دربدر کر دیا گیا۔ سنا تھا کہ ان کی بچپن کی منگ بھی اب بال بچے دار تھی۔ اور دیار غیر میں رہتی تھی۔ سو اپنوں سے جدائی خواہ مخواہ ہی بابا کا مقدر بنا دی گئی۔ عروہ نے کھڑکی سے نظر آتے بڑے سے باغ کو دیکھ کر سوچا جہاں کافی ینگ جنریشن دکھائی دے رہی تھی اور وہیں ایک طرف احاطے میں قربانی کے بکروں کو باندھا جا رہا تھا۔

"کیا دیکھ رہی ہو عروہ۔ ان لڑکوں میں کہیں منصب علی کو تو نہیں ڈھونڈ رہیں۔ زونی نے اس کا ارتکاز توڑا تو اس کی بات پر عروہ نے اسے گھورا۔" وہ نیوی بلو پینٹ شرٹ میں عبید علی ہے۔ یونیورسٹی سے ایم بی اے کی تعلیم مکمل کر رہا ہے۔ گڈ لکنگ ہے نا۔ شکر میری پریشانی دور ہوئی ورنہ میں تو سوچ رہی تھی نجانے کس کے ساتھ دادی نے نصیب پھوڑا ہے۔"

زونی کھلکھلائی تو عروہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"تمہیں یہ نالج کس نے دی۔"

"وہ نادی (کزن) ہے نا جس کو بولنے کا خبط ہے اسی نے بتایا بلکہ دکھایا۔"

"اچھا۔" عروہ بے آرام ہوئی۔

"ہاں اور اسی نے بتایا کہ عبید تو راضی ہے مگر منصب علی اس رشتہ پر خوش نہیں۔ وہ دادی اور چاچا وغیرہ سے ناراض ہو گیا ہے کہ اس کی مرضی کے بغیر یہ رشتہ کیوں جوڑا گیا۔"

زونی کی بات پر عروہ کو خوش گوار حیرت ہوئی۔

"ایسا کہا اس نے۔"

"ہاں وہ کہتا ہے میں کہیں الو ہوں۔ دادی اور چاچا نے اس کو دھمکی دی ہے کہ تمہیں ہر حالت میں یہیں شادی کرنی ہے۔ ورنہ ہمیں چھوڑنا ہوگا۔"

زونی نے مزید بتایا تو عروہ کو اس ان دیکھے لڑکے سے ہمدردی سی ہوئی جو اس کی طرح دل کے ہاتھوں مجبور تھا لیکن مثبت بات یہ کہ اپنے حق کے لیے لڑ رہا تھا جو عروہ نہ کر سکی تھی۔

"اللہ کرے اسے اپنی محبت مل جائے۔ آمین۔" عروہ نے دل سے دعا کی۔

☆☆☆

اور اب۔۔۔ کل صبح بابا کے بغیر پہلی عید ہوگی۔۔ بابا کے بنا عید۔۔۔

یہ سوچ اتنی اذیت ناک تھی کہ عروہ نے بستر پر لیٹے لیٹے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔ ہر عید پر وہ سب سے پہلے بابا سے عید ملتی۔ پھر اپنا حنائی ہاتھ ان کے آگے پھیلا کر عیدی کا مطالبہ کرتی۔ وہ بے ساختہ پہلے تو عروہ کی ہتھیلی چومتے پھر اس کی فرمائش کے مطابق کڑکتے ہرے نوٹ اسے تھماتے۔

"اور اب کیا وہ دن دوبارہ لوٹ کر نہیں آ سکتے؟

عروہ نے اشک بہاتے سوچا۔ پھر اس کو علیان یاد آیا۔ جو ہر موقع پر اس کو سرپرائز گفٹ دے کر حیران کیا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ کی گئی تمام گفتگو۔ اس کا کبھی کبھار دور سے دیکھنا۔

''اور یہ محبت ہمیشہ جدائی میں ہی کیوں اپنا آپ منواتی ہے۔ اس سے پہلے یہ کہاں سوئی رہتی ہے؟'' عروہ نے شدت سے لب کاٹے۔ رات کے اس پہر جب سب آرام کر رہے تھے وہ بے آرام تھی۔ بستر پر کروٹ پر کروٹ بدل رہی تھی۔۔ دل آج ساری حدیں توڑ کر چپکے سے فرار کی خواہش کر رہا تھا۔ وہ دل کی منہ زوری پر گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔

کمرے کی فضا آکسیجن سے خالی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ سلیپر پاؤں میں اڑس کر باہر نکل آئی۔ بارہ ایک بجے تک افراد خانہ کے شور و غل سے گونجتی حویلی رات کے تین بجے جیسے اونگھ رہی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی باہر باغ میں چلی آئی۔ کچھ فاصلے سے لگی سرچ لائٹس نے اندھیرے کو کسی حد تک کم کر دیا تھا۔ ہوا بھی خوش گوار چل رہی تھی۔ احاطے میں بندھے بکرے مخصوص آوازیں نکالتے سکوت کی جھیل میں ہلچل مچا رہے تھے۔ وہ نسبتاً نیم اندھیرے میں رکھی ایک سنگی بینچ پر آ بیٹھی۔ کھلے آسمان پر چمکتا نو تاریخ کا چاند بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ وہ محویت سے اس سے دیکھے گئی۔

''کیا معلوم علیان کی راتیں بھی میری طرح بے چین گزرتی ہوں۔ کیا معلوم وہ بھی میری طرح چاند کو تکتا ہو۔ یا پھر۔۔ اس نے مجھے محض ایک خواب سمجھ کر بھلا دیا ہو۔ یہ زہریلی سوچ آتے ہی'' عروہ نے جھرجھری سی لی اور چاند سے نظر ہٹالی۔ دفعتاً اس نے کسی احساس کے تحت گردن موڑ کر دیکھا تو بینچ کے دوسرے کونے پر کسی انسانی وجود کی موجودگی اس سے چونکا گئی۔ نیم اندھیرے میں وہ جو بھی تھا موبائل پر جھکا ہوا دکھائی دیا۔ عروہ کے ہاتھ پیر سنسنا اٹھے۔ اس نے فوراً اٹھ کر بھاگنا چاہا مگر ٹانگیں فریز ہو گئیں۔

''آپ کے مطلوبہ نمبر سے جواب موصول نہیں ہو رہا۔''

خاموشی کو توڑتی موبائل کی ریکارڈنگ سنائی دی تو اس بندے نے موبائل گھاس پر دے مارا اور سیدھا ہو بیٹھا۔ عروہ نے جلدی سے رخ پھیر لیا اس بندے نے اسی پل عروہ کو دیکھا تھا۔

''آپ کون ہیں۔ اور اتنی رات کو یہاں کیا کر رہی ہیں۔'' بھاری آواز عروہ کا دل دھڑ کا گئی۔

''میں عروہ۔'' وہ رخ موڑے بنا بولی۔

''اوہ تو آپ ہیں میری وہ سو کالڈ کزن۔ جس کا نام بھی میں نے پہلے نہیں سنا تھا۔'' وہ استہزائیہ ہنسا۔

"اور اب آپ سے نکاح کرنے پر مجھے راضی کیا جا رہا ہے۔" اس کی بات پر عروہ چونکی۔

"منصب علی۔" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"جی منصب علی۔ جس کو آج سے پہلے اپنے کسی سگے چچا اور اس کی فیملی کے بارے میں کوئی علم ہی نہیں تھا بلکہ ہم نیو جنریشن کو سرے سے بھنک بھی نہیں پڑنے دی گئی تھی کہ ہمارے بڑوں میں سے کسی نے غیر خاندان میں شادی کا جرم کیا تھا اور اس پر حویلی اور دلوں کے دروازے بند کر دیے گئے ہیں۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

"اور اب اچانک ان چچا کے انتقال کے بعد۔۔۔ حویلی والوں کے دل ان کی فیملی کے لیے نرم پڑ گئے ہیں اور شامت آئی ہے میری کہ مرحوم چچا کی لڑکی سے زبردستی منگنی کروں۔۔" وہ تنفر سے کہنے لگا تو عروہ کو بے طرح سبکی کا احساس ہوا۔

"آپ کو مجھ سے شادی نہیں کرنی تو نا کریں۔ میں کون سا مری جا رہی ہوں آپ کے لیے۔" وہ ایک دم غصے سے پلٹی اور چیخ کر بولی پھر ساکت رہ گئی۔ منصب علی بھی آنکھیں کھول کر اس کو دیکھنے لگا۔

"ببلی۔۔۔" وہ حیران سا تھوڑا قریب کھسک آیا۔

"علیان۔۔" عروہ کے منہ سے سرسراتا نکلا۔

"تم عروہ مطلب میری سگی چچازاد۔۔۔" وہ خوش گوار لہجے میں بولا۔

"ہاں عروہ عماد میرا پورا نام۔ ببلی میرا نک نیم ہے۔ وہ خوشی سے چھلکتے آنسو پونچھ کر بولی۔

"اور آپ منصب علی۔" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"یہ میرا برتھ نیم ہے جو دادی لوگ پکارتے۔۔ امی نے لاڈ میں علیان پکارنا شروع کیا تو وہی پڑ گیا۔" وہ چمکتی آنکھوں سے بتانے لگا۔

"تم اچانک گم ہو گئیں، نمبر بھی بند کر دیا۔ میں تو پاگل ہو گیا تھا۔ مری کا ٹرپ عذاب میں گزرا ہفتے بعد واپس آیا تو تمہارے دروازے پر تالا۔ شہزاد والے میرے ساتھ گھومنے نکلے تھے سو وہ خود انجان تھے۔۔۔ تمہارے بابا کی وفات کا سنا اور بس۔۔۔ سوچ سوچ کر پریشان ہو گیا کہ تم گئی کہاں۔۔۔ کیا پتا تھا میری حویلی میں موجود ہو۔ اوہ گاڈ۔" وہ سر پر ہاتھ مار کر بولا۔

"مجھے بھول کر بھی خیال نہ آیا کہ تم وہی ہو گی جس سے میری شادی کی پلاننگ کی جا رہی ہے۔" وہ گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتا اپنی لاعلمی پر ہنسنے لگا۔

"اماں تو پہلے دن تمہیں دیکھ کر تم پر فدا ہو گئیں۔ مجھے فون پر بتایا کہ تمہارے چچا مرحوم کی لڑکی تمہارے لیے پسند کر لی ہے۔ مجھے تو شاک لگ گیا۔ تب سے میری گھر والوں سے جنگ چھڑی ہے۔ اب بھی عید پر میں حویلی آنا نہیں چاہتا تھا پر عید مجھے زبردستی لے آیا۔ اور کیا معلوم تھا کہ جس کو دلہن بنا کر حویلی لے آنے کے لیے میں گھر والوں سے جنگ کر رہا تھا وہ تو خدا کے کرم سے پہلے ہی بہ خیر و خوبی حویلی پہنچی ہوئی ہے۔" وہ بے انتہا خوش نظر آ رہا تھا۔

"اللہ کتنا مہربان ہے نا عروہ۔" پھر علیان نے آسمان کی طرف چہرہ اٹھا کر تشکر کی سانس کھینچی۔

"ہاں علیان۔ اللہ ہمارے گمان سے بھی زیادہ ہم پر مہربان ہے۔" عروہ اس کے کھلتے ہوئے پرکشش چہرے کو دیکھ کر بولی۔

"میرے دن رات کس بے قراری میں گزرے ہیں تمہیں اندازہ نہیں ببلی۔ اب جا کے چین آیا ہے دل کو۔" وہ اس کو محویت سے دیکھ کر کہنے لگا۔ "بس اب منگنی کے بجائے سید ھا تم سے نکاح کرنا ہے۔"

پھر عروہ کا ہاتھ تھام کر گمبھیرتا سے بولا تو وہ بلش سی ہو گئی۔

اور رات کے اس پہر دو محبت کرنے والوں کے انوکھے ملن پر عید کا چاند بھی مسکرا دیا تھا۔

☆☆

فوزیہ سرور
میں نے پکارا اور تم

قد آدم منقش آئینے کے سامنے کھڑے بے ساختہ اس کی نظر نے خود کو سراہا۔ اپنی نظر پر اس کی نظر کا گمان ہوا تو گلال رخساروں پر بکھر کر کہکشاں سجا گئے۔ نچلا لب دانتوں تلے داب کر اس کے نازک نرم وملائم ہاتھ ریشمی زلفوں کو سلجھانے لگے۔ بڑی بڑی براؤن آنکھوں میں سجا سراپا جگمگایا تو دل نے بے خود ہو کر دیکھنے کی تمنا کر ڈالی۔ نازک ہاتھ پھرتی سے گیسوؤں کے بل پرونے لگے۔ میک اپ سے عاری مکھڑے پر محبت کی جگمگاہٹ عروج پر تھی۔ آخری بار ناقدانہ جائزہ لینے کے بعد وہ آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی۔

اب اس کے قدموں کا رخ لاؤنج کی جانب تھا۔ جہاں اس کی موجودگی کا قوی امکان تھا۔ پورا لاؤنج بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ کسی ذی نفس کا وجود تک نہ تھا۔ اس کی آنکھوں کی جوت بجھ گئی۔ وہ بجھے دل سے صوفے پر ڈھے گئی۔

”شہزادی۔۔۔ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری۔ منہ لٹکائے بیٹھی ہو۔“ تائی نفیسہ کی آواز قریب ہی ابھری تو شہزادی فوراً ”سیدھی ہو بیٹھی۔ آخر وہ اس کی محبت کی اماں جان تھیں۔

”طبیعت بالکل ٹھیک ہے تائی امی۔ بوریت ہو رہی ہے۔“ شہزادی نے منہ بسورا۔

”بوریت کی تم نے خوب کہی، تعلیم کو خیرباد کہہ چکی ہو۔ سلائی، کڑھائی سیکھ لو۔ کچن میں جھانک لیا کرو۔ سگھڑاپا تو تمہیں چھو کر نہیں گزرا۔ ماں کولہو کا بیل بنی جتی رہتی ہے۔ اس کا ہاتھ بٹا دیا کرو۔ صبح سے کمرے میں گھسی ہوئی ہو۔“ نفیسہ بیگم نے نخوت سے شہزادی کے لاڈ بھرے انداز کا بھرکس بنایا۔ شہزادی کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ کام سے وہ ہمیشہ ہی جی چراتی تھی۔ سارا کام شہزادی کی امی تسلیم بیگم کو ہی دیکھنا پڑتا تھا۔ وہ بھی خود کو کسی ریاست کی شہزادی ہی سمجھتی تھی۔ جہاں کی ملکہ تائی نفیسہ لگتی تھیں۔ دادی زہرہ خانم کم ہی گھر کے معاملات میں دخل دیتی تھیں، لیکن اگر دخل دے ڈالیں تو کسی کی مجال نہ تھی۔ ان کی حکم عدولی کرنا۔ جب سے شہزادی کا دل تائی نفیسہ بیگم کے لخت جگر کے لیے دھڑکنا شروع ہوا تھا۔ تب سے وہ بی بی بچی بن کر ہر کڑوی کسیلی بات شہد سمجھ کر نگل جایا کرتی تھی۔ اب بھی وہ جی۔۔۔ جی کہہ کر تابعداری کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

تائی نفیسہ بیگم اور شہزادی کی امی تسلیم بیگم کی کبھی آپس میں نہ بنی تھی۔ دونوں کی چونچیں ہمہ وقت لڑتی رہتی تھیں۔ ایسے میں شہزادی کے لیے نفیسہ بیگم کا دل جیتنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ شہزادی کی کوششوں کا ثمر تھا جو تائی نفیسہ اس سے بات چیت کر لیتی تھیں۔ ورنہ وہ جیسی ماں ویسی بیٹی کہہ کر شہزادی سے بھی منہ پھلائے رکھتی تھیں۔ اس گھر میں امن و امان زہرہ خانم کی دبنگ اور بارعب شخصیت کی بدولت تھا۔ جن کا دبنگ انداز دونوں بہوؤں کی بولتی بند کر دیتا تھا۔ ان دنوں وہ بھی اپنی چچازاد بہن کی عیادت کے لیے اوکاڑہ گئی تھیں۔ ابھی ان کی واپسی متوقع نہ تھی۔

”حق ہا۔ تی بھلکڑ ہوں میں۔“ تائی نفیسہ نے اپنے سر پر زوردار ہاتھ مارا۔ شہزادی جو ابھی تک تائی نفیسہ کی باتوں کے صدمے کے زیر اثر تھی۔ تفکر سے اطمینان سے صوفے پر نیم دراز تائی نفیسہ کے قریب جا کر استفسار کیا۔

”کیا ہوا تائی امی؟“

”میں چولہے پر گوشت چڑھا کر آئی تھی۔ برہان آج لیٹ آئے گا۔ تمہاری ماں بھی موقع محل نہیں دیکھتی۔ بیمار ہو کر بیٹھ جاتی ہے۔ ابھی بھی عین وقت پر مجھے بتایا بھابھی بیگم آج کھانا خود تیار کر لیں۔ میری طبیعت ناساز ہے۔ وہ تو شکر ہے۔ برہان نے لیٹ آنا تھا۔ اب شاباش کچن میں جاؤ اور برہان کے آنے تک مزے دار سا کھانا تیار ہونا چاہیے۔“ تائی نفیسہ نے ساری غلطی تسلیم بیگم پر تھوپ کر شہزادی کو حکم صادر کیا۔ شہزادی نے فرماں برداری سے سر ہلا دیا۔ لیکن ماں کے لیے تائی کا انداز ناگوار گزرا۔ برہان کے لیے وہ تپتی دوپہر میں کھڑی ہو سکتی تھی۔ یہ تو برہان کے لیے کھانا بنانا تھا۔ سو خوشی خوشی کچن کی جانب چل دی۔

☆ ☆ ☆

شہزادی اور تسلیم بیگم کچن میں کھانے کی تیاری میں مصروف تھیں۔

"شہزادی.... بھابھی بیگم کے زیادہ آگے پیچھے نہ پھرا کرو۔ زہر سے بھی زہریلی لگتی ہیں وہ مجھے۔ سارا کام مجھ پر لاد کر کمرہ نشین ہو جاتی ہیں۔ ان کا وہ شتونگڑا برہان۔ اس سے تو کوسوں دور رہنا۔ ایک آنکھ نہیں بھاتا وہ مجھے۔" تسلیم بیگم کٹنگ بورڈ پر کھٹاکھٹ پیاز کاٹتے ہوئے بولیں۔ پیاز کی جلن نے آنکھوں کے بجائے لہجے پر زیادہ اثر ڈالا تھا۔ لفظ شتونگڑا سن کر شہزادی کے دل کو دھکا لگا۔ لیکن منہ سے ایک لفظ بھی اگلنا قیامت بلانے کے مترادف تھا۔ سو خاموشی کا کڑوا گھونٹ نگل کر آٹا گوندھتی رہی۔ سارا غم و غصہ طاقت بن کر ہاتھوں میں حلول ہو کر آٹے کا مزید کچومر نکالنے لگا۔ تائی نفیسہ اور امی کی لڑائی میں وہ دونوں کہیں ہمیشہ کے لیے جدا نہ ہو جائیں۔

"تسلیم کھانا کب تیار ہو گا آخر؟ برہان کو بہت بھوک لگی ہے۔ کب سے ماں بیٹی کچن میں گھسی ہوئی ہو۔ آخر کر کیا رہی ہو؟" نفیسہ بیگم نے کچن میں داخل ہو کر گویا تسلیم بیگم کو تیلی لگائی۔ جواباً" تسلیم بیگم بھڑک اٹھیں۔

"بھابھی بیگم۔ ہم ماں بیٹی کچن میں کھیل نہیں رہے۔ کھانا ہی پکا رہے ہیں۔" اتنی بھوک لگی ہے تو خود بھی ہاتھ پیر چلا لیا کریں۔ نفیسہ بیگم کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا۔ تسلیم بیگم کو جرات کیسے ہوئی مجھے جواب دینے کی۔

شہزادی دل تھامے زوردار معرکے کے منعقد ہونے کی آہٹیں سننے لگی۔ دادی زہرہ خانم بھی گھر پر نہ تھیں۔

"اپنی زبان بند رکھنا۔ وگرنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔ مارے غیض و غضب کے نفیسہ بیگم کے نتھنے پھولنے، پچکنے لگے۔ "احسان مانو میرا احسان۔ جو اس گھر میں رہ رہی ہو۔ خاوند کو تبلیغ کے دوروں پر جانے سے فرصت نہیں۔ بزنس کو ترقی یعقوب نے دی۔ ڈوبتے کاروبار کو یعقوب نے سنبھالا دیا تھا۔ اب میرے برہان کی محنت سے کاروبار پھل پھول رہا ہے۔ محنت یعقوب اور برہان کریں اور تم ماں بیٹی عیش کرو۔ کام تو کرنا پڑے گا۔ اگر اس گھر میں رہنا ہے تو....." جوابی گولا زیادہ دھماکے دار تھا۔ بلند آوازیں سن کر برہان بھی کچن میں چلا آیا۔ لنچ کے لیے آنا تو بہانا تھا۔ یعقوب احمد آفس میں ہی لنچ کر لیتے تھے۔ برہان کے گھر آنے کا اصل مقصد تو دیدار یار تھا جو اس وقت روہانسی صورت بنائے امی اور تائی کو توپیں بنے دیکھ رہی تھی۔ برہان کو امی کا یوں جتانا اچھا نہ لگا تو ٹوکے بنا نہ رہ سکا۔

"امی جان.... بزنس اور گھر پر جتنا حق ہمارا ہے اتنا ہی چچا جان کا بھی ہے۔ اگر وہ تبلیغ کرنے جاتے ہیں تو یہ نیکی اور سعادت کا کام ہے۔ گھر میں ایک فرد کا اللہ کی راہ میں اٹھایا جانے والا قدم گھر بھر کے لیے خوش حالی اور خیر و برکت کا باعث بنتا ہے۔" برہان سے تسلیم چچی کی آنکھوں کی نمی پوشیدہ نہ رہ سکی۔ چچی بھی دوبدو مقابلہ کرتی تھیں۔ لیکن یہاں زیادتی ماں کی جانب سے ہوئی تھی۔ سو چچا جان کی تبلیغ کا روشن پہلو دکھانا چاہا۔ تسلیم بیگم نے بے یقین نگاہوں سے برہان کو دیکھا۔ برہان کی نگاہیں شہزادی پر جمے دیکھ کر نفیسہ بیگم پل بھر میں برہان کی چچا چچی کے لیے ہمدردی کی وجہ بھانپ گئیں۔ اس بات نے انہیں سیخ پا کر دیا۔

"بہت خوب! چچا کی تبلیغ تو پورا سال جاری رہتی ہے۔ دین یہ سکھاتا ہے۔ وہ سکھاتا ہے۔ مہینوں بعد اگر کبھی عیسیٰ احمد گھر کا رخ کر ہی لے۔ دین پڑھانے بیٹھ جاتا ہے۔ بھائی سے تگڑی رقم نکلوا کر پھر سے روانہ ہو جاتا ہے۔ نہ کمائی کرنے کا تردد نہ خرچ کی پروا۔ ہم کہاں تک خرچ پورا کریں۔ جس کی ذمہ داری ہے اس کو فکر نہیں اور تمہیں بڑی ہمدردی اٹھ رہی ہے چچی اور چچا کی۔ اتنے میٹھے تم پہلے تو کبھی نہ تھے۔ خوب اچھی طرح جان گئی ہوں تمہارے ارادوں کو لیکن یاد رکھنا ایسا ہونے نہیں دوں گی۔" برہان کے دل پر آخری گولا داغ کر کچن سے پیر پٹختے چلی گئیں۔ برہان سکتے میں آ گیا۔ تسلیم بیگم، عیسیٰ احمد کے لگائے گئے بے توجہی کے گھاؤ کے زیر اثر تھیں۔ وہ جان ہی نہ

پائیں جو نفیسہ بیگم کہہ گئی تھیں۔ بے دلی سے ہنڈیا پکانے لگیں۔ شہزادی اور برہان گویا برف بن گئے تھے۔

یعقوب احمد اور عیسیٰ احمد دو ہی بھائی تھے۔ باپ کی وفات کے بعد ڈوبتے کاروبار کو دونوں بھائیوں نے سنبھالا۔ دونوں کی والدہ زہرہ خانم بارعب خاتون تھیں۔ دونوں بھائیوں کی شادیاں اپنی پسند سے کیں۔ ابتدا میں دونوں بہوئیں شیر و شکر رہیں۔ خرابی تعلقات میں تب پیدا ہوئی جب عیسیٰ احمد کا رجحان دین کی طرف حد سے بڑھ گیا۔ اتنا بڑھا کہ بیوی اور کاروبار سے غافل ہو گیا۔ یعقوب احمد بھی چھوٹا بھائی سمجھ کر نظر انداز کر دیتے۔ لیکن جب دونوں کے بچے بڑے ہو گئے۔ عیسیٰ احمد کی رہی سہی توجہ بھی ختم ہو گئی۔ تو ساری ذمہ داری یعقوب احمد کے کندھوں پر آ گئی۔ یہیں سے نفیسہ بیگم کے دل میں تسلیم بیگم اور شہزادی کے لیے بے زاری اڈنے لگی۔ برہان نفیسہ اور یعقوب احمد کی اکلوتی اولاد تھا۔ شہزادی تسلیم اور عیسیٰ احمد کی اکلوتی بیٹی تھی۔ جوں جوں اولادیں بڑی ہوتی گئیں۔ نفیسہ بیگم اور تسلیم بیگم کے آپس میں اختلافات زور پکڑتے گئے۔ زہرہ خانم کے سامنے دونوں بہوئیں زبان کو کنٹرول میں رکھتی تھیں۔ لیکن جب وہ موجود نہ ہوتیں تو دونوں بے دریغ سخت الفاظ کا استعمال کر کے ایک دوسرے کا دل جلاتیں۔ نفیسہ بیگم اگر سمجھتیں تو جان لیتیں عیسیٰ احمد کے کاروبار کو توجہ نہ دینے میں تسلیم بیگم اور شہزادی کا کیا قصور۔ وہ دونوں تو خود توجہ کو ترسی ہوئی تھیں۔ لیکن نفیسہ بیگم کو اولاد نرینہ اور ترقی کرتے کاروبار کا مان ٹکنے نہ دیتا تھا۔ دولت کی کمی نہ تھی۔ صرف برداشت اور احساس کی کمی تھی۔

✲ ✲ ✲

اتوار کا دن تھا۔ موسم بہت خوش گوار تھا۔ شہزادی ہرے بھرے لان میں نرم مخملی گھاس پر چہل قدمی کر رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کے لطیف جھونکے چھیڑ خانی کر رہے تھے۔ کاموں سے فارغ ہو کر وہ موسم کی رنگینیاں دیکھنے لان میں چلی آئی تھی۔ لبوں پر دلنشین مسکراہٹ، آنکھوں میں ستارے بھرے تھے۔ محبت میں دنیا کتنی حسین لگتی ہے۔ یہ کوئی شہزادی سے پوچھتا۔ محبت کا حسین پل اس کی یادوں میں ٹھہر گیا تھا۔ جب اس کے دل کی بنجر زمین پر برہان کی محبت کی کونپل پھوٹی تھی جو ایک سال میں تناور درخت بن چکی تھی۔ جس کی جڑیں اس کے وجود میں اندر گہرائی تک گڑ چکی تھیں۔ اس وقت بھی اسے وہ پل شدت سے یاد آیا۔

ہر سال بقرہ عید پر گھر میں بکرا آتا تو شہزادی کی خوشی دیدنی ہوتی۔ وہ ہمہ وقت بکرے کی خدمت میں مصروف رہتی۔ پچھلے سال بقرہ عید پر بکرا برہان خرید کر لایا جو بے حد لڑاکا اور خونخوار ثابت ہوا۔ برہان کو وہ کچھ نہ کہتا، لیکن کسی دوسرے کا وجود اپنے نزدیک برداشت نہ کرتا تھا۔ فوراً "سینگ مارنے دوڑتا۔ لان کے ایک کونے میں بکرے کا گھر بنایا گیا تھا جو گیٹ کے قریب تھا۔ شہزادی حسرت بھری نگاہوں سے برہان کو بکرے کی خدمت کرتے دیکھتی۔ زہرہ خانم کی سختی سے ہدایت تھی۔ قربانی کے جانور کی دیکھ بھال گھر کے افراد خود کریں، تاکہ جانور سے انسیت پیدا ہو۔ لے دے کے برہان اور شہزادی ہی بچتے تھے۔ عید سے ایک روز قبل برہان گھر پر ہی تھا۔ موسم گرما کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ برہان کو کافی دیر تک بکرے کے کاموں میں مصروف دیکھ کر شہزادی کو تپ چڑھنے لگی۔

"ہونہہ! جان بوجھ کر ایسا بکرا لایا ہے۔ دونوں ماں، بیٹا خود کو پتا نہیں کیا سمجھتے ہیں۔" وہ کلستی سوچتی رہی۔ تسلیم بیگم بازار گئی تھیں۔ نفیسہ بیگم شہر میں ہی رہائش پذیر بھائی کے گھر گئی تھیں۔ زہرہ خانم دوائی کے زیر اثر سو رہی تھیں۔ لاؤنج میں شہزادی تنہا بیٹھی شیشے کے پار منظر کو دیکھتی کھولتی رہی۔ برہان جب لاؤنج میں آیا تو شہزادی نے رخ پھیر لیا۔ برہان بھی ماں کی باتوں کے زیر اثر سوچتا تھا۔ شہزادی کو بھول کر بھی مخاطب نہ کرتا۔ اب بھی لاؤنج میں شہزادی کو نظر انداز کر کے سیڑھیاں چڑھنے لگا، اس کا ارادہ اب آرام

کرنے کا تھا۔ یعقوب احمد دوست کی عیادت کو گئے تھے۔ برہان کے نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد شہزادی لاؤنج سے باہر نکل آئی۔ بکرے کو قریب سے دیکھنے کی خواہش اسے کشاں کشاں بکرے کی طرف لے گئی۔ اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی برہان بکرے کی رسی ڈھیلی باندھ کر گیا ہے۔ بندھا ہوا بکرا کیا نقصان پہنچائے گا' یہ شہزادی کا خیال تھا۔ شہزادی بکرے سے کچھ فاصلے پر پھولوں کی بیل کے نیچے کھڑی بکرے کو چارا کھاتے دیکھنے لگی۔ شہزادی کی موجودگی محسوس کر کے بکرے نے سر اٹھایا تو شہزادی نے پیار سے پچکارا' بکرا شہزادی کو گھورنے لگا۔ بکرے کے خطرناک تیور دیکھ کر شہزادی نے مزید کھڑے ہونے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے قدم واپسی کے لیے موڑے۔ بکرے کے قدموں میں بھی حرکت ہوئی۔ شہزادی کی نظر کھلی ہوئی رسی پر پڑی تو اس کی سٹی گم ہو گئی۔ اس نے سرپٹ دوڑ لگا دی۔ بکرے کے قدموں نے بھی اسپیڈ پکڑ لی۔ شہزادی کی فلک شگاف چیخیں نکلیں۔ برہان ہڑبڑا کر کمرے سے باہر نکل کر سیڑھیوں کی طرف بھاگا۔ لاؤنج سے باہر نکل کر بھاگ کر آتی شہزادی سے ٹکرایا' پیچھے پیچھے بکرا بھی تھا۔ برہان نے سرعت سے شہزادی کو اپنے پیچھے کیا جو تھر تھر کانپ رہی تھی۔ بکرا بھی تھم کر کھڑا ہو گیا۔ گویا اسی منظر کو دیکھنے کے لیے اس نے دوڑ لگوائی تھی۔ شہزادی نے مضبوطی سے برہان کی شرٹ پیچھے سے تھام رکھی تھی۔ برہان نے پلٹ کر شرٹ چھڑانا چاہی تو آنکھوں کے نمکین سمندر کو دیکھ کر اس کا دل غوطے کھانے لگا۔ برہان کی آنکھوں کا سرد تاثر آپ ہی آپ محبت اور نرمی کا روپ دھار گیا۔ یہ ایک لمحہ اسے جکڑ گیا تھا۔ برہان نے شہزادی کے ہاتھوں سے نرمی سے شرٹ چھڑوائی۔

"تم لاؤنج میں جاؤ' میں بکرا باندھ کر آتا ہوں۔"

لہجے کی حلاوت و شیرینی شہزادی کو ششدر کر گئی۔ برہان کی شخصیت کا فسوں شہزادی پر چھانے لگا۔ محبت نے ان کے دلوں میں گھر کرنے کے لیے یہی لمحہ منتخب کیا تھا۔ شہزادی پلٹ گئی تھی' لیکن دل برہان کے سپرد کر کے۔

یہی لمحہ سنہری یاد بن کر اس کی یادوں میں بسا تھا۔ اس لمحے کو یاد کر کے اس کے چہار سو گویا کلیاں چٹک رہی تھیں۔ برہان نے ٹیرس سے شہزادی کو سوچوں میں مستغرق' لبوں پر خوب صورت مسکان سجائے ٹہلتے دیکھا تو لان میں چلا آیا۔ قریب آ کر گلا کھنکارا۔ شہزادی ٹھہر گئی بنا پلٹے۔ ابھی اس کی سماعتوں نے رس بھری سرگوشی نہ سنی تھی۔ جب بجلی کی کڑک سے مشابہ آواز دونوں کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ "برہان' برہان۔" نفیسہ بیگم کی آواز نہیں گویا نقارہ تھا جو دونوں کو قریب کھڑے دیکھ کر بجا تھا۔ دونوں کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ برہان ان ہی پیروں پر واپس پلٹ گیا۔ شہزادی کا دل پھر سے اندیشوں کی زد میں آ گیا۔ خوش کن لمحوں کا فسوں ہوا میں تحلیل ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

نفیسہ بیگم نے شہزادی کو گھر کے دوسرے کاموں میں الجھا دیا۔ صفائی اور کپڑے دھونے کے لیے آنے والی ملازمہ کی چھٹی کروا دی۔ شہزادی کا تمام وقت کاموں کی نذر ہونے لگا۔ تسلیم بیگم بھی نفیسہ بیگم کی چبھنے والی باتوں سے شہزادی کے دل کا حال جان گئی تھیں۔ ان کی اپنی آنکھوں میں ٹوٹے خوابوں کی کرچیوں کی چبھن ابھی تک برقرار تھی۔ انہوں نے شہزادی سے کوئی بات نہ کی۔ نفیسہ بیگم ہی کافی تھیں اوقات یاد دلانے کے لیے۔ شہزادی نے کپڑے دھونے کے لیے مشین لگائی تو برہان کے کپڑوں کو ندارد پایا۔ نفیسہ بیگم اور تسلیم بیگم اپنے کمروں میں تھیں۔ برہان دوپہر کے کھانے کے بعد آرام کر رہا تھا۔ شہزادی سوچ میں پڑ گئی۔ وہ برہان کے کپڑے لینے جائے یا نہ جائے۔ دل کے فیصلے پر لبیک کہتے ہوئے وہ لاؤنج سے نکلنے والی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ اوپر پورشن میں دادی زہرہ خانم اور برہان کے کمرے تھے۔ جو کافی کشادہ تھے۔ کمروں کے سامنے ٹیرس تھا۔ شہزادی نے ہولے سے برہان کے کمرے کا دروازہ ناک کیا۔ برہان جو آفس

کے لیے نکلنے ہی والا تھا۔ اچنبھے کا شکار ہوا۔ امی جان نے تو کبھی اجازت طلب نہیں کی۔ صرف وہی برہان کے کمرے میں آتی تھیں۔ دروازے کے سامنے شہزادی کو ایستادہ دیکھ کر برہان کا دل خوشی سے جھوم گیا۔

"وہ میں کپڑے دھونے لگی تھی۔ اپنے کپڑے دے دو۔" شہزادی دھیمے لہجے میں گویا ہوئی۔

"خود آکر لے لو۔" برہان نے سائڈ پر ہو کر راستہ دیا۔

"نہیں مجھے یہیں لادو۔"

"کیا مجھ پر اعتماد نہیں ہے؟" برہان کے لہجے میں ان دیکھی آنچ تھی۔

"اس بات کا اعتماد سے کیا تعلق؟ جو کام نہیں کرنا وہ نہیں کرنا۔" شہزادی کا لہجہ مضبوط تھا۔

"اوکے میڈم۔ لادیتا ہوں۔" برہان کو شہزادی کی یہ بات اچھی لگی۔ برہان کپڑوں کا ڈھیر اٹھائے کمرے سے برآمد ہوا۔ چلو مشین کے پاس رکھ دوں۔ برہان سیڑھیوں کی جانب بڑھا تو شہزادی نے اس کی تقلید کی۔ مشین کے پاس کپڑے رکھ کر برہان شہزادی کو دیکھنے لگا۔ شہزادی نروس ہونے لگی۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟"

"تمہیں کتنا کام کرنا پڑتا ہے۔ صرف میری خاطر۔ وعدہ کرتا ہوں شادی کے بعد شہزادی بنا کر رکھوں گا۔ ابھی میں نہیں چاہتا امی تمہیں مزید تکلیف دیں۔ اس لیے مصلحتاً چپ ہوں۔ بہت جلد ابو سے بات کروں گا۔ وہ خود ہی امی کو راضی کرلیں گے۔" برہان کے لہجے کی سچائی سے شہزادی کے دل میں سکون کی لہریں گردش کرنے لگیں۔ "ایک گفٹ خریدا ہے تمہارے لیے۔ اچھا موقع ہے۔ اس لیے کمرے سے نکلتے ہوئے پاکٹ میں رکھ لیا۔" شہزادی بے چین نظر آنے لگی۔ اسے تائی نفیسہ کے آنے کا دھڑکا لگا تھا۔ لیکن برہان پاکٹ سے چھوٹا سا شیشے کا باکس نکال چکا تھا۔ باکس میں سے خوب صورت نگوں سے مزین سونے کا بریسلٹ ہاتھ میں پکڑلیا۔ اپنے کمرے سے

نکلتی نفیسہ بیگم نے لاؤنج کے شیشے کے پار اوپن لانڈری ایریا میں برہان اور شہزادی کو دیکھا تو ان کا غصہ و اشتعال سوا نیزے پر پہنچ گیا۔ برہان نے بریسلیٹ پہنانا چاہا۔ شہزادی نے نفی میں سر ہلایا۔

"برہان میں تم سے نہیں لے سکتی۔ میرے لیے تمہاری محبت ہی سب، کچھ ہے۔ تم مجھے بس معتبر کردو۔ تائی امی کی باتیں بہت دل دکھاتی ہیں۔"

"اچھا تو یہاں یہ چل رہا ہے۔ تحائف بٹورے جارہے ہیں۔ تم ماں، بیٹی نے اور کتنا لوٹنا ہے؟ اب میرے معصوم بیٹے کو پھنسالیا۔ اب تو بس کردو۔" تائی امی نے باقاعدہ ہاتھ جوڑے تو شہزادی کا چہرا دھواں دھواں ہوگیا۔ جی چاہا زمین پھٹے اور اس میں سما جائے۔ محبت کرنا بھی اس کا جرم ٹھہرا تھا۔ برہان شہزادی کا اڑا اڑا چہرا دیکھ کر تڑپ کر قدرے اونچی آواز میں بول اٹھا۔

"کس طرح کے فضول الزامات لگا رہی ہیں آپ شہزادی پر۔"

"اب تم مجھے بتاؤ گے کیا صحیح ہے، کیا غلط؟ کھڑا کردیا نا میرے بیٹے کو میرے سامنے ٹھنڈ پڑگئی۔" نفیسہ بیگم نے جاہل عورتوں کی طرح شہزادی کو دھکا دیا۔ برہان نے سرعت سے شہزادی کو سنبھالا جو نفیسہ بیگم کو اور تپا گیا اس سے پہلے وہ کچھ بولتیں۔ برہان کی دھاڑ سے مشابہ آواز پر نفیسہ بیگم چپ ہی رہ گئیں۔

"آئندہ شہزادی کچن کے کام کے علاوہ کوئی کام نہیں کرے گی۔ جن ملازماؤں کی آپ نے چھٹی کروائی ہے۔ کل سے ان کو کام پر واپس بلائیں۔ جاؤ شہزادی تم اپنے کمرے میں۔" شہزادی خاموشی کی چادر اوڑھے چلی گئی۔ شہزادی کے جانے کے بعد برہان قدرے نرمی سے ماں سے مخاطب ہوا۔

"جو کچھ کہنا ہو مجھے کہا کریں۔ اس کی ذات پر کیچڑ مت اچھالا کریں۔ میں محبت کرتا ہوں اس سے۔ اس کی تذلیل میری برداشت سے باہر ہے۔ اب چلتا ہوں۔" برہان لمبے لمبے ڈگ بھرتا گاڑی کی طرف بڑھا۔ برہان کے جانے کے بعد نفیسہ بیگم کی کھولن بڑبڑاہٹوں کی صورت نکلنے لگی۔

"برہان تمہارا تو ایسا انتظام کروں گی۔ شہزادی خود ہی تمہیں منہ نہیں لگائے گی۔ جس عورت کو ساری زندگی برداشت نہ کیا' اس کو سمدھن بنالوں۔ ایسا تو میری زندگی میں نہ ہوگا۔"

☆ ☆ ☆

"نتاشا۔۔۔ تمہیں وہ کرنا ہے جو میں نے تمہیں کہا ہے۔" نفیسہ بیگم نے محبت بھری دھونس جتائی۔

"لیکن پھوپھو جان یہ غیر مناسب لگتا ہے۔ برہان کیا سوچے گا میرے متعلق۔" نتاشا کے ذہن میں خدشات تھے۔ وہ برہان کو پسند کرتی تھی۔ اس کو یقین تھا۔ اس کی اور برہان کی شادی ہوگی۔ بیچ میں شہزادی آٹپکی۔ نتاشا جانتی تھی پھوپھو کبھی بھی شہزادی کو بہو نہیں بنائیں گی۔ لیکن پھوپھو نفیسہ بیگم' برہان اور شہزادی کے بیچ پھوٹ ڈالنے کے لیے اس کو استعمال کریں گی۔ یہ اس کے گمان میں نہ تھا۔

"ارے کچھ نہیں ہوگا میری چندا۔ میری بہو تم ہی بنوگی۔ برہان کے دل پر تم نے ہی راج کرنا ہے۔" نفیسہ بیگم نے پیار سے چمکارا۔

"ٹھیک ہے' پھوپھو جان' جیسا آپ نے کہا ہے ویسا ہی کروں گی۔" نتاشا رضامندی سے گویا ہوئی۔

"اوکے چندا' اپنا خیال رکھنا اور جلد چکر لگانا۔ اب فون رکھتی ہوں۔ اللہ حافظ۔"

"جی پھوپھو۔۔۔ اللہ حافظ۔" نتاشا اور نفیسہ بیگم بھول گئی تھیں' جہاں محبت ہوتی ہے وہاں اعتماد ہوتا ہے۔ اعتماد کے بغیر محبت کا وجود کھوکھلا ہوتا ہے۔ شہزادی اور برہان کی محبت کھوکھلی نہیں تھی۔

☆ ☆ ☆

"شہزادی۔۔۔ یہ جوس برہان کے کمرے میں دے آؤ۔" نفیسہ بیگم نے سنک میں گوشت دھوتی شہزادی کو ٹرے پکڑائی۔ شہزادی نے پکڑ کر حیرت سے ٹرے میں دو گلاسوں اور جوس کے بھرے جگ کو دیکھا' پھر نفیسہ بیگم کو۔

"میرا منہ کیوں تک رہی ہو۔ جاؤ دے آؤ۔"

کھردرا سرد لہجہ۔۔۔ شہزادی کا دل سکڑ گیا۔ محبت بھی غلام بنا ڈالتی ہے۔

"اب جاؤ ابھی تک یہیں کھڑی ہو۔" نفیسہ بیگم نے سرد آواز میں گھر کا تو شہزادی کچن سے نکل آئی۔ تسلیم بیگم کی طبیعت اب آئے روز خراب رہنے لگی تھی۔ دادی زہرہ خانم کی واپسی آج کل میں متوقع تھی۔ شہزادی کو نفیسہ بیگم کچن میں لگائے رکھتیں۔ شہزادی کے جانے کے بعد مکارانہ مسکراہٹ چہرے پر سجائے کھانے کا جائزہ لینے لگیں۔

شہزادی کو دوسرا گلاس حیرت میں مبتلا کررہا تھا۔ آخر کون ہے؟ کمروں تک دوستوں کو آنے کی اجازت نہ تھی۔ پھر کون ہے جو برہان کے کمرے میں موجود ہے۔ اسی ادھیڑ بن میں وہ کمرے کے دروازے تک جا پہنچی۔ دروازہ ادھ کھلا تھا۔ کیا حرج ہے؟ اگر میں کمرے میں چلی جاؤں وہ کون سا کمرے میں تنہا ہے؟ وہ کیا کرے' وہ وہیں کھڑی سوچنے لگی۔ جب اس کی سماعتوں سے نسوانی آواز ٹکرائی۔

"برہان۔۔۔ تمہارا کمرا بہت شان دار ہے۔ مجھے تو بہت سکون ملتا ہے تمہارے کمرے میں۔" نتاشا بیڈ پر نیم دراز ہوتے ہوئے بولی۔ برہان نے ناگواری سے اس کی اس حرکت کو ملاحظہ کیا۔ وہ آفس کی انتہائی ضروری میلز چیک کررہا تھا۔ جب نتاشا بنا اجازت کمرے میں آدھمکی۔ اب اس کا سر کھارہی تھی۔ برہان کو یقین تھا' امی نے نتاشا کو بھیجا ہے۔ برہان چیئر پر بیٹھ کر بولا۔

"تمہیں میرے کمرے میں نہیں آنا چاہیے تھا۔" اس کا حلیہ بھی برہان کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ ماموں کی فیملی ماڈرن ازم کا شکار تھی۔ سلیولیس ٹاپ جینز جو گھٹنوں سے پھٹی تھی۔ شانوں تک آتے سلکی بال' خوب صورت وہ بلاشبہ تھی' لیکن اخلاقیات سے عاری تھی۔

"سو واٹ' کیوں نہیں آنا چاہیے تھا۔ اپنی پھوپھو کے گھر اتنے عرصے بعد آئی ہوں۔ کمپنی تم ہی دو گے مجھے۔ اب بوڑھے لوگوں کی کمپنی میں بیٹھنے سے رہی۔" نتاشا نے نزاکت سے بال سنوارے۔ "تم

نے تو کبھی ہماری طرف چکر ہی نہیں لگایا۔" نتاشا اب بیڈ سے اٹھ کر کھڑی ہو چکی تھی۔ جب اسے باہر کھٹکا محسوس ہوا وہ اس انداز سے لڑکھڑائی' برہان کو شک بھی نہ گزرا۔ وہ سیدھی برہان کے اوپر جا گری۔

شہزادی نسوانی آواز سن کر خود کو روک نہ پائی اور کمرے کی دہلیز پار کرلی۔ کمرے میں جو نظارہ شہزادی نے دیکھا۔ ٹرے شہزادی کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ دبیز کارپٹ پر بنا آواز پیدا کیے برتن ادھر ادھر لڑھک گئے۔ شہزادی کو کوئی ہوش نہ تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے دونوں کو اتنے قریب دیکھ رہی تھی۔ برہان شہزادی کو دیکھ کر پریشان ہو اٹھا تھا۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔ اس کا کردار اس کی محبت کے سامنے مشکوک ہو چکا تھا۔ اس نے پوری قوت سے نتاشا کو اٹھا کر بیڈ پر پٹخا جو شہزادی کو دیکھ کر مزید چپکی جا رہی تھی۔

"گیٹ لاسٹ فرام مائی روم۔" انگشت شہادت سے نتاشا کی طرف اشارہ کرکے برہان دھاڑا۔ نتاشا کا رنگ فق ہو گیا۔ پھوپھو نفیسہ بیگم نے برہان کی نظر میں اس کی عزت کا جنازہ نکال دیا تھا۔ وہ برہان کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت دیکھ کر پتھر بن گئی۔ شہزادی بنا کچھ کہے کمرے سے نکل گئی۔ برہان بے قراری سے اس کے پیچھے گیا۔ لیکن شہزادی دادی زہرہ خانم کے کمرے میں جا کر دروازہ لاک کر چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

زہرہ خانم کے واپس آتے ہی نفیسہ بیگم برہان کے رشتے کی بات کرنے کے لیے پر تولنے لگیں۔ نتاشا کو برہان نے خوب باتیں سنا کر کمرے سے نکالا تھا۔ نتاشا غصے سے بھری کچن میں آئی تھی۔ نفیسہ بیگم نے تسلی دے دلا کر نتاشا کو بھیجا تھا۔ اب تو نتاشا بھی ہر صورت برہان کو نیچا دکھانے کے شادی کرنا چاہتی تھی۔ نفیسہ بیگم کو موقع کا انتظار تھا' جو جلد ہی میسر آگیا۔ وہ موقع تھا' زہرہ خانم کے موڈ کے خوش گوار ہونے کا۔ زہرہ خانم خوش گوار موڈ کے ساتھ بہوؤں اور بیٹے سے لاؤنج میں محو گفتگو تھیں۔ شہزادی کچن میں تھی۔ برہان اپنے کمرے میں تھا۔ نفیسہ بیگم نے بات شروع کی۔

"اماں جان۔ مجھے برہان کے لیے نتاشا بہت پسند ہے۔ یعقوب بھی رضامند ہیں۔ آپ کی رائے مقدم ہے۔" نفیسہ بیگم نے سوالیہ نگاہوں سے زہرہ خانم کو دیکھا۔ تسلیم بیگم نے خالی خالی نگاہوں سے نفیسہ بیگم کا طنطنہ دیکھا۔ یعقوب احمد البتہ خاموش تھے۔ کچن میں کام کرتی شہزادی کے ہاتھ کانپے۔ نفیسہ بیگم نے دانستہ آواز اونچی رکھی تھی بات کرتے ہوئے۔

"برہان سے پوچھ لو۔ اگر اس کو اعتراض نہیں تو بسم اللہ کرو۔ بلکہ برہان کو بلاؤ۔ میں خود بات کرتی ہوں اس سے۔" زہرہ خانم بارعب لہجے میں گویا ہوئیں جو ان کا خاصہ تھا۔

"ارے اماں جان' برہان سے پوچھ کر آپ سے بات کی ہے۔ اسے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" نفیسہ بیگم نے سفید جھوٹ بولا۔

"تو پھر جتنی جلدی ہو سکے بات پکی کر آؤ۔ عید کے بعد شادی رکھ دیں گے۔" زہرہ خانم نے نفیسہ بیگم کے دل کی کلی کھلا دی۔ زہرہ خانم کی خواہش تھی برہان اور شہزادی کی شادی ہو' لیکن دونوں بہوؤں کا ایک دوسرے سے خدا واسطے کا بیر دیکھ کر اپنی خواہش کو وہیں دفنا دیا۔ برہان اور شہزادی بھی ایک دوسرے سے کلام نہ کرتے۔ کھنچے کھنچے رہتے تھے۔ اپنے کمرے میں زیادہ تر وقت گزارنے والی زہرہ خانم جان ہی نہ پائیں' پوتا پوتی محبت کی ڈور میں بندھ چکے ہیں۔ جس کو نفیسہ بیگم بے دردی سے کاٹنے پر تلی ہوئی تھیں۔ کسی حد تک کامیاب بھی ہو چکی تھیں۔

"تسلیم! تم بھی شہزادی کے لیے اچھا سا رشتہ ڈھونڈو۔ عید کے بعد شہزادی اور برہان کی شادی ہو جائے تو گھر میں خوشیوں کی فضا پیدا ہوگی۔"

"جی اماں جان۔ میں رشتے کرانے والی حلیمہ سے کہہ دوں گی۔" دھیما پژمردہ' شکستہ انداز۔

زہرہ خانم کو عیسیٰ احمد پر اشتعال آیا۔ "کتنا سمجھاتی تھی کم عقل اور کم فہم بیٹے کو۔ جس کے نزدیک تبلیغ ہی اللہ کو راضی کرنے کا ذریعہ تھی۔ فرائض سے

غفلت کی دین تعلیم نہیں دیتا۔ پتا نہیں کیوں نہیں سمجھتا تھا، پہلے اپنا قبلہ تو درست کرتا۔ پھر دوسروں کو ہدایت کی باتیں سناتا۔ بیوی اور بیٹی محبت اور توجہ کو ترسی ہوئی تھیں۔ سال بعد گھر کا رخ کرتا۔ اب آیا تو گھر سے نکلنے نہ دوں گی۔" ہمیشہ کی طرح ارادہ باندھا' جو عیسیٰ احمد کے آنے پر ریت کی دیوار ثابت ہوتا۔ وہ اگر کسی کی سنتا تو نوبت یہاں تک کیوں آتی؟ شہزادی کی انہیں فکر تھی۔ اس لیے وہ برہان کی شادی کے ساتھ ہی شہزادی کی شادی کرنا چاہتی تھیں۔ تاکہ برہان کی بیوی کی خدمت بھی ماں 'بیٹی کو نہ کرنا پڑے۔ زہرہ خانم اور نفیسہ بیگم آپس میں صلاح مشورہ کرنے لگیں تو تسلیم بیگم اٹھ کر کمرے میں چلی گئیں۔ زہرہ خانم کا دل تسلیم بیگم کے قدموں کی شکستگی سے تاسف سے بھر گیا۔

☆ ☆ ☆

"کیا پانی مل سکتا ہے؟" کچن کے عین وسط میں کھڑے ہو کر برہان نے سنجیدگی سے کام کرتی شہزادی کو پکارا۔ شہزادی نے گلاس بھر کر برہان کو پکڑا دیا۔ برہان گلاس پکڑے شہزادی کو برتن دھوتے دیکھتا رہا۔ شہزادی کو گھبراہٹ ہونے لگی۔ اس دن کے بعد سے برہان کا سامنا کرنے سے کترانے لگی تھی۔ برہان موقع دیکھ کر کچن میں چلا آیا۔ نفیسہ بیگم بازار گئی ہوئی تھیں۔ "شہزادی پلیز میرا اعتبار کرو۔ ایسا کچھ نہیں تھا جو تم نے سمجھا۔" برہان شہزادی کا مسلسل نظرانداز کیا جانا برداشت نہ کرسکا تو رہ نہ سکا۔ شہزادی رخ پھیرے کھڑی رہی۔ "کچھ تو بولو۔ چپ کی مار مار رہی ہو۔ امی نے خون خشک کیا ہوا ہے؟ اوپر سے تم منہ پھلائے پھر رہی ہو۔" برہان اس کی خاموشی سے زچ ہوا۔

"میں نے تم پر شک نہیں کیا۔ وقتی طور پر طوفان اٹھا تھا میرے اندر۔ کیا میں تم کو جانتی نہیں وہ محبت ہی کیا جس میں بھروسا و اعتماد نہ ہو۔" برہان کے سینے سے پرسکون سانس خارج ہوئی۔ سینے پر ہاتھ باندھے پرسکون ہو کر شہزادی کے منہ سے نکلنے والے موتی

چننے لگا۔ "مجھے تم پر اعتماد ہے۔ لیکن تائی امی ہماری شادی ہرگز نہیں ہونے دیں گی۔ اس لیے بہتر ہے 'میں تمہارے راستے سے ہٹ جاؤں۔" شہزادی اپنے دل کو مضبوط کر کے بولی۔

"میں امی کو منالوں گا۔" برہان کے لہجے میں یقین چھپا تھا۔

"اگر وہ نہ مانیں تو تم شادی کرلو گے۔ تایا جی سے بھی تو تم نے بات کی تھی۔ وہ نہیں منا پائے تائی امی کو۔" شہزادی کا رخ اب برہان کی طرف تھا۔

"وہ مان جائیں گی۔ تم دیکھ لینا۔"

"وہ نہیں مانیں گی' تم بھی دیکھ لینا وہ کسی کے سمجھانے سے نہیں مانیں گی۔" شہزادی یہ کہہ کر رکی نہیں' کچن سے چلی گئی۔ اب برہان کے یقین کا امتحان تھا۔

برہان نفیسہ بیگم کو راضی کرنے میں بری طرح فیل ہو چکا تھا۔ شہزادی لبوں پر چپ کا قفل لگائے' کام نپٹاتی' پھر کمرہ بند ہو جاتی۔ زہرہ خانم بھی اپنے کمرے میں زیادہ تر تسبیح پڑھنے میں مشغول رہتیں' شہزادی دو گھنٹے دادی کے پاس گزار آتی۔ شہزادی کی چپ کو زہرہ خانم نے باپ کی بے اعتنائی پر محمول کیا۔ نفیسہ بیگم تاحال بھائی کے گھر رشتہ مانگنے نہ جاسکی تھیں۔ وہ جب بھی پروگرام بناتیں' کبھی گاڑی خراب ہو جاتی۔ کبھی بھائی کے گھر سے نہ آنے کا فون آجاتا کہ وہ گھر پر نہیں ہیں۔ بقرعید میں پندرہ دن رہ گئے تھے۔ نفیسہ بیگم کا بھائی کے گھر نہ جاسکی تھیں۔ وہ سوچ کر الجھ جاتیں آخر۔ وہ جا کیوں نہیں پاتیں؟ صرف شہزادی جانتی تھی' وہ کیوں نہیں جا پاتیں۔

☆ ☆ ☆

برہان دو بکرے لایا تھا۔ بکروں کی دیوانی شہزادی نے خود کو بکروں کی خدمت پر مامور کر دیا۔ گرم تپتی دوپہر میں بھی وہ بکروں کے پاس پائی جاتی۔ برہان لاؤنج سے نکلا تو شہزادی کو بکروں کو ادھر ادھر گھما کر چارا کھلاتے دیکھا۔ رسیاں دونوں ہاتھوں میں پکڑ رکھی تھیں۔

برہان شہزادی کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ شہزادی نے خاموش نظر برہان پر ڈالی۔ پھر بکروں کو گھمانے لگی۔ ایک ہی جگہ پر کھڑے وہ بکروں کی رسی گھما رہی تھی۔ کبھی بکرے شہزادی کے گرد رسی بھی لپیٹ دیتے تھے۔ اس وقت بکرے اس کے گرد کھڑے ہو چکے تھے۔ شہزادی کا مکمل دھیان بکروں کی حرکات و سکنات پر تھا۔

"کچھ دیر کے لیے مجھے بھی بکرا ہی سمجھ لو۔" برہان شریر ہوا۔

"تم بکرے ہی ہو اگر تم سمجھو تو۔۔۔" شہزادی نے لب کشائی کی۔

"میں قربانی کا بکرا ہرگز نہیں بنوں گا۔" برہان شہزادی کا اشارہ سمجھ گیا تھا۔ برہان نے رسی شہزادی کے ہاتھ سے لینا چاہی۔ شہزادی نے ہاتھ پیچھے کرلیا اور بولی۔

"یہ تو وقت بتائے گا مسٹر برہان۔" اجنبیت کی انتہا تھی لہجے میں۔

"تم جتنا کھٹور پن ظاہر کرو۔ میں جانتا ہوں۔ تمہارا دل صرف میرے لیے دھڑکتا ہے۔" برہان گمبھیر لہجے میں سنجیدگی سے گویا ہوا۔ شہزادی کا دل پل بھر کے لیے دھڑکا۔ پھر شکوہ کناں ہو گیا۔

"اتنے دن سے میں خوف کی سولی پر لٹک رہی ہوں۔ اگر میری تکلیف کا احساس ہوتا تو اب تک تائی نفیسہ کو منا چکے ہوتے۔ لیکن نہیں سب کچھ امید پر چھوڑ کر خود مطمئن ہیں۔ سب کچھ تو مجھے کرنا پڑ رہا ہے۔" بکرے نے ایک چکر دونوں کے گرد لگایا۔ دونوں ہی اردگرد سے غافل ایک دوسرے کی سننے میں مگن تھے۔ شہزادی کو سوچوں میں گم دیکھ کر برہان نے قریب ہو کر آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔ شہزادی چونکی اور لہجے کو کھردرا بنا کر گویا ہوئی۔

"اب جاؤ یہاں سے۔ تائی امی نے دیکھ لیا تو مجھے نہیں بخشیں گی۔" دوسرے بکرے کا چکر بھی دونوں کے گرد شروع ہو چکا تھا۔ شہزادی کے ہاتھوں میں دونوں کی رسیاں تھیں۔ رسیاں لمبی ہونے کے باعث شہزادی کو کھنچاؤ محسوس نہ ہوا۔

"نہ جاؤں تو۔" برہان کا دل کھردرے لہجے سے گویا چھل گیا تھا۔

"تو پھر تم یہی چاہتے ہو تمہاری امی مجھے مزید ذلیل کریں۔" شہزادی ٹوٹی بکھری آواز میں بولی۔

"تمہیں تو مجھ پر بھروسا ہے نا۔ پھر ایسی باتیں کیوں؟" بکرے ایک دوسرے کا تعاقب کرتے ان کے گرد چکر پر چکر لگا رہے تھے۔ وہ بکروں کے چکروں سے انجان باتوں میں گم تھے۔ لیکن وہ دونوں مسلسل دو آنکھوں کی زد میں بھی تھے۔ جو دونوں کو باتوں میں مگن دیکھ کر سوچ میں ڈوبی تھیں۔ پھر آنکھیں چونک اٹھیں۔ دونوں مسلسل قریب ہو رہے تھے۔ یہ بات دونوں آنکھوں کو بری طرح چبھی تھی۔ پھر پل بھر میں فیصلہ ہو گیا۔

"مجھے اپنی تذلیل سے خوف آتا ہے۔ پلیز جاؤ یہاں سے۔ سوری۔ میں نے تمہارا دل دکھایا۔ میں جانتی ہوں تم ایسا سوچ بھی نہیں سکتے۔" شہزادی کو برہان کا بے یقین چہرا دیکھ کر دکھ ہوا تھا۔ رسیاں اب دونوں کے گرد کسنے لگی تھیں۔ اب دونوں کو ہوش آیا۔ رسیاں تو شہزادی کے ہاتھ سے چھوٹ چکی تھیں۔ وہ دونوں بکروں کے چکروں کی زد میں قریب ہوئے تو بوکھلا اٹھے۔ اس سے پہلے برہان سرعت سے رسیاں ہٹاتا۔ الفاظ ہتھوڑے بن کر کانوں پر تابڑ توڑ برسنے لگے۔

"بے غیرت، بے شرم، بے حیا۔" شہزادی ان ہتھوڑوں کی ضرب کی تاب نہ لا کر وہیں برہان کے بازوؤں میں لڑھک گئی۔

✱ ✱ ✱

"میں اپنے یقین اور محبت کے امتحان میں شان دار طریقے سے پاس ہو گیا۔" برہان شہزادی کی نازک کلائیوں میں گجرے پہناتے ہوئے بولا۔ جو گاڑی سگنل پر رکنے پر برہان نے بچے سے خریدے تھے۔ شرمگیں مسکراہٹ نے شہزادی کے لبوں کا احاطہ

کرلیا۔ دونوں نکاح کے مقدس بندھن میں بندھ چکے تھے۔

"یہ شان دار طریقہ تو ہرگز نہیں تھا۔" شہزادی کو وہ لمحہ یاد آیا تو بے اختیار جھری جھری لی۔ بکروں نے دونوں کو زہرہ خانم کی نظر میں بے شرم' بے حیا بنا دیا تھا۔

"ان ہی بکروں کی مہربانی کی بدولت ہم اس وقت ساتھ ہیں' دادی جان نے اسی وقت سب کے سامنے فیصلہ سنا کر امی جان کے ارادوں پر سیلاب بہا دیا تھا۔ دادی جان کے سامنے وہ انکار کر ہی نہیں سکتی تھیں۔ جو کچھ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھیں' اس کے بعد تو امی جان کا کوئی اعتراض ان کو باز نہیں رکھ سکتا تھا۔" برہان اسٹیرنگ پر انگلیاں بجاتے ہوئے بولا۔

"میں نے دعائیں بھی تو بہت مانگی تھیں۔ جب بھی تائی امی تمہارے ماموں کے گھر جانے کا نام لیتی تھیں' میں کمرا بند کرکے جانماز پر بیٹھ جاتی تھی۔ وہ کبھی نہیں جا پائیں۔ اللہ نے مجھے مایوس نہیں کیا۔ شہزادی نے تائی امی کے نہ جانے کے راز سے پردہ اٹھایا۔

" "اتنی محبت کرتی ہو مجھ سے۔" برہان کو شہزادی کی محبت پر فخر ہوا۔

"اتنی محبت جو شمار نہ کی جاسکے۔" شہزادی شوخی سے بولی۔ مسکراہٹ اب اس کے لبوں سے جدا نہ ہوتی تھی۔

"میں تو یہ شکر کرتی ہوں۔ دادی جان کو رسیاں نظر آگئیں۔ تو ان کے دماغ میں بے شرم' بے حیا' بے غیرت کے بجائے محبت کا نکتہ اٹھا۔ چلو جو ہوا ہمارے اچھے کے لیے ہوا۔"

"یعنی میں' تم اور بکرے ملے تو ہم ملے۔" برہان ہنستے ہوئے بولا' تو شہزادی نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ گاڑی شاپنگ مال کی طرف بڑھ رہی تھی۔ محبت کی کلیاں ان کے چہار سو چٹک رہی تھیں' جس کی معطر خوشبو میں دونوں ڈوبے تھے۔

☆ ☆

تنزیلہ ریاض

مہر کو کہانیاں سننے کا بے حد شوق ہے اسکول کے فینسی ڈریس شو میں وہ شہزادی راپنزل کا کردار ادا کر رہی ہے اس لیے اس نے اپنے پاپا سے خاص طور پر شہزادی راپنزل کی کہانی سنانے کی فرمائش کی۔ کہانی سناتے ہوئے اسے کوئی یاد آجاتا ہے جسے وہ راپنزل کہا کرتا تھا۔

نینا اپنے باپ سے ناراضی کی وجہ سے اپنے خرچ مختلف ٹیوشن پڑھا کر پورے کرتی ہے۔ اس کی بہن زری ٹیلی فون پر کسی لڑکے سے باتیں کرتی ہے۔ نینا کی سلیم سے بہت دوستی ہے۔ سلیم کی محلے میں چھوٹی سی دکان تھی۔ ایک ایکسیڈنٹ کی وجہ سے وہ ایک ٹانگ سے معذور ہو جاتا ہے۔ سلیم نے پرائیویٹ انٹر کیا ہے اور اس کی غزل احمد علی کے نام سے ایک ادبی جریدے میں شائع ہوتی ہے۔

سمیع اور شہرین۔ نے ضد کر کے اپنے والدین کی مرضی کے خلاف جا کر شادی کی ہے لیکن شہرین اپنے والدین کی ناراضی کی وجہ سے ڈپریشن کا شکار ہو جاتی ہے۔ سمیع اور شہرین دونوں اپنی بیٹی ایمن کی طرف سے بہت لاپروا ہیں اور انہوں نے گھر کی دیکھ بھال کے لیے دور کی رشتہ دار اماں رضیہ کو بلا لیا ہے۔

صوفیہ کا تعلق ایک متوسط گھر سے تھا صوفیہ کی شادی کاشف نثار سے ہوتی ہے جو وجاہت کا اعلا شاہکار بھی تھا۔ شادی کے بعد صوفیہ کو کاشف کا غیر عورتوں سے بے تکلفی سے ملنا پسند نہیں آتا اور وہ شک کا اظہار کرتی ہے لیکن کاشف کاروبار کا تقاضا ہے کہہ کر اس کو مطمئن کر دیتا ہے۔ صوفیہ کو کاشف کے دوست مجید کی بیوی حبیبہ بہت بری لگتی ہے کیونکہ

وہ کاشف سے بہت بے تکلف ہے۔ صوفیہ کی ایک بیٹی پیدا ہوتی ہے۔ زرمین۔
حبیبہ کے شوہر مجید کا روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو جاتا ہے وہ اپنا سارا پیسا کاشف کے کاروبار میں انویسٹ کر دیتی ہے۔ حبیبہ کاشف پر شادی کے لیے دباؤ ڈالتی ہے کاشف کے انکار پر ان کا جھگڑا ہو جاتا ہے اور وہ دبئی چلی جاتی ہے۔
کاشف کے تعلقات ایک ناکام اداکارہ رخشی سے بڑھنے لگتے ہیں اور وہ کاشف کو فلم بنانے کے لیے آمادہ کر لیتی ہے اور اس چکر میں کاشف اپنا سارا پیسا لٹا دیتا ہے۔ صوفیہ ایک مردہ بچے کو جنم دیتی ہے۔ کاشف کی ماں بی بی جان کا انتقال ہو جاتا ہے۔
سلیم کی بہن رخشی کا انتقال ہو جاتا ہے اور نینا اس کی بیٹی مہر کے لیے پریشان ہوتی ہے۔ نینا کی اسٹوڈنٹ رانیہ اسے بتاتی ہے کہ ایک لڑکا اسے فیس بک اور واٹس اپ پر تنگ کر رہا ہے۔ "آئی لو یو رانیہ زل" لکھ کر۔
شہزین کو برین ٹیومر ہو جاتا ہے اور سمیع اس کا آپریشن کرواتا ہے اور اس کی ماں کو منا کر اسپتال لے آتا ہے۔
زری کسی لڑکے سے بات کرتی تھی وہ شادی کے لیے کہتا ہے زری نینا سے ذکر کرتی ہے۔ نینا اس کی تصویر دیکھ کر چونک جاتی ہے بعد میں اس کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی لڑکا ہے جو رانیہ کو میسج کرتا تھا وہ زری کو منع کرتی ہے اور سلیم کے کہنے پر زری کو سمجھانے کے لیے رات کو سلیم کو گھر بلاتی ہے۔ زری اس پر سلیم سے محبت کرنے کا الزام لگاتی ہے۔ شور ہونے پر ابا جاگ جاتے ہیں اور سلیم کو تھپڑ مارتے ہیں۔ سلیم صدمے اور شرمندگی کی وجہ سے خودکشی کر لیتا ہے۔

چوبیسویں قسط

"کونین کہاں ہے۔۔؟" امی کو ہاسپٹل چھوڑ کر وہ اسی وقت واپس آیا تھا۔ اسے کونین سے ابھی بات کرنی تھی۔ اسے زندگی میں مزید پرابلمز نہیں چاہیے تھے۔ اس نے سوچا تھا وہ اسی وقت اس کا حساب کتاب کر کے اسے فارغ کر دے گا اور اب کی بار اس کے ساتھ کوئی نئی بحث چھیڑنے سے احتراز برتے گا۔ اماں رضیہ نے اس کے استفسار اور انداز پر کچھ حیران ہو کر اسے دیکھا تھا۔
"کیا ہوا بیٹا۔ سب ٹھیک ہے نا۔۔" وہ پریشان ہو گئی تھیں۔ سمیع کو فی الوقت ان کی کسی پریشانی سے غرض نا تھی۔
"اماں رضیہ جو پوچھا ہے۔۔ اس کا جواب دیں۔۔ میرا وقت ضائع نا کریں" وہ بدتمیز نہیں تھا لیکن بعض اوقات اس کو ہر شخص پر غصہ آنے لگتا تھا اور ابھی بھی ویسا ہی وقت تھا۔
"شہریں بٹیا۔ ٹھیک ہیں نا۔۔ سب ٹھیک ہے نا بیٹا۔۔" اماں رضیہ سہم سی گئیں لیکن پھر بھی انہوں نے پوچھ لیا تھا۔ شہرین کی حالت ہی ایسی تھی کہ سب خدشات میں ہی گھرے رہتے تھے۔
"سب ٹھیک ہے اماں رضیہ۔۔ آپ وہ بتائیں جو میں پوچھ رہا ہوں" وہ زچ ہو کر بولا۔
"وہ ایمن کے کمرے میں ہی ہوں گی بیٹا۔۔ آج وہ کافی لیٹ آئی تھیں۔۔ یہاں رکی نہیں۔۔ سیدھا ایمن کے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ لیکن میں نے ایمن کو ناشتا وغیرہ سب کروا دیا تھا" اماں نے جیسے اس کی صفائی پیش کی تھی۔ سمیع ان کی بات مکمل سنے بنا ایمن کے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔ اس نے دستک بھی نا دی تھی۔ وہ دروازے کی جانب پشت کیے ایمن کی اسٹڈی ٹیبل کے پاس کھڑی اسے جانے کیا سمجھا رہی تھی۔ اس کا دوپٹا ایمن کے بیڈ پر پڑا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر بھی اس نے مڑ کر نا دیکھا تھا۔
"کونین۔۔ ذرا ڈرائنگ روم میں آئیں۔۔ مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" سمیع نے سخت لہجے میں کہا تھا۔ اس نے چند لمحے تو کوئی جواب نا دیا پھر اس کی الجھی ہوئی سی آواز سنائی دی تھی۔

"جی اچھا۔۔۔آپ چلیں۔۔۔میں ایمن کو پڑھا کر آتی ہوں۔" وہ اپنے مخصوص پُر اعتماد انداز میں بات نہیں کر رہی تھی۔ سمیع کو لگا جیسے وہ اسے ٹال رہی ہے۔ وہ تو بہت منہ پھٹ لڑکی تھی۔ اس کے اس انداز کو دیکھ کر سمیع سمجھا تھا کہ وہ قصوروار ہے اور اب جان چھڑوانے کے لیے اس سے بات نہیں کرنا چاہتی۔ اسے مزید غصہ آیا تھا۔

"نہیں۔۔۔آپ میرے ساتھ آئیں۔۔۔ابھی۔۔۔بات کرنی ہے مجھے آپ سے۔۔۔" وہ انتہائی ناراض لہجے میں بولا تھا۔ ایمن نے مڑ کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر حیرانی تھی۔ وہ باپ کا خفا سا انداز دیکھ کر کچھ سہم سی گئی تھی لیکن کونین نے مڑ کر بھی نا دیکھا۔ وہ جواباً پھر خاموش رہی تھی۔ سمیع کا غصہ بڑھنے لگا تھا۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ اس نے واقعی اس کی امی کے سامنے کچھ اناپ شناپ بولا تھا۔ وہ کمرے کے اندر آیا اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی جانب لے جانا چاہا تھا۔

"آپ کو ایک دفعہ کہی ہوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔۔۔میں نے کہا مجھے بات کرنی ہے آپ سے ابھی۔۔۔" ایمن کی وجہ سے وہ پھر بھی لحاظ کر رہا تھا ورنہ اس کا دل چاہ رہا تھا اس لڑکی کو فوراً اپنے گھر سے نکال دے۔ وہ اس کے کرخت انداز پر یقیناً حیران ہوئی تھی پھر بھی اس نے بے حد نزاکت سے اس کی جانب دیکھے بنا باہر کی طرف جانے کے لیے قدم بڑھائے تھے۔ وہ سمیع کی جانب دیکھ بھی نہیں رہی تھی اور اس سے سمیع کا غصہ مزید بڑھ رہا تھا۔

"جھوٹ کے سوا کیا ہے جو آپ کو اس طرح اپنا چہرہ چھپانے پر مجبور کر دیتا ہے۔" اس نے جل کر سوچا تھا اور ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں دیکھنا چاہا تھا۔

"ہاہ۔۔۔۔" وہ ایک دم حیران رہ گیا تھا۔ وہی غصہ جو اپنے عروج پر پہنچا ہوا تھا، یکدم کچھ کم ہوا۔ اس کے چہرے پر بے تحاشا نیل تھے اور چہرہ جابجا سُرخ ہو رہا تھا۔

"یہ کیا ہوا۔۔۔" وہ پریشان سا ہوا تھا۔

"آپ کونین کو مت ڈانٹیں۔۔۔ان کو چوٹ لگی ہے۔۔۔وہ سیڑھیوں سے نیچے گر گئی تھیں۔" ایمن نے ڈر کر وضاحت کی تھی۔ وہ باپ کے اس قدر سخت لہجے کی عادی نا تھی۔ اسی لیے اسے غصے میں دیکھ کر وہ کافی ڈری سی گئی تھی۔

"یہ کیا ہوا کونین۔۔۔؟" سمیع نے یکدم اس کے سامنے آ کر اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ اس نے گھور کر اسے دیکھا۔

"کچھ نہیں ہوا مجھے۔۔۔آپ کو تسلی ہو گئی اب میرا سوجا ہوا بوتھا دیکھ کر۔۔۔بس اسی لیے آج بات نہیں کرنا چاہ رہی تھی آپ سے۔۔۔چلیں اب۔" وہ چڑ کر اپنے مخصوص انداز میں ناک چڑھا کر بولی پھر بیڈ پر پڑا اپنا دوپٹا اٹھایا، اسے کندھے پر ڈالا اور ایمن کی جانب مڑی۔

"آپ یہ ایکسر سائز ختم کریں۔۔۔میں ابھی آتی ہوں۔" ایمن نے سر ہلایا تھا اور پھر کاغذ پینسل کی جانب متوجہ ہو گئی۔ سمیع نے دیکھا وہ کونین کی بات ٹالتی نہیں تھی۔ وہ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تھے۔ سمیع نے لائٹس آن کر دی تھیں۔ وہ سوالیہ انداز میں اس کا چہرہ دیکھنے لگی تھی جبکہ وہ خود پریشان ہو کر اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"کیا پرابلم ہے۔۔۔بولیں کیا بات ہے۔۔۔وہاں بچی کے سامنے تو اتنا واویلا مچا دیا تھا کہ بات کرنی ہے۔ اب چپ ہو گئے ہیں آپ۔۔۔!" وہ ناراض ہو کر بولی تھی۔ اب وہ اپنا چہرہ چھپانے کی کوشش بھی نہیں کر رہی تھی۔

"یہ کیا ہوا ہے آپ کو۔۔۔؟" سمیع نے پھر سوال کیا تھا۔ اس کا چہرہ ہی نہیں گردن بھی خراشوں سے بھری ہوئی لگتی

تھی۔

"اوہو۔۔۔ایک ہی بات کے پیچھے کیوں پڑ جاتے ہیں رندھاوا صاحب۔۔بتایا تو ہے ابھی بچی نے آپ کو کہ سیڑھیوں سے گر گئی تھی۔۔۔اچھا بولیں کیا بات ہے۔۔۔کیا بات کرنی تھی آپ کو مجھ سے۔۔؟" وہ اب ایک بار پھر ویسی ہی بے پرواہ، منہ پھٹ اور خود سر نظر آنے لگی تھی جیسی کہ وہ تھی۔

سمیع نے اسے کندھوں سے تھاما اور اسے آگے کی جانب دھکیلا تھا۔ اس نے ذرا حیران ہو کر اسے دیکھا اور اپنے کندھے اس کی گرفت سے چھڑوا کر بولی۔

"تمیز سے۔۔۔اتنی بے تکلفی پسند نہیں ہے مجھے۔۔۔تمیز سے بات کرنی ہے تو کریں۔۔ورنہ جا رہی ہوں میں۔"

سمیع نے اب کی بار اس کے لہجے کی پروا کیے بنا مزید سختی سے اس کو کندھے سے تھاما اور ایک جانب آویزاں وال ہینگنگ کے سامنے لا کھڑا کیا جس پر کافی بڑا سا آئینہ لگا تھا۔

"بے وقوف سمجھتی ہو مجھے۔۔۔چوٹ لگے تو ایسے نیل پڑتے ہیں چہرے پر۔۔۔؟ یہ سیڑھیوں سے گرنے کے نشانات ہیں۔۔۔؟" وہ اسے گھورتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ کونین نے آئینے کی جانب دیکھا تک نہیں تھا۔ "یہ فزیکل ٹارچر ہے۔۔۔سارا چہرہ مار مار کر بگاڑ ڈالا ہے کسی نے۔۔۔صاف پتا چل رہا ہے کسی نے ٹارچر کیا ہے آپ کو۔" وہ واقعی اس کا چہرہ دیکھ کر پریشان سا ہو گیا۔ تھا۔ اسے اس لڑکی سے فوراً جان چھڑوانی تھی۔ یہ اسے کسی طور قابلِ بھروسا نظر آتی تھی لیکن اسے یہ بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ یہ فریضہ سر انجام کیسے دے۔ وہ اس کی بات سن کر ایک دم کچھ بول نہیں پائی تھی۔ سمیع اس کے چہرے کی جانب ہی دیکھ رہا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔۔۔درست فرما رہے ہیں آپ۔۔۔ٹارچر ہی کیا ہو گا کسی نے۔۔۔خوش۔۔۔اب میں جاؤں" اس کی آنکھوں میں چھپے سوالوں کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ بالکل عام سے انداز میں بولی تھی جیسے اس کی نہیں کسی اور کی بات ہو رہی ہو۔ سمیع زچ سا ہو کر کاؤچ پر بیٹھ گیا تھا۔ اسے بیٹھتا دیکھ کر وہ آرام سے مڑی تھی اور باہر کی جانب جانے لگی تھی۔

"رکیں۔۔۔" سمیع نے غصے سے اسے پکارا تھا۔ بات ابھی ختم تو نہیں ہوئی تھی۔ ابھی تو وہ بات ہوئی ہی نہیں تھی جس کی خاطر اس نے اسے بلوایا تھا۔ وہ رک گئی اور پھر پلٹ کر آئی۔

"آپ ہچکیاں لے لے کر بات کیوں کرتے ہیں۔۔۔قسطوں میں۔۔۔۔کہہ کیوں نہیں دیتے ایک ہی بار جو کہنا ہے۔۔۔اچھا لگتا ہے کسی کو بار بار پیچھے سے مخاطب کرنا۔۔۔میرا وقت بھی ضائع کر رہے ہیں آپ اور اپنا بھی۔۔۔آپ کو پتا تو ہے کہ میں ایمن کو پڑھا رہی تھی۔۔۔وہ انتظار کر رہی ہو گی میرا" اس نے دوٹوک سے انداز میں کہا تھا جیسے وہ سمیع کے گھر نہیں بلکہ سمیع اس کے گھر میں بیٹھا ہو۔ سمیع کو مزید غصہ آ گیا تھا۔

"آپ فی الفور اپنی چیزیں لیں۔۔۔اماں رضیہ سے اپنا حساب کتاب کلیئر کریں اور میرے گھر سے چلی جائیں۔۔۔مجھے آپ کی سروسز کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔۔۔۔میں دوبارہ آپ کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا اپنے گھر میں۔" اس نے دوٹوک انداز میں کہا تھا۔ وہ ایک دم حیران ہو کر اپنی ہی جگہ پر جیسے جم سی گئی پھر پلٹ کر اس کے قریب آئی اور اسی کے کاؤچ پر بیٹھ گئی۔

"ایسے کیوں کہہ رہے ہیں آپ۔۔۔کیا میں اپنا کام ٹھیک طریقے سے نہیں کر رہی۔۔۔!" وہ سوال کر رہی تھی۔ سمیع نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ چہرے سے اسے کبھی بھی شاطر نہیں لگی تھی۔ وہ اس کے بالکل سامنے بیٹھی معصومیت بھرے انداز میں سوال کر رہی تھی۔ سمیع کی نظریں ایک بار پھر اس کے چہرے اور گردن پر

جمی تھیں۔کسی نے بہت بے رحمی سے مارا تھا اسے۔۔۔جا بجا نیل اور خراشیں پڑی تھیں چہرے پر۔۔اس کی نظروں کو محسوس کر کے کونین نے نظریں چرالیں۔سمیع کو اس پر ترس آیا۔۔۔

"عورت ذات پر ہاتھ کیسے اٹھا سکتا ہے کوئی۔۔۔کوئی کیسے مار سکتا ہے کسی عورت کو ایسے۔۔۔"اس نے ترحم سے سوچا تھا۔اس کا لہجہ خود بخود نرم ہو گیا تھا۔

"کونین۔۔۔بات کام کی نہیں ہے۔۔۔کام کرنے والوں کی کمی نہیں ہے یہاں۔۔۔کام کرنے والے بہت لوگ مل جاتے ہیں۔۔۔بات اس اعتماد کی ہے جو ہم آپ پر کرتے ہیں۔۔۔میری وائف کو بھروسا ہے آپ پر۔۔۔میری بچی کی ٹیچر ہیں آپ۔۔۔سارا دن میری اکلوتی بیٹی آپ کے ساتھ ہوتی ہے۔۔۔اماں رضیہ نے زندگی کے بیس سال میرے خاندان کو دے کر جو رتبہ حاصل کیا ہے نا وہ رتبہ دو مہینوں میں آپ کو دے دیا ہے ہم نے۔۔۔یہ ہمارا آپ پر اعتماد ہے۔۔۔میں آپ کو گھر کے ایک فرد کی طرح سمجھتا ہوں۔۔۔۔اور آپ۔۔۔"اس کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی لیکن کونین نے اس کی بات کاٹ دی۔

"سمیع صاحب۔۔۔اب آپ شرمندہ کر رہے ہیں مجھے۔۔۔میں نے کب کوئی ایسی حرکت کی ہے جس سے آپ کے اعتماد کو ٹھیس پہنچی ہو۔"وہ حیران تو تھی ہی لیکن اس کے چہرے پر خفگی بھی بڑھ رہی تھی۔

"نہیں۔۔۔میں صرف حقیقت بیان کر رہا ہوں۔۔۔۔خدا جانتا ہے کہ مجھے یہ بھی نہیں پتا کہ آپ کس ایریا میں رہتی ہیں۔۔۔یقین کریں مجھے آپ کے وئیر اباؤٹس (ٹھور ٹھکانے) میں کوئی دلچسپی ہے بھی نہیں لیکن۔۔۔۔مجھے دوغلے انسان یا رویے ایک آنکھ نہیں بھاتے۔۔۔لوگ جھوٹ بولتے ہوں یا ان کے قول و فعل میں تضاد ہو تو میں ان کے ساتھ کام نہیں کر سکتا۔۔۔میں جس کرائسز سے گزر رہا ہوں اس میں اعصاب ویسے ہی مفلوج ہو جاتے ہیں۔۔۔مزید پریشانیاں یا الجھنیں افورڈ نہیں کر سکتا میں۔۔۔اس لیے۔۔۔"وہ لمحہ بھر کے لیے رکا پھر دوبارہ بولا تو اس کا لہجہ پہلے کی نسبت کافی سخت تھا۔

"آپ کے رویے سے مجھے بخوبی اندازہ ہو گیا ہے کہ آپ پر کتنا اعتماد کیا جا سکتا ہے۔۔۔آپ کی زندگی میں ہونے والا کچھ بھی غلط سلط میری بیٹی پر براہِ راست اثر انداز ہو گا۔۔۔اس کی خاطر ہی تو میں نے آپ کی یہ آفر قبول کی تھی۔۔۔لیکن اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میں نے غلط کیا تھا۔۔۔آپ تو بالکل بھی قابلِ بھروسا نہیں ہیں۔۔۔۔"وہ دوٹوک انداز میں بولا تھا۔

"آپ بار بار میری انسلٹ کر رہے ہیں۔۔۔حالانکہ کیا آپ کو۔۔۔"کونین چڑ کر کچھ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ سمیع نے اس کی بات کاٹ دی۔

"انسلٹ تو میری ہوئی ہے میری مدر کے سامنے۔۔۔"وہ اسے گھور کر دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔وہ چونکی اور استفہامیہ انداز میں اس کی جانب دیکھا۔اس کے چہرے پر ابھی بھی بے یقینی اور نا سمجھی کے رنگ چمک رہے تھے۔

"انہوں نے شکایت کی ہے میری۔۔۔لیکن کیوں۔۔۔۔میں نے تو کچھ نہیں کیا؟"وہ الٹا اس سے سوال کر رہی تھی جیسے کچھ جانتی ہی نا ہو۔سمیع کو اس کی چالاکی پر غصہ آیا تھا اور ساتھ ہی وہ کنفیوز بھی ہوا تھا کہ اگر اس نے امی کی ساری بات کو جھٹلا دیا تو اس کی کتنی بے عزتی ہو جائے گی۔گھر کی ایک ملازمہ کے سامنے وہ اپنی ماں کو بھی جھوٹا نہیں پڑوانا چاہتا تھا۔

"پہلے یہ بتائیں کہ آپ کے چہرے پر کیا ہوا ہے۔۔۔اور اب کی بار سیڑھیوں سے گرنے والا بھونڈا لطیفہ مت سنائیے گا۔"وہ دوٹوک انداز میں بولا تھا۔

وہ چند لمحے اس کی جانب دیکھتی رہی جیسے کچھ سوچ رہی ہو، کچھ کہنا چاہتی ہو مگر الفاظ نا مل رہے ہوں۔ ایک لمحے کے لیے تو سمیع کو لگا کہ وہ اُٹھ کر شاید چلی ہی جائے گی لیکن وہ تذبذب کے عالم میں بیٹھی رہی تھی پھر اس نے گہری سانس بھری تھی۔

"آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔۔۔ یہ فزیکل ٹارچر ہی ہے۔" اتنا کہہ کر وہ چُپ ہوگئی تھی۔ سمیع کو محسوس ہوا جیسے اس کا لہجہ بوجھل ہو رہا ہو۔ اسے اچھا نا لگا تھا۔ وہ لوگوں کے ذاتی معاملے کریدنے کا عادی نا تھا لیکن یہاں مسئلہ اس کی اپنی بیٹی کی سیکورٹی کا بھی تھا۔

"کس نے کیا ہے یہ سب کونین۔۔۔ کس نے مارا ہے آپ کو؟" اس نے پوچھا تھا۔ کونین نے عادت کے مطابق فوراً جواب نا دیا تھا اور جب وہ بولی تو اس کی آواز کسی کنویں میں سے آتی محسوس ہوئی تھی۔

"میرے فادر نے۔" سمیع کو دھچکا سا لگا۔

"فادر نے۔۔۔؟ مائی گاڈ۔ لیکن کیوں۔۔۔ کوئی باپ اپنی ہی اولاد کو بالخصوص اپنی بیٹی کو ایسے کیسے مار سکتا ہے۔"

"مجھے پتا تھا آپ کا اگلا سوال یہی ہوگا۔۔۔ اور کاش آپ نے یہ سوال نا پوچھا ہوتا۔۔۔ خیر اب پوچھ ہی لیا ہے تو سن لیجیے۔۔۔ دراصل غلطی میری ہی ہے۔۔۔ میں بہت منہ پھٹ ہوں۔۔۔ مجھے اپنی زبان پر قابو نہیں رہتا۔۔۔ میں نے ان کی کزن کے ساتھ بدتمیزی کی تھی۔۔۔ تو انہیں غصہ آگیا۔۔۔ بس پھر۔۔۔" وہ ایک بار پھر چُپ ہوگئی تھی۔

"یہ ٹھیک نہیں ہے۔۔۔ غصہ آجانے کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ بیٹیوں پر ہاتھ اٹھایا جائے۔۔۔ غضب خدا کا چھیل کر رکھ دیا ہے انہوں نے آپ کو۔۔۔" سمیع کو بہت افسوس ہو رہا تھا۔ وہ چند لمحے سے زیادہ اس کے چہرے کی جانب دیکھ نہیں پا رہا تھا۔ وہ کچھ نہیں بولی، چند لمحے اپنے ہاتھوں کی جانب دیکھتی رہی پھر یکدم اس نے گردن اٹھائی تھی۔ سمیع نے دیکھا اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں جنہیں وہ بہت ہمت سے چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"میں جاؤں اب؟۔۔۔ ایمن میرا انتظار کر رہی ہوگی۔" اسے اس کی بیٹی کی بھی فکر تھی۔ سمیع تذبذب کے عالم میں اس کی جانب دیکھتا رہا کہ آیا وہ بات کہ جو امی نے اسے کہی تھی، اس کے متعلق استفسار کرے یا نہیں پھر وہ ایک نتیجے پر پہنچ گیا تھا۔

"نہیں۔۔۔ ایک بات اور ہے جو میں آپ سے پوچھنا نہیں چاہتا۔۔۔ ایکچوئلی میں آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں۔۔۔ دیکھیں آپ ذرا جذباتی قسم کی ہیں۔۔۔ اکثر جوش میں کچھ نا کچھ الٹا سیدھا بول جاتی ہیں۔۔۔ ہاں میں مانتا ہوں کہ اس میں آپ کا قصور نہیں۔۔۔ یہ ایج ہی ایسی ہوتی ہے لیکن کونین ہمارا خاندان بہت ماڈرن نہیں ہے۔۔۔ بالخصوص میری امی کافی کنزرویٹو (قدامت پرست) ہیں۔ انہیں کب کیا بات بُری لگ جائے پتا نہیں چلتا۔۔۔ اور اب آپ سے کیا چھپاؤں۔۔۔ وہ مجھ سے اور شہرین سے بھی خوش نہیں رہیں۔۔۔ انہیں اکثر ہماری باتیں بھی بُری لگ جاتی ہیں تو وہ ذرا الگ انداز سے ری ایکٹ کرتی ہیں۔۔۔ میری ریکویسٹ ہے آپ سے کہ ان کے سامنے بولتے ہوئے ذرا احتیاط کیا کیجیے۔۔۔ وہ ذرا جلدی ناراض ہو جاتی ہیں۔" اس نے گھما پھرا کر اپنا موقف اسے سمجھانا چاہا تھا۔ وہ حیران ہوئی تھی۔

"انہوں نے بھی میری شکایت کی ہے کیا۔۔۔ لیکن اللہ کی قسم میں نے ان کے ساتھ کوئی بدتمیزی نہیں کی۔۔۔ ان سے تو میری بات چیت بھی نا ہونے کے برابر ہے۔۔۔ مجھے حیرانی ہے کہ انہیں مجھ سے کیا شکایت ہو سکتی ہے۔" وہ پریشان سی ہو کر پوچھ رہی تھی۔

"اوہو۔ کوئی شکایت نہیں ہے انہیں آپ سے۔۔ آپ جائیں۔۔۔ بس ایک بات کا دھیان رکھیں کہ ان کے سامنے زیادہ منہ نہیں کھولنا۔۔" وہ ناگواری سے بولا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے سامنے وہ الفاظ استعمال کرے جو امی نے کہے تھے لیکن اسے نصیحت کرنا بھی ضروری تھا۔
"بخدا۔ میں نہیں کھولتی منہ۔۔۔ میں تو چپ ہی رہتی ہوں لیکن اگر آپ کہہ رہے ہیں تو میں آئندہ ان کے سامنے منہ کھولوں گی ہی نہیں بلکہ اگر ضرورت پڑی تو چائے بھی اسٹرا سے پی لیا کروں گی۔۔۔ اس میں بہت تھوڑا سا منہ کھولنے سے گزارا ہو جاتا ہے۔۔۔ ٹھیک ہے نا؟" وہ پوچھ رہی تھی۔ اس کے اس طرح کہنے پر سمیع کو ہنسی آ گئی تھی۔۔۔ جسے بمشکل روکا تھا اس نے۔۔۔ کونین اسی کی جانب دیکھ رہی تھی پھر وہ ایکدم اٹھ کھڑی ہوئی
"زکیں" سمیع نے اسے اٹھتے دیکھ کر کہا تھا۔ وہ کچھ حیران سی ہو کر مڑی پھر چوکر بولی۔
"ایک اور ہچکی۔۔۔ آپ کو پانی پینے کی ضرورت ہے سمیع صاحب۔۔" اب کی بار سمیع اپنا قہقہہ ضبط نہیں کر پایا تھا
"یہ آئنٹمینٹ لگالیں چہرے پر۔۔۔" اس نے صوفے کے ساتھ پڑی تپائی کی دراز سے ایک ٹیوب نکال کر اسے دی۔ وہ اس کے ہنسنے پر ذرا حیران ہوئی مگر اس نے آئنٹمینٹ پکڑ لی تھی۔

☆☆☆

" مجھے تو ابھی بھی یقین نہیں آ رہا کہ میں خالہ بن گئی ہوں" نینا نے شاید چوتھی بار یہ جملہ ادا کیا تھا۔ صوفیہ کو اس کے انداز پر ہنسی آئی۔ وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ صوفیہ کو اندازہ نہیں تھا کہ ایک ننھا سا وجود اسے اتنا خوش کر دے گا۔ نینا اور وہ نرسری سے بچی کو دیکھ کر آئی تھیں اور اب زری کو اس کے متعلق تفصیل سے بتا رہی تھیں۔ انہوں نے موبائل سے اس کی پکچرز بھی لی تھیں۔ زری وہ پکچرز دیکھ دیکھ کر واری صدقے ہوئی جا رہی تھی۔ اسے ابھی چلنے کی اجازت نہیں ملی تھی لیکن وہ دو چیزوں کے لیے بے چین ہوئی جا رہی تھی۔۔۔ وہ اپنے شوہر سے ملنا چاہتی تھی اور اپنی بچی کو گود میں لینا چاہتی تھی لیکن دونوں ہی کام فی الوقت ہو نہیں پا رہے تھے۔ اظفر تو گھر جاتے ہوئے کہہ گیا تھا کہ ساری رات جاگتے رہنے کے باعث نیند پوری نہیں ہو سکی اس لیے اب جا کر سویا تو رات کو ہی اٹھوں گا اور تب ہی ہاسپٹل آؤں گا جبکہ نوزائیدہ بچی ابھی بھی انکیوبیٹر میں تھی سوائے زری سے بھی نہیں ملوایا جا سکتا تھا۔ صوفیہ بھی چار پانچ گھنٹے گھر میں گزار کر آرام کرنے کے بعد ان دونوں کے لیے کھانا لے کر واپس آئی تھیں۔
"تم اپنی بات کر رہی ہو۔۔۔ مجھے تو خود یقین نہیں آ رہا کہ میں ماما بن گئی ہوں" زری نے اپنی تکلیف کو برداشت کرتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا۔
"تمہیں کیوں یقین آئے گا۔ تم تو بس یہاں بیڈ پر بے ہوش پڑی تھیں۔۔۔ بے سدھ۔۔ مزے میں۔۔۔ ہم سے پوچھو۔۔۔ ٹانگیں تھک گئی ہیں میری اور امی کی ٹھنڈے کوریڈورز میں بیٹھے بیٹھے۔۔۔ ہمیں رات سے ٹینشن دے رکھی ہے تم نے۔۔۔ ہم سب ہاسپٹل کے کوریڈورز میں چل چل کر، چیخ کرتے ہوئے تمہارے گناہوں کی معافیاں مانگ کر ہلکان ہوتے رہے کہ یا اللہ۔۔۔ یہ لڑکی بے حد گناہ گار سہی لیکن اس پر کرم کر، اسے معاف کر دے اور اسے اس مرحلے کی ہر تکلیف سے بچاتے ہوئے آسانی عطا کر۔۔۔"
نینا نے مسکرا کر کہا تھا وہ کچھ زیادہ ہی خوش نظر آ رہی تھی۔۔۔ صوفیہ بار بار اس کے انداز کو بغور دیکھ رہی تھیں۔ یہ ایک بڑا پیارا احساس تھا۔ وہ سب نئے رشتے استوار کر رہے تھے۔ زری ماں بن گئی تھی اور وہ نانی جبکہ نینا خالہ بن جانے کی خوشی میں خوش تھی۔۔۔ اس کی بیٹی اگرچہ بہت کمزور تھی۔ اس کا وزن کافی کم تھا لیکن وہ ٹھیک تھی۔ نینا کو اس گلابی گلابی وجود پر اتنا پیار آ رہا تھا کہ دل چاہتا تھا اسے گود میں پکڑ لے تو زری تو پھر ماں تھی۔ اس کی بے چینی

کو وہ بخوبی سمجھ پا رہی تھیں۔ اس نئے رشتے کا احساس ہی بہت پیارا تھا۔ صوفیہ دونوں بیٹیوں کو خوش دیکھ کر خوش ہوئی جا رہی تھیں۔ نینا کا مزاج بہت دن بعد اتنا خوش گوار ہوا تھا۔ ورنہ تو وہ جب بھی ان کی طرف آتی تھی، ایسا بجھا ہوا چہرہ لے کر آتی تھی کہ انہیں دیکھ دیکھ کر ہول پڑتے تھے۔ خاندان میں ایک ننھے منے فرد کا اضافہ بڑا خوش آئند ثابت ہوا تھا۔

"میں کیوں ہونے لگی گناہ گار۔۔۔ تم خود ہو گی۔۔۔ میں نے تو آج تک ماں باپ کے حکم کے بغیر پاؤں بھی گھر سے نہیں نکالا۔۔۔"

زری نے نقاہت کے باوجود اس کی شرارت بھرے انداز کے جواب میں اسے بھی چڑانا چاہا تھا لیکن وہ ایک دم سے چُپ کر گئی۔ اس کے چہرے کے بدلتے رنگ صوفیہ نے صاف محسوس کیے تھے۔

"اچھا۔ زیادہ باتیں مت کرو۔ ٹانکے لگے ہیں تازہ۔ ان کا خیال کرو ذرا۔۔۔ اور نینا تم کھانا کھا لو۔۔۔ چکن کڑاہی بنا کر لائی ہوں۔۔ اس کے بعد ذرا آرام کر لو۔۔۔ پھر وقت نہیں ملے گا۔۔۔ علیم کہہ رہا تھا ہم بے بی دیکھنے آئیں گے۔۔ تمہاری خالہ آتی ہوں گی شاید آپا زینب وغیرہ بھی آئیں۔۔" صوفیہ نے بعجلت بات سنبھالی تھی۔ زری کو احساس نہیں تھا کہ اس کی بات کا نینا پر کیا اثر ہوا ہے۔

"اب تمہاری باری ہے نینا۔۔۔ تم بھی سنا دو ہمیں کوئی خوش خبری۔۔۔ کب تک سوکن اور اس کی اولاد کو پالتی رہو گی؟" زری نے نینا کو مخاطب کیا تھا۔ نینا چند لمحے چُپ رہی پھر اس نے کندھے اچکائے تھے۔

"خوش خبری تو ہے میرے پاس بھی۔" نینا نے کھانے والی باسکٹ تپائی پر رکھ کر کھولتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا۔ صوفیہ نے بے حد چونک کر اس کی جانب دیکھا۔ کیا وہ سچ کہہ رہی تھی۔ انہوں نے کبھی اس بیٹی سے ایسی سُن گُن لی ہی نہیں تھی۔

"تم یہاں آپریشن تھیٹر میں ہائے ہائے کر رہی تھیں۔۔ وہاں اینڈی مرے نے ومبلڈن جیت لیا ہے" نینا نے اطمینان سے پلیٹ میں کھانا نکالتے ہوئے اسے بتایا تھا۔ صوفیہ نے کچھ نہیں کہا لیکن انہیں یہ مذاق ذرا بھی پسند نا آیا تھا۔

"تم سے اسی "خوش خبری" کی امید تھی۔۔۔ ہمیں تو یہ بتاؤ کہ تمہارے گھر اینڈی مرے کب آئے گا۔۔ ہمیں تو اس سے غرض ہو گی۔۔۔ تمہارے ہزبینڈ کہتے نہیں تمہیں کچھ۔۔۔ ایمن کو بھی شوق نہیں ہے کسی ننھے منے بھائی کا۔۔۔ اظفر تو شادی کے اگلے دن سے ہی بے بی کی باتیں کرنے لگا تھا" وہ تکلیف میں ہونے کے باوجود بہت بول رہی تھی صوفیہ نے نینا کے چہرے کی طرف دیکھا جو شرم سے یا شاید غصے سے سُرخ ہوا جا رہا تھا۔ وہ چُپ چاپ کھانے میں مگن ہو گئی تھی جیسے زری کی بات سنی ہی نا ہو۔

"اظفر سے یاد آیا۔۔ پتا نہیں کیا کر رہا ہو گا میرا بے چارہ میاں۔۔۔ امی میرا موبائل تو دے دیں۔۔۔ اظفر اداس ہو گیا ہو گا۔۔ ایک کال تو کر لوں اسے" وہ چُپ رہنے پر تیار نا تھی۔

"اس سے زیادہ تو تم اداس ہوئی جا رہی ہو مگر ابھی صبر کرو۔۔۔ دے دوں گی موبائل بھی۔۔۔ نرا بیماریوں کا گھر۔۔۔ پتا ہے ہمارے زمانے میں بڑی بوڑھیاں اخبار رسالے پڑھنے اور ٹی وی دیکھنے کی اجازت بھی نا دیتی تھیں کہ چلے میں یہ سب کرو تو نظر کمزور ہو جاتی ہے۔۔" صوفیہ نے کہا تھا۔ اظفر بیوی اور بچی کو دیکھنے کے لیے اب تک ہاسپٹل نا آیا تھا۔

"اب وہ زمانہ نہیں رہا امی۔۔۔ یہ نیا زمانہ ہے۔۔ اب تو آپریشن کے فوراً بعد جب تک ماں میٹرنٹی گاؤن میں خود

اپنی سیلفیاں لے کر فیس بک پر اپ لوڈ نا کر دے۔۔مزا نہیں آتا" زری نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔صوفیہ بھی مسکرا دی تھیں اور بیٹی کے دلی سکون کی دعا کی تھی۔ نینا کا دھیان ابھی بھی ان کی جانب نہیں تھا۔انہوں نے اس کے لیے بھی صدق دل سے دعا کی۔

"یااللہ میری اس بیٹی کی بھی گود بھر دے۔۔اس کو بھی پر سکون زندگی عطا کر دے۔۔آمین" وہ دل سے چاہتی تھیں کہ اس کی آزمائشیں اب ختم ہو جائیں۔

☆☆☆

"کہاں ہے تمہاری لاڈو رانی۔۔۔؟" یہ اسی روز دوپہر کی بات تھی۔کاشف خلاف توقع دوپہر کے کھانے پر آگئے تھے اور آتے ہی پہلا سوال انہوں نے نینا کے متعلق کیا تھا۔

"وہ گھر پہ نہیں ہے۔۔۔وہ روزانہ اس وقت گھر سے باہر ہوتی ہے" صوفیہ نے ان کی جانب دیکھے بنا جواب دیا تھا۔کاشف نے ان کے انداز کو بغور دیکھا۔

"یہ ایسی قابلِ فخر بات بھی نہیں ہے کہ تم یوں گردن اکڑا کر مجھے بتاؤ صوفیہ۔۔وہ روزانہ اس وقت گھر سے باہر ہوتی ہے" انہوں نے جملہ مکمل کرتے ہوئے صوفیہ کی نقل اتاری تھی پھر طنزیہ انداز میں مزید بولے۔

"یہ تو مجھے بھی پتا ہے۔۔۔سوال یہ ہے کہ اگر وہ اس وقت گھر نہیں ہوتی تو کہاں ہوتی ہے۔۔۔کس کی اجازت سے جاتی ہے وہ گھر سے باہر" صوفیہ نے ایک نظر ان کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"وہ جاب کرتی ہے کاشف۔۔۔اب سے نہیں چار سالوں سے۔۔۔یہ بات آپ بھی جانتے ہیں کہ وہ ٹیوشن پڑھاتی ہے۔۔خود کما رہی ہے۔۔تاکہ اپنی کالج یونیورسٹی کی فیس وقت پر ادا کر سکے۔۔۔اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ اس نے کئی سالوں سے آپ سے اپنی فیس کے لیے ایک آنہ بھی نہیں لیا۔۔۔تب تو آپ کچھ نہیں کہتے تھے۔۔یکدم اس کے جاب کرنے پر آپ کا اعتراض میرے لیے تو بہت حیران کن ہے۔۔۔اس بات پر اتنے سالوں بعد آپ کا اس طرح واویلا مچانا میری سمجھ سے بالاتر ہے" صوفیہ نے بھانپ لیا تھا کہ وہ اب اتنے غصے میں نہیں ہیں سو وہ اپنا موقف پیش کر رہی تھیں۔کاشف نے نظریں چرائی تھیں۔

"تم مجھے اس بات کا طعنہ دے رہی ہو؟" وہ ناراضی بھرے لہجے میں بولے تھے۔

"نہیں۔۔۔طعنہ کس بات کا دوں گی اس عمر میں اب۔۔۔میں تو فقط آپ کو باور کروانا چاہ رہی ہوں کہ آپ نا انصافی کر رہے ہیں۔۔۔آپ نے جو رات کیا ہے نا وہ قطعاً قابلِ برداشت نہیں ہے کاشف۔۔۔جوان اولاد کو اس طرح دھتکاتا ہے کوئی۔۔۔وہ بھی بیٹی ذات کو۔۔۔''صوفیہ تحمل بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی لیکن کاشف نے غرا کر ان کی بات کاٹی۔

"صوفیہ تم ہمیشہ اسی کا ساتھ کیوں دیتی ہو۔۔۔اس کی اندھی حمایت کیوں کرتی ہو۔۔۔وہ جو بکواس کر رہی تھی رات۔۔کیا بیٹی ذات کو جچتی ہیں ایسی باتیں۔۔۔باپ کو ایسے طعنے دیتی ہیں بیٹیاں۔۔۔" انہیں پھر سے غصہ آنے لگا تھا۔صوفیہ نے ایک نظر ان کی جانب دیکھا۔ان کا دل چاہا ہمت کر کے کہہ دیں کہ وہ طعنے کب دے رہی تھی۔۔وہ سچ ہی تو کہہ رہی تھی مگر شوہر کی بات برداشت کرنے کی عادت اب ان کے خون میں آکسیجن کی طرح جذب ہو چکی تھی۔۔وہ پلٹ کر طعنہ دینا بھول چکی تھیں۔

"میں یہ کب کہہ رہی ہوں۔۔۔وہ بھی غلط کر رہی تھی۔۔باپ کے آگے زبان چلانا دانش مندی تو نہیں ہے مگر۔۔۔" وہ لمحہ بھر کے لیے چپ ہوئیں پھر مزید بولیں

"آپ کو ہاتھ نہیں اُٹھانا چاہیے تھا کاشف۔۔۔ایسے تو وہ مزید خودسر ہو جائے گی"۔
"اتنا بھی سورما نہ سمجھو بیٹی کو صوفیہ۔۔۔مجھے سیدھا کرنا آتا ہے اسے۔۔۔اب وہ مزید ایک لفظ بھی بول کر دکھائے میرے سامنے۔۔۔جان نکال کر یہیں دبا دوں گا مٹی میں تمہارے سامنے۔۔۔"وہ غرائے تھے پھر صوفیہ کے چہرے پر پھیلے تفکر کو نظر انداز کر کے مزید کہنے لگے۔
"وہ آئے تو اسے سمجھا دینا۔۔۔کہ بس آج کا دن آخری تھا۔۔۔اس نے کر لی اپنی مرضی۔۔اب دوبارہ وہ سمیع رندھاوا کے گھر آیا بن کر گئی تو میں واقعی اسے اپنے ہاتھوں سے قتل کر دوں گا۔۔"
"سمیع رندھاوا۔۔۔؟"صوفیہ نے یہ نام پہلی بار اسی دن سُنا تھا۔
"میں تو اس شخص کو نہیں جانتی۔۔کون ہے یہ۔۔۔؟"
"یہ بات تم اپنی بیٹی سے پوچھو تو زیادہ مناسب ہوگا۔۔۔اور اس کے لیے رشتہ دیکھو کوئی۔۔۔اپنے بہن بھائیوں کو بولو کہ بتائیں کسی لڑکے کے بارے میں۔۔اپنے ملنے ملانے والیوں سے کہو۔۔۔اس قابل نہیں ہے یہ کہ رشتہ گھر چل کر گھر آجائے۔۔نا شکل نا عقل۔۔۔بس زبان ہی زبان ہے۔۔۔آسانی سے کوئی نہیں آئے گا بیاہنے اس سوغات کو۔۔۔ہمیں ہی ہاتھ پاؤں مارنے پڑیں گے۔۔اپنی بہن کو بولو۔۔کوئی بھی مناسب سا رشتہ ہو تو ہمیں بتائیں۔۔ذات برادری گھر بار شکل صورت کی ٹینشن میں پڑنے کی بھی ضرورت نہیں۔۔بس چلتا پھرتا کوئی بھی انسان کا بچہ مل جائے۔۔اور اپنی بہن کو بول دینا کہ میں اس "مصیبت" سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے دل کھول کر روپیہ بھی خرچنے کو تیار ہوں"۔
کاشف نے ناک چڑھا کر جواب دیا تھا۔صوفیہ کو ان کی بات سخت بُری لگی کہ ان کے چہرے کا رنگ سُرخ ہو گیا لیکن ساتھ ہی ان کے رویے نے انہیں تذبذب میں ڈال دیا تھا۔انہیں نینا پر بھروسا تھا لیکن کاشف نے جس انداز میں اس غیر مرد کا ان کے سامنے ذکر کیا تھا اور پھر اس کے رشتے کے لیے عجلت بھرا انداز اپنایا تھا، وہ سوچ میں پڑ گئی تھیں کہ شاید نینا کا کسی کے ساتھ کوئی سلسلہ ہے اور کاشف کو اس کی سُن گُن مل گئی ہے تب ہی وہ اس قدر برانگیختہ ہیں لیکن انہوں نے دل ہی دل میں تہیہ کیا تھا کہ معاملہ کچھ بھی ہو وہ اس بار نینا کا ساتھ دیں گی۔
"آپ ہر دفعہ میری بیٹی کے ساتھ زیادتی نہیں کر سکتے کاشف نثار صاحب۔۔اگر زری اپنی مرضی سے شادی کر سکتی ہے تو نینا کو بھی اپنی مرضی سے شادی کرنے کا پورا حق ہے"انہوں نے جل کر سوچا تھا۔

☆☆☆

"یہ سمیع رندھاوا کون ہے؟"انہوں نے چائے کا کپ پیناڈول کی دو ٹیبلٹس کے ساتھ اس کے سامنے رکھتے ہوئے بہت عام انداز میں سوال کیا تھا۔وہ نہیں چاہتی تھیں کہ نینا بھڑک اٹھے سو اپنے لہجے کو جتنا نرم رکھ سکتی تھیں اتنا ہی نرم رکھا تھا انہوں نے۔۔خلافِ توقع نینا بھڑکی نہیں تھی اور نا ہی حیران ہوئی تھی۔
"آپ کو بھی خبر ہو ہی گئی آخر۔۔"اس نے عام سے انداز میں کہا۔اس نے سارے چہرے پر کوئی دوا لگا رکھی تھی جو وہ خود ہی کہیں سے لائی تھی۔
"کون ہے یہ شخص۔۔۔تم کیسے جانتی ہو اسے۔۔؟"صوفیہ نے اگلا سوال کیا حالانکہ وہ جانتی تھیں کہ اس کی مرضی نہیں ہوگی تو وہ انہیں کچھ بھی نہیں بتائے گی لیکن پھر بھی وہ پوچھنا چاہتی تھیں۔وہ چاہتی تھیں کہ نینا ایک بار اس کے سامنے اعتراف کر لے تو وہ اسے یقین دلا سکیں کہ وہ اس کی حمایت میں اب کی بار اتنا ہی آگے جائیں گی جتنا کہ وہ زری کی دفعہ گئی تھیں لیکن وہ اعتراف کرتی تو سہی۔

"اس کا مطلب ہے آج ابا کی در زن کزن تشریف لائی تھیں ہمارے گھر۔۔؟" اس نے الٹا ان سے ہی سوال کرلیا تھا۔ صوفیہ کو جھٹکا سا لگا۔ ان کا یہاں کیا ذکر۔۔؟" وہ حیران ہوئی تھیں۔

"نہیں۔۔۔۔ وہ تو عرصہ ہوا نہیں آئیں۔۔۔ جب سے تمہارے ابا نے انہیں قرض دینے سے انکار کیا ہے تب سے انہوں نے اس گھر کی طرف مڑ کر نہیں دیکھا۔۔۔ زمین کھا گئی ہو جیسے انہیں تو۔۔۔ اور ان کا یہاں کیا ذکر۔۔؟" صوفیہ نے اسے کم اور خود کو زیادہ یقین دلایا تھا کیونکہ کاشف نے ان کو اپنی کزن کے غائب ہو جانے کی یہی وجہ بتائی تھی۔ نینا طنزیہ انداز میں ہنسی۔

"کیوں مذاق کرتی ہیں زوجہ کاشف نثار۔۔۔ وہ نہیں آئیں تو پھر کس نے بتا دیا آپ کو سمیع رندھاوا کے بارے میں" وہ ان کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔ صوفیہ نے پلکیں جھپکیں۔

"وہ واقعی نہیں آئیں نینا۔۔۔ میرے سامنے تمہارے ابا نے لیا تھا اس شخص کا نام۔۔۔ کیا معاملہ ہے یہ؟ کون ہے یہ شخص؟" وہ حیران تھیں۔ اب کی بار نینا نے نظریں چُرائی تھیں۔

"آپ میرے ابا سے ہی پوچھ لیتیں نا پھر۔ ان کو تو سب پتا ہے" نینا انہیں کچھ بتانے کے موڈ میں نہیں تھی۔

"تم سب لوگ مجھے ہی چابی والا بھالو سمجھ کر گھماتے رہا کرو۔۔۔ ان سے پوچھو تو وہ کہتے ہیں اپنی بیٹی سے پوچھو۔۔ اور بیٹی کہتی ہے ابا سے پوچھو۔" وہ ناراض سی ہوئی تھیں۔ وہ جس معاملے کو بیٹی سے متعلق سمجھ رہی تھیں وہ تو کچھ اور ہی لگ رہا تھا۔ نینا نے چپ چاپ اپنا کپ اٹھایا اور منہ سے لگا لیا۔ وہ بھی کچھ بتانے کے موڈ میں نہیں تھی۔ صوفیہ کو دکھ تو ہو ہی رہا تھا، انہیں برا بھی لگا۔

"تمہاری مرضی۔۔۔ مت بتاؤ تم بھی کچھ۔ لیکن یہ بھی سن لو کہ تمہارے ابا نے سختی سے منع کیا ہے کہ تم دوبارہ اس شخص کے یہاں نہیں جاؤ گی۔۔۔ میرا کام تھا تمہیں بتانا۔ وہ میں نے کر دیا۔ اب تم جانو اور تمہارے ابا۔۔" صوفیہ نے چاہا تھا کہ وہ اس معاملے کو بخوبی نبٹا لیں گی لیکن جب بیٹی ہی تعاون کرنے کو تیار نہیں تھی تو وہ کیا کر سکتی تھیں۔

"آپ بھی ابا کو بتا دیجیے گا کہ اب میں ان کی کوئی بات نہیں مانوں گی۔۔ وہ مجھ پر حکم چلانے کے سارے اختیار کل رات کھو چکے ہیں۔۔ ایک بدکردار رشتہ دار کی خاطر ابا نے میرے دل سے اپنی رہی سہی کھرچن لگی عزت بھی ختم کر ڈالی ہے۔۔۔ اب میرا ان سے کوئی رشتہ نہیں۔۔۔ میں آپ کے سامنے انہیں اپنی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد سے عاق کرتی ہوں۔۔۔ ان سے کہہ دیجیے گا کہ اپنی عزت پیاری ہے تو دوبارہ میرے کسی معاملے میں مت بولیں ورنہ میں گھر سے بھاگ جاؤں گی"۔

وہ انتہائی سفاک انداز میں بولی تھی۔ صوفیہ اس کا چہرہ دیکھتی رہ گئی تھیں۔ دوپہر کو انہیں کاشف پر غصہ آ رہا تھا اور اب انہیں نینا پر غصہ آنے لگا تھا۔ ان کی بات کی اس گھر میں کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ وہ اپنے آنسو چھپاتی وہاں سے اٹھ گئی تھیں۔ انہیں اندازہ تھا کہ آنے والے دنوں میں ان کے گھر کے حالات مزید بگڑنے والے تھے۔

☆☆☆

"کونین کہاں ہیں۔۔ وہ اب تک کیوں واپس نہیں آئیں" ایمن کی گلوگیر سی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ وہ آفس سے واپس آیا ہی تھا اور اسے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ یہ صورتحال ہو گی۔ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ کونین ہاسپٹل سے واپس آ چکی ہوگی لیکن ایمن کے جملے سے اس پر منکشف ہوا تھا کہ وہ اب تک نا آئی تھی۔ وہ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا اندر آیا تھا۔ ایمن ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی تھی اور اماں رضیہ بھی اس کے پاس اپنا سر پکڑے بیٹھی

تھیں۔ایمن بلاشبہ نینا کی غیر موجودگی سے سخت ناراض تھی۔وہ صبح بھی نینا کو گھر میں موجود نا پا کر رونے لگی تھی۔سمیع بہت مشکل سے ڈانٹ ڈپٹ کرا سے اسکول چھوڑ کر آیا تھا اور اب بھی وہ روہانسی ہوئی بیٹھی تھی۔ایسا لگتا تھا اسکول سے واپس آکر اس نے ٹھیک سے ہاتھ منہ بھی نہیں دھویا تھا۔سمیع اس کے پاس ہی آگیا تھا حالانکہ اس کا ارادہ تھا کہ گھر جاتے ہی شاور لے گا اور سو جائے گا۔رات بھی ٹھیک سے سو نہیں پایا تھا۔اب سر میں عجیب سا درد ہو رہا تھا۔

"وہ اپنے گھر گئی ہوئی ہیں بیٹا۔۔" سمیع نے اپنے کمرے میں جانے کا ارادہ ترک کیا اور ایمن کے قریب والی کرسی پر بیٹھ کر بہت تحمل سے بولا تھا حالانکہ اسے بلاوجہ غصہ آرہا تھا۔اسے لگا اس کا بلڈ پریشر ہائی ہو رہا ہے۔اماں رضیہ نے چونک کر سر اٹھایا۔وہ اس کی آمد سے بے خبر تھیں۔

"ارے بیٹا۔۔تم آگئے۔۔۔مہربانی کرو اس بچی کو تو سنبھال لو۔۔یہ نہیں سنتیں اب میری۔۔انہیں تو اب کونین چاہیے۔۔۔بھول گئی ہمیں جب ہماری گود کے علاوہ نیند نا آیا کرتی تھی" اماں رضیہ مصنوعی ناراضی بھرے انداز میں بولیں۔سمیع نے ایمن کی آنکھوں میں دیکھا اور محبت سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ایمن کے چہرے کے تاثرات میں ذرا تبدیلی نا آئی تھی۔

"کیوں تنگ کر رہی ہو آپ اماں رضیہ کو۔۔دیکھو وہ ناراض ہو گئی ہیں آپ سے" سمیع نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔اس نے سمیع کی بات سنی ان سنی کر دی تھی۔سمیع اپنی ہی بیٹی کے سامنے کبھی کبھی خود کو بے حد انجان محسوس کرتا تھا۔اس کے اور ایمن کے تعلقات کبھی بھی بہت خوش گوار نا رہے تھے حالانکہ وہ جب بھی ذہنی خلفشار کا شکار نا ہوتا تھا تو ایمن کو ضرور وقت دینے کی کوشش کرتا تھا لیکن ایمن کا رویہ بعض اوقات بالکل منفی ہو جاتا تھا۔وہ کونین سے بہت زیادہ اٹیچڈ ہو چکی تھی۔کونین کی چند گھنٹوں کی غیر موجودگی بھی اسے گراں گزرتی تھی۔

"کونین کہاں ہیں۔۔۔وہ واپس کیوں نہیں آئیں اب تک۔۔۔؟" وہ سوال کر رہی تھی اور ساتھ ہی اپنا ہاتھ سمیع کے ہاتھ سے چھڑوایا تھا۔

"وہ اپنے پیرنٹس کے گھر پر ہیں۔۔۔ان کے پیرنٹس کو ان کی ضرورت ہے۔۔وہ ایک دو دن میں واپس آجائیں گی۔۔۔ان کی بہن کو اللہ کریم نے ایک پیارا سا بے بی دیا ہے۔۔۔اس لیے وہ ان کے پاس رہیں گی" سمیع نے وضاحت کی۔

"زری خالہ کو۔۔؟" وہ پوچھ رہی تھی۔چہرے پر کچھ حیرانی تھی۔سمیع کو کونین کی بہن کا نام تو یاد نہیں تھا لیکن اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"لیکن میں ان کو مس کر رہی ہوں۔۔۔مجھے پڑھائے گا کون۔۔۔؟ مجھے ان کی ضرورت ہے۔۔یہ ہے نا ان کا گھر۔۔۔وہ کسی کے گھر کیوں گئی ہیں۔۔۔اور اگر ان کو جانا ہی تھا تو وہ مجھے بھی ساتھ لے جاتیں۔۔۔وہ مجھے کیوں ساتھ لے کر نہیں گئیں۔۔۔انہوں نے جانے سے پہلے مجھے بتایا بھی نہیں۔۔یہ بہت بری بات ہے۔۔آپ ان کو کال کریں کہ پلیز وہ مجھے بھی لے جائیں آکر۔۔۔مجھے بھی یہاں نہیں رہنا" وہ روتی ہوئی جا رہی تھی۔سمیع کو اس کا رویہ اچھا نا لگا مگر اس نے تحمل سے کام لیا۔

"او وری ایکٹ کرنا بند کرو ایمن۔۔۔آپ پہلے کھانا کھاؤ۔۔اپنا ہوم ورک مکمل کرو۔۔اس کے بعد میں انہیں کال کر دوں گا۔۔وہ واپس آجائیں گی۔۔لیکن اگر اب آپ نے رونا رو کر دکھایا یا اماں رضیہ کو تنگ کیا تو پھر میں انہیں کبھی بھی واپس نہیں لاؤں گا۔" اس نے سخت لہجے میں بیٹی کو تنبیہہ کی تھی۔اس کی آنکھیں مزید بھیگ گئی تھیں

؛لیکن وہ سہم کر چپ ہو گئی تھی۔
"شہرین نے کھانا کھالیا تھا؟" سمیع نے سوال کیا تھا۔
"ارے بھیا ان کی بھی کچھ مت پوچھو۔۔۔ وہ بھی صبح سے چپ چاپ پڑی ہیں۔۔ نا کوئی ضد کر رہی ہیں۔۔ نا کچھ بول رہی ہیں۔۔۔ وہ منہ سے تو کچھ نہیں بولیں مگر وہ بھی کونین بٹیا کے لیے اداس لگتی ہیں۔۔ بہت مشکل سے دلیہ کھلایا تھا۔۔ ابھی دس منٹ پہلے ہی سوئی ہیں۔۔" اماں رضیہ نے اس کا چہرہ بغور دیکھتے ہوئے جواب دیا تھا پھر اس سے پہلے کہ وہ اوپر اپنے کمرے میں چلا جاتا وہ بول تھیں۔
"آپ کونین بٹیا کو فون کر دیتے کہ اب واپس آجائیں۔۔۔ یہ تو نہیں سنبھلیں گی ہم سے" اماں رضیہ تو خود اداس ہوئی جا رہی تھیں۔ سمیع کو ان کی بات پر مزید غصہ آیا۔ سارا گھر ہی اس چھٹانک بھر کی لڑکی کے لیے اتاولا ہوا جا رہا تھا۔
"یہ بات ان کو بھی تو پتا ہے نا کہ ایمن نہیں رہتیں ان کے بغیر۔۔۔ میں نہیں کروں گا کسی کو بھی فون۔۔۔ آنا ہو گا تو خود آجائیں گی۔۔۔ اور آپ کو بھی کوئی ضرورت نہیں ہے فون شون کرنے کی" وہ چڑ کر بولا تھا۔
"اسے کھانے کو دیں کچھ۔۔۔ کھانا کھلائیں اسے۔۔۔ اور اگر یہ نہیں کھائے گی تو مجھے بتائیے گا" سمیع نے دوسرا حکم جاری کیا اور پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں آگیا۔ ایمن کا رویہ کونین کی غیر موجودگی میں پہلی بار ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ اکثر اسی طرح بگڑ سی جاتی تھی جیسے کونین سے بڑھ کر اسے کوئی عزیز نا ہو اور یہ بات سمیع کو بعض اوقات بہت ناگوار گزرتی تھی۔ ابھی بھی ایسا ہوا تھا لیکن آج کا غصہ کچھ اور طرح کا تھا۔ اسے جھنجلاہٹ سی ہو رہی تھی۔ کونین اب تک واپس کیوں نہیں آئی تھی۔ اسے واپس آجانا چاہیے تھا۔ وہ اسے خود ہی کہہ آیا تھا کہ جب تک چاہے اپنی بہن کے پاس رہو لیکن وہ دیکھ رہا تھا کہ اس طرح تو اس کے اپنے گھر کا سارا نظام بگڑنے لگتا تھا اور یہ بات اسے جھنجلاہٹ میں مبتلا کر رہی تھی۔
"کیا ہم سب کونین کے اس قدر عادی ہو گئے ہیں کہ ایک آدھ دن بھی اس کے بغیر رہنا مشکل ہو جاتا ہے" وہ سوچ رہا تھا۔ سب سے بڑھ کر ایمن کا رویہ اسے پریشان کر رہا تھا۔
اس نے ایمن کو بگاڑنے کے لیے تو کونین سے شادی نہیں کی تھی۔۔۔

☆☆☆

"کہاں ہے سمیع۔۔۔؟" وہ گھر سے نکل کر آفس جانے کے بجائے پہلے ہاسپٹل پہنچا تھا جب امی کی کال اس کے موبائل پر آئی تھی۔ شہرین کو رات کسی وقت ہوش آیا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولی تھیں لیکن پھر وہ دوبارہ غنودگی میں چلی گئی تھی۔ سمیع عموماً دوپہر کے بعد اس کے پاس آیا کرتا تھا لیکن آج وہ جلدی آگیا تھا اور اب اس کے بستر کے پاس بیٹھا اس کے دھیرے دھیرے گھلتے وجود دیکھ رہا تھا۔ وہ شہرین نہیں تھی۔۔۔ اس کی شکل اس کا وجود بالکل بدل کر رہ گیا تھا۔۔ کینسر کے عفریت نے جیسے اسے کھالیا تھا۔ سمیع کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ اس نے ناپسندیدگی سے فون اٹھایا تھا۔
"کیوں۔۔۔ کیا ہوا۔۔۔؟" اس نے پوچھا تھا۔ امی کی کال اسے ہائی الرٹ کر دیتی تھی۔
"وہ تیرا ہونے والا سوہرا آیا تھا ابھی۔۔۔ خوب گھن گرج کے ساتھ برس کر گیا ہے۔۔۔۔ بس یہی دن دیکھنے رہ گئے تھے۔۔ رنڈھاووں کی عزت دو کوڑی کی کر گیا ہے" امی کو بات طویل کر دینے کی عادت تھی۔ سمیع کو کچھ سمجھ نا آئی کہ وہ کس کی بات کر رہی ہیں۔ اس نے زچ ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا کہ کوئی نرس وغیرہ موجود تو نہیں پھر اندازہ لگاتے ہوئے وہ آہستہ سے بولا تھا۔

"شہرین کے فادر کی بات کر رہی ہیں۔۔۔ انہیں بولیں کہ میں ہاسپٹل میں ہوں اس وقت۔۔۔ گھر آ کر بات کرتا ہوں۔۔ آپ انہیں چائے پانی پوچھیں۔۔۔ ان کا خیال رکھیں۔۔ میں۔۔" اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ امی نے اس کی بات کاٹ دی۔

"وہ خیال رکھتی ہے میری جوتی۔۔۔ میں نوکر نہیں ہوں تیرے گھر کی۔۔۔ یہ بات اپنے نوکروں کو سمجھا۔۔ اور بات سن شہرین کا فادر نہیں آیا۔۔۔ یہ جو بلا پال رکھی ہے نا تو نے اُجرت پر۔۔۔ ایمن کی نوکرانی۔۔۔ اس کا باپ آیا تھا۔۔۔ اچھا ذلیل کر کے گیا ہے" سمیع کو امی کے زیادہ بولنے سے بھی چڑ ہوئی تھی۔ امی نے زیب داستان کے لیے چار ٹانکے خود سے جڑ دیے تھے۔

"کونین کے باپ کی بات کر رہی ہیں۔۔۔ وہ کیوں آیا تھا۔۔۔؟" اسے غصہ آیا۔ زندگی میں اس کے لیے پریشانیاں روز بروز بڑھتی ہی جا رہی تھیں۔

"اب یہ تو مجھے نہیں بتایا اس نے۔۔۔ لیکن اپنی بیٹی کا پوچھ رہا تھا۔۔ کہتا ہے میری مرضی کے بغیر آیا گیری کر رہی ہے تمہارے گھر۔۔۔ مجھے پسند نہیں یہ بات۔۔۔ بس بلاؤ میری بیٹی کو۔۔۔ ساتھ لے کر جاؤں گا" امی نے لہجے کو گھمبیر بناتے ہوئے مکمل بات بتائی تھی۔

"تو لے جاتا اپنی بیٹی کو۔۔ ہم نے اچار ڈالنا تھا اس کا۔۔۔ آپ بلا دیتیں کونین کو۔۔ ہم نے کون سا باندھ کر رکھا ہوا ہے اسے" سمیع جھنجلا کر بولا۔

"وہ تو موجود ہی نہیں تھی۔۔۔ ایمن کو لے کر اسکول گئی ہوئی ہے نا آج۔۔۔ اس کا ٹیسٹ جو ہونا ہے اسکول میں داخلے کا۔۔" انہوں نے بتایا۔ سمیع کو اس بات کا بھی نہیں پتا تھا۔ اس نے گہری سانس بھر کر منہ سے ایک دم ساری سانس خارج کی تھی۔ اس کے اعصاب آج کل بے حد اکڑے رہتے تھے اور اسے ایسا لگتا تھا جیسے وہ خود بھی بیمار ہوا جا رہا ہے۔

"اچھا۔۔۔ اب کہاں ہے وہ۔۔ چلا گیا ہے یا بیٹھا ہے۔۔؟"

"میں نے بتا دیا کہ بھائی تیری بیٹی ابھی نہیں ہے یہاں۔۔۔ آئے گی تو ہم کان سے پکڑ کر بھیج دیں گے۔۔۔ ہمیں نہیں چاہیئے ایسی نوکرانی جس کے پیچھے والے اتنے زور آور ہوں۔۔۔ ویسے وہ آدمی لگتا ہی نہیں تھا کہ اس لڑکی کا باپ ہے۔۔۔ یہ اونچا لمبا، گورا چٹا۔۔۔ مہنگے کپڑے اور جوتے کا شوقین لگتا تھا۔۔۔ کلف لگا لٹھے کا شلوار قمیص پہن رکھا تھا۔۔ بازو میں گھڑی بھی بڑی مہنگی پہنی لگتی تھی۔۔۔ یہ تیری کونین تو غریبنی سی لگتی ہے۔۔۔ باپ تو بڑا امیر لگتا تھا۔۔۔ سمیع یہ ہیں کون ذات کے۔۔۔ مجھے تو اپنی برادری کے لگتے ہیں۔۔ ہیں۔۔۔؟" وہ تفصیل بتاتے ہوئے اس کی رائے بھی لینا چاہ رہی تھیں۔ سمیع کا دل چاہا کان سے لگا فون دیوار میں دے مارے مگر چونکہ وہ یہ کر نہیں سکتا تھا اس لیے اس نے بس غصے میں فون ہی بند کر دیا تھا۔

"یا اللہ۔۔۔ یہ کیا مصیبت ڈال لی ہے میں نے اپنے گلے میں" اس نے زچ ہو کر سوچا تھا۔ اس کا ہر فیصلہ اس کے لیے غلط ثابت ہو رہا تھا۔ اس نے شہرین کے وجود پر نظر ڈالی۔ وہ اطمینان سے گہری غنودگی میں غرق تھی۔ وہ چند لمحے اس کی جانب دیکھتا رہا پھر اس نے جھک کر اس کا ماتھا چوما تھا۔

"ہر چیز تمہارے دم سے آباد تھی میری جان۔۔۔ پلٹ آؤ۔۔۔ مجھ سے نہیں سنبھالا جا رہا کچھ بھی۔۔۔ تمہارے بغیر تو کچھ بھی نہیں ہوں میں۔۔۔" اس نے بہت دھیمی آواز میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا جیسے وہ اس کی بات سن رہی ہو۔ وہ مزید کچھ دیر اس کی جانب دیکھتا رہا۔ اس کا چہرہ، ناک منہ، اس کی انگلیاں حتیٰ کہ اس کی پیشانی

کے گرد بھی ایک نالی لگا رکھی تھی ڈاکٹر نے۔۔۔وہ انسان نہیں ایک مشین لگنے لگی تھی۔سمیع کی آنکھیں پھر بھیگ گئیں۔اس نے سر پر ٹکے سن گلاسز اتار کر آنکھوں پر لگا لیے اور اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

☆☆☆

"کونین کو ذرا اسٹڈی روم میں بھیج دیجیے گا اماں۔۔۔"اس نے گھر پہنچتے ہی سب سے پہلے اس قضیئے کو نبٹا لینے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔روز روز کی پریشانیاں نہیں پال سکتا تھا وہ۔۔۔اسے اس مسئلے کو آج ہی جڑ سے ختم کرنا ضروری ہو گیا تھا۔اسی لیے وہ سات بجے ہی گھر پہنچ گیا تھا کیونکہ کونین کو ڈرائیور نو بجے تک گھر چھوڑ کر آتا تھا۔اماں رضیہ کو اسے بلانے کا کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔اس پر سخت جھنجلاہٹ سوار تھی۔اسی لیے اس نے پہلے شاور لیا، کپڑے تبدیل کیے اور پھر اسٹڈی روم کی جانب آیا تھا۔اس نے عقب سے دیکھا تب تک وہ وہاں آ کر بیٹھ چکی ہوئی تھی۔سمیع نے دروازے پر انگلی کی مدد سے ہلکی سی دستک دی تا کہ وہ ذرا الرٹ ہو جائے پھر وہ اندر داخل ہوا تھا۔اس کی پہلی نگاہ اس کے چہرے پر ہی پڑی تھی۔نیل ذرا کم ہو گئے تھے اور چہرے پر سُرخی بھی پہلے سے کم ہو چکی تھی لیکن خراشیں ابھی بھی نمایاں تھیں۔اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے سمیع کو اس کے باپ پر ایک دَم پھر غصہ آیا اور یہ سوچ کر مزید آیا کہ وہ شخص اس کے گھر تک آ گیا تھا۔وہ اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔وہ خلافِ معمول کچھ شرمندہ سی نظر آئی تھی۔اسے یقیناً پتا چل چکا تھا کہ اس کے والدِ محترم یہاں کیا واویلا مچا کر گئے تھے۔

"آپ فی الفور اپنی چیزیں لیں۔۔اماں رضیہ سے اپنا حساب کتاب کلیئر کریں اور میرے گھر سے چلی جائیں۔۔۔مجھے آپ کی سروسز کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔۔۔میں دوبارہ آپ کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا اپنے گھر میں"اس کے بیٹھتے ہی اس کا گزشتہ روز کا بولا گیا جملہ مِن وعَن دُہرایا تھا اس نے۔۔۔یہ سمیع کے دل کی آواز تھی۔وہ کافی ناراض تھا آج والے واقعے پر لیکن کونین کے ایسے کہنے پر جانے کیوں اسے ہنسی آ گئی جسے اس نے مسکراہٹ تک محدود رکھا تھا۔اس لڑکی کے لیے ہر مشکل کا حل کچھ انوکھا ہی ہوتا تھا۔

"یہی کہنا چاہتے ہیں نا آپ۔۔۔؟"وہ اس کی طرف دیکھے بنا پوچھ رہی تھی۔سمیع نے سر ہلایا پھر بائیں ٹانگ پر دائیں ٹانگ رکھ کر اپنے اندازِ نشست کو آرام دہ بناتے ہوئے اس نے سر ہلایا تھا۔

"جی۔۔۔کیونکہ اس مسئلے کا واحد حل یہی ہے۔۔۔میں اعتراف کرتا ہوں کہ میرا فیصلہ غلط تھا۔۔مجھے آپ کو ہائر نہیں کرنا چاہیے تھا۔۔۔آپ اس جاب کے قابل نہیں ہیں۔۔۔یا یوں یہ کہہ لیں کہ یہ جاب آپ کے قابل نہیں ہے"اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ کونین نے اس کی بات کاٹ دینی چاہی۔سمیع نے ہاتھ کے اشارے سے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا پھر اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر بولا۔

"چپ رہیں آپ۔۔آج آپ ایک لفظ نہیں بولیں گی۔۔خاموشی سے میری بات سُنیں۔۔میں نے آپ سے کہا تھا نا کونین۔۔میں مزید پریشانیاں افورڈ نہیں کر سکتا۔۔۔اور اب تو میری برداشت بالکل ختم ہو گئی ہے۔۔۔میرے گھر میں آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی شخص منہ اٹھا کر آ گیا ہو اور اس طرح سے شور شرابا کرنے لگا ہو۔۔میں نے آپ کو یہ بھی بتایا تھا کہ میری مدر ذرا اور طرح کے مزاج کی ہیں۔۔وہ بہت جلدی چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض ہو جاتی ہیں۔۔۔اب اس ساری صورتحال سے میری امی الگ ناراض ہیں۔۔وہ چپ نہیں رہیں گی۔۔۔یہ معاملہ میرے فادر تک بھی پہنچے گا۔۔وہاں فیصل آباد تک میری سبکی ہو گی۔۔۔یہاں گھر کا ماحول الگ خراب ہو رہا ہے اور پھر۔۔"

سمیع نے اگلی بات کرنے سے پہلے اس کا چہرہ ایک بار پھر غور سے دیکھا تھا۔اس کی آنکھوں میں ایک درد تھا جو

اس کے لیے بہت نیا تھا۔ سمیع چپ سا ہو گیا۔۔ اسے روتی ہوئی غیر لڑکی کو چپ کروانے کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔

"ان کی طرف سے میں آپ سے معافی مانگ لیتی ہوں۔۔۔ ابا دراصل غصے کے تیز ہیں۔۔ ان کی ناراضی اب تک مجھ سے ختم نہیں ہوئی ہے۔۔ اس لیے یہ سب کیا انہوں نے۔۔" وہ بڑی ہی دھیمی آواز میں وضاحت کر رہی تھی۔ سمیع نے تاسف سے سر ہلایا۔

"آپ کے فادر کو یہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔۔ اس طرح سے کسی کے گھر میں جا کر شور شرابا کرنا۔۔ واویلا مچانا۔۔۔ مہذب لوگوں کا شیوہ نہیں ہوتا۔۔۔ وہ جس طرح تماشا بنا کر گئے ہیں میرے گھر میں۔۔ آپ کو اندازہ بھی ہے کہ اس سے میرے لیے کتنی پریشانیاں پیدا ہو گئی ہیں۔۔۔ امی بتا رہی تھیں کہ وہ کہہ کر گئے ہیں کہ آپ یہ جاب ان کی مرضی و منشا کے خلاف کر رہی ہیں۔۔۔ اور یہ بھی کہ وہ نہیں چاہتے کہ آپ کسی چھوٹی بچی کی آیا گیری کریں۔۔ مجھے اسی بات کا ڈر تھا۔۔ اور دیکھ لیں وہی ہو رہا ہے۔" سمیع کا لہجہ انتہائی سنجیدہ ہو گیا تھا۔ یہ بات تو اسے بہت ہی بری لگی تھی۔

"میں یہ سب روز روز برداشت نہیں کر سکتا کونین۔" اس نے دوٹوک لہجے میں کہا تھا۔ کونین نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا پھر چپ ہو گئی۔ وہ واقعی آج شرمندہ سی نظر آتی تھی ورنہ اس کے چہرے کے یہ رنگ سمیع نے پہلے نا دیکھے تھے شاید اسی لیے آج وہ زیادہ بول بھی نا رہی تھی۔

"میں۔۔ آئی ایم سوری بول تو رہی ہوں۔۔۔" چند لمحے کی خاموشی کے بعد اس نے دوبارہ کہا تھا۔ سمیع کو اس کے اس معصوم سے انداز پر تاسف محسوس ہوا۔ اس کے چہرے پر شرمندگی بڑھنے لگی تھی۔ سمیع کو اس پر ترس آیا۔ جانے وہ کن حالات سے گزر رہی تھی۔ بات چیت سے وہ ہمیشہ ایک اچھی فیملی کا فرد لگی تھی اسے۔۔ طور طریقے بھی مہذب تھے اس کے۔۔۔ لیکن منہ پھٹ تو وہ تھی اور امی نے اس کے باپ کا جو نقشہ کھینچا تھا اس سے بھی سمیع کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس نے یہ سب عادات اپنے باپ سے ہی لی تھیں اور پھر اس کے چہرے پر جو کشیدہ کاری کی گئی تھی اس سے بھی اس کے باپ کی ذہنیت کا اندازہ ہوتا تھا۔ سمیع کو ایسی کسی فیملی سے اپنے روابط بڑھانے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

"میں جاؤں اب۔۔؟" اس کے خاموش ہوتے ہی وہ پوچھنے لگی تھی۔ آج اس کا انداز بالکل بجھا ہوا تھا۔ سمیع کو یقین نہیں آیا تھا کہ وہ اتنی آسانی سے اس کی بات مان جائے گی۔ اس نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا تھا پھر جیسے اسے ایک خیال آیا۔

"یقین کریں۔۔ مجھے آپ سے اور کوئی شکایت نہیں ہے۔۔ لیکن جو بھی ہے آپ کے سامنے ہے۔۔۔ میں ایک فیور کر سکتا ہوں آپ کی۔۔ آپ اپنا سی وی دے دیں مجھے۔۔۔ آپ کے لیے کسی بہتر جاب کا بندوبست کر دوں گا۔۔۔" اس نے اپنی جانب سے تو اس کے لیے آسانی پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔

"میں جاؤں اب۔۔؟" وہ کچھ پوچھنے کے بجائے اپنا سوال دہرا رہی تھی۔ سمیع نے کندھے اچکائے۔ وہ تو اس کے ساتھ بھلائی ہی کرنا چاہ رہا تھا لیکن جب اس کو ضرورت نہیں تھی تو وہ کیا کر سکتا تھا۔

"جی۔۔۔" وہ یہی کہہ سکا۔ کونین نے ہاتھ میں پکڑی فائل اس کے سامنے رکھ دی۔

"یہ ایمن کے ایڈمیشن پیپرز ہیں۔۔۔۔ دس تاریخ سے پہلے فیس وغیرہ جمع کروا دیجیے گا۔۔۔ اور یونیفارم، کتابیں وغیرہ بھی اسی دن اسکول پریمسز سے مل جائیں گی۔۔ اس نے ایڈمیشن کے لیے بہت محنت کی تھی۔۔ بہت خوش ہے وہ۔۔ میں جانتی ہوں آپ اپنی مسز کی وجہ سے کافی پریشان ہیں لیکن ایمن کے لیے یہ سیلبریشن کا موقع

ہے۔۔ پلیز اسے اچھی طرح سیلیبریٹ کیجیے گا۔۔ بچی ہے۔۔ خوش ہو جائے گی۔۔۔ بچیاں بہت حساس ہوتی ہیں سمیع صاحب۔۔ چھوٹی چھوٹی باتوں سے خوش ہو جاتی ہیں۔۔ چھوٹی چھوٹی باتوں سے بہل جاتی ہیں۔۔۔ آپ اس کی کامیابی کو اس کے ساتھ شیئر کیجیے۔۔اسے اچھا لگے گا۔۔۔ جب باپ بیٹیوں کی کامیابیوں میں حصہ دار بنتے ہیں تو ان کو اچھا لگتا ہے۔۔۔۔ پلیز۔۔ میری ریکویسٹ ہے آپ سے یہ۔۔۔ ایمن کا خیال رکھیے گا"۔

وہ اس کی جانب دیکھے بنا کہہ رہی تھی۔ سمیع کو لگا وہ اس کی بیٹی کے متعلق نہیں بلکہ اپنی بیٹی کے متعلق بات کر رہی ہے۔۔اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ ایمن سے اتنی محبت کرتی ہے۔۔۔ اس کا دل چاہا کہ وہ اسے ایک بار پھر روک لے۔۔ اس نے بمشکل خود کو کچھ کہنے سے روکا تھا۔ وہ چپ چاپ اٹھ کر باہر چل دی تھی۔

اتنا خیال رکھنے والی ٹیوٹر کہاں مل سکتی تھی اسے۔۔۔ اسے خود بھی دکھ ہوا لیکن وہ مجبور تھا۔ اس سے زیادہ اس کی برداشت نہیں تھی۔ اس کے اسٹڈی روم سے نکلتے ہی اس نے سکھ کا سانس لیا تھا۔ ایک بڑا مرحلہ آسانی سے سرانجام پا گیا تھا لیکن یہ اس کی خام خیالی تھی۔ وہ اٹھ کر نیچے جانے کے خیال سے باہر آیا تو ایمن کے کمرے کی روشنی جل رہی تھی۔ کونین اسے نو بجے سے پہلے ہی سلا دیتی تھی تاکہ جب وہ جائے تو ایمن سوئی ہی ہو۔ اس نے کوریڈور میں لگے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ ابھی آٹھ ہی بجے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ ابھی موجود تھی۔

سمیع بہت آہستگی سے وہاں سے گزر کر چلے جانا چاہتا تھا لیکن کمرے سے آتی آوازوں نے اسے روک لیا تھا۔ یہ دبی دبی سسکیوں کی آوازیں تھیں۔ کمرے کا دروازہ بالکل بند تھا۔ اس نے بنا آہٹ کیے دروازہ کھولنا چاہا تھا لیکن یہ ممکن نہیں تھا۔ دروازہ کھلتے ہی چرچراہٹ کی مخصوص آواز بلند ہوئی تھی۔ ایمن وہاں نظر نہیں آ رہی تھی۔۔ کونین اس کے بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی اور سسکنے کی آوازیں بھی اسی کی تھیں۔ دروازہ کھلنے کی آواز سے اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ اسے دیکھ کر نادم ہوئی تھی پھر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی ساتھ ہی اس نے ہاتھ کی پشت سے اپنا چہرہ رگڑ کر صاف کرنے کی کوشش کی تھی۔

"دھیان سے۔۔۔ پہلے ہی کتنے زخم ہیں آپ کے چہرے پر۔۔" سمیع اس کے ہاتھ کو بے دردی سے حرکت کرتا دیکھ کر بولا تھا۔ اس نے ایک دم سمیع کی جانب دیکھا، چند لمحے وہ اسے ایسے ہی بھیگی بھیگی آنکھیں لیے تکتی رہی تھی پھر وہ دوبارہ اسی جگہ پر بیٹھ گئی تھی جہاں سے اٹھی تھی۔

"اب آپ کیا مجھے سکون سے رونے بھی نہیں دے سکتے۔۔۔ کہا تو ہے کہ نہیں آؤں گی دوبارہ۔۔۔ اب کیا لکھ کر دوں؟" وہ زار زار روتے ہوئے بولی تھی۔ سمیع اپنا سر پکڑ کر وہیں بیٹھ گیا تھا۔

☆☆☆

اگلے روز وہ نہیں آئی تھی۔

اس روز چونکہ ایمن کا اسکول میں انٹرویو تھا۔ سمیع نے ناشتے کی میز پر ہی اماں رضیہ کو بتا دیا تھا کہ کونین نہیں آئے گی اس لیے وہ ایمن کو وقت پر تیار کر دیں اور اس کے ساتھ ہی اسکول چلی جائیں

"میں۔۔؟" وہ حیران ہوئی تھیں۔

"میں کیسے جا سکتی ہوں بیٹا۔۔۔ گھر کون سنبھالے گا۔۔۔ کھانا، ناشتا۔۔۔ کون کرے گا سب۔۔؟" وہ انکار کرنا چاہتی تھیں لیکن کر بھی نہیں پا رہی تھیں۔ سمیع کو ان کے اس انداز پر حیرت ہوئی۔ اس سے پہلے کبھی انہوں نے کسی بات سے انکار نہیں کیا تھا۔

"یہ سب اتنے ضروری کام نہیں ہیں۔۔ایمن کا انٹرویو بہت اہم ہے۔۔۔یہ سب کام بعد میں بھی ہو سکتے ہیں" سمیع نے دوٹوک لہجے میں کہا تھا۔اماں رضیہ چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتی رہیں پھر وہ اس کے ساتھ ہی کرسی پر بیٹھ گئی تھیں۔

"کونین بیٹی۔۔نہیں آئیں گی کیا آج۔۔؟" ان کے لہجے میں تذبذب اور تجسس دونوں ہی جھلک رہے تھے۔

"نہیں" اس نے اس لہجے میں جواب دیا تھا کہ اصولاً اماں رضیہ کو خاموش ہو جانا چاہیے تھا یا اگلا سوال کرنے سے پہلے کافی سوچنا چاہیے تھا لیکن انہوں نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا بلکہ فوراً ہی اگلا سوال داغ دیا تھا۔

"لیکن۔۔کیوں۔۔۔ایمن کا انٹرویو ہے۔۔آج تو چھٹی نہیں کرنی چاہیے تھی ان کو۔۔ان کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔۔کل واپس جاتے ہوئے بھی کچھ سست سی دکھائی دیتی تھیں" سمیع نے چائے کے کپ سے توجہ ہٹا کر ان کی جانب دیکھا اور چند لمحے دیکھتا ہی رہا کہ وہ کچھ خائف سی ہو گئیں۔

"آپ جائیے۔۔ایمن کو تیار کیجیے۔۔ورنہ لیٹ ہو جائے گا" وہ پہلے سے بھی زیادہ سنجیدہ انداز میں بولا تھا۔اماں رضیہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نا ہوئی تھیں بلکہ انہوں نے ہاتھ میں پکڑی صافی بھی میز پر رکھ دی۔

"سمیع بیٹا۔۔میں جانتی ہوں حالات پر آپ کی اپنی گرفت نہیں ہے۔۔ہر آنے والا دن آپ کی مشکلات میں اضافہ کر رہا ہے۔۔تب بھی آپ کا مزاج سخت سے سخت ترین ہوتا چلا جا رہا ہے۔۔لیکن میری مشکل کو بھی سمجھیں۔۔میں پانچ جماعتیں پاس عورت ایمن بٹیا کے انگلش میڈیم اسکول جا کر کیا کروں گی۔۔مجھ سے تو ان کی استانی سے بات بھی نا ہو پائے گی۔۔۔وہ سب انگلش بولیں گی اور میں ان کا منہ دیکھتی رہوں گی۔۔۔آپ براہِ مہربانی کونین بٹیا کو کال کیجیے۔۔۔یہ ذمہ داری تو وہ ہی نبھا سکتی ہیں" ان کے لہجے میں حد سے زیادہ لاچاری تھی۔سمیع کو سخت بُرا لگا۔وہ جتنا لاچار خود کو ظاہر کر رہی تھیں اتنی تھیں نہیں۔

"اماں۔۔کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ۔۔۔آپ ماشاءاللہ اتنی قابل خاتون ہیں۔۔ایمن کو پہلے پہل آپ ہی پڑھایا کرتی تھیں۔۔کونین کو تو اس گھر میں آتے لٹرلی جمعہ جمعہ آٹھ دن ہی ہوئے ہیں۔۔اور آپ نے اتنی جلدی ہتھیار پھینک دیے۔۔۔" وہ جتانے والے انداز میں بولا تھا۔اماں کے چہرے پر تاسف کے رنگ نمایاں ہوئے۔

"بیٹا الف انار۔۔ب بابا تو میں ابھی بھی پڑھا سکتی ہوں۔۔۔لیکن اب ایسی پڑھائی کا رواج نہیں رہا۔۔وہاں اسکول میں سب انگلش میں سوال کریں گی ان سے۔۔تو میں کہاں سے جواب دوں گی۔۔۔آپ ایک زحمت کیجیے۔۔انہیں خود ہی لے جائیے نا۔۔۔اور کونین بٹیا کو کہیے کہ ایسے موقعوں پر چھٹی کرنے سے احتراز برتا کریں۔۔بہت پریشانی ہو جاتی ہے ہمیں۔" وہ بے چاری اس کی اولاد کے لیے اس سے درخواست کر رہی تھیں۔سمیع اسکول جانے کے قطعی موڈ میں نہیں تھا۔اسے تو آفس اور وہاں سے ہاسپٹل جانا ہوتا تھا۔اماں کا انکار سن کر اس کا مزاج برہم ہو گیا تھا۔ایمن کو پہلے اسکول لے جانا پھر واپس گھر چھوڑ کر جانا۔۔راستہ بھی مختصر نہیں تھا اور ٹریفک کا لوڈ بھی ان اوقات میں بہت زیادہ ہوتا تھا۔اس کا مطلب تھا کہ آج کا سارا دن وہ کچھ اور نہیں کر سکتا تھا۔

"آپ جائیں ایمن کو تیار کریں۔۔۔میں لے جاتا ہوں۔۔۔اور کونین کو بھول جائیں اب۔۔۔وہ نہیں آئیں گی۔۔میں نے انہیں جاب سے فارغ کر دیا ہے۔۔"

وہ چبا کر بولا تھا جبکہ اماں رضیہ کا منہ اُتر سا گیا۔کونین نے بہت سی ذمہ داریاں بانٹ لی تھیں ان کی۔۔لیکن انہوں نے سمیع کے تاثرات دیکھ کر مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا۔آدھ گھنٹے بعد ایمن تیار ہو کر نیچے اُتر آئی تھی اور اسے

بھی پہنچ کر پتا چلا تھا کہ اسے کونین کے بجائے اپنے باپ کے ساتھ جانا ہے۔ اس کے چہرے کے تاثرات بھی زیادہ اچھے نہیں تھے۔ منہ لٹکا ہوا، اور آنکھیں بھیگی بھیگی سی ہو گئی تھیں۔۔ سمیع سب دیکھ رہا تھا اور جھنجلاتا جا رہا تھا۔ دو مہینے میں ہی اس کے گھر والے اس لڑکی کے اتنے عادی کیوں ہو گئے تھے؟

وہ ایمن کے ہمراہ گھر سے نکل کر اسکول پہنچا تو اسے حیرت کا خفیف سا جھٹکا لگا تھا۔ کونین گیٹ کے باہر ہی اپنا تھیلا نما بیگ لٹکائے کھڑی تھی۔ ان کی گاڑی دیکھتے ہی اس نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی تھی گویا جتانا چاہ رہی تھی کہ وہ لوگ تاخیر سے پہنچے ہیں۔ سمیع نے اس کو دیکھ کر دل ہی دل میں اطمینان بھری سانس لی تھی کیونکہ وہ گاڑی میں ایمن کے تاثرات دیکھ کر ہی بھانپ گیا تھا کہ یہ آج بھی انٹرویو میں کچھ نہیں بولیں گی جبکہ کونین کی جانب دیکھتے ہی اس کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

"کونین۔۔۔ آپ مجھ سے پہلے آگئیں۔۔۔ میں نے سوچا آپ نہیں آئیں گی۔۔۔ میں ڈر گئی تھی" ایمن گاڑی سے اترتے ہی اس سے چپک گئی تھی۔ سمیع اس کو دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ اس کی بیٹی تھی لیکن وہ کبھی ایسے والہانہ انداز میں اس سے نا چپکی تھی۔ ایمن نے اس انداز میں کونین کا استقبال کر کے سمیع کو شرمندہ ہی کر دیا تھا اس نے کونین کی جانب دیکھنے سے احتراز برتا اور آنکھوں پر سن گلاسز ٹکا لیے۔ وہ اس لڑکی کی ہاتھ میں اپنی کوئی کمزوری نہیں دینا چاہتا تھا لیکن دل ہی دل میں وہ اس کا شکر گزار ہو رہا تھا کہ وہ اس کڑے وقت میں اس کی بیٹی کی مدد و معاونت کے لیے موجود تھی۔

"آپ لوگ دس منٹ لیٹ آئے ہیں" اس نے اسے مخاطب کیا تھا۔ اس کا چہرہ اب کچھ بہتر تھا اگرچہ خراشیں کھرنڈوں کا لبادہ اوڑھ چکی تھیں لیکن سرخی اور نیلاہٹ ختم ہو چکی تھی۔ سمیع نے اس کی جانب دیکھا مگر وہ منہ سے کچھ نہیں بولا تھا۔ اس کا کچھ بھی بولنے کا ارادہ بھی نہیں تھا۔ وہ اس لڑکی سے کوئی بات کرنا ہی نہیں چاہتا تھا کیونکہ اسے ڈر تھا کہ وہ کہیں ایمن کے لیے اس کی توجہ اور محبت دیکھ کر اپنا فیصلہ نا بدل ڈالے۔ اس کے مسلسل خاموش رہنے پر کونین نے دو تین بار گردن اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تھا مگر ایمن کی موجودگی کی وجہ سے وہ چپ رہی تھی۔

پہلے مرحلے میں ایمن کو ایک بینچ لگا دیا گیا تھا اور اپنی باری پر اسے اکیلے ہی آفس کے اندر جانا تھا۔ پیرنٹس کی باری اس کے بعد آنی تھی۔ ایمن جب آفس کے اندر چلی گئی تو کونین نے اسے مخاطب کیا تھا۔

"آپ ناراض ہیں مجھ سے۔۔؟" اس کے انداز میں لجاحت سی تھی۔ سمیع نے ایک نظر اسے دیکھا۔ وہ "ہاں" کہنا چاہتا تھا لیکن اس کے تاثرات ایسے تھے کہ وہ کہہ نہیں پایا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے مس کونین" اس نے یہ جواب دیا تھا۔ وہ خوش ہو گئی۔

"تھینک یو سو مچ۔۔ مجھے لگا آپ کو میرا یہاں آنا برا لگا ہے" وہ مزید بولی تھی۔ سمیع نے ابھی بھی سن گلاسز لگا رکھے تھے۔ اس کی آنکھوں میں ناگواری بڑھ رہی تھی مگر پھر بھی وہ تحمل کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

"آپ کو آنا تو واقعی نہیں چاہیے تھا۔۔ ایسے ایمن نئی گورنس کی عادی نہیں ہو پائے گی۔۔۔ آپ جتنا زیادہ ایمن سے دور رہیں۔۔ اتنا ہی اچھا ہے۔۔ ورنہ میں اسے کیسے سنبھالوں گا" اس نے صاف جواب دیا تھا۔ کونین کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

"آپ یہ تو مت کریں اب میرے ساتھ۔۔۔ اتنی اجازت تو دیں مجھے کہ میں کبھی کبھی ایمن سے ملنے آتی رہوں؟" وہ درخواست کر رہی تھی۔ سمیع چپ رہا۔ یہ اچھی لسوڑا لڑکی تھی جو اس کے خاندان کو چپک کر رہ گئی تھی۔

"آپ کو اس بات پر بھی اعتراض ہے سمیع صاحب۔۔؟ اتنے ظالم کیسے ہو سکتے ہیں آپ" سمیع کی خاموشی سے

جیسے اسے اس کے سوال کا جواب مل گیا تھا۔ وہ تڑپ کر پوچھ رہی تھی۔ سمیع کو بُرا لگا۔

"اعتراض صرف مجھے نہیں ہے بی بی۔۔۔ آپ کے والدِ محترم کو بھی ہے۔۔۔ ورنہ میں نے تو نا چاہتے ہوئے بھی اپنی بچی کی ذمہ داری بخوشی آپ کو سونپ دی تھی۔۔۔ آپ کو پتا ہی ہے کہ اصل مسئلہ اب ان کا ہے۔۔۔ آپ مجھ اکیلے پر الزام مت لگائیں۔۔۔ اپنے فادر کی خواہشات کو بھی سمجھیں۔۔۔ وہ بھی نہیں چاہتے کہ آپ یہ جاب کریں۔۔۔ ان کو بھی یہ جاب آپ کے لیے اوڈ لگتی ہے۔" وہ چڑ کر بولا۔ یہ مصیبت اس کے گلے کا طوق ہی بن گئی تھی۔

"ان کی بات مت کریں۔۔۔ ان کو میں ہی پوری کی پوری اوڈ لگتی ہوں۔۔۔ انہیں میرے ہر فعل پر اعتراض ہے۔۔۔ اور یہ اب سے نہیں ہو رہا۔۔۔ یہ میرے بچپن سے یہی ہو رہا ہے۔۔۔ تو میں کہنا یہ چاہ رہی تھی کہ ان کو اس مسئلے سے نکال دیں آپ۔۔۔ وہ کچھ عرصہ بعد خود ہی سب بھول بھال جائیں گے۔۔۔ ویسے بھی یہ میرا اور میرے ابا کا ذاتی مسئلہ ہے۔۔۔" اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ سمیع نے اس کی بات کاٹ دی۔

"آپ کا یہ ذاتی مسئلہ میری دہلیز پر آ پہنچا ہے بی بی۔۔۔ نا صرف آ پہنچا ہے بلکہ چیخ چلا کر سارے محلے میں بھی اپنا اعتراض رجسٹر کروا گیا ہے۔۔۔" وہ غرا کر بولا پھر احساس ہوا کہ یہ جگہ اس طرح کی بات کے لیے بالکل نامناسب ہے تو آواز کو دھیما کر کے بولا۔

"آپ اس بات کو یہیں ختم کر دیں اب۔۔۔ نو مور آرگیومینٹ پلیز"

"میں نہیں ختم کر سکتی۔۔۔ آپ میرے ابا والے مسئلے کی فکر مت کریں۔۔۔ میں خود ہی اس مسئلے کو حل کر لوں گی۔۔۔ آپ بھول جائیں ابا کو۔۔۔ آپ میرے ابا کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔۔۔ ان کو جس بات کا غصہ ہے۔۔۔ وہ کچھ اور ہے۔۔۔ آپ ابھی اِس مسئلے کی بات کریں۔۔" وہ اس کی توجہ دوبارہ اپنی درخواست کی طرف مبذول کروا رہی تھی۔

"اس مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے کونین۔۔۔ آپ کیوں نہیں سمجھ جاتیں۔۔۔ آپ کے ابا ہی معترض نہیں ہیں۔۔۔ میری امی کو بھی ایک ینگ لڑکی کا ایمن کی گورنس کے طور پر کام کرنا پسند نہیں ہے۔۔۔ کل کو خاندان کے دوسرے لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوں گے۔۔۔ میں کس کس کو جواب دیتا پھروں گا۔۔۔" اب کی بار وہ انتہائی ناگواری سے دوٹوک لہجے میں بولا تھا۔ وہ چند لمحے کے لیے چُپ ہی ہو گئی پھر جب بولی تو اس کا لہجہ عجیب سا تھا۔

"تو پھر اِس مسئلے کا ایک ہی حل ہے" اس کے انداز میں کچھ جھجک سی تھی۔ سمیع نے گلاسز کے عقب سے اسے دیکھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا، چند لمحے دیکھتی رہی پھر گہری سانس بھر کر بولی۔

"آپ مجھ سے نکاح کر لیں"

"واٹ۔۔۔؟" وہ اُچھل پڑا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

Downloaded from Paksociety.com
منعم ملک
میٹرک فیل

"اماں زوبیہ فیل ہو گئی۔۔۔" چھوٹی بہو نے پرجوش ہو۔۔۔ کر ساس کے کمرے میں صور اسرافیل پھونک دیا۔ اماں بی چت لیٹی تھیں۔۔۔!

"ہائیں میں مر گئی۔۔۔" اماں بی یوں اچھلیں گویا فیل نواسی نہیں وہ خود ہوئی ہوں۔ تیزی سے اٹھنے پر گرتے گرتے بچیں۔۔۔!

"آپ زندہ ہیں جی۔۔۔ مریں آپ کے دشمن۔" بہو نے ناگواری دکھائی۔۔۔ اماں بی کا ہاتھ سینے پر تھا۔

"زوبی فیل ہو گئی۔۔۔ دوبارہ ہو گئی۔" کانپتا لرزتا پانی آنکھوں میں دکھائی دینے لگا۔۔۔ بہو نے سنا تو جھٹ صاف گوئی دکھائی۔

"دوبارہ نہیں۔۔۔ یہ تیسری بار ہے۔" اور بس دیکھتے ہی دیکھتے آنکھوں میں جھڑی لگ گئی!

"میری قسمت ہی پھوٹی ہے بہو۔۔۔ جب سے آخری پرچہ دے کر آئی تب سے میں نے دعائیں مانگنی شروع کر دیں۔۔۔ اللہ تعالیٰ کچھ بھی ہو جائے' زوبی فیل نہ ہو۔۔۔ مگر ہائے ری میری قسمت' ڈوبی کی ڈوبی ہی رہی۔" ان کے اونچے بین پر گھر کے باقی افراد جمع ہونا شروع ہوئے۔۔۔ بڑی بہو' بڑا بیٹا' بیٹے کا بیٹا یعنی پوتا۔۔۔ شوہر اور چھوٹی بہو تھی ہی یہیں۔۔۔ ایک وہ ہی نہ آئی۔

"یہ حادثہ کیسے ہوا۔۔۔؟" بڑی بہو نے ہمدردی جتانی چاہی۔۔۔ وہ پڑھی لکھی نہیں تھیں۔ اپنی سوچ کے مطابق پوچھ پائیں۔

"جیسے تیسے ہو گیا۔۔۔ مگر اے بہو میں پوچھتی ہوں' نتیجہ اپنی زوبیہ کا ہی دیکھا ناں کہیں کوئی دوسری زوبیہ نصیبوں کی ماری کا نہ دیکھ لیا ہو۔" امید بھری نگاہیں چھوٹی بہو پر گئیں۔۔۔ ہاتھ ہنوز سینے پر' چھوٹی بہو نے غور کیا تو شکر کیا۔۔۔ ہاتھ سینے پر ضرور تھا مگر سینہ مسل نہیں رہا تھا!"

"ایسا نہیں ہو سکتا اماں۔۔۔ اطمینان رکھیں۔" چھوٹی بہو ایم اے پاس تھیں۔۔۔ ساس کا ٹوکنا برداشت نہ کر پائیں۔

"اب کیسا اطمینان۔" رونا پھر شروع ہوا۔ "سال کی محنت گئی' خرچا گیا اور اب شرمندگی الگ میرا دل پھٹ رہا ہے۔"

"بس کر جنت۔۔۔ میں نے کہا تھا پڑھنا اس کے بس میں نہیں۔۔۔ میں آج ہی اسے مشین پر بٹھا آتا ہوں' سلائی کڑھائی تو سیکھ لے گی۔" شوہر کا ارادہ۔۔۔

"میں نے تو کہا تھا کہ آٹھ جماعتیں کافی ہیں۔ ورنہ سائنس کی جگہ آرٹس پڑھ لے مگر نہیں صاحب! سائنس دانی جو بننی ہے۔۔۔" بڑے بیٹے کا غم سے کیا طنز۔

"مجھے تو کبھی ڈانٹنے نہیں دیا آپ نے اماں بی۔۔۔ دیکھ لیجیے آپ ہی کی شہہ کا نتیجہ ہے۔" چھوٹی بہو کا جتلانا۔۔۔ ٹیوشن وہ خود دیتی تھیں اسی لیے زوبیہ کی غیر ذمہ دارانہ ناکامی پر بری الذمہ ہوئیں۔

اماں بی کسی کی بات خاطر میں نہ لاتے ہوئے بولیں۔

"زوبیہ کدھر ہے۔۔۔ رو رہی ہو گی بے چاری۔۔۔؟"

"ٹی وی دیکھ رہی ہے۔" چھوٹی بہو تاؤ کھا کر بولیں۔

اسی وقت دروازے میں سایہ ہوا زوبیہ تشریف لائی ہیں۔۔۔ گم صم سپاٹ پھیکی پھیکی سی۔۔۔ بے رنگ چہرے کے ساتھ۔۔۔ خالی خالی سی سب کو سانپ سونگھ گیا۔۔۔ اماں بی نے زوبیہ کو دیکھا۔۔۔ زوبیہ نے اماں بی کو۔۔۔ نگاہیں ملیں۔۔۔ اور 'اور دونوں اپنی جگہ دھاڑیں مار کر جو رونا شروع ہوئیں۔۔۔ تو حاضرین بوکھلا گئے!

"زوبی تو فیل ہو گئی۔۔۔؟" اماں بی کراہیں۔

"اماں بے ایمانی ہو گئی۔" زوبیہ کی دہائی۔

"یہ کیا کر دیا مرجانیے تجھے میرا منہ بھی نظر نہ آیا۔"

"آپ ہی کا تو منہ نظر آتا رہا اماں بی۔۔۔ لیکن میں کیا کروں میرے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔۔۔ بہت بڑی زیادتی جانے کس منحوس نے میرے پیپر چیک کیے' مگر میں بتائے دیتی ہوں اماں بی۔۔۔ میرے ساتھ دشمنی نبھائی جا رہی ہے' مجھے زچ کرنے کے لیے ایسا کیا جا رہا ہے۔"

"یوں بھی ہوتا ہے کیا۔۔۔"

"اماں بی ایسا نہیں ہوتا۔۔۔ یہ شرمندگی مٹانے کو بول رہی ہے۔" چھوٹی بہو نے ناک بھوں چڑھا کر ساس کے غلط فہمی دور کی۔

”یقین کریں مامی۔۔۔ ورنہ بائیو میں آٹھ نمبر ریاضی میں چودہ اور‘ اور میں کہہ رہی ہوں کہ یہ تو پچھلی بار سے بھی کم آئے‘ حالانکہ اس بار تو محنت بھی پہلے سے بڑھ کر کی۔“

”ہاں اسٹار پلس کے ڈرامے دیکھ کر۔“ زوبیہ نے سن کر تاؤ تو بہت کھایا۔۔۔ مگر حالات کے تقاضے کہتے تھے کہ چپ رہے۔۔۔ چھوٹی مامی یوں بھی کوئی خاص پسند نہیں تھی اسے۔

”چچی۔۔۔ خیر سے کتنوں میں فیل ہے؟“ بڑی بہو کے دانیال (بیٹے) نے اشتیاق سے سوال کیا۔ جواباً“ ان کا منہ بگڑا۔

”چاروں میں۔“ اشارہ سائنس مضامین تھے۔

”کیا کہا ساروں میں۔۔۔؟“ دانی کے لقمے پر وہ تڑپ کر مڑی۔ آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔ چبا چبا کر بولی۔

”کیا بہرے ہوئے ہو رضائے الٰہی سے۔۔۔ چار کہا چار۔“

”فیل ساروں میں ہو یا چاروں میں فیل ہی ہوتا ہے۔“ دانی نے چڑایا۔ چچی نے سرہلایا۔۔۔ اماں بی کے دل نے دوبارہ تڑپ کھائی۔

”سوچا تھا بن ماں باپ کی بچی ہے۔۔۔ پڑھا لکھا کر کسی نوکری میں اڑوا دوں گی تو جہاں بھی رہے گی بھوکی تو نہ مرے گی۔۔۔ سارا سال اس سے کھٹڑے تڑوائے۔۔۔ کپڑا کھانا ہاتھ میں دیا مگر سب بے کار گیا۔ اب پرچے دے دے کر سر سفید کردے گی۔“ وہ سخت مایوس تھیں۔۔۔ زخم زخم سی زوبیہ جو خفت زدہ کھڑی تھی کرنٹ کھا گئی۔

”اب نہیں دوں گی۔۔۔ مرجاؤں گی مگر اپنے لکھے کو ان کے سامنے رکھ کر اپنی ناقدری برداشت نہیں کروں گی۔۔۔ اب کریں مجھے فیل شوہدے کہیں کے۔۔۔ سارے جگ سے منہ چھپاتے پھریں گے‘ بھوک ہڑتال کرکے ایسی ایسی دعائیں مانگوں گی کہ کہیں کا نہیں رہنے دوں گی مگر ایک بات طے کرلی میں نے‘ انہیں ایک بار پھر اپنے ارادوں میں کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔۔۔ زوبیہ خان کو فیل کرنے کی حسرت لیے لیے مرجائے گا موا پیپر چیکر۔۔۔ ہاں۔“

قطعیت سے کہتے ہوئے وہ اس وقت خود سری کی انتہا پر کھڑی لگ رہی تھی۔۔۔ اماں بی کی آنکھیں لفظ ”چیکر“ پر پھیل کر کنپٹیوں تک چلی گئیں۔

”کس۔۔۔ کس انگریز کا نام لے گئی ہے تو کلموہی۔۔۔ یہ‘ یہ ساری منحوسیت اسی کی ہوگی پھر۔۔۔ بتا مجھے کیسے جانتی ہے اسے۔“ جلال میں ہانپتے ہوئے ان کا بلڈ پریشر ہائی ہونے لگا دانیال دانت نکوسنے لگا۔ خود چھوٹی بہو بھی سٹپٹائیں!

”وہ پیپر پڑھنے والے کو کہہ رہی ہے اماں۔“ بات سنبھلی۔

”ہائے۔۔۔ اب کس کس کو کوسنا۔۔۔ نیٹ پے نتیجہ آتا ہے‘ سب دیکھ دیکھ کر مذاق اڑائیں گے۔۔۔ دوبار ناویں میں فیل اور اب دسویں میں بھی۔۔۔ میں کبھی چین سے نہیں سو پاؤں گی کون کرے گا میٹرک فیل سے شادی۔۔۔ اے بہو میٹرک ہوتا ہے ناں؟“ روتے روتے ان کو خیال آیا۔

”جی جی اماں۔۔۔“ بہو نے تسلی دی۔

”دادی جی زوبیہ اتنا کہہ رہی ہے تو مان کیوں نہیں لیتے۔۔۔ ہم پیپر ری چیک۔۔۔ مطلب جاکر چیک کرسکتے ہیں‘ جھوٹ کا جھوٹ اور سچ کا سچ ہوجائے گا۔“ مزے لیتا دانیال ہی ایسا مشورہ دے سکتا تھا۔ دادی جی پوتے (لائق فائق) کی معلومات پر صدقے واری ہوئیں۔۔۔ وہیں زوبیہ کی سٹی گم ہوگئی۔ چلو جی ایک اور شرمندگی۔۔۔ دوبارہ بدنامی!

”رہنے دیں اماں بی۔۔۔ بے ایمانی کی جیت اس جہاں میں ہو لینے دیں۔۔۔ میں سنبھل جاؤں گی۔۔۔ ری چیکنگ میں پیسے لگتے ہیں‘ ٹائم ضائع۔۔۔ اور ہونا بھی کچھ نہیں!“

اس کے منمنانے پر اماں بی سیدھی ہوگئیں ٹائم ضائع ہوتا رہے ان کی بلا سے مگر پیسوں والی بات پر ارادہ بدل گئی تھیں۔۔۔!

”چلو میں نماز پڑھ آؤں شرمندہ کرا کے رکھ دیا۔“

بڑے ماموں نے ارشاد جاری کیے۔
"اماں بی پڑھائی میں دعائیں صرف کرنے کے بجائے' رشتوں کے وظیفے شروع کریں۔" بڑی بہو بھی زخم چھیڑ گئیں۔
چھوٹی بہو کا فون بجا۔
"السلام علیکم! جی خان صاحب....!" مہذبانہ انداز اپنا کر وہ مجازی خدا کو احترام میں یونہی مخاطب کرتی تھیں!
"جی فیل ہو گئی.... لیں اردو' مطالعہ پاکستان' اسلامیات تو بچوں کے سبجیکٹ ہیں.... اوپر لکھ دیا گیا ایز اے ہول۔" وہ بولتی بولتی دور ہوتی گئیں.... اماں بی آخری لفظ پر چونکی.... الجھی الجھی سلجھی تو گنگ رہ گئیں۔
"ہوں کیا اپنی زوبی ہول گئی ہے؟" چہرے پر پریشانی سوا ہو گئی دل غوطہ کھا گیا۔

☆ ☆ ☆

ماحول پر عجیب سوگواریت طاری تھی.... سکوت چھا کر الگ بھید پھیلا رکھا تھا۔ ساڑھے دس کے بعد فضا یونہی پر وحشت اور پراسرار سی ہو جاتی تھی.... جنت بی بڑے اور چھوٹے بیٹے کے ساتھ رہتی تھیں.... یہ گھر ان کے شوہر کی ملکیت تھا۔ اس لیے دونوں اسے چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھے کہ ساری زندگی یہیں بسر ہوئی تھی.... درمیان کے تین بیٹے شادیوں کے بعد اسی کالونی میں آس پاس مگر الگ الگ مقیم تھے.... بڑے بیٹے کی مارکیٹ میں دکان تھی جبکہ چھوٹا بیرون ملک میں.... صبح ناشتے سے فراغت پا کر دونوں بہویں اپنے اپنے کام نمٹاتی کمروں میں سماتیں۔ ایسے میں اماں بی سکوت سے گھبرا کر تنہائی سے بولے جاتیں۔
زوبیہ کو اماں بی سے زیادہ ٹی وی ڈراموں میں دلچسپی تھی لہٰذا آج کل بکرے سے دل بہلاتی تھیں.... چھوٹی بہو چند لمحے قبل اپنا موبائل پکڑا گئی تھی....!
"کہو کیسی ہو رابعہ...." دوسری سمت زوبیہ کی والدہ تھیں۔
"جیسی تیسی بھی ہوں.... اپنی سناؤ اماں اور زوبی ___"
"پاس.... نہیں ہو سکی۔" اماں بی کہہ کر آبدیدہ ہو گئیں۔
"ہاہ...." رابعہ بیگم نے سرد آہ بھر کر ماحول یخ بستہ کرنا چاہا۔ ماحول تو جوں کا توں رہا البتہ اماں بی ضرور ٹھٹھر گئیں۔
"ہماری قسمت ابھی دور کھڑی ہے۔" وہ کہہ رہی تھیں۔ "میں نے سوچا تھا میٹرک کر لے تو اسلام آباد بھجوا دوں گی.... پڑھ لکھ لے گی تو کسی اچھی جگہ شادی کر دوں گی مگر.... جانے غلط کہاں رہ گئی میں۔" دوسری طرف وہ بھی غم زدہ تھیں.... اماں بی نے ناگواری سے ٹوکا۔
"خوب.... جوان جہاں لڑکی کو اسلام آباد بھیجنے کے خواب.... میں کہتی ہوں ہوش کے ناخن لو خاتون' یہاں میں بیٹھی ہوں زمانے کے سرد و گرم سے محفوظ رکھتی ہوں وہاں کون ہو گا؟ خدا کا واسطہ ہے لڑکی کا دماغ خراب مت کرو۔" ان کے چہرے پر بدمزگی پھیلی تھی.... رابعہ بیگم بھیگی آواز خشک کرتی رہیں۔
"چھوٹا ماموں کیا کہتا ہے؟" انہوں نے بھائی کا پوچھا اماں بی آنکھیں رگڑ رہی تھیں۔
"کچھ کہہ رہا تھا روتی رہی زوبیہ.... بے چاری تین دن سے کھانا نہیں کھا رہی.... دل بہلانے کو میں نے کہا عید کے کپڑے لے آو بے چاری بڑی دل گرفتہ ہے.... دوسرے رشتے داروں کے مذاق الگ دل جلاتے ہیں.... غلطی تو اس کی اپنی ہے' پھر بھی مجھ سے اداسی دیکھی نہیں جاتی۔" کچھ تلخی سے کہہ کر وہ معصومیت سے مجبوری بتا گئیں.... زوبیہ کہیں سے نکل کر بکرے کے سامنے کھڑی نظر آرہی تھی!
"اچھا اماں.... خدا خیر کرے گا۔ زوبیہ کے مستقبل کا سوچیں میٹرک فیل کو کوئی نہیں بیاہے گا' میں بات کروں گی اس سے....؟"
"جو کرنا ہے کرو خاتون.... میں تو تھک سی گئی ہوں طبیعت پر الگ قنوطیت سی چھائی رہتی ہے.... اے

"دانی آپتر چاچی کو فون پکڑا آ..." بےزاری سے کال کاٹ کر انہوں نے دبے قدموں سامنے سے گزرتے دانیال کو آواز دی وہ منہ بناتا اندر آیا۔

"اے رک... ذرا بیٹھ یہاں۔" انہوں نے پاؤں سمیٹ کر جگہ بنائی تو وہ بے چاری سی شکل بنا کر بیٹھ گیا۔

"وہ آتی ہے کیا... کیا نام ہے موئی کا...!"

"نہیں دادی... علیشا تو بالکل نہیں آتی۔" دانی کا خون خشک ہوا... جنت بی نے دانت کچکچا کر پشت پر دو ہتڑے جڑے۔

"کم بخت گرائمر کا پوچھ رہی ہوں گرائمر ہوتی ہے نا وہ جو..." پر سوچ انداز میں وہ چپ ہو گئیں... دانی پشت پر ہاتھ پھیرتا بلبلا رہا تھا۔

"پتا نہیں کیا پوچھ رہی ہیں... آپ سوال پوچھیں ناں؟" وہ حیران نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ دادی جی کو گرائمر سے کیا کام؟ میٹرک کرنے کا سوچ رہی ہیں؟ اوہ نو... ایکسپائرڈ ایج میں وہ پریشان ہوا۔

"یہ ہول کیوں لکھا جاتا ہے نتیجوں (رزلٹ) پہ... اردو والا ہول ہے ناں؟" دانیال پل بھر میں سمجھ گیا... اطمینان سے بولا۔

"نہیں دادی جی یہ خالص انگریزی کا لفظ ہے... جس کا مطلب۔" اگلے پل آنکھیں چمکیں... وہ بہت ذہین تھا۔ "جس کا مطلب سوراخ کے ہیں۔" اس نے ہول کا مطلب سمجھا کر الٹا الجھا دیا...!

"اس سوراخ... ہائیں سوراخ وہ دل والا۔" وہ پسینہ پسینہ ہو گئیں۔ "یہاں اس کا کیا کام... اے دانی بتا جلدی' پڑھائی کا تعلق دل سے ہے؟" اندیشے ابلنے لگے۔

"نہیں دادی دماغ سے" دانی بور سوالوں سے اکتا کر باہر نکل گیا ادھر اماں کو بے حال چھوڑ گیا۔

"سوراخ دل سے نہیں... سوراخ اور دماغ مطلب اپنی زوبیہ ہول نہیں گئی... اس کے اس کے دماغ میں سوراخ ہو گیا ہے۔" انہیں زوردار دھچکا لگا۔ "تب ہی... تب ہی وہ پڑھ پڑھ کر بھی فیل ہو جاتی ہے کیونکہ' کیونکہ سارا پڑھا لکھا دماغ کے سوراخ سے ہوا ہو جاتا ہے؟" آنکھیں سراسیمگی سے بھریں... وہ جامد ہوئیں... یا شاید تیورائیں... چہرے پر یوں ہوائیاں اڑنے لگیں مانو کسی نے ہیئر ڈرائر چلا کر چہرے کے قریب کر دیا ہو... چہرے کی جلد' ہونٹ یہاں وہاں لٹکنے لگے۔

✲ ✲ ✲

اور اماں بی بیمار ہو گئیں... یہ عید سے کچھ روز پہلے کا ذکر ہے۔

"دادی جی سلام کہتا ہوں۔" آواز پر انہوں نے آہستگی سے پلکیں کھولیں... ماتھے پر سر درد کے لیے دوپٹے کی پٹی باندھ رکھی تھی۔

"ارے خیام... آؤ آؤ بیٹا' بڑے دنوں بعد آئے۔" وہ پذیرائی کے لیے نرم مسکراہٹ اچھال کر اٹھنے لگیں تو وہ خوش اخلاقی سے آگے بڑھا... ماحول پر طائرانہ نظر ڈالی... شام کے سائے میں پورا صحن ہلکی ٹھنڈی چھایا میں ڈوبا ہوا تھا... زوبیہ دیوار کے ساتھ باندھے بکرے کے ناز اٹھا رہی تھی... ایک نظر خیام پر ڈالی پھر بکرے سے کھیلنے لگی!

"جی دادی کچھ مصروفیت' کچھ وقت کی تنگی' معذرت چاہتا ہوں کہ آنہ سکا کل آپ کی طبیعت کا سنا اور زوبیہ کے بارے میں بھی... تو ملنے چلا آیا۔" وہ سادگی سے بول کر چپ ہوا تو زوبیہ کے کان کھڑے ہو گئے... ایک اور خیر خواہ انداز دیکھو جیسے میری تعزیت کے لیے آیا ہو... میں فیل کیا ہوئی' ساری دنیا ہی افسوس کے لیے ابل پڑی گویا خود کبھی فیل نہ ہوئے ہوں... اونہہ!

"اچھا کیا بیٹا آ گئے... بس آپ کیا بتاؤں کہ فکریں ہی پیچھا نہیں چھوڑتیں... بھلا بتاؤ یہ میری پریشانی سہنے کی عمر ہوئی؟ پھر بھی دیکھ لو کہ دو لمحے سکون کے نہیں نہیں۔" وہ جیسے خود پر افسوس کھا کر بولیں... خیام توجہ سے انہیں سننے لگا۔

"تو پھر کس بات کی ٹینشن لیتی ہیں؟"

"تمہارے سامنے ہی ہے ٹینشن زادی۔۔۔ جس طرف اشارہ کیا گیا۔۔ اور جس انداز میں۔۔۔ زوبیہ نے کبوتر بن کر آنکھیں میچیں۔۔۔ مگر بلے کی کھلکھلاتی آواز نے سماعتوں تک پہنچ کر ہی دم لیا۔۔۔ ذلت 'ذلت یہ پڑوسی اسے یوں بھی پسند نہیں تھا۔۔۔ نہیں بلکہ اسے کوئی بھی ذہین شخص پسند نہیں تھا۔۔۔ ہاں یہ زیادہ مناسب ہے۔

"ارے کیسی ٹینشن۔۔۔ اٹس اوکے دادی۔۔۔ یہ تو ہوتا ہے 'فیل ہونا برا تو نہیں۔۔۔ کوشش نہ کرنا اور ہمت ہار جانا برا ہوتا ہے۔۔۔ زوبیہ دوبارہ کوشش کر سکتی ہے 'یہ کوئی ناممکن بات نہیں۔" اس نے وہی آسان سا مشورہ دیا مگر زوبیہ کو ماننا پڑا جیسے خیام کو کوئی فرق نہیں پڑا اس کے فیل ہونے پر۔۔۔ اگلے لمحے اس نے سوچا فیل ہونا برا نہیں تو۔۔۔ خود کیوں نہیں ہو جاتا؟ دیکھا اس کا مذاق اڑاتا انداز۔۔۔ سب سے جدا۔۔۔ بھئی ذہین جو ہوا۔

"دوبارہ بھی کہاں یقین کہ پاس ہی ہو گی۔۔۔ ویسے تمہیں کس جماعت میں وظیفہ ملا۔۔۔" اچانک یاد آنے پر اشتیاق سے پوچھا۔

"ایف ایس سی میں دادی جی۔۔۔" اس نے بے خیالی میں سادگی سے کہا انہوں نے ناسمجھ کر بھی سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا تو۔۔۔ دونوں نانی نواسی کے دل بے ساختہ طور پر سکڑے۔۔۔ کاش کہ زوبیہ بھی!

"بات وہ نہیں۔۔۔ اب تو دوسری ہے بیٹا۔۔۔ اب یہ نہیں پڑھ سکتی۔" وہ مایوس سی بولیں تو خیام کو اچنبھا ہوا۔

"خیریت۔۔۔؟"

"وہی تو نہیں۔۔۔ بورڈ والوں نے کہہ دیا 'دماغ میں سوراخ ہے۔" وہ آنسو ضبط کرنے لگیں۔۔۔ تو خیام ہکا بکا رہ گیا۔

"یہ کس نے کہہ دیا آپ سے۔" اسے اماں بی کی دماغی حالت پر شبہ ہونے لگا۔

"وہیں لکھا ہے تم دیکھنا۔۔۔ میں نے دانی سے پوچھا تو اس نے بتایا ہول کا مطلب دراصل سوراخ ہوتا ہے۔

میں سوچ سوچ کے پریشان ہوں خیام 'میں بڑی محبت کرتی ہوں اس سے۔" وہ جذباتی ہو کر اسے دیکھنے لگیں اور وہ دماغ پہ زور ڈال کر جو ہنسنا چاہتا تھا۔۔۔ اماں بی کا خیال کر کے بدقت ہنسی کے فوارے دبا پایا۔

"یا اللہ۔۔۔ ایسی کوئی بات نہیں پیاری دادو۔۔۔ کتنی بڑی بڑی فکریں پال رکھی ہیں آپ نے۔۔۔ ایسا یقیناً" رزلٹ پہ لکھا ہو گا اور اس کا ہرگز خدانا خواستہ کوئی دماغ میں سوراخ والا مطلب نہیں۔۔۔ بلکہ اسے دوبارہ شروع سے پڑھنے کا کہا گیا ہے۔ آپ بھی ناں 'کیا کیا اخذ کر لیا خود سے ہی۔۔۔" سنجیدگی سے کہہ کر وہ آخری بات پر ہنس پڑا اور اماں بی کے چہرے پر زندگی لوٹ آئی۔

"سچ کہہ رہے ہو؟" وہ عقیدت سے دہری ہو گئیں۔۔۔ اس لڑکے کی بات پر انہیں گوڈے گوڈے اعتبار تھا۔

"بالکل اب ٹینشن فری ہو جائیں اگلی بار زوبیہ ضرور پاس ہو کر دکھائے گی آپ عید کی تیاریاں کریں' دن ہی کتنے بچے ہیں۔"

"اس کی تو ایک ہی رٹ کہ آگے نہیں پڑھے گی۔۔۔ تم سمجھاؤ اسے 'خیام اپنی زندگی خراب کرے گی۔۔۔ تعلیم ادھوری چھوڑ دے گی تو کون کرے گا اس سے شادی۔۔۔ اس کی ماں بھی کہہ رہی تھی کہ آج کل تو اے۔ بی (بی۔ اے) والوں کی اہمیت نہیں کہاں میٹرک فیل۔"

"اماں بی۔۔۔" زوبیہ احتجاجاً" چلائی "میں اس شخص سے شادی کروں گی بھی نہیں جو میری تعلیم کو دیکھے گا۔" خیام نے دیکھا اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔۔۔ پہلی بار وہ اس کے جذبات یک لخت سمجھ پایا تھا۔

"دادی جی۔۔۔ ایسا کیوں سوچ رہی ہیں آپ' تعلیم ضروری ہے مگر کس نے کہا اسے بطور خامی لیا جائے رشتے جڑنے اور شادیوں کے فیصلے تو قسمت کی دین ہوتے ہیں۔۔۔ ناکہ اعلا تعلیم 'خوبیوں کے ڈھیر اور اونچی اونچی کامیابیوں کے۔۔۔ ہاں مجھے افسوس ہے کہ زوبیہ میٹرک کلیئر نہیں کر پا رہی مگر ایسا ہوتا تو وہ لوگ کیوں

غیر شادی شدہ ہوں جو بے تحاشا کامیابیوں کے زینے طے کر چکے ہیں... پھر تو ان کی شادی جلد ہی ہو جانی چاہیے تھی... اور آپ ابھی سے اس نقطے پر سوچ ہی کیوں رہی ہیں؟"

وہ افسوس اور سنجیدگی سے کہہ رہا تھا... زوبیہ کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں... وہ حیران ہو رہی تھی... اتنا بھی برا نہیں ہے یہ...!

"بیٹا میری زندگی کا بھروسا نہیں ہے میں جلد از جلد اس سے مطمئن ہو جانا چاہتی ہوں۔" انہوں نے صفائی دی۔

"دیکھیں دادی جی... آپ تو پڑھی لکھی نہیں ہیں ناں، پھر بھی آپ کی شادی اچھی جگہ ہوئی کیوں؟ قسمت سے آپ ہی بتاتی ہیں کہ نا آپ کے پاس تعلیم تھی نا ہنر..." خیام کی بات پر وہ جھینپ گئیں۔

"میری بات کا مقصد یہ ہے کہ زوبیہ میں تو بہت سی خوبیاں ہیں... نرم دل ہے، حساس ہے... کسی کی دل آزاری نہیں کرتی، کسی کو دکھ میں نہیں دیکھ سکتی... کیا آپ نے کبھی غور کیا! سوائے ایک بات کہ وہ پڑھ نہیں سکتی... کچھ بچے ہوتے ہیں ایسے، جو پڑھ نہیں پاتے، مگر آپ اسے اتنا بڑا مسئلہ مت بنائیں... نا اپنے لیے، نا زوبیہ کے لیے۔"

دادی لاجواب سی ہو چلی تھیں... زوبیہ مشکور سی ہو کر اسے دیکھنے لگی... اس نے دوستانہ مسکراہٹ اچھال دی... زوبیہ نے محسوس کیا عجیب سا... اسے دیکھنے والا جو خیام تھا۔

اس کی آنکھوں میں پیام تھا۔ خاموش اور پر اسرار سا!

"اچھا چلیں... بکرا نہیں دکھائیں گی۔" گفتگو کا اثر زائل کرنے کو خیام اب کہہ رہا تھا!

"امی آپ سے جلد ایک بات کرنے آئیں گی۔" پر اسرار لہجے پر وہ چونکی۔ کچھ الگ سا تھا اس کے انداز میں... اور دبی دبی ہنسی وہ تو سمجھ نہ سکی... البتہ اماں بی پر خوش گوار صدمے سے شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو چکی تھی... زوبیہ ہونقوں کی طرح انہیں تکنے لگی!

کہانی کے ہر سین کا اینڈ اماں بی کے ایسے ایکسپریشن پر ہو رہا تھا... حیرت تو بنتی ہے!

☼ ☼ ☼

نو سال پہلے... ایک تھی زوبیہ... تب وہ دس سال کی تھی... اور ایک پری تھی۔ سنجیدہ تھی... کچھ کم گو... بڑی حد تک معصوم سی اور اپنی سلطنت کی شہزادی تھی۔

ایک ماں... ایک باپ... ایک گھر اور خود وہ اکلوتی! اس کے ماں باپ میں بہت زیادہ پیار کبھی نہیں رہا تھا اس نے ہمیشہ ان دونوں کے دلوں کو شکایت کے انبار تلے دبا دیکھا تھا... آئے روز جھگڑا کرتے... کبھی روٹھتے مناتے... اس کا باپ مذہب سے بہت زیادہ لگاؤ رکھنے والا بندہ تھا... اسے کبھی کسی نے نماز چھوڑتے نہیں دیکھا... کئی کئی دن تبلیغی جماعت کے ساتھ گھر سے باہر رہتے دیکھا... وہ کمانے کے لیے کوئی خاص کام نہیں کرتا تھا، بس آس پاس کے لوگوں کو بجلی کی اشیاء ٹھیک کر کے دیتا تھا حالانکہ وہ ایک قابل الیکٹریشن تھا لیکن کمانا جیسے اس کے لیے ایک فضول کام تھا...

بھوکا پھر بھی اس نے بیگم کو کبھی نہیں رکھا... عجیب بات تھی کہ رابعہ بیگم کے پاس آسائشیں بھی تھیں پھر بھی انہیں ایسی زندگی نہیں چاہیے تھی... دونوں کی پسند کی شادی تھی اور اب ایک دوسرے کو شدید ناپسند کرتے تھے... زوبیہ کو باپ اچھا لگتا تھا، بے حد اچھا... وہ بہت نرم مزاج اور دھیما سا شخص تھا... کبھی بیوی کو دو انگلیوں کا تھپڑ نہ مارنے والا... ایسا زوبیہ ہی نہیں جاننے والے بھی کہتے ہیں... لیکن اس کے باوجود اس کا باپ بیگم کی بات ماننے سے انکاری تھا... دولت کی دھن میں کھو کر وہ شاید خدا کو بھول جانے سے ڈرتا تھا! شادی کے دس سال بعد رابعہ بیگم نے طلاق کا مطالبہ کر دیا۔ زوبیہ ماں کو دیکھتی رہ گئی... بہت مجبور ہو کر اس کے باپ نے اپنی بیٹی کی ماں کو طلاق دے دی کہ رابعہ بیگم کسی اور ہواؤں میں تھیں...

زوبیہ اب باپ کو دیکھتی رہ گئی!

اس کی نانی اور دادی سگی بہنیں تھیں... گھر ٹوٹے، تعلق ٹوٹے، رشتے ٹوٹے اور جذبات مسمار ہوتے گئے۔ اس کے باپ نے دوسری شادی کرلی... اس کی ماں اس کام میں بھی سابقہ شوہر سے بازی لے گئی۔ دوسری شادی بھی اپنی پسند سے کی... بڑی چاہ سے اور زوبیہ اس تماشے کی دھول میں رل کر مٹی مٹی ہوگئی۔ درحقیقت اسی کی شخصیت پاش پاش ہوگئی تھی۔

اسے ماں نے باپ کے حوالے نہ کیا... پھر خود بھی ساتھ رکھنے پر تیار نہ ہوئی۔ تیار باپ بھی نہیں تھا۔

اس کی ماں اب چوٹی بالا کے پہاڑوں پر خشک زندگی گزار رہی تھی۔ اور کیا سے کیا ہو رہی تھی۔ ہاں، باپ ضرور سدھر گیا تھا۔

یہ بچپن کی جو محرومیاں ہوتی ہیں ناں... ہمیشہ انسان کے ساتھ ساتھ چلتی ہیں... عمارت قد سے کیسی بھی مضبوط کیوں نہ ہو جائے، یہ محرومیاں بنیاد میں پنپتی رہتی ہیں... بچپن یادگار ہوتا ہے... ایسے کرائسس سے گزرے تو دل فگار بھی ہوتا ہے!

اس کی ماں اب روتی تھی، بلکتی تھی... اور زوبیہ وہ ٹوٹی شخصیت والے زمانے میں کھڑی تھی... وہ بہت ضرورت کے تحت اور مدھم سا بولتی تھی اپنے باپ کی طرح وہ پہلے جیسی پری نہیں رہی تھی نو سال بعد وقت اس کی رعنائیاں چرا رہا تھا... وہ بہت ظالم چور تھا اور زوبیہ اسے چوری کرنے دے رہی تھی... اس کی کوئی دوست نہیں تھی سوائے نانی کے کوئی عزیز نہیں تھا۔ اس کے پانچوں ماموں ہر ماہ باقاعدگی سے اس کے اخراجات کی مخصوص رقم بھیجتے تھے لیکن کسی کی محبت اس کے مسمار ذہن کو ابھار نہیں سکی اور محبتیں ایسی ہوتی ہیں کیا؟

اماں بی اس سے بلاشبہ محبت کرتی تھیں مگر وہ کہتی تھیں وہ اسے اپنی حفاظت خود کرنا سکھانا چاہتی ہیں... انہیں کسی پر بھروسا نہیں تھا۔ اور یہی بات... زوبیہ نے اپنی سلطنت اپنے کچے ذہن اور نا سمجھ بینائی سے چھنتی دیکھی تھی... وہ دراصل بکھرے ذہن... منتشر خیالات اور عدم تحفظ کا شکار تھی... وہ ایک خوف زدہ لڑکی تھی۔ وقت سے... حالات سے ڈرتی... جھجکتی!

اس کی ماں کو اس کا سوتیلا باپ مارتا پیٹتا تھا۔ وہ ماں کی گود میں سر رکھ کر روتی تھی تو بھول جاتی تھی کہ زوبیہ بھی کسی کونے میں موجود ہے۔ اولاد انیس برس کیا انیس صدیاں بھی جی لے... تو ماں کے دکھوں پر دل لہو لہو کیے بغیر رہ نہیں پاتی... یہ حقیقت ہے! وہ شاید کند ذہن ہوگئی تھی... لیکن دماغ یکسوئی سے عاری ہو تو پڑھائی ہو تو کیسے ہو؟

گھر میں بات عام ہے کہ زوبیہ ٹی وی کی دیوانی ہے... بات تو سچ ہے پر کسی نے غور نہ کیا وہ کس چیز کی دیوانی ہے؟ ایسی موویز... ایسے ڈرامہ سیریل جن میں لڑکی اکیلی تنہا ہو، ماں باپ سے بچھڑ جائے... کسی کے عتاب میں ہو... برا سے برا ہو رہا ہو... اور وہ مرجائے... کہانیوں میں اسے سنڈریلا نہیں بھاتی تھی... البتہ سنو وائٹ شاندار لگتی تھی!

جب وہ پہلی دفعہ فیل ہوئی، حقیقت میں روئی... اور اب جیسے بے حس ہونے لگی۔ فیل ہونے کا خوف اسے پاس ہونے سے روک دیتا تھا۔

وہ جو اپنی ذات میں قید تھی دنیا سے ناراض خیام کے خیالات جان کر متحیر رہ جاتی ہے تو وہ قصوروار نہیں ہے۔ دراصل زندگی میں ہمیں کسی بھی ناکامی پر غم زدہ ہونے یا کسی کے افسوس کرنے کی بجائے صرف چھوٹی سی حوصلہ افزائی کی ضرورت ہوتی ہے... افسوس اور ہمدردی صرف کمزور کرتی ہے حوصلہ نہیں دیتی۔

☼ ☼ ☼

بڑی عید چپکے سے آنگن میں اتر آئی اماں بی کو آج سے قبل کبھی اتنی خوشگواریت میں گھرا نہیں دیکھا گیا... وہ اس عید کی کتنی بڑی احسان مند ہیں کوئی انہیں دیکھ کر اندازہ لگالے... چھوٹی بہو تذبذب کا شکار ساس کے پاس آئی۔

"اماں بی خیام کا رشتہ... زوبیہ کے لیے آیا ہے؟"

"نہیں اس کی چچیری بہن کے لیے آیا ہے۔" اماں بی کو مخول سوجھ رہے تھے۔ بہو جھینپ گئی بات ہضم ہی کہاں ہو رہی تھی!

"کیا کہا' خیام وہ اپنا پڑوسی؟" نانا جان کے ہونٹ کانوں تک راستہ بنا گئے... اللہ اللہ ایسی خوش نصیبی دیکھا بھالا گھرانہ... لائق فائق مہذب سا لڑکا... یہی نہیں چاہیے تھا تو پھر کیا چاہیے تھا؟

"دادی جی وہ کیوں زوبیہ کے لیے مان رہا ہے؟" دانیال کو بڑا دکھ تھا اب زوبیہ کو چھیڑے گا کیسے؟

"ذرا عزت سے پکارو... بڑا ہے تم سے... اور زوبیہ میں کیا کمی۔" نہایت اطمینان سے جواب دے کر وہ قربانی کا گوشت حصوں میں تقسیم کرنے لگیں دانیال کو تعجب ہوا۔

"کمال ہے اور وہ... میٹرک فیل؟"

"خیام پاس کرا دے گا... کوئی بڑی بات نہیں۔" کہہ کر وہ ہنسی چھپانے لگیں' دانی ہوتا رہے بے ہوش ان کی بلا سے!

"میں آپ پر ایسی بوجھ ہوں۔" زوبیہ کے آنکھوں کے کنارے بھیگے ہوئے تھے اماں بی ذرا مرعوب ہوئیں نہ متاثر...!

"ڈراموں کے بول مجھ پر مت بولنا... اور تو رخصتی ہی سمجھنے لگی۔" اماں بی نے تیوری چڑھا کر گھورا... وہ بری طرح بوکھلائی۔

"نہیں تو..." وہ ابھی بکرا قربان ہونے کے غم میں رو کے آئی تھی۔

"تو پھر آنسو سنبھال کر رکھ... جا میری دھی عید مبارک... دیکھ ابھی گوشت کھایا نہیں اور منہ پہلے سوجھ گیا۔" وہ اس کے پھولے چہرے کو دیکھ کر مذاقاً" بولیں تو وہ گھور کر رہ گئی... شام میں دادا جان کا فون بجا تو وہ بنا کسی لحاظ کے بول اٹھی۔

"عید مبارک..." خیام نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

"آپ نے شادی کا فیصلہ کیوں کیا...؟"

"میں انسان ہوں۔"

"مجھ سے کیوں کیا...؟"

"آپ بھی انسان ہیں۔"

"مطلب مجھ سے ہی شادی کا فیصلہ کیوں؟" وہ جھنجلا کر بولی۔

"کسی سے تو کرنا تھا... پھر تم کیوں نہیں؟" وہ مزے سے بولا۔

"میں میٹرک فیل... آپ کی پسند؟" وہ تلخی سے بولی... لہجہ دھیما تھا مگر کھائی برقرار تھی... کچن سے خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں...!

"قسمت کی باتیں ہیں اور اس بات کو چھوڑیے بی بی تم بہت جلد پاس ہونے والی ہو... اس کے لیے تیار رہو۔"

"پلیز... میرے جذبات سے کھیل کر آپ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں میں جیسی ہوں ویسی رہنے دیں' اگر میں آگے نہیں پڑھ پائی تو آپ آگے ضرور بڑھ جائیں گے اور..."

"اور مجھ پڑھی لکھی بہت لڑکیاں مل جائیں گی مگر زوبیہ جیسی نرم دل ' حساس اور پیاری لڑکی نہیں مل سکے گی۔" خیام کے بات کاٹنے پر وہ بے اختیار خاموش سی ہو گئی تھی۔

"اول بات تو یہ ہے کہ میں نے رشتے کی بات تم سے نہیں دادی جی سے کی۔۔۔ اور اگر راستہ بدل لوں گا تو تمہارے نہیں ان کے جذبات سے کھیلوں گا۔" وہ سنجیدگی سے بولنے کے موڈ میں لگ رہا تھا۔۔۔ زوبیہ بے بسی سے لب کاٹنے لگی۔

"تم کسی سے کم نہیں ہو زوبیہ احسان۔۔۔ نکل آؤ اس کم مائیگی کے احساس سے۔۔۔ انسان کسی سے نہیں ہار سکتا سوائے خود سے۔۔۔ تمہیں اگر کسی کے مقابلے میں کمتری کا احساس ہے تو سوچو ایسا کس نقطے کی بنا پر ہے تم فیل ہو جاتی ہو تو کیوں؟ ویسے میرے نزدیک یہ بری بات نہیں۔۔۔ تم نے نہم جماعت کی اردو کتاب میں اس حوالے سے سبق نہیں پڑھا شاید۔" وہ بات کو ہلکا پھلکا رنگ دے کر ہنسا۔۔۔ زوبیہ کے آنسو گرنے لگے۔ٹپ ٹپ ٹپ۔

"میں فیل ہو جاؤں گی۔"

"حالانکہ یہ ایک مشکل کام ہے۔۔۔ میں چاہتا ہوں تم کوشش ضرور کرو۔۔۔ اصل میں تمہیں سکون کی ضرورت ہے زوبیہ' اعتبار کی ضرورت ہے تم احساس کمتری میں مبتلا ہو اور تم پر پریشر اتنا ہو جاتا ہے کہ تمہاری یکسوئی ختم ہو جاتی ہے تم ضرور پاس ہو گی تمہیں میٹرک پاس کہلوانا میرے ذمے ہوا۔" وہ پھر ہنسا "لوگ صرف باتیں کرنا جانتے ہیں زوبیہ۔۔۔ ان کی باتوں سے حوصلہ مت توڑو' یہ ہماری زندگی ہے۔۔۔ ہاں تم پھر بھی پاس نہ ہو سکیں تو تمہیں اگین فورس نہیں کروں گا۔۔۔ پھر یقیناً"بورڈ والوں کی کوئی پرانی دشمنی رہی ہو گی تم سے۔۔۔" وہ شرمندہ سی ہو کر ہنسنے لگی۔

"گڈ گرل۔۔۔ دیکھو تعلیم لازمی ہے کہ یہ شعور دیتی ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ کم تعلیم ہر انسان کو انسان کے درجے سے ہٹا دیتی ہے۔۔۔ میں نے ایسے بہت سے لوگ دیکھے ہیں جو ان پڑھ مگر باشعور ہیں اور ایسے بھی دیکھے ہیں جو پڑھے لکھے مگر جاہل ہیں۔"

"بہلا رہے ہیں۔۔۔" وہ آنسو صاف کرتے بولی۔

"بتا رہا ہوں۔ تم مجھے دل و جان سے منظور ہو اور مجھے یقین ہے کہ آگے جا کر تم زندگی کے امتحان میں کبھی فیل نہیں ہو گی وہاں کوئی تمہارے ساتھ دشمنی نبھانے والا کوئی نہیں ہو گا۔ جو لوگ خود سے پہلے دوسروں کا درد محسوس کریں وہ تو انمول ہوتے ہیں یار۔" گلابی شام عید کے لباس میں سج سج کر دھرتی پر اتر رہی تھی۔۔۔ خیام کی باتیں دل کو سکون دے رہی تھیں ۔۔۔ مایوسی گھل رہی تھی۔۔۔!

"اور رہی میری بات تو' زوبیہ بی بی بڑی عید پر بڑی باتیں ہو ہی جایا کرتی ہیں۔" اور مدھم سی مسکرانے والی معصوم لڑکی دھیمے سروں میں کھلکھلاتی چلی گئی ۔۔۔ خیام نے اس کی ہنسی کو سنا۔۔۔ شفاف پانیوں کے جیسی ہنسی۔۔۔ بہتی ہوئی۔

"تھینک یو۔۔۔" شکریہ بھی خیام کی طرف سے ادا ہوا۔

اس نے دھیرے سے فون کان سے ہٹا لیا۔۔۔ صحن میں اماں بی چہکتی نظر آ رہی تھیں۔۔۔ زوبیہ چوکھٹ میں کھڑی ہو کر انہیں دیکھتی رہی۔ چھوٹی مامی لذیز ڈشز بنا بنا کر ساس کی خدمت میں پیش کر رہی تھیں۔۔۔ زوبیہ کو جانے کیوں ہمیشہ ہی ان کے بچوں جیسے دھیرے دھیرے کھانے والے انداز پر ہنسی آ جاتی تھی۔۔۔ لیکن آج کا راز۔۔۔ اس کی نرم سی مسکراہٹ اسے نو سال پیچھے لے جا کر پری سی بنا کر دکھا رہی ہے۔۔۔ اس لیے کہ یہ مسکراہٹ ان نو سالوں میں کبھی نہیں دیکھی گئی اور اس راز سے زوبیہ نے بہت آگے جا کر۔۔۔ کچھ عرصے بعد آشنا ہونا ہے۔۔۔ ابھی انجان رہنے دیں۔

زندگی میں واقعی ہمیں کسی نا کسی وجود سے چھوٹی سی حوصلہ افزائی' ذرا سی مسکراہٹ کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔ دوسروں کے لیے حوصلہ نہیں۔۔۔ ہماری زندگیوں میں ایک مثبت کردار' مسمار ہوتی دیوار کے لیے بہت بڑا سہارا ثابت ہوتا ہے۔

"باقی بڑی عید پر بڑی باتیں مبارک۔"

مکمل ناول

قرۃ العین خرم ہاشمی

مجھے صرف وہ

"عدن بے بی! اب بس کریں، آپ سے نہیں ہوگا۔ کل پھر کوشش کر لیجیے گا۔"

رضیہ نے ساتویں بار بھی عدن کو سائیکل سے گرتے ہوئے بچایا، تو اکتا کر کہنے لگی۔ رضیہ کا سارا دھیان، اس وقت ٹیلی کاسٹ ہونے والے کورین ڈرامے کی طرف تھا۔ یہ وقت اسے سب سے زیادہ پسند تھا۔ جب گھر میں اس کے اور عدن کے سوا کوئی نہیں ہوتا تھا۔ رضیہ روز اس وقت پر عدن کو اس کے کمرے میں کارٹون لگا کر دیتی اور ساتھ ہی چپس، برگر اور ڈھیر سارے کیچپ سے پلیٹ سجا کر اسے پیش کرتی۔ عدن اپنی من پسند ڈزنی مووی دیکھتے ہوئے مزے سے کھاتی رہتی اور تب تک رضیہ لاؤنج میں لگی اسکرین پر اپنی مرضی کے پروگرام دیکھتی رہتی۔ مگر پچھلے تین دن سے عدن کو سائیکل چلانے کا شوق ہو گیا تھا۔ رضیہ کو ڈر تھا اگر عدن گر گئی یا اسے چوٹ لگ گئی تو اس کی شامت آجائے گی۔ کیونکہ صاحب اور بیگم صاحبہ کی اس میں جان تھی۔ اس لیے وہ ہسپتال سے ضرور فون کر کے عدن کا حال پوچھتے اور اس کے تمام معاملات سے باخبر رہتے تھے۔

"کیوں نہیں ہوگا مجھ سے؟ میں آج ہر حال میں سائیکل چلا کر دکھاؤں گی!! اتنے دن ہو گئے ہیں مجھے پریکٹس کرتے ہوئے! تمہیں پتا ہے وہ جو ہمارے ساتھ والے گھر میں ایک لمبا سا لڑکا رہتا ہے، اس کی کیوٹ سی آپی اسے روز اپنے سائیکل پر بٹھا کر اتنی دور تک لے کر جاتی ہیں! میرا بھی دل کرتا ہے سائیکل پر بیٹھ کر لمبی سیر پر جانے کو۔۔۔! مگر میرا کوئی بہن بھائی نہیں ہے ناں۔۔۔!" دس سالہ گول مٹول، دو پونیاں بنائے ہوئے، سرخ چہرے اور بھیگی آنکھوں کے ساتھ کوشش کرتی ہوئی عدن نے منہ بسور کر کہا تھا۔ رضیہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ عدن کو اپنے اکیلے پن کا احساس بہت شدت سے ستاتا تھا۔ ابھی بھی عدن اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے سائیکل چلانے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی۔ آخر مسلسل کوشش کے بعد عدن ٹھیک سے سائیکل چلانے میں کامیاب ہو گئی۔ خوشی سے عدن کا چہرہ تمتمانے لگا۔ اس نے بڑے سے پورچ کے کئی چکر لگائے۔ رضیہ نے دل میں شکر کا کلمہ پڑھا۔

"ہرے!" عدن نے خوشی سے چلاتے ہوئے نعرہ بلند کیا تھا۔

"شکر ہے جان چھوٹی!" پچھلے ایک ہفتے سے اس کے ساتھ بھاگتے اور اسے گرنے سے سنبھالتے ہوئے رضیہ بہت اکتا گئی تھی۔ اتنا تو وہ کبھی اپنے تینوں چھوٹے بچوں کے پیچھے نہیں بھاگی تھی۔ "چلیں عدن بے بی! مس ندا کے آنے کا ٹائم ہونے والا ہے!" رضیہ نے اس کی ٹیوشن ٹیچر کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں! ابھی مس ندا کے آنے میں کچھ دیر باقی ہے۔ چوکیدار سے کہو کہ گیٹ کھولے۔ میں سائیکل روڈ پر چلاؤں گی!" عدن نے نیا حکم صادر کیا تھا۔ رضیہ گھبرا کر اسے منع کرنے لگی۔ انہیں اس نئی بنی سوسائٹی میں آئے ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ شہر سے دور اور پرسکون علاقے میں یہ خوب صورت سوسائٹی بنی تھی۔ جس کے راستوں سے ابھی رضیہ کو

واقعیت بس تھی۔ اس لیے وہ عدن کے گھر سے باہر جانے کے حق میں نہیں تھی مگر عدن کسی طرح بھی نہیں مان رہی تھی۔ اسے بضد دیکھ کر مجبوراً رضیہ کو چوکیدار رب نواز سے گیٹ کھولنے کا کہنا پڑا۔ عدن گیٹ کے کھلتے ہی زن سے سائیکل بھگا کر لے گئی۔ پیچھے رضیہ اسے آوازیں دیتی رہ گئی۔

عدن بڑی اور کشادہ سڑک پر آتے ہی بااعتماد انداز میں سائیکل چلانے لگی۔ عدن نے اپنے گھر کی روڈ کے آخری سرے سے سائیکل موڑی۔ اس وقت اور بھی بچے اپنے گھروں سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ بے ہنگم ٹریفک نہ ہونے کی وجہ سے بچے اپنا سائیکلنگ کا شوق پورا کر رہے تھے۔ عدن خوشی سے سرشار، اپنی دھن میں جا رہی تھی۔ جب کوئی اچانک اس کی سائیکل کے سامنے اپنی سائیکل لایا۔ اس سے پہلے کہ عدن کی اس سے ٹکر ہو جاتی، وہ مہارت سے اپنی سائیکل گھما کر لے گیا۔ مگر عدن خود کو سنبھال نہیں سکی

...فٹ پاتھ سے ٹکرا کر زمین پر گر گئی۔ اس کے ہاتھوں
...گھٹنوں میں خراشیں آئی تھیں۔ تکلیف کی شدت
...سے عدن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ عدن نے سر
...ٹھا کر سامنے کھڑے، قہقہے لگاتے ہوئے، بارہ سالہ
...کے کو دیکھا تھا یہ وہ ہی لڑکا تھا جس کے گھر کا ایک
...احصہ، اس کے کمرے کے ٹیرس سے نظر آتا تھا۔
...س لڑکے نے عدن کی بڑی بڑی کالی آنکھوں میں
...نسو تیرتے ہوئے دیکھے تو شرمندہ ہو گیا۔ اسی وقت
...یک لڑکی تیزی سے اپنی سائیکل پر سوار ان کے پاس
...نچی۔ پاس آ کر وہ چھلانگ لگا کر اپنی سائیکل سے
...تری اور جلدی سے عدن کو سہارا دے کر اٹھایا۔

"تمہیں زیادہ چوٹ تو نہیں لگی!" پندرہ سالہ
...تیکھے نین نقش کی مالک لڑکی کی شخصیت اور لہجے میں
...اعتماد واضح تھا مگر وہ بولی تو اس کا لہجہ فکر مند تھا۔

"اور تم پاس کھڑے کیوں ہنس رہے ہو؟ کیا یہ
...ہنسنے کی بات ہے؟" اس لڑکی نے عدن پر سے نظر ہٹا
...کر سخت نظروں سے سامنے کھڑے لڑکے کو دیکھا تھا
...جو گھبرا کر جلدی سے بولا۔

"امن آپی! میں نے کچھ نہیں کیا۔ یہ لڑکی خود
...ہی سائیکل سے گری ہے۔" اس لڑکے کے کہنے پر
عدن نے جلدی سے کہا تھا۔

"نہیں یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اس نے مجھے
جان بوجھ کر گرایا ہے۔" عدن کی آنکھوں سے آنسو
ٹپک پڑے۔ امن نے سنجیدہ نظروں سے دیکھتے
ہوئے پوچھا۔

"سچ بتاؤ سمیر۔۔۔! یہ ٹھیک کہہ رہی ہے؟" اس
سے پہلے کہ سمیر کچھ کہتا۔ عدن بول پڑی۔

"آپ کیوں میری بات کا یقین کریں گی
! آپ اس لمبوترے کی بہن جو ہیں! اور میرا کوئی بہن
بھائی نہیں ہے ناں، جو اس طرح میری سائیڈ لیتا۔"

عدن نے سوں سوں کرتے ہوئے معصومیت سے
کہا تو اس کے سمیر کو لمبوترے کہنے پر امن کے ہونٹوں پر
مسکراہٹ پھیل گئی مگر سمیر اسے گھور کر رہ گیا تھا۔

"اچھا! تمہیں یہ پتا ہے کہ یہ میرا بھائی ہے!"
امن نے حیرت سے سوال کیا تھا۔

"مجھے تو یہ بھی پتا ہے کہ آپ روز اس لمبوترے کو
اپنی سائیکل پر بٹھا کر سیر کرواتی ہیں اور اسے سائیکل
چلانا بھی سکھاتی ہیں اور اس دن جب اس نے جامن
کے درخت پر سے ڈھیر سارے جامن توڑے تھے تو
آپ نے اسے اپنی مما کی ڈانٹ سے بھی بچایا تھا
اور۔۔۔!" عدن بغیر رکے بولتی ہی چلی گئی۔ اس
وقت ہی گھبرائی ہوئی سی رضیہ بھی ان کے پاس چلی
آئی تھی۔ تیزی سے بھاگنے کی وجہ سے اس کی سانس
پھولی ہوئی تھی۔

"عدن بے بی! آپ ٹھیک ہیں۔۔۔!" رضیہ
نے بہ مشکل اپنا جملہ مکمل کیا تھا۔ عدن نے اس کی
بات کا جواب دیے بغیر امن کی طرف دیکھا تھا۔

"امن آپی! یہ تو مجھے کوئی جاسوس لگ رہی ہے!
لگتا ہے سارا دن مجھ پر ہی نظر رکھتی ہے!" سمیر نے
منہ بنا کر کہا تھا۔ امن بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔

"اچھا جو لڑکی ہمیں روز اپنے ٹیرس پر سے
دیکھتی تھی وہ تم ہو۔۔۔!" امن نے مسکراتے ہوئے
پوچھا تو عدن نے فوراً اثبات میں سر ہلایا تھا

"گڈ گرل! اب رونا نہیں۔۔۔!" امن نے نرمی
سے اس کے بھیگے چہرے کو صاف کیا تھا۔

"غلطی سمیر کی ہے! اس لیے وہ تمہیں سوری
کہے گا! پھر ایک سرپرائز بھی ہے عدن کے لیے۔"
امن نے سمیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو برے برے
منہ بنا رہا تھا مگر وہ امن کی کوئی بات نہیں ٹالتا تھا۔

"اچھا۔ سوری۔۔۔!" سمیر نے جان چھڑانے
والے انداز میں کہا تھا۔ عدن نے منہ دوسری طرف
پھیر لیا جیسے سنا ہی نہ ہو۔ سمیر دانت کچکچا کر رہ گیا۔

"موٹی آلو!" سمیر نے دل ہی دل میں اسے
مخاطب کیا تھا۔

"سمیر!" امن نے تنبیہی نظروں سے اسے گھورا
تھا۔ "اچھا کہا ناں۔۔۔ سوری!" سمیر جھنجلا کر بولا۔

"امن آپی اب میرا سرپرائز؟" عدن نے خوشی
سے چمکتی آنکھوں کے ساتھ مسکراتی ہوئی امن کو دیکھا۔

''تمہارا سرپرائز یہ ہے کہ کل سے میں روز شام کو تمہیں سائیکل چلانا سکھاؤں گی اور تم بھی مجھے سمیر کی طرح اپنی آپی ہی سمجھو اب خوش ہونا۔۔۔۔!''

''دس از ناٹ فیئر۔۔۔!میں اس موٹی کے ساتھ اپنی آپی کو ہرگز شیئر نہیں کروں گا۔'' سمیر نے ضدی لہجے میں کہا۔

''خود کیا ہو؟ لمبوترے۔۔۔!'' عدن نے اسے منہ چڑایا۔ امن نے مسکرا کر عدن کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

''لگتا ہے ہماری خوب جمے گی۔ چلو آجاؤ۔ میں تمہیں گھر تک چھوڑ آتی ہوں۔'' امن نے کہتے ہوئے اسے اپنی سائیکل پر بیٹھنے کی پیشکش کی جسے عدن نے فوراً ہنستے ہوئے قبول کرلیا اور اچھل کر اس کے پیچھے بیٹھ کر دونوں بازوؤں اس کی کمر کے گرد ڈال کر مسکرانے لگی۔ سمیر نے غصے سے اس منظر کو دیکھا اور پیر پٹختا ہوا، اپنی سائیکل کے پاس چلا گیا۔

عدن امن کے پیچھے بیٹھی خوشی سے ہنس رہی تھی۔ جبکہ اس کے پیچھے پھولے ہوئے چہرے کے ساتھ سائیکل چلاتا ہوا سمیرا اور اس کے پیچھے عدن کی سائیکل کو بمشکل گھسیٹ کر لاتی ہوئی رضیہ تھی۔

☆☆☆

''آج بہت دیر لگادی تم لوگوں نے؟'' وہ دونوں آگے پیچھے گھر کے اندر داخل ہوئے تو کچن سے سلاد کا باؤل اٹھائے نزہت نکلیں اور ایک نظر دیوار پر لگی گھڑی پر ڈال کر پوچھنے لگیں۔ مغرب کی اذان ہوئے کچھ دیر گزر رہی تھی۔ مغرب کی اذان کے بعد انھیں گھر سے باہر رہنے کا حکم نہیں تھا۔ اس لیے نزہت نے ذرا سخت لہجے میں پوچھا تھا۔ پھولی ہوئی سانسوں کو اعتدال پر لاتی ہوئی امن نے ہاتھ کے اشارے سے کچھ دیر انتظار کرنے کا کہا اور گہری گہری سانس لینے لگی۔

نزہت نے دونوں کو جوس دیتے ہوئے پوچھا۔

''کیا بات ہے امن۔ تمہاری سانس کیوں پھولی ہوئی ہے؟ کیا بھائی کے ساتھ ریس لگائی ہے تم نے؟'' نزہت کے پوچھنے پر امن نے نفی میں سر ہلایا اور گلاس ختم کر کے میز پر رکھا۔

''اس سے بھی بڑا کام کیا ہے آپ کی بہادر بیٹی نے۔۔۔!موٹی آلو کو سائیکل پر بٹھا کر گھر تک چھوڑا ہے۔'' سمیر نے منہ بنا کر کہا۔ پاس بیٹھی نزہت نے ہلکی سی چپت اس کے سر پر ماری تھی۔

''بری بات ہے بیٹا! کسی کے ایسے نام نہیں رکھتے ہیں۔'' نزہت نے سختی سے کہا تو وہ سر جھکا کر ''سوری مما'' کہہ کر رہ گیا۔

''مما اس نے آج سچ میں بہت غلط حرکت کی ہے۔ جان بوجھ کر بے چاری عدن کو سائیکل سے گرا دیا۔ وہ تو شکر ہے کہ میں نے اسے یہ شرارت کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور عدن کے پاس جا کر سارا معاملہ سنبھال لیا۔ نہیں تو کیا سوچتے وہ لوگ ہمارے بارے میں۔'' امن نے فخریہ اپنا کارنامہ بتایا تھا۔

''عدن کون؟'' نزہت نے چونک کر پوچھا تھا۔

''مما! دو مہینے پہلے ہمارے ساتھ والے گھر میں جو نئے لوگ آئے ہیں ناں! عدن ان کی اکلوتی بیٹی ہے۔ بہت کیوٹ اور معصوم سی! میں نے اسے اپنی بہن بنا لیا ہے۔'' امن نے جوش بھرے انداز میں کہا۔

''او اچھا! تم ڈاکٹر نائلہ شاہ کی بات کررہی ہو۔ ایک دو دفعہ راستے میں ملاقات ہوئی ہے ان سے۔ بہت ڈیسنٹ اور سوبر لیڈی ہیں۔ ان کے ہزبینڈ بھی ہارٹ سرجن ہیں۔ کیا نام بتارہی تھیں وہ ان کا۔۔۔! ہاں یاد آیا فاروق علی شاہ۔۔۔! مشہور و معروف سرجن ہیں وہ!'' نزہت نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا اور پھر سمیر کی طرف رخ موڑ کر کہنے لگیں۔

''بہت بری بات ہے سمیر! ان لوگوں پر ہمارا کیا امپریشن پڑے گا۔ کیا سوچتے ہوں گے کہ اپنے بچوں کو تمیز بھی نہیں سکھائی ہے!'' نزہت نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

''اچھا مما! سوری کہہ دیا ہے ناں ویسے بھی ان کی بیٹی سے مل کر آپ کے خیالات بدل جائیں

گے۔ توبہ لڑکی ہو کر کتنی تیز اور لڑاکا ہے وہ!!" سمیر کو تیز تیز بولتی، ناک چڑھاتی عدن یاد آئی تو منہ بنا کر بولا۔ آخری لائن اس نے منہ میں بولی تھی کہ کہیں ماں سن کر پھر اسے ڈانٹنا نہ شروع کر دیں۔

"اور ویسے بھی مما! آپ کو ساری دنیا ہی اچھی لگتی ہے سوائے اپنے اکلوتے اور لاڈلے بیٹے کے!" سمیر نے منہ بنا کر کہا تھا۔

"رہنے دو ایسے جذباتی ڈائیلاگ! مما پر ان کا اثر نہیں ہونے والا۔" امن نے اپنی پونی جھلاتے ہوئے اس کا مذاق اڑایا تھا۔

"امن آپی! آپ سے تو میں ویسے ہی سخت ناراض ہوں! یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا۔ مجھ سے بات مت کریں۔"

سمیر نے چڑ کر کہا اور گود میں رکھا کشن اٹھا کر سائڈ پر رکھا اور وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔ اسے سیڑھیاں چڑھتے دیکھ کر نزہت نے حیرت سے امن کی طرف دیکھا تھا۔

"اسے کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں مما! خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔" امن نے لاپروائی سے کہتے ہوئے کندھے اچکائے تھے۔ نزہت کچھ سوچتے ہوئے سر ہلا کر رہ گئیں۔

☆☆☆

"آج ہماری بیٹی بہت خوش ہے!" عدن کھانے کی پلیٹ سامنے سجائے، خوشی سے چہک رہی تھی۔ نائلہ کے بار بار ٹوکنے پر بھی وہ کھانے میں دلچسپی نہیں لے رہی تھی۔ نائلہ اسے سخت لفظوں میں سرزنش کرنے ہی لگی تھیں جب فاروق نے ہاتھ کے اشارے سے کچھ بھی کہنے سے منع کیا اور اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے نرمی سے پوچھنے لگے۔ عدن نے باپ کی توجہ پائی تو خوشی سے کھل اٹھی اور کہنے لگی۔

"پتا ہے بابا! آج کیا ہوا؟"

"ہم اپنی گڑیا کی ساری بات سنیں گے! مگر سب سے پہلے اپنا کھانا ختم کریں۔ کھانے کو انتظار نہیں کرواتے ہیں۔۔۔!" فاروق نے کہتے ہوئے اس کی پلیٹ میں سے چھوٹا سا نوالہ بنایا اور اس کی طرف بڑھایا۔ عدن نے فوراً اپنا منہ آگے کیا۔

"ٹھیک ہے بابا! عدن اچھی بچی ہے ناں، وہ اپنے بابا کے ہاتھ سے کھانا کھائے گی!" عدن نے مزے سے کہا تو اس کی چالاکی پر نائلہ اسے گھور کر رہ گئیں اور فاروق بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

"جیسا میری شہزادی کہے۔۔۔!" فاروق کی آنکھوں میں اس کے لیے محبت کے ان گنت چراغ روشن تھے۔

"عدن! اب آپ بڑی ہو گئی ہو! خود کھانا کھایا کرو۔" نائلہ نے حسب عادت اسے سمجھانے کا فریضہ سرانجام دیا تھا۔

"اچھا مما! کل سے۔۔۔!" عدن نے باپ کے ہاتھ سے کھانا کھاتے ہوئے کہا۔ نائلہ سر جھٹک کر رہ گئیں۔ کھانا کھانے کے بعد عدن فاروق سے باتیں کرتی ہوئی لاؤنج میں چلی گئی۔ نائلہ، رضیہ کو برتن اٹھانے کا کہہ کر ساتھ ہی اس سے سارے دن کی روٹین پوچھنے لگیں۔ رضیہ جلدی جلدی ہاتھ چلاتے ہوئے اسے عدن کے سائیکل چلانے اور پھر سڑک پر ضد کر کے جانے کا بتانے لگی۔ عدن کے گرنے کا سن کر نائلہ کے چہرے پر فکر مندی کے آثار نمودار ہو گئے۔ کچھ سوچ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھیں اور سیڑھیاں چڑھ کر عدن کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ کمرے کا دروازہ کھولا تو عدن باپ کی گود میں بیٹھی باتیں کرتے کرتے سو چکی تھی۔ فاروق نے نرمی سے اس کا ماتھا چوما اور اسے اٹھا کر بیڈ کی طرف بڑھے۔ عدن کو بیڈ پر لیٹا کر نائلہ نے آگے بڑھ کر فاروق کو رکنے کا اشارہ کیا۔ فاروق سمجھ گئے اور آہستہ آواز میں اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"فکر مت کرو! میں اچھی طرح چیک کر چکا ہوں۔ عدن کو کوئی خاص چوٹ نہیں لگی ہے۔ ہلکی سے خراشیں آئی ہیں۔" نائلہ نے سکون کا سانس خارج کرتے ہوئے سر ہلایا اور اس کو کمبل ٹھیک سے اوڑھا کر، نائلہ نے اس کے پھولے ہوئے گال پر بوسہ دیا

اور آہستگی سے ”شب خیر! میری بچی!“ کہہ کر دونوں کمرے باہر نکل گئے۔

دونوں ٹیرس پر کھڑے اپنے گھر کے سرسبز و شاداب لان کو دیکھ رہے تھے۔ جب رضیہ ان کے لیے کافی بنا کر لے آئی۔ گرم گرم کافی کے گھونٹ بھرتے ہوئے، وہ عدن کے بارے میں باتیں کرنے لگے تھے۔

”عدن بہت خوش ہے نئے دوست بنا کر! مگر میرے خیال سے ہمیں ایک بار ان سے ملنا چاہیے۔ تاکہ اندازہ ہو سکے کہ ہماری بیٹی کے دوست کیسے ہیں!“ فاروق نے سوچتے ہوئے کہا تھا۔ نائلہ گہری سانس لے کر رہ گئیں۔ وہ جانتی تھیں کہ فاروق یہ بات ضرور کہیں گے۔ وہ عدن کے معاملے میں ایسے ہی پوزیسو تھے۔

”میں ایک دو بار ملی ہوں، مسز نزہت مرتضیٰ سے! بہت سلجھی ہوئی اور ملنسار خاتون ہیں۔ مگر آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں کہ ہمارا ان سے ملنا ضروری ہے۔ ایسا کرتے ہیں کہ امن کی برتھ ڈے پارٹی پر ایک شاندار سا اپوائنٹ رکھتے ہیں اور آس پاس کے سب لوگوں کو مدعو کریں گے یہاں آکر سیٹ ہونے اور ہسپتال کی مصروفیت کی وجہ سے ہم ٹھیک سے کسی سے مل بھی نہیں سکے ہیں۔ کیا خیال ہے آپ کا!“ نائلہ نے کافی دنوں سے سوچا ہوا پلان، فاروق سے شیئر کیا تو وہ بھی اثبات میں سر ہلا کر رہ گئے۔

”ٹھیک کہتی ہو تم! نئے گھر اور پھر ہسپتال کی مصروفیت کی وجہ سے ہر چیز ہی نظر انداز ہو کر رہ گئی ہے۔ ہماری معصوم بیٹی بھی! جو پہلے ہی اکیلے پن کا شکار ہے، مگر جو خدا کی مرضی۔۔۔!“

فاروق کے کہنے پر نائلہ اداس ہو گئیں۔ ان دونوں کی بہت خواہش تھی کہ عدن کا کوئی بہن یا بھائی بھی ہوتا مگر عدن کی پیدائش کے وقت ہونے والی پیچیدگی کی وجہ سے نائلہ دوبارہ ماں نہیں بن سکی تھیں۔ جس کا قلق انہیں رہتا تھا۔ جیسے جیسے عدن بڑی ہوتی جا رہی تھی، اس کی تنہائی اور اکیلا پن بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ جس کا شکوہ وہ اکثر اپنے والدین سے کرتی رہتی تھی۔

”تم اداس ہو مت نائلہ! شکر کرو کہ ہمارے پاس عدن تو ہے ناں! ہم ماں باپ کے رتبے پر تو فائز ہیں! وہ لوگ بھی تو ہیں جو اولاد کی نعمت سے محروم ہیں۔“

فاروق نے نائلہ کے چہرے پر پھیلی ہوئی اداسی دیکھی تو نرمی سے ان کے کندھے پر بازو پھیلاتے ہوئے تسلی دی۔ نائلہ نے دل میں شکر ادا کرتے ہوئے، فاروق کے کندھے پر سر رکھ دیا تھا۔

”آپ سچ کہتے ہیں! ہم چاہ کر بھی اس ذات کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکتے ہیں! جیسے ایک نعمت اور سکون آپ کا خوب صورت ساتھ بھی تو ہے ناں......!“

نائلہ نے آہستہ آواز میں کہا تو فاروق نے مسکراتے ہوئے دوسرے ہاتھ میں پکڑا کافی کا مگ منہ کو لگا لیا تھا۔

☆☆☆

اگلے دن نزہت نے حلیم بنائی اور خوب صورتی سے سجا کر نائلہ کے گھر دینے چلی گئیں۔ نائلہ ابھی ہسپتال نہیں گئی تھیں۔ وہ نزہت سے بہت گرم جوشی سے ملیں۔ دونوں کچھ دیر میں ہی ایسے گھل مل کر باتیں کر رہی تھیں کہ جیسے کب سے ایک دوسرے سے واقف ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد نزہت نے گھر واپس جانے کی اجازت مانگی۔ اسی وقت اسکول سے تھکی ہاری، سرخ چہرہ لیے عدن گھر کے اندر داخل ہوئی اور اونچی آواز میں سلام کیا۔ نزہت نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ انھیں اس کی یہ عادت بہت اچھی لگی تھی۔

”تو یہ ہے عدن بیٹی! امن بہت تعریف کرتی ہے تمہاری! اس لیے مجھے بہت شوق تھا تم سے ملنے کا!“ نزہت نے پیار سے اس کا سرخ گال تھپتھپایا تھا۔ عدن نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

”آپ امن آپی کی مدر ہیں۔“ عدن کے لہجے میں حیرت تھی۔ نزہت نے اثبات میں سر ہلایا۔

”نائلہ اب آپ نے ہمارے گھر ضرور آنا ہے!

جیسے میں حلیم دینے کے بہانے آپ سے ملنے چلی آئی۔!'' نزہت نے نائلہ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''مگر مما کو تو کوکنگ نہیں آتی ہے! سب کچھ رضیہ ہی بناتی ہے۔'' عدن نے پریشانی سے کہا تو اس کی معصومیت پر نزہت بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ نائلہ نے اسے گھورا تھا۔ عدن کھسیانی سے ہو کر رہ گئی۔

''ویسے میری بیٹی بولتی سچ ہی ہے، چاہے اس سے کسی کو شرمندگی کیوں نہ اٹھانی پڑے۔ یہ سچ ہے کہ میری کوکنگ اتنی اچھی نہیں ہے مگر ایسا بھی نہیں ہے کہ اب میں کچھ بنا ہی نہیں سکتی! دراصل نیا نیا ہسپتال سیٹ کیا ہے۔ اسی کی مصروفیت میں اتنی گم ہوں کہ کسی چیز کا ہوش نہیں ہے۔ اسی وجہ سے عدن بھی نظرانداز ہو رہی ہے آج کل۔'' نائلہ، نزہت کے ساتھ چلتے ہوئے دروازے تک آئیں۔

''ارے نائلہ! مجھے اندازہ ہے کہ ڈاکٹرز کی کتنی مشکل لائف ہوتی ہے۔ مگر تم عدن کی طرف سے فکر مت کرو۔ امن اور سمیر اس کا خیال رکھیں گے۔ وہ دونوں بہت سمجھ دار ہیں۔'' نزہت نے نائلہ کو تسلی دی تو وہ مسکرا دیں۔

''اور میری بیٹی اتنی ہی معصوم اور سادہ ہے۔ اسی لیے تو فاروق اور میں بہت ڈرتے ہیں کہ کہیں وہ اپنی سادگی کی وجہ سے نقصان نہ اٹھالے!''

''بس والدین کی فکریں ایسی ہی ہوتی ہیں نائلہ! مگر اللہ ہے ناں۔۔۔! سب بنانے والا۔ بے فکر رہیں! عدن آج سے میرے لیے امن جیسی ہی ہے، آپ بے فکر ہو کر اسے میرے گھر بھیج دیا کریں۔''

نزہت نے اتنے خلوص سے کہا کہ نائلہ کا دل تشکر سے بھر گیا۔ پھر آنے والے دنوں نے ثابت بھی کیا کہ نزہت کا دعوا سچ تھا۔ امن اور سمیر کے ساتھ عدن کی دوستی ایک مثلث کی مانند بن گئی تھی۔ امن بڑی ہونے کی وجہ سے ان دونوں پر اپنا رعب جماتی اور حکم چلاتی تھی۔ عدن کا زیادہ تر وقت ان کے ساتھ گزرتا تھا۔ وہ بے صبری سے دوپہر ڈھلنے کا انتظار کرتی اور جیسے ہی گھڑی کی سوئی چار کے ہندسے پر آتی، عدن رضیہ کو بتا کر امن کے گھر چلی جاتی۔ جہاں کبھی وہ تینوں بیٹھ کر ایک دوسرے کو سارے دن کی روداد سناتے یا کسی نئی شرارت کا پلان کرتے۔ امن اور سمیر سے ملنے کے بعد عدن کا اپنی تنہائی کا شکوہ ختم ہو گیا تھا۔ جس پر فاروق اور نائلہ بہت مطمئن اور خوش تھے۔

☆☆☆

''یہاں اس طرف......! موٹی ذرا جھک کر دیکھو!'' سمیر نے ہاتھ سے کیاری کی طرف اشارہ کیا۔ عدن، سمیر کی بتائی مطلوبہ چیز کی طرف دیکھنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی مگر اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ امن کے میٹرک کے پیپرز ہو رہے تھے اس لیے آج کل وہ شام کو ان دونوں کے ساتھ کھیلنے نہیں آتی تھی۔ سمیر اور عدن کافی دیر سے بڑے سے لان میں مختلف کھیل کھیل رہے تھے۔ ان کے ساتھ رضیہ کے دونوں بڑے بچے سات سالہ حمزہ اور چھ سالہ کلثوم بھی شامل تھے۔ جب ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ بھاگ کر تھک گئے تو سمیر کو ایک شرارت سوجھی۔ اس نے عدن کو بے وقوف بناتے ہوئے کہا کہ کیاری میں ایک چمکتی ہوئی سنہرے رنگ کی کوئی چیز ہے۔ عدن نے ہمیشہ کی طرح اس کے کہنے پر یقین کر لیا مگر اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

''اوہو! تھوڑا آگے جاؤ! یہاں کھڑی ہی بولتی جا رہی ہو۔'' سمیر عدن کی توجہ دوسری طرف دیکھ کر دبے قدموں سے چلتا، تھوڑی دور پڑے پانی کے پائپ کی طرف بڑھنے لگا۔

''سمیر! یہاں کچھ بھی نہیں ہے! جھوٹے!'' تنگ آ کر عدن نے مڑتے ہوئے کہا۔ سمیر نے ہاتھ میں پکڑے پائپ سے اس پر پانی کی بوچھاڑ کر دی۔ جب وہ اچھی طرح بھیگ گئی تو سمیر ہنستے ہوئے پائپ پھینک کر بھاگنے لگا۔

''سمیر کے بچے! آج تمہاری خیر نہیں!'' عدن غصے سے کہتے ہوئے اس کے پیچھے بھاگی۔ سمیر اور وہ دونوں لان میں رکھی کرسیوں کے گرد گول گول چکر کاٹنے لگے۔ سمیر مسلسل اسے چڑائے جا رہا تھا اور

عدن اسے دھمکی دے رہی تھی کہ اس کی شکایت نزہت آنٹی اور امن آپی سے کرے گی۔اس وقت بے دھیانی میں عدن کو ٹھوکر لگی اور وہ منہ کے بل ہری گھاس پر گری۔سمیر اسے گرتے دیکھ کر ایک دم رکا اور تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

"کیا ہوا عدن! کہاں چوٹ لگی ہے؟" سمیر نے پریشانی سے پوچھا تھا۔عدن کو چوٹ لگنے سے زیادہ، اپنے کپڑے گیلے ہونے اور سمیر کو نہ پکڑنے کا دکھ تھا۔وہ گلا پھاڑ کر رونے لگی۔سمیر کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

"تم بہت برے ہو! پہلے پانی پھینک کر میرا ڈریس خراب کر دیا اور اب۔۔۔! میں آئندہ تمہارے ساتھ کبھی نہیں کھیلوں گی! چلو حمزہ اور کلثوم ہم اندر چلتے ہیں!" عدن نے پاس کھڑے حمزہ اور کلثوم سے کہا جو حیرت سے دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

"عدن باجی! ابا آنے والا ہوگا! ہم اب چلتے ہیں۔" حمزہ نے جلدی سے کہا اور کلثوم کا ہاتھ پکڑ کر پیچھے بنے سرونٹ کوارٹر کی طرف چلا گیا۔رضیہ کی طرح ان کا باپ شبیر بھی گھر کے مختلف کام سرانجام دیتا تھا۔

عدن نے روتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اپنی ہتھیلی پھیلا کر دیکھی۔جس پر خراشیں آئی ہوئی تھیں۔سمیر کو پشیمانی نے گھیر لیا۔عدن منہ پھیر کر جانے لگی۔سمیر اس کے سامنے آکر بولا۔

"اچھا دیکھو! مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔آئندہ نہیں کروں گا! پلیز تم ناراض مت ہو۔" سمیر نے منت بھرے انداز میں کہا تھا عدن شان بے نیازی سے کھڑی رہی۔سمیر چڑ گیا۔"اب معاف بھی کر دو موٹ۔ی۔ی۔۔۔!" سمیر نے آخری لفظ کہتے ہوئے بمشکل اپنی زبان کو روکا تھا۔عدن نے اسے گھور کر دیکھا اور کچھ دیر ایسے ہی دیکھتی رہی پھر بہت انداز سے بولی۔

"چلو کان پکڑو! اور سوری بولو۔۔۔!"

"اچھا بابا! سوری۔۔۔! آئندہ نہیں کروں گا۔"

سمیر نے جلدی سے جان چھڑانے والے انداز میں کہا تھا۔

"ایک بار اور بولو۔۔۔!" عدن نے ذہانت سے چمکتی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔سمیر نے ٹھٹک کر اس کی طرف دیکھا۔

"عدن کی بچی! اب تم زیادتی کر رہی ہو!" سمیر نے بگڑتے ہوئے کہا تھا۔

"بولنا ہے یا نہیں۔۔۔!" عدن کے لہجے میں دھمکی تھی۔سمیر گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

"اچھا موٹی آلو۔۔۔! سوری سوری سوری۔۔۔! اب ٹھیک ہے ناں۔۔۔! ایک بار "سوری" سن کر تمہاری تسلی نہیں ہوتی ہے نا! اس لیے ہر بار تین بار سوری کہہ کر مناتا ہوں تمہیں۔۔۔!" سمیر نے مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔جس پر مان اور خوشی دونوں براجمان تھے۔

"تو اور کیا۔۔۔! بس اب یاد رکھنا میں جب بھی ناراض ہوں، تم تین بار سوری بول کر مجھے منا لینا۔۔۔!" عدن نے ہنستے ہوئے کہا۔

"جی نہیں! سمیر نے کبھی کسی کو سوری نہیں کہا ہے، سوائے تمہارے۔۔۔! مگر یہ طریقہ ہر بار نہیں چلے گا!" سمیر نے اسے ڈرایا تھا۔آگے چلتی عدن رکی اور پلٹ کر سمیر کی طرف دیکھا۔

"اور تم ہر بار یہ ہی کہتے ہو۔۔۔!" عدن نے منہ چڑایا اور ہاتھ ہلاتی ہوئی اندر کی طرف چلی گئی۔سمیر بے ساختہ مسکرا دیا۔وہ سچ ہی تو کہتی تھی کہ ہر بار وہ عدن کی ناراضی ختم کرنے کے لیے اپنی انا کو پس پشت ڈال کر ایسے ہی سوری کہتا تھا۔

"اچھے دوست ایسے ہی ہوتے ہیں۔۔۔" سمیر نے خود کلامی کی تھی۔مگر دور کہیں گلابی شام کے کسی کونے میں سانس لیتی محبت نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔

"اکثر محبت کے رشتے بھی دوستی اور مان سے ہی بنتے ہیں!"

محبت نے شام کے گلابی رنگ کو آنچل میں سمیٹ کر سرگوشی کی تھی۔بہتی ہوا نے یہ سرگوشی باغ

میں کھلے سرخ پھولوں تک پہنچائی تھی۔ سرخ پھولوں کے رنگ کو اوس کی نمی نے اور بھی گہرا کر دیا تھا۔ محبت کے رنگ کی طرح۔۔!

☆☆☆

عدن تیزی سے لاؤنج کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ جب سامنے نظر پڑتے ہی ٹھٹک کر رک گئی۔ امن، سمیر اور نزہت کے ساتھ، ایک ہنستا مسکراتا اجنبی چہرہ بھی وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ عدن واپس پلٹتی، امن نے اسے دیکھ لیا۔

''آؤ عدن! ابھی تمہارا ہی ذکر ہو رہا تھا۔''

امن نے پرجوش انداز میں کہا تو سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ عدن کنفیوز ہو گئی۔ دھیرے سے قدم اٹھاتی وہ ان کے پاس آئی اور سلام کیا۔ جس کا جواب بہت گرم جوشی سے دیا گیا۔ عدن، امن کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔ اجنبی کی پرشوق آنکھیں اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ عدن کی کنفیوزن دیکھ کر وہ مسکرا دیا۔

''اچھا تو یہ عدن ہے!'' اجنبی کے وجیہہ چہرے پر دوستانہ مسکراہٹ دیکھ کر عدن کا اعتماد بحال ہوا۔

''جی یہ ہماری پیاری سی دوست عدن ہے اور عدن ان سے ملو یہ رخسانہ پھپھو کے اکلوتے چشم و چراغ سعد ہیں۔ اسلام آباد سے آج صبح ہی تشریف لائے ہیں۔''

امن نے مزاحیہ انداز میں اس کا تعارف کروایا۔ نزہت کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ انھوں نے فریش کریم کیک کا ایک پیس پلیٹ میں رکھا اور عدن کی طرف بڑھایا۔ عدن نے شکریہ کہتے ہوئے پلیٹ تھام لی۔

''امن آپی! آپ پیاری کے ساتھ ''موٹی'' کہنا بھول گئی تھیں شاید۔۔!'' سمیر نے حسب عادت عدن کو چھیڑا۔ عدن نے اسے گھوری ڈالی تو وہ مسکرانے لگا۔ عدن نے سعد کی وجہ سے اسے فوراً جواب نہیں دیا تھا۔ سمیر سمجھ کر سر ہلانے لگا۔

''یار سمیر تم تو کہہ رہے تھے کہ عدن بہت بولتی ہے! ایک منٹ بھی چپ نہیں رہتی۔ مگر یہاں تو الٹا ہی معاملہ دیکھ رہا ہوں۔ وہ چپ بیٹھی ہے اور تمہاری زبان فراٹے مارتے ہوئے چل رہی ہے۔'' سعد نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے سمیر کے سر پر ہلکی سی چیت لگائی تھی۔

''سعد بھائی! میں جھوٹ نہیں بولتا، کچھ دیر میں دیکھیے گا جب محترمہ کی بیٹری چارج ہو گی اور یہ بغیر رکے، کسی کی سنے بغیر بس بولتی ہی رہے گی!'' سمیر نے یقین سے کہا تھا۔ سعد نے دلچسپ نظروں سے سعادت مند سے بیٹھی عدن پر نظر ڈالی تھی۔ نزہت اٹھ کر وہاں سے چلی گئیں۔ جب کسی بات پر عدن نے سمیر کو گھورتے ہوئے کہا تھا۔

''سعد بھائی! میں صرف ان سے ڈھیر ساری باتیں کرتی ہوں، جو مجھے اچھے لگتے ہیں اور اس لمبوترے کو تو میں صرف امن آپی کی وجہ سے برداشت کرتی ہوں۔'' عدن نے منہ بنا کر کہا تو سمیر اس کے لمبوترے کہنے پر اچھل پڑا۔ جبکہ سعد کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''اب ٹھیک میں اپنی امن آپی جیسی ہی لگی ہو تم!'' سعد نے کن انکھیوں سے امن کو دیکھ کر کہا تو وہ اسے آنکھیں دکھا کر رہ گئی۔ کچھ دیر میں عدن سعد سے ایسے گھل مل کر باتیں کر رہی تھی جیسے وہ اسے کب سے جانتی ہو۔ سعد کچھ دنوں کے یہاں آیا تھا۔ امن بھی امتحان کے بعد فارغ تھی۔ ان سب نے مل کر آؤٹنگ کے بہت سارے پروگرام بنا لیے تھے۔ جب عدن وہاں سے جانے لگی تو سعد نے کہا۔

''عدن تو بہت پیاری باتیں کرتی ہے! آج سے میری پکی والی دوست ہے۔'' سعد کے کہنے پر عدن نے فوراً اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''پیاری کا تو نہیں پتا ہاں مگر باتیں سچ میں بہت کرتی ہے!'' سمیر نے اسے منہ چڑایا تھا۔ جواباً عدن بھی کب پیچھے رہنے والی تھی۔ وہ اسے منہ چڑا کر وہاں سے بھاگ گئی۔

''کیوں تنگ کرتے ہو سمیر اسے؟'' امن نے اسے ٹوکا تھا۔

''بس ویسے ہی اچھا لگتا ہے، اسے چھیڑ کر۔''

سمیر نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا اور نزہت کو آواز دیتا ہوا کچن کی طرف چلا گیا۔

"ویسے مجھے بھی بہت اچھا لگتا ہے ایک نک چڑھی لڑکی کو تنگ کر کے۔۔۔!" سعد نے ایک انگلی سے اپنا سر کھجاتے ہوئے کہا تو امن اسے گھور کر رہ گئی۔

"نک چڑھی لڑکی کو غصہ بھی بہت آتا ہے۔ ذرا بچ کے رہنا۔۔!" امن نے اسے ڈرایا تھا۔

"منظور ہے، بس وہ حامی تو بھرے۔۔۔!"

سعد نے اپنی ذہانت سے چمکتی نگاہیں اس کے خوب صورت چہرے پر مرکوز کر دی تھیں۔ امن کا دل ایک لمحے کے لیے بہت زور سے دھڑکا تھا مگر فوراً ہی اس نے خود کو سنبھال لیا اور "اونہہ" کہہ کر وہاں سے جانے لگی۔

"سنو! امی جان بہت جلد آئیں گی! تب تک اپنے دل سے پوچھ لو۔۔۔! ایک بار میرے نام کی انگوٹھی پہن لی تو پھر تمہاری ایک نہیں چلے گی۔" سعد کے لہجے میں کیا تھا۔ امن جیسی بولڈ اور بااعتماد لڑکی کے لیے جواب دینا مشکل ہو گیا تھا۔ اس لیے اس نے وہاں سے جانا ہی مناسب سمجھا۔ جبکہ سعد وسلنگ کرتا ہوا گھر سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

"امن آپی یہ کون سی جگہ ہے؟" عدن، سعد کے ساتھ بائیک پر بیٹھ کر آئی تھی۔ جبکہ امن اور سمیر اپنی اپنی سائیکل پر وہاں پہنچے تھے۔ امن اپنی سائیکل سے اتری اور ایک نظر سعد کی طرف دیکھ کر بولی۔

"یہ تم بائیک چلا رہے تھے؟ تم سے زیادہ تیز رفتار تو میری سائیکل کی تھی!" امن نے لانگ شرٹ اور جینز کے ساتھ گلے میں اسکارف لیا ہوا تھا۔ اس کے سنہری بالوں کی اونچی پونی ہوا سے لہرا رہی تھی۔ امن نے منہ بنا کر کہا تھا۔ سعد جانتا تھا کہ امن کا موڈ بائیک نہ ملنے کی وجہ سے آف ہے۔ اسے بائیک چلانے کا بہت شوق تھا بلکہ اسے ہر اس کام کا شوق تھا جو لڑکیاں کم ہی کرتی تھیں۔ شروع سے سمیر کے ساتھ لڑکوں والے گیمز کھیل کر اس کی شخصیت بھی ٹام بوائے جیسی ہو گئی تھی۔

اسے باپ (حیدر مرتضیٰ) کی طرف سے ہر طرح کی آزادی ملی ہوئی تھی مگر نزہت ہر قدم پر اسے روکتی اور ٹوکتی رہتی تھیں کیونکہ وہ سمجھتی تھیں کہ لڑکیاں والدین کے گھر جتنی بھی آزادی سے رہ لیں، سسرال جا کر بہت سی پابندیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ابھی بھی امن ماں سے ضد کر رہی تھی کہ وہ بائیک چلائے گی مگر نزہت نے سختی سے اسے ڈانٹ دیا تھا۔ سعد نے بائیک کی چابی پکڑی تو وہ منہ میں بڑبڑاتی ہوئی گھر سے باہر نکلی تھی۔ اس لیے یہاں پہنچ کر بھی وہ سعد پر طنز کر رہی تھی۔

آج وہ لوگ یہاں مچھلیاں پکڑنے آئے تھے۔ کیونکہ امن کی کلاس فیلو عبیرہ نے اس جگہ کے بارے میں بتایا تھا اور اس کے کہنے پر ہی امن فشنگ کا پلان بنا کر سب کو یہاں لے آئی تھی۔ امن کی ہدایات کے مطابق عدن اور سمیر تھوڑے فاصلے پر پانی میں کانٹا ڈال کر بیٹھ گئے۔ جبکہ سعد نے معذرت کر لی اور چہل قدمی کرتا ہوا تھوڑا دور چلا گیا۔

انھیں اس طرح بیٹھے ہوئے کافی دیر گزر گئی۔ جب کلک کی آواز پر انھوں نے گردن گھما کر دیکھا۔ سعد ان کی تصاویر کھینچ رہا تھا۔

"یہ کیا حرکت ہے؟" امن نے ناک چڑھا کر پوچھا۔

"تمہاری حماقت کا ایک ثبوت۔ یادگار کے طور پر ہمیشہ میرے پاس رہے گا!" سعد نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟" امن نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"مطلب یہ محترمہ آپ کی دوست نے آپ کو بے وقوف بنایا ہے، یہ مصنوعی جھیل ہے۔ یہاں مچھلیاں نہیں پائی جاتیں۔ ہاں مگر مینڈک باآسانی مل سکتے ہیں!" سعد کے اشارہ کرنے پر امن اور سمیر نے مڑ کر عدن کی طرف دیکھا۔ جو حیرت سے اپنے کانٹے کے ساتھ لٹکے مینڈک کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں سعد بھائی! امن آپی

دوست نے غلط گائڈ کیا ہے، چلیں چلتے ہیں۔"
ر نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ تو امن بھی
سیانی ہو کر اٹھ گئی۔
"مگر مجھے تو فشنگ کا بہت شوق ہے!" عدن نے
ں سے کہا۔ سعد نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔
"کوئی بات نہیں عدن! ہم تمہارا یہ شوق باآسانی پورا
سکتے ہیں۔" سعد نے مین سڑک پر آتے ہوئے کہا۔
"وہ کیسے سعد بھائی؟" عدن نے حیرت سے
س کیا۔
"تمہاری امن آپی کے فش ایکوریم سے۔۔! تم
ں سے مچھلیاں پکڑ لینا!" سعد کے کہنے پر عدن کھلکھلا کر
پڑی۔ امن اور سمیر کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ تھی۔
"سعد بھائی میں بابا سے کہوں گی کہ مجھے میری
ڈے پر فش ایکوریم لے کر دیں! ٹھیک ہے ناں
عدن نے پرجوش انداز میں کہا تو اپنی سائیکل پر
ے سمیر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ عدن
چہرے پر چھائی معصوم سی خوشی نے اسے کچھ
چنے پر مجبور کر دیا تھا۔

☆☆☆

"عدن یو آر لوکنگ سو بیوٹی فل!"
خوب صورتی سے سجے لان میں قدم رکھتے ہی
کی نظر ہنستی مسکراتی عدن پر پڑی تو بے ساختگی
بولی تھی۔ آج عدن کی سالگرہ تھی۔ اس نے اپنے
رہ کی تھیم اپنی فیورٹ ڈزنی مووی "فیروزن" پر
تھی۔ فیروزی رنگ کی بڑے سے گھیرے کی
لش فراک میں وہ سچ میں شہزادی ہی لگ رہی تھی
ت اور حیدر مرتضیٰ نے بھی اس کے سر پر پیار کیا
الگرہ کی مبارک باد کے ساتھ گفٹ دیا۔ عدن
"تھینک یو" کہتے ہوئے تھام لیا۔ سعد اور امن
ھی اسے الگ الگ گفٹ تھمائے تھے۔
"امن آپی! میں ایلسا جیسی لگ رہی ہوں ناں
" عدن نے گول گول گھومتے ہوئے کہا۔
"اس سے بھی زیادہ پیاری!" امن نے پیار
س کا گال تھپتھپایا تھا۔

"ایلسا لگنے سے تم ایلسا نہیں بن جاؤ گی! ویسے آج تم موٹی آلو نہیں لگ رہی ہو!" سمیر نے حسب عادت اسے چھیڑا تھا۔

"سمیر! آج اس کے لیے بہت خاص دن ہے! اسے تنگ مت کرنا۔" امن نے کہا تو سمیر سر ہلا کر رہ گیا۔ فاروق علی شاہ اور نائلہ بہت گرم جوشی اور تپاک سے حیدر مرتضیٰ اور نزہت سے ملے تھے۔ دونوں فیملیز ایک دوسرے سے واقف تو تھیں۔ آج مل بیٹھنے کا بھی موقع مل گیا تھا۔ عدن کی سالگرہ کا فنکشن کافی بڑے پیمانے پر کیا گیا تھا۔ ساری سجاوٹ اور ارینجمنٹ بہترین تھی۔ عدن سب سے ملتی، گفٹس لیتی ہوئی بہت خوش تھی۔ جب سمیر نے اسے اشارے سے گفٹس کی میز کے پاس بلایا تھا۔ جہاں رضیہ کھڑی سب گفٹس سنبھال کر رکھ رہی تھی۔

"کیا ہے؟" عدن نے پاس آکر پوچھا۔

"آرام سے بات کرو! آج تمہاری سالگرہ ہے۔ اس لیے تمہیں کچھ نہیں کہہ رہا۔۔!" سمیر نے اسے گھورتے ہوئے کہا اور میز کی سائڈ پر رکھا گول شیشے کا باؤل اٹھا کر عدن کی طرف بڑھاتے ہوئے "ہیپی برتھ ڈے عدن!" کہا تھا۔ عدن نے دیکھا اس میں اورنج اور سنہرے رنگ کی دو مچھلیاں تیر رہی تھیں۔

"واو! سمیر یہ تم میرے لیے لائے ہو؟" عدن نے خوشی سے اچھلتے ہوئے کہا۔

"ہاں میری خواہش تھی کہ تمہارے لیے بڑا فش ایکوریم خرید کر لاتا مگر۔۔!" سمیر کہتے ہوئے چپ کر گیا۔

"مگر اس کی پاکٹ منی میں، جو وہ کئی دنوں سے تمہارے لیے بچا کر رکھ رہا تھا، یہ ہی خرید کر لا سکتا تھا۔ میں نے تو کہا تھا کہ مجھ سے کچھ پیسے ادھار کر لو مگر وہ کہنے لگا کہ نہیں گفٹ اپنے پیسوں کا دوں گا!" امن نے پاس آتے ہوئے کہا تو سمیر خفیف سے مسکراہٹ کے ساتھ سر جھکا کر رہ گیا۔ عدن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"سمیر! تم کتنے اچھے ہو اور میں تمہیں برا سمجھتی رہی۔"

''اچھا اب پتا چل گیا ہے نا اگلی بار قدر کرنا میری۔''

سمیر نے شان بے نیازی سے کہا تو وہ دونوں ہنس پڑیں۔ عدن کو کیک کاٹنے کے لیے بلایا گیا۔ موم بتیوں کی روشنی میں جگمگاتے چہرے کے ساتھ عدن نے تالیوں کی گونج میں کیک کاٹا۔ یہ سالگرہ عدن کی زندگی کی یادگار سالگرہ تھی۔

☆☆☆

''ارے آپا! آپ بغیر بتائے، اچانک چلی آئیں! آپ مجھے بتاتیں میں ڈرائیور کو اسلام آباد بھیج دیتا۔'' اگلے اتوار کا دن تھا۔ اس لیے سب دیر سے اٹھے اور ابھی ناشتا کر کے فارغ ہوئے تھے، جب رخسانہ کی آمد نے ہل چل مچادی تھی۔ جب تک رخسانہ سب سے مل کر اپنی جگہ بیٹھیں، امن جلدی سے فریش جوس لے آئی۔ رخسانہ نے محبت سے شکریہ کہتے ہوئے گلاس تھام لیا تھا۔ رخسانہ کی نند عائشہ اسی شہر میں رہتی تھیں۔ وہ کچھ دن پہلے رخسانہ کے پاس اسلام آباد گئی ہوئی تھیں۔ ان کی واپسی کا سنا تو رخسانہ نے پروگرام بنالیا کہ وہ اچانک جا کر سب کو سرپرائز دیں گی۔ سب ان کے آنے سے بہت خوش ہوئے تھے۔ مرتضیٰ حیدر تو بڑی بہن کا ہاتھ تھام کر بیٹھ گئے تھے۔ انھیں اپنی بہن سے بہت محبت تھی۔ نزہت نے سب کو باتوں میں مصروف دیکھا تو اچھے سے لنچ کی تیاری کرنے کے لیے کچن میں چلی گئیں۔ ماں کی مدد کے خیال سے امن بھی ان کے پیچھے کچن میں آگئی۔ اور سلاد بنانے کے لیے مختلف سبزیاں لے کر وہاں ہی رکھی کرسی پر بیٹھ گئی اور مگن سے انداز میں سلاد بنانے لگی۔ جب اسے ڈھونڈتے ہوئے سعد اور سمیر وہاں آگئے۔

''اوہو! آج تو بڑے بڑے لوگوں نے کچن کو رونق بخشی ہوئی ہے!'' سعد گاجر کا ٹکڑا اٹھا کر کھانے لگا۔ امن نے اسے کوئی بھی جواب نہیں دیا اور اپنے کام میں لگی رہی۔

''سعد بھائی! چھوڑیں امن آپی کو تنگ کرنا! چلیں میں آپ کو اپنا نیا سونگ سناتا ہوں۔'' سمیر کو ان دنوں گٹار بجانے کا شوق ہوا تھا اور اس نے مرتضیٰ حیدر سے ضد کر کے گٹار خرید بھی لیا تھا۔ آج کل وہ اپنی بلند اور بھاری آواز میں گانے گا تا سب کے صبر کو آزمار ہا تھا۔ سعد نے یہ سنتے ہی فوراً ہاتھ جوڑے تھے۔

''معاف کردو میرے بھائی! ایک تو میں جس دن سے آیا ہوں، تمہارے ساتھ کمرہ شیئر کرنے کی پاداش میں، ہر روز تمہارے بے سرے راگ سنتا ہوں، مجھے لگتا ہے کہ میری ماں کو اپنے بیٹے کی مشکل کا احساس ہو گیا تھا، اسی لیے تڑپ میں دوڑی آئی ہیں۔'' سعد کے کہنے پر امن اور نزہت ہنس پڑے۔ جبکہ سمیر منہ بنا کر وہاں سے واک آوٹ کر گیا۔

''لو جی سچ بولنا بھی مہنگا پڑتا ہے! اب اس کا گانا سننا ہی پڑے گا۔'' سعد کہتے ہوئے مسکرا کر انھیں دیکھتا چلا گیا۔ لنچ بہت پرتکلف اور مزے دار تھا۔ سب نے خوب مزے لے کر کھایا۔ کھانے کے بعد رخسانہ پھپھو آرام کرنے کمرے میں چلی گئیں۔ شام کی چائے پر انھوں نے مرتضیٰ اور نزہت سے بہت اہم بات چھیڑ دی۔ جسے سن کر وہ دونوں حیرت زدہ رہ گئے۔

''مگر آپا! ابھی تو امن بہت چھوٹی ہے۔ اتنی جلدی۔۔۔!'' مرتضیٰ حیدر نے الجھتے ہوئے پوچھا تو رخسانہ ہنس پڑیں۔

''ارے پگلے! والدین کے لیے بیٹیاں کب بڑی ہوتی ہیں۔ اور ویسے بھی میں کب ابھی شادی کا کہہ رہی ہوں۔ دراصل سعد کی انجینئرنگ کا دوسرا سال ہے یہ اور امن کے لیے تو میں نے اس کے بچپن سے ہی سوچا ہوا تھا۔ سب سے بڑی بات میرے سعد کی بھی یہ پسند ہے! امن اب کالج میں آگئی ہے۔ ماشاءاللہ میری بھتیجی لاکھوں میں ایک ہے۔ اس سے پہلے کہ کوئی اس کا ہاتھ مانگنے میں اپنے سعد کے لیے امن کا ہاتھ مانگتی ہوں۔ میں کوئی بڑا دعوا نہیں کروں گی مگر وعدہ کرتی ہوں کہ اسے اپنی بیٹی سمجھ کر، اپنے گھر لے کر جاؤں گی۔''

رخسانہ کے لہجے کی سچائی بہت واضح تھی۔ مرتضیٰ نے نم آنکھوں کے ساتھ اپنی بہن کی طرف دیکھا تھا۔
"آپا مجھے آپ پر یا آپ کی محبت پر کبھی کوئی شک نہیں رہا۔ سعد اگر میرا بھتیجا نہ بھی ہوتا، تب بھی وہ اپنی شخصیت، عادات اور کردار میں اتنا اعلا ہے کہ مجھے فخر ہوتا اپنی بیٹی کے لیے اتنا قابل ساتھی چن کر ۔۔۔! ویسے تو مجھے اپنی تربیت پر پورا اعتبار ہے۔ امن میری مرضی کے خلاف نہیں جائے گی مگر اس کی خوشی معلوم کرنا، میرے دین کا حکم اور میرے تربیت کا تقاضا ہے۔۔" اس رات نزہت نے امن سے سعد کے بارے میں رائے پوچھی تو وہ ماں کو حیرت سے دیکھتی رہ گئی مگر جب نزہت نے سعد کے پروپوزل کے بارے میں بتایا تو امن سر جھکا کر "جیسا آپ لوگوں کی مرضی!" کہہ کر رہ گئی۔

سعد اسے بھی پسند تھا مگر وہ پسند ابھی محبت کے درجے تک نہیں پہنچی تھی۔

اگلی شام سادگی سے امن کی مخروطی انگلی میں سعد کے نام کی نازک سی انگوٹھی جگمگانے لگی۔ رخسانہ نے مٹھائی کے ٹوکرے اور پھولوں کا زیور منگوالیا تھا۔ سادہ سے حلیے میں پھولوں کا زیور پہنے امن گھبرائی ہوئی سی، سرخ چہرہ لیے بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اس موقع پر سعد کی نظروں کی شوخیاں امن کو کنفیوز کر رہی تھیں۔ اگلے دن سعد اور پھوپھو واپس اسلام آباد جا رہے تھے۔ چھوٹی سے رسم کے بعد نزہت اور رخسانہ مٹھائی پلیٹس میں رکھ کر آس پاس کے گھروں میں بھجوانے لگیں۔ مرتضیٰ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے اور سمیر ماں اور پھوپھو کی ہدایت کے مطابق کچھ قریب رہنے والے رشتہ داروں کے گھر ڈرائیور کے ساتھ مٹھائی دینے چلا گیا تھا۔ نئے نئے احساسات میں گھری، امن ہاتھ میں پھولوں کا کنگن گھماتی، کسی گہری سوچ میں گم ٹیرس پر رکھی کرسی پر بیٹھی تھی۔ جب کسی نے کھنکار کر اسے متوجہ کیا۔ اپنے سامنے سعد کو کھڑا دیکھ کر امن چونک گئی مگر خود کو لاپروا ظاہر کرتے ہوئے، پلٹ کر ٹیرس سے نظر آتے، لان کو دیکھنے لگی۔

"بے مروت لڑکی ۔۔۔! یہ تغر رہے یہاں ہی رہ جائیں گے! تمہارا پرنس چارمنگ کل واپس جا رہا ہے۔ تھوڑی توجہ اسے بھی دے دو!" سعد کے کہنے پر امن نے تیکھی نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"اونہہ! پرنس چارمنگ ۔۔! کچھ زیادہ ہی خوش فہمی ہے لوگوں کو ۔۔۔! اب کہاں وہ دور کہ لڑکیاں، سفید گھوڑے پر سوار، کسی شہزادے کے انتظار میں خوابوں اور انتظار کے دیے جلاتی ہوں......! آج کل کا دور تو "فیکٹ اینڈ فیگرز" کا ہے۔ محبت بھی سوچ سمجھ کر اور دیکھ بھال کر کی جاتی ہے!"

امن کا لہجہ مذاق اڑاتا ہوا تھا۔ سعد سنجیدہ ہو کر اس کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ پھر سر اٹھا کر اس نے گہری سانس لی اور امن کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔ امن جو بہت غور سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی، ایک دم ہی سٹپٹا گئی اور نظریں جھکا کر ہاتھ میں پہنے پھولوں کے کنگن کو دیکھنے لگی۔

"تم مجھے بچپن سے اتنا تو جانتی ہو کہ میں بہت مستقل مزاج، سیلف میڈ قسم کا آدمی ہو بلکہ ایسا کہنا چاہیے کہ میرے حالات نے مجھے ایسا بنا دیا ہے۔۔۔!" سعد ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا۔ امن ہمہ تن گوش ہو کر اسے سن رہی تھی۔

"میں تین سال کا تھا، جب ابو کا انتقال ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں ہو گیا۔ وہ وقت مری ماں کے لیے بہت مشکل تھا۔ جوانی کی بیوگی کا ٹا ایک عورت کے لیے پل صراط پر چلنے کے برابر ہوتا ہے مگر میری ماں نے میری خاطر یہ مشکل بھی جھیلی۔ ابو کی تھوڑی بہت زمین تھی۔ امی نے وہ زمین بیچ کر مرتضیٰ ماموں کے پاس کاروبار میں پیسا انویسٹ کر دیا۔ جہاں سے انہیں منافع آنے لگا اور کچھ ابو کی پنشن ۔۔۔! میری ماں نے میری اچھی تعلیم اور تربیت کے لیے اپنی بہت سی جائز خواہشات کو پس پشت ڈال دیا۔ وہ بہت کم کپڑے بناتی تھیں۔ کوئی شاپنگ اپنی ذات کے لیے نہیں کرتی تھیں۔ ان کی خواہش تھی کہ میں اچھے تعلیمی ادارے میں پڑھوں۔ بس امن کیا کیا بتاؤں! ہم ماں

بیٹے نے کس طرح ایک دوسرے کے خوابوں کے سہارے، وقت گزارا ہے۔ میرے لیے میری ماں سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے! میں شاید ابھی اس رشتے کے لیے بھی ہاں نہیں کرتا۔ تمہاری طرح میری سوچ بھی بہت پریکٹیکل ہے امن۔ شاید تم سے بھی کچھ زیادہ مگر وہ کیا ہے کہ جب محبت کا سحر آپ پر طاری ہونے لگتا ہے تو پھر عقل کہیں طاق پر دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔

اس لیے جب امی نے مجھ سے تمہارے بارے میں بات کی تو بس ایک وہ لمحہ تھا جب مجھے احساس ہوا کہ میرے دل کی بنجر زمین پر کسی کی چاہ اور محبت کی کونپل تو نجانے کب سے سر اٹھائے کھڑی ہے مگر میں اس سے انجان، اپنی زندگی کی تیز دوڑ میں بھاگ رہا تھا۔

تم جانتی ہو امن! صرف محبت کے ادراک کا لمحہ مشکل ہوتا ہے! جب ایک بار آپ محبت کو سوچنے لگتے ہیں، چاہے حیرت سے، پریشانی سے، افسوس سے، یا دکھ سے، یا پھر محبت سے۔۔! محبت اپنی جگہ خود بنانا شروع کر دیتی ہے۔ وہ اتنی تیزی سے، سارے جسم و جاں میں اپنی رگیں پھیلاتی ہے کہ آپ کے وہم و گماں میں بھی نہیں ہوتا اور جب تک آپ اس بات سے باخبر ہوتے ہیں محبت روح کو تسخیر کر چکی ہوتی ہے۔۔! یہ صرف جسم نہیں مانتا ہے، دماغ نہیں مانتا ہے، زباں ہے جو انکار کے پھن اٹھاتی ہے! محبت سب دیکھتی ہے، سنتی ہے اور ہنستی ہے۔۔۔! وہ کب کسی کی محتاج ہے۔ اسے ٹھکراؤ یا اپناؤ......! اسے کیا فرق پڑتا ہے امن! محبت تو اپنا حصہ وصول کر لیتی ہے۔ وہ جاں سے روح کو الگ کر دیتی ہے۔ وہ جسم بخش دیتی ہے، مگر اس میں سے روح نکال کر اپنے سنگ ہوا میں اڑاتی پھرتی ہے۔ محبت کی پرواز زمین کی تھوڑی ہے۔ یہ تو آسمان کو تسخیر کرتی ہے۔ اس لیے تو سچی محبت میں الہام اترتے ہیں اور میرا الہام کہتا ہے کسی کے دل پر میری محبت کی کونپل بھی سر اٹھائے گی مگر وقت آنے پر۔۔! اور امن مجھے اس وقت کا انتظار رہے گا۔۔!" سعد نے پورے یقین سے کہا اور اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔ جبکہ امن گم صم سے اس کے لفظوں کے حصار میں قید بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔

"عقل اور میں تو متفق ہیں مگر۔!
ایک دل درمیاں میں رہتا ہے۔۔۔!

وہ نہیں سمجھ سکی تھی کہ جس پل اس نے سعد کے نام کی انگوٹھی پہنی تھی۔ اس لمحے ہی محبت کا بیج اس کے دل کی سرزمین پر قدرت نے بو دیا تھا۔

☆☆☆

"امن آپی! آپ کی شادی ہو رہی ہے!" بوکھلائی ہوئی عدن نے لاؤنج کا دروازہ کھولتے ہوئے سامنے صوفے پر بیٹھی امن کو دیکھتے ہی کہنا شروع کر دیا تھا۔ یہ دیکھے بغیر کہ ساتھ نزہت بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ عدن کی بات سن کر بے ساختہ مسکرا دیں اور امن ماں کی مسکراہٹ پر جھینپ گئی۔ جبکہ عدن اپنی ہی دھن میں پھولی ہوئی سانس کے درمیاں بولے جا رہی تھی۔ "امن آپی! آپ کی شادی ہو جائے گی اور آپ مجھے چھوڑ کر چلیں جائیں گی! میں پھر سے اکیلی ہو جاؤں گی!! آپ نے مجھے اپنی چھوٹی بہن کہا تھا اور اکیلے اکیلے ہی منگنی کر لی۔ مجھے بتایا بھی نہیں۔ میرے پاس اتنا پیارا لہنگا ہے۔ میں وہ پہن کر آتی! مجھے اتنا شوق ہے سچ میں لہنگا پہن کر تیار ہونے کا مگر مما نہیں پہننے دیتیں۔"

عدن بولنے پر آئی تو چپ ہی نہیں ہوئی۔ امن نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھایا۔ نزہت ہنستے ہوئے کچن کی طرف چلی گئیں۔

"چپ کر جا میری بہن! کسی کی سن بھی لیتے ہیں۔" امن نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔

"دیکھا آپی! آج آپ کو احساس ہوا کہ اسے چپ کروانا کتنا مشکل، بلکہ ناممکن کام ہے۔ میں تو پہلے ہی کہتا تھا۔۔!" سمیر جو اپنے گٹار کے ساتھ چھیڑ چھاڑ میں لگا ہوا تھا، امن کی حالت دیکھ کر بولا۔

"تم تو چپ کرو!" امن نے اسے جھاڑا اور منہ بسورتی عدن کی طرف متوجہ ہو گئی۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

"بے وقوف ابھی میری شادی نہیں ہو رہی۔ بس پھپھو جان نے بات پکی کی ہے۔ شادی تب ہو گی جب۔۔۔!" امن کہتے ہوئے چپ کر گئی۔

"جب تمہارا لہنگا تمہیں چھوٹا ہو جائے گا اور تمہیں تب نیا لہنگا بنانا پڑے گا۔" سمیر بھی کہاں باز آنے والا تھا۔ عدن نے اسے جواب دینے کے بجائے امن کے بازو سے لگ کر لاڈ کرنے لگی۔

"امن آپی میں تو ڈر گئی تھی! مجھے اکیلے رہ جانے سے بہت ڈر لگتا ہے، پتا ہے کیسا ڈر؟ بالکل سینڈریلا کی سوتیلی ماں جیسا۔۔۔! برا نہیں، بہت ہی برا......!" عدن کے کہنے پر سمیر اور امن نے ایک ساتھ چونک کر اس کے معصوم چہرے پر پھیلی اداسی کو دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں پھیلی نمی نے دونوں کو پریشان کر دیا تھا۔

"عدن کیا ہو گیا ہے تمہیں! سچ میں پاگل ہو تم۔ اب یہ رونا بند کرو۔ نہیں تو میں بھی رو دوں گی!" امن نے بھی جذباتی ہوتے ہوئے کہا۔ سمیر سر پر ہاتھ مار کر رہ گیا۔

"آپ دونوں پلیز اپنا جذباتی سین بند کریں اور مستقبل کے عظیم سنگر کا گانا سنیں اور سر دھنیں۔" سمیر نے کہتے ہوئے گٹار بجانا شروع کر دیا اور اپنی پسند کا ایک گانا گانے لگا۔ مسلسل پریکٹس سے اس کی آواز اور تلفظ بہت بہتر ہو گیا تھا مگر ابھی اسے بہت محنت کی ضرورت تھی۔ سمیر نے صرف ماحول کے بوجھل پن کو ختم کرنے کے لیے یہ کوشش کی تھی۔ وہ گانا گا کر خاموش ہوا اور دونوں کی طرف فخریہ نظروں سے دیکھا۔ جو خاموش تھیں۔

"اس سے بہتر تو میرا رونا ہی تھا۔" عدن نے منہ بنا کر کہا تھا۔ جس پر امن کی ہنسی بے ساختہ تھی، جبکہ سمیر بظاہر منہ بنا کر رہ گیا مگر وہ دل میں مطمئن تھا کہ اپنے مقصد میں کامیاب رہا تھا۔

☆☆☆

امن نے فائن آرٹ کی فیلڈ کو چنا تھا۔ آج کل اس کے تھیسز چل رہے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ بہت مصروف تھی۔ رنگوں سے کھیلنے کی صلاحیت اسے فطرت کی طرف سے ملی تھی اور اس کی پینٹنگ، منی ایچرز، اسکیچز کی سب سے پہلی اور بڑی مداح عدن تھی۔ امن کا کام بہت سراہا جاتا تھا اس کی تعلیم مکمل ہوتے ہی رخسانہ پھپھو نے شادی کی تاریخ طے کرنے آنا تھا۔

کیونکہ سعد بھی اپنی تعلیم مکمل کر کے ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی پوسٹ پر تھا مگر وہ اس سے مطمئن نہیں تھا۔ آگے سے آگے کی جستجو اسے بے چین رکھتی تھی۔ وہ اس سے بہت آگے جانا چاہتا تھا۔ امن اس کی باتیں سن کر مسکرا دیتی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں دوستی کا رشتہ بہت مضبوط ہو چکا تھا مگر محبت کی ان کہی سے ان کے دل ضرور دھڑکتے تھے مگر وہ اسے لفظوں کا پیرہن نہیں دیتے تھے کیوں کہ اس کے لیے وہ اپنے اس وقت کا انتظار کر رہے تھے۔ جب انہیں اظہار کی مکمل آزادی ملے گی۔

وہ وقت اب زیادہ دور نہیں رہا تھا۔ بڑوں کے درمیان ہونے والی گفتگو اکثر امن کے کانوں میں پڑتی رہتی تھی۔ جسے سن کر وہ خوابوں کے جزیرے کی طرف پرواز کرنے لگتی تھی۔ دن اس کا رنگوں سے کھیلتے گزرتا، یا عدن اور سمیر کے ساتھ کسی نہ کسی نئی ایکٹیویٹی میں گزرتا۔ حالانکہ سمیر کی مصروفیات اور دوستوں کا دائرہ کار اب بڑھ چکا تھا۔

سمیر کامرس کی فیلڈ میں تھا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گانے گانا اس کا جنون بن گیا تھا۔ اس نے باقاعدہ گٹار بجانا سیکھا تھا اور وہ اپنے تعلیمی ادارے میں بہت سے مقابلوں میں اپنے فن کا مظاہرہ کر چکا تھا۔ جس کی وجہ سے اسے بہت پذیرائی اور شہرت ملی تھی۔ سمیر کی شاندار شخصیت، بڑھتی شہرت اور اسٹیٹس کی وجہ سے بہت سی لڑکیاں اس کے آگے پیچھے رہتی تھیں۔ سمیر اور عدن کی دوستی بچپن کی معصومیت سے نکل کر جوانی کی حدود میں داخل ہو گئی تھی۔ جہاں اکثر بہت سی جگہوں پر دونوں جھجک کر ایک دوسرے سے نظریں چرا لیتے تھے۔ اس کے باوجود دونوں کے درمیان ذہنی ہم آہنگی بھی کمال کی

تھی اور دونوں میں چلنے والی نوک جھوک آج بھی اپنی جگہ پر موجود تھی۔ وہ تینوں بھلے سے الگ الگ سمتوں میں سفر کر رہے تھے مگر ان کے دل دوستی کی بہت پکی ڈور سے بندھے ہوئے تھے۔ اس لیے چاہے کتنے مصروف یا ایک دوسرے سے دور رہتے، مگر ایک دوسرے سے جدا یا بدگماں نہیں ہوتے تھے۔

☆☆☆

''آنٹی! امن آپی ابھی تک نہیں آئیں!'' عدن نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے سامنے میز پر سبزیوں کا ڈھیر رکھے بیٹھی نزہت کو سلام کرتے ہوئے سوال کیا تھا۔

''نہیں آج کل وہ اپنے تھیسز میں بہت بزی ہے۔ اس لیے دیر سے گھر آتی ہے۔ خیر تم آؤ بیٹھو! کافی دنوں کے بعد چکر لگایا ہے۔ گھر میں سب کیسے ہیں؟'' نزہت نے اسے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ عدن نے دیکھا کہ ان کے چہرے پر نقاہت کے آثار تھے اور وہ بہت آہستگی کے ساتھ سبزیاں کاٹ رہی تھیں۔

''آنٹی آپ کی طبیعت خراب ہے؟'' عدن نے پریشانی سے پوچھا۔

''دو دن سے بخار تھا۔ بخار تو اتر گیا ہے مگر کمزوری محسوس ہو رہی ہے۔ آج روبینہ بھی نہیں آئی ہے۔ اس لیے کھانے بنانے میں دیر ہو گئی ہے۔'' نزہت نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ عدن نے انھیں ہمیشہ بہت چاق و چوبند دیکھا تھا۔ وہ ہر وقت خود کو کسی نہ کسی کام میں مصروف رکھتی تھیں۔

''آنٹی میں آپ کی ہیلپ کروا دوں۔۔! ویسے مجھے کچھ خاص نہیں آتا!'' عدن نے سامنے میز پر رکھی سبزیوں کی طرف بے چارگی سے دیکھتے ہوئے کہا۔ نزہت ہنس پڑیں۔

''ارے نہیں بیٹا! میں ٹھیک ہوں۔ سب کر لوں گی۔ امن بھی راستے میں ہے میری بات ہوئی ہے اس سے۔ میری طبیعت کی وجہ سے ہی آج وہ جلدی آف کر کے آ رہی ہے۔'' نزہت نے پیار سے کہا۔ عدن نے سر ہلاتے ہوئے، غور سے نزہت کے ہاتھوں کو دیکھا اور خود بھی چھری اٹھا کر ان کی مدد کرنے لگی۔ عدن کو زیادہ کوکنگ تو نہیں آتی تھی مگر وہ سلاد وغیرہ بنا لیتی تھی۔ اس لیے نزہت کے منع کرنے کے باوجود ان کے ساتھ مل کر سبزیاں کٹوا دیں۔ پھر وہ دونوں باتیں کرتی ہوئی کچن میں آ گئیں۔ نزہت آج چائنیز بنا رہی تھیں۔ عدن بہت غور اور دلچسپی سے انھیں کام کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ نزہت کی مدد کرواتے ہوئے وہ بھی کافی کچھ سیکھ رہی تھی۔ نزہت کو اس کے مزاج کی سادگی اور اپنائیت ہی سب سے اچھی لگتی تھی۔ جب تک کھانا تیار ہوا۔ سمیر اور امن آگے پیچھے گھر میں داخل ہوئے۔

''اوہو مما! آپ کو منع بھی کیا تھا کہ کوئی کام مت کیجیے گا! میں آج جلدی اسی وجہ سے آئی ہوں۔'' امن نے ماں کو کچن میں دیکھا تو ناراض ہوتے ہوئے بولی۔ سمیر نے حیرت سے کام کرتی عدن کو دیکھا تھا۔ پھر سر جھٹک کر ماں کو کندھوں سے تھام کر ڈائننگ ٹیبل کے پاس آیا۔ انھیں کرسی پر بٹھا کر کہنے لگا۔

''آپ یہاں آرام سے بیٹھیں اور دو نالائق لڑکیوں کو کام کرنے دیں۔ ہم ماں بیٹے بیٹھ کر صرف حکم چلائیں گے!'' سمیر نے ساتھ والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے شاہانہ انداز میں کہا تو نزہت ہنس پڑیں۔ جبکہ امن اور عدن نے ایک ساتھ اسے گھورا تھا۔

''نہیں بھئی! عدن نے آج میری بہت مدد کروائی ہے! بہت اچھی بچی ہے ماشاء اللہ۔۔!'' نزہت نے عدن کی تعریف کی تو وہ جھینپ گئی۔ سمیر نے آنکھیں سکوڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

''پیاری اور یہ۔۔۔! اچھا آپ کہتی ہیں تو مان لیتے ہیں۔۔! مگر مما یہ کچھ زیادہ نہیں بول دیا آپ نے!'' سمیر نے عدن کو چڑاتے ہوئے کہا

''باز آ جاؤ سمیر! کبھی اس بے چاری کا پیچھا چھوڑ بھی دیا کرو! اگر وہ آج تم سے لڑ نہیں رہی تو اس بات کو غنیمت جانو!'' امن نے عدن کے ساتھ مل کر میز پر کھانا لگایا۔ مرتضیٰ حیدر، اپنے بزنس کے سلسلے میں شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ گرم گرم کھانے سے

سب لطف اندوز ہونے لگے۔

چکن آلمنڈ، شاشلک اور مسالا رائس کے ساتھ بھرپور انصاف کرتے ہوئے امن نے کہا۔

"جادو ہے آپ کے ہاتھوں میں مما۔۔!"

"امن آپی یہ جادو آپ بھی سیکھ لیں! سنا ہے بہت جلد آپ پیا دیس سدھارنے والی ہیں۔" سمیر نے بہن کو چھیڑا تو امن کا چہرہ رنگوں سے سج گیا مگر وہ سمیر کو مصنوعی خفگی سے گھورنے لگی۔ سمیر نے فوراً اپنی توجہ سامنے رکھی پلیٹ کی طرف مرکوز کر دی۔ عدن نے مسکراتے ہوئے ان دونوں کی طرف دیکھا تھا۔

امن بظاہر اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ تھی مگر اس کے چہرے پر پھیلے لاتعداد رنگوں کی قوسِ قزح نے اس کی نظر کو باندھ لیا تھا۔ کچھ جانا پہچانا سا منظر لگا تھا اسے۔۔۔! اس سے پہلے کہ وہ ان رنگوں میں کھو جاتی، امن نے اسے مخاطب کیا تو وہ اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اس کا شعور تو اپنے آس پاس کے ماحول پر مرکوز تھا مگر اس کا لاشعور دھنک کے رنگوں میں الجھا ہوا تھا اور یہ الجھن آج سے نہیں، کافی دنوں سے اسے مسلسل گھیر رہی تھی۔

☆☆☆

آج امن کے چہرے پر پھیلے محبت کے رنگوں نے اسے چونکا دیا تھا۔ کیونکہ ایسے ہی رنگوں سے اس کے دل کا آسمان سجنے لگا تھا۔ وہ رات اور دن کے کسی بھی لمحے، کسی بھی پل، اس جادوئی دنیا میں پہنچ جاتی تھی۔ اس کا وجود اپنی جگہ ساکت کھڑا، اس کی روح کو پرواز کرتے ہوئے حیرت سے دیکھتا تھا۔ جسم اور روح میں کب آپس میں ٹھنی تھی، اسے پتا ہی نہیں چلا تھا، پہلے پہلے وہ اس فرق کو نہیں سمجھ پائی تھی۔ بہت اندر پیدا ہونے والا احساس، کیا ہے؟ مگر اس کا شعور اسے ایک احساس کی پہچان بہت شدت سے کروانے لگا تھا۔ اس کا وجود ابھی جس مقام تک نہیں پہنچ پایا تھا اس کی روح نے اس کا ذائقہ کہیں بہت پہلے ہی چکھ لیا تھا۔ شاید عالم ارواح میں۔۔۔! زمین پر وہ تعلق ابھی بہت سے ابہام اور اندیشوں میں گھرا ہوا تھا

۔ سمیر سے جو رشتہ دوستی کی ڈور سے بندھا تھا۔ وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ محبت کی سنہری زنجیروں میں بندھنے لگا تھا۔ سمیر کے ساتھ اس کی دوستی آج بھی اپنی جگہ موجود تھی مگر اب عدن کا دل اس کے حوالے سے خوابوں کے نت نئے سلسلے جوڑنے لگا تھا۔ سمیر کو دیکھ کر اس کے دل کی تیز ہوتی دھڑکن اور اس کے چہرے پر پھیلتی دھنک اب اس کے اختیار میں نہیں رہی تھی۔ جہاں وہ ہر روز محبت کی تال پر اپنے بے خود ہوتے قدموں کو جھومنے سے روک نہیں پاتی تھی، وہاں سمیر اس کی بدلتی حالت سے یکسر انجان تھا۔ کبھی کبھی عدن کو اس کی بے خبری پر بہت غصہ آتا تھا اور کبھی کبھی اسے یہ غنیمت لگتا تھا کہ سمیر اس کے دل کے حال سے واقف نہیں ہے۔ ابھی تو وہ خود بھی محبت کو خود پر بیتتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ ابھی اس کی آنکھ نے محبت کی دنیا میں پہلا منظر ہی دیکھا تھا۔ ابھی تو بہت سا سفر باقی تھا۔۔۔۔!

☆☆☆

ایک خوب صورت سی شام امن اور سعد نکاح کے مقدس بندھن میں بندھ گئے۔ مبارک باد اور سلامت کے شور میں مرتضٰی اور نزہت اپنی اپنی آنکھوں کی نمی کو چھپائے، اپنی بیٹی کے اعلا نصیب کی دعا کر رہے تھے۔ کوئی اور بھی تھا جو اس موقع پر اندر سے ڈھے رہا تھا مگر بظاہر بہت مضبوط بن کر سارے انتظامات کو دیکھ رہا تھا مگر جب اسے لگا کہ مزید بھرم قائم رکھنا ممکن نہیں تو وہ منظر سے ہٹ گیا مگر جانے سے پہلے اس نے اسٹیج کی طرف دیکھا تھا جہاں بڑا سا گھونگھٹ نکالے امن بیٹھی ہوئی تھی۔ سمیر کی آنکھیں بے ساختہ نم ہو گئیں۔ اپنی آنکھوں کی نمی چھپاتا وہ سب لوگوں کے درمیان سے نکل کر ایک تنہا گوشے میں آکر کھڑا ہو گیا اور خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا مگر یہ اتنا آسان نہیں تھا۔ امن صرف اس کی بہن نہیں تھی بلکہ اس کے لیے پہلا دوست، بھائی کا احساس، ہر مشکل میں مددگار، ہر تکلیف میں غم گسار، اس کی ہر شرارت، ہر کھیل کی حصے دار بھی تھی۔۔۔! امن کے ہوتے

ہوئے اسے کبھی کسی دوست یا بھائی کی کمی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ آج امن کی جدائی کے خیال سے اس کا دل کانپ رہا تھا مگر وہ مضبوط بننے کی کوشش کر رہا تھا۔

"میں نے تو سنا تھا کہ مرد نہیں روتے۔۔۔!"

عدن کی آواز پر سمیر چونک کر پلٹا۔ عدن بہت نفاست اور خوبصورتی سے تیار کھڑی مسکرا رہی تھی مگر اس کی مسکراہٹ میں طنز نہیں، اپنائیت تھی۔

"میں کیوں روؤں گا؟ تم کبھی بھی اچھی بات مت کرنا۔ جبکہ شکل تو تمہاری......!" سمیر نے کہتے ہوئے اسے سر سے لے کر پیر تک گھورا۔

"کیا ہوا میری شکل کو؟" عدن نے ایک ہاتھ کمر پر رکھ کر لڑنے کے انداز میں پوچھا۔

"میں کہہ رہا تھا کہ شکل تو تمہاری ٹھیک ہی ہے مگر زبان......!" سمیر نے شرارت سے کہا تو عدن سر جھٹک کر رہ گئی۔

"آج امن آپی کا نکاح ہے! اس لیے تمہیں معاف کیا۔ ویسے یہ تو بتاؤ کہ یہاں کھڑے کیا کر رہے تھے؟" عدن نے پوچھا

"کچھ نہیں! تمہیں کیا تکلیف ہے۔" سمیر نے چڑ کر کہا۔ عدن سمجھ کر مسکرا دی۔ سمیر نے سر اٹھا کر اسے گھورا۔ عدن بھی اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ دونوں کی نگاہ ملی تھی اور دونوں ہی ایک لمحے کے لیے اپنی اپنی جگہ چونکے تھے۔ عدن کا چہرہ اپنے جذبات کی شدت سے سرخ ہوا تھا اور سمیر اس کے چہرے کے بدلتے رنگ کو دیکھ کر حیران ہوا تھا۔ عدن پلٹ کر وہاں سے چلی گئی۔ جبکہ سمیر کچھ نہ سمجھتے ہوئے سر جھٹک کر دوسری طرف متوجہ ہوا تھا۔

ان کے درمیان آیا محبت کا ایک لمحہ اپنی جگہ کھڑا مسکرا رہا تھا۔

☆☆☆

نکاح کے بعد امن کا زیادہ تر وقت نزہت کے ساتھ کچن میں کچھ نہ کچھ سیکھنے میں گزرنے لگا۔ باقی کا وقت وہ اور عدن مل کر کپڑوں کی ڈیزائننگ سے لے کر ہر فنکشن کی تیاریوں پر بحث کرتی پائی جاتیں۔

سمیر اپنے امتحان کی وجہ سے انہیں بہت کم وقت دے پا رہا تھا مگر پھر بھی جب اسے فراغت ملتی۔ وہ تینوں مل کر سارے گھر میں اودھم مچا دیتے تھے۔ نزہت نے اب انہیں ٹوکنا چھوڑ دیا تھا۔ اب اکثر ان کی آنکھوں میں ہلکی سے نمی رہتی تھی۔ امن کی جدائی کے خیال سے ان کا دل گھبراتا تھا۔ مرتضٰی حیدر ان کی کیفیت کو سمجھتے تھے مگر باپ تھے۔ اس لیے خود بھی مضبوط بننے کی کوشش کرتے اور ساتھ نزہت کو بھی دلاسا دیتے۔ دن تیزی سے گزر رہے تھے۔ کارڈ چھپ کر آگئے تھے۔ مہمانوں کی لسٹ بن رہی تھی۔ سب انتظامات کا بار بار جائزہ لیا جا رہا تھا۔ ایک مشہور ڈریس ڈیزائنر امن کی شادی کا ڈریس بنا رہا تھا۔ عدن خوش تھی کہ امن کی شادی سے پہلے ہی اس کے انٹرمیڈیٹ کے امتحان ختم ہو گئے تھے۔ وہ امن کی شادی کے ہر لمحے کو یادگار بنانا چاہتی تھی۔ ایک دن عدن اور امن شاپنگ کرنے قریبی مال گئی تھیں۔ جب اچانک اپنے موبائل پر کال آنے پر امن سب شاپنگ ادھوری چھوڑ کر عدن کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچتی ہوئی فوڈ کورٹ کی طرف لے گئی۔

"امن آپی! میں نے اپنے لیے ایئر رنگز پسند کیے تھے۔ وہ تو لینے دیتیں۔۔۔! مجھے ابھی بھوک نہیں لگی ہے۔"

عدن نے فوڈ کورٹ کے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"صبر کرو لڑکی! شاپنگ بعد میں بھی کر سکتے ہیں۔ ابھی یہاں آنا ضروری ہے۔" امن نے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا اور پھر متلاشی نظروں سے یہاں سے وہاں دیکھنے لگی۔ پھر عدن کو ایک طرف اشارہ کر کے آگے بڑھ گئی

"امن آپی! کیسی پراسراری حرکتیں کر رہی ہیں آپ!"

عدن نے جھنجلائے ہوئے انداز میں کہا مگر جب اس کی نظر سامنے سے آتے سعد پر پڑی تو چونک گئی۔

''سعد بھائی آپ اور یہاں ۔۔۔!'' عدن نے حیرت سے منہ کھول کر اسے دیکھا۔ سعد نے مسکرا کر سرخم کیا تھا۔

''احمق لگ رہی ہو۔ منہ بند کرو۔'' امن نے اسے ہلکی سے کہنی مار کر متوجہ کیا تھا۔ عدن نے جلدی سے اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجالی اور سعد کو سلام کر کے حال احوال دریافت کرنے لگی۔ وہ تینوں کونے والی میز پر بیٹھ گئے۔ امن نظریں جھکا کر بیٹھی ہوئی تھی ۔ جبکہ سعد بھی کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ عدن کو کچھ دیر کے بعد احساس ہوا کہ صرف وہ ہی بے وقوفوں کی طرح بولے جارہی تھی۔ جبکہ وہ دونوں اپنی اپنی جگہ سوچوں میں گم تھی۔ امن اس سوچ میں مبتلا تھی کہ اچانک سعد کو اس سے کیا کام آن پڑا جو اسے فون کر کے یہاں بلایا ہے؟ اور اب آنے کے بعد مسلسل چپ بیٹھا کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

''آپ دونوں مراقبے سے فارغ ہوجائیں تو مجھے بتادینا۔ تب تک میں اپنے لیے یہاں کی اسپیشل آئس کریم لے کر آتی ہوں۔'' عدن نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا تو دونوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ عدن نے سمجھ داری سے انہیں تنہائی میں بات کرنے کا موقع فراہم کیا تھا۔ عدن کے جانے کے بعد سعد نے گہری سانس لی اور چہرے پر بے چینی کے تاثرات سجائے بیٹھی امن کی طرف متوجہ ہوا۔

''امن! تم حیران ہوگی کہ میں نے تمہیں یہاں کیوں بلایا ہے؟ جبکہ ہماری شادی ہونے میں زیادہ وقت نہیں رہتا ہے۔'' سعد کے کہنے پر امن کے چہرے پر حیا کی لالی چھا گئی۔ سعد کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ ''امن! دیکھو میری بات صبر اور تحمل کے ساتھ سننا اور پھر کوئی رسپانس دینا......'' سعد نے تمہید باندھی تھی ۔ امن چونکی۔ اس کی چھٹی حس نے کسی گڑبڑ کا احساس دلایا تھا۔ امن کا سارا اعتماد ایک دم ہی لوٹ آیا تھا۔

''سعد! سب ٹھیک ہے ناں۔۔!'' امن نے فکر مندی سے پوچھا تھا۔ سعد کے لیے بہت مشکل ہو رہا تھا اپنا مدعا بیان کرنا۔

''امن! تم مجھے بہت اچھی طرح سے جانتی ہو۔ ہمارا بچپن، ہمارا لڑکپن، ایک ساتھ گزرا ہے۔ اور جب سے ہم ایک نئے رشتے کی ڈور میں بندھے ہیں، ہم لوگوں میں ذہنی ہم آہنگی اور دوستی بہت بڑھ گئی ہے۔ شاید محبت سے بھی زیادہ، ہم میں دوستی کا رشتہ ہے۔ اسی یقین کے سہارے یہاں آیا ہوں کہ جو بات میں ساری دنیا کو نہیں سمجھا سکتا، وہ تم با آسانی سمجھ جاؤ گی......!''

سعد نے یقین بھرے انداز میں کہا تو امن الجھ کر اسے دیکھنے لگی۔

''سعد! میں بہت اسٹریٹ فارورڈ ہوں اور مجھے لوگ بھی ایسے ہی پسند ہیں۔ برائے مہربانی بات کو گول گھمانے کے بجائے اصل بات سے آگاہ کریں گے آپ......!'' امن نے سنجیدگی سے پوچھا۔ سعد نے گہری سانس لیتے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی تھی۔

''امن! مجھے کمپنی کی طرف سے ایک گولڈن چانس مل رہا ہے۔ دو سال کے لیے ایک کورس کے لیے لندن جانا پڑے گا۔ اس کے بعد میری کامیابی کی راہیں روشن ہوجائیں گی اور۔۔۔۔!''

''آپ کیا چاہتے ہیں؟'' امن نے سرد مہری سے سعد کی بات کاٹی تھی۔ سعد ایک دم ہی چپ ہوا تھا۔

''امن! میں نے امی سے بات کی ہے مگر وہ مجھ سے ناراض ہو گئی ہیں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ ہماری شادی کچھ عرصے کے لیے ملتوی کردی جائے۔ جب میں واپس لوٹوں گا تب۔۔۔۔!'' سعد نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''اوتو یہ بات ہے۔۔!'' امن نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا تھا۔

''دیکھو امن! تم سمجھ دار ہو۔ میری سب خوابوں اور خواہشوں سے واقف ہو۔ تم جانتی ہو کہ مجھے ہمیشہ سے ترقی کرنے کا جنون رہا ہے۔ میں کنویں کا مینڈک بن کر ساری زندگی نہیں گزار سکتا ہوں۔ میں نے اپنی زندگی میں جو محرومیاں دیکھی ہیں۔ ان سب کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں امی،

تمہیں ایک بہترین زندگی دینا چاہتا ہوں۔اس کے لیے مجھے تھوڑا وقت چاہیے ہے۔" سعد نے آگے بڑھ کر میز پر رکھے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔ امن نے چونک کر دیکھا اور پھر تیزی سے اپنا ہاتھ پیچھے کیا تھا۔"ایک بات بتائیں سعد! یہ بات آپ پہلے سے جانتے تھے ناں۔۔۔!اس لیے آپ نے نکاح کرنے پر زور دیا تھا؟" امن نے سوال کیا تو سعد اس کی ذہانت کو دل میں تسلیم کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔"یعنی آپ نے سب کھیل سوچ سمجھ کر کھیلا......!اچھا بے وقوف بنایا ہے ہم سب کو......!" امن نے تلخی سے کہا۔اسی وقت عدن بھی ٹرے میں تین کپ اٹھائے چلی آئی مگر ان دونوں کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر ٹھٹک کر رک گئی۔

"امن! پلیز مجھ سے بدگمان مت ہو۔۔! میری بات پر غور کرو۔۔!" سعد نے تڑپ کر کہا تھا۔

"بس کریں سعد۔۔! بقول آپ کے اگر ہم میں اتنی ذہنی ہم آہنگی اور دوستی تھی تو آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔جب آپ کو کمپنی کی طرف سے یہ آفر ملی تھی اور آپ نے اسے قبول کرلیا تھا۔۔!مگر آپ نے کسی پر یقین نہیں کیا۔بلکہ خاموشی سے سب کا تماشا دیکھتے رہے۔اب جب کہ ساری تیاری مکمل ہے۔شادی کے کارڈ تک چھپ کر آگئے ہیں اور اب آپ یہ بتا رہے ہیں کہ یہ شادی نہیں ہوسکتی!کیا آپ کے نزدیک صرف آپ کے خواب اور خواہشیں اہم ہیں، ہم میں سے کسی کی بھی نہیں۔۔!کیا آپ کو نہیں لگتا کہ آپ بہت خود غرض ہیں۔۔!" امن نے غصے سے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"امن پلیز میری بات سنو۔۔!دیکھو اگر تم میرا ساتھ نہیں دوگی تو میں اکیلا رہ جاؤں گا۔" سعد نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

"سعد! مجھے دکھ صرف اس بات کا ہے کہ آپ نے سچ ہم سب سے چھپایا اور کسی پر اعتبار نہیں کیا۔ آپ ایک بار پورے یقین سے کہتے تو سہی! آپ کی بات سننے اور سمجھنے والے بہت لوگ موجود تھے مگر آپ نے ہم سب کے جذبات سے کھیلا ہے۔۔!میری طرف سے اجازت ہے جہاں جانا ہے جائیں مگر پلٹ کر دوبارہ میرے پاس مت آنا......!"

امن نے سختی سے کہا اور گم صم سی کھڑی عدن کے ہاتھ سے ٹرے پکڑ کر زور سے میز پر رکھی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے چلی گئی۔سعد تھکے ہوئے انداز میں کرسی پر بیٹھ گیا۔اس کی نظر سامنے میز پر رکھے آئس کریم کے کپس پر پڑیں۔۔عدن ان دونوں کی پسند کے فلیور لائی تھی۔مگر اب تک آئسکریم پگھل چکی تھی۔سعد گہری سانس لے کر رہ گیا۔کبھی کبھی رویوں کی تیز دھوپ سے رشتے بھی ایسے ہی پگھل کر اپنی اصل شکل اور ذائقہ کھو دیتے ہیں۔

☆☆☆

جس گھر میں ہر وقت چہل پہل اور خوشیاں مہکتی تھیں۔وہاں ایک دم سے سناٹا چھا گیا تھا۔عدن کو وہ وقت اور لمحے کبھی نہیں بھولے تھے۔جب وہ بظاہر مضبوط بنی امن کے ساتھ وہاں سے گھر واپس پہنچی تھی۔گھر آتے ہی امن تو کمرہ بند کر کے بیٹھ گئی تھی اور عدن خاموشی سے اپنے گھر پلٹ آئی تھی۔مگر جو طوفان آنا تھا وہ آکر گزر بھی گیا تھا۔پیچھے رہ گئی تھی بس بے معنی سی باتیں اور خاموشی۔۔!

سعد اگلے دن رخسانہ بیگم کو لے کر مرتضیٰ حیدر سے ملنے آیا تھا۔مرتضیٰ حیدر ساری بات سن کر چپ کے چپ رہ گئے تھے۔جبکہ نزہت حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی تھیں سمیر کالج میں ہونے والی کنسرٹ کی وجہ سے گھر پر نہیں تھا۔سعد نے ہر ممکن سب کو یقین دلایا کہ وہ بہت جلد لوٹ آئے گا۔رخسانہ بیگم اپنے چھوٹے بھائی کے سامنے شرمندہ بیٹھی روتی رہیں۔وہ سعد سے بہت سخت ناراض تھیں۔بالآخر مرتضیٰ حیدر نے اپنے حوصلے کو اکٹھا کرتے ہوئے سب کو تسلی دی اور سعد کی بات کو کھلے دل سے قبول کیا تو۔سعد کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔وہ اٹھ کر ان سے گلے لگ گیا۔

"ماموں جان! میں آپ کا مان اور یقین کبھی نہیں توڑوں گا۔" سعد نے انھیں یقین دلایا تو وہ

پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتے رہ گئے۔

"میرے خیال سے سعد نے جو فیصلہ کیا ہے بڑے ہونے کے ناطے اس نازک موقع پر اسے مکمل سپورٹ کرنا ہماری مجبوری بن گیا ہے۔ نہیں تو ہماری فیملی کی ہر طرف بدنامی ہوگی اور میں نہیں چاہتا کہ کوئی بھی میری بیٹی کا نام غلط لفظوں میں لے......!" مرتضیٰ حیدر نے سنجیدگی سے کہا تو سعد شرمندہ ہو کر رہ گیا۔

"اگر آپ سب دل سے راضی نہیں ہیں تو میں اس چانس کو چھوڑ دیتا ہوں!" سعد نے سر جھکائے ہوئے کہا تو مرتضیٰ حیدر نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔

"نہیں! اب اگر تم مانو بھی تو ہمارا دل مطمئن نہیں ہوگا۔ بہتر ہے کہ تم نے جو فیصلہ کیا ہے اس پر قائم رہو۔ بدگمانی رشتوں کو کمزور کر دیتی ہے۔ اس لیے میں بدگمان نہیں ہونا چاہتا۔ تمہیں میں نے ہمیشہ اپنی اولاد کی طرح سمجھا ہے اس لیے میں تمہیں ایک موقع ضرور دینا چاہوں گا......!" مرتضیٰ حیدر کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی بہن کے پاس آ کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دیتے ہوئے بولے۔

"رخسانہ آپا! حوصلے سے کام لیں۔۔!"

"مرتضیٰ! میرا دل نہیں مان رہا۔ مجھے سعد سے ایسی امید نہیں تھی۔" انھوں نے روتے ہوئے بھائی کا ہاتھ تھام لیا۔ سعد لب بھینچ کر اپنی جگہ بیٹھا کا بیٹھا رہ گیا۔ اپنی ماں کو ایسے دیکھنا اسے بہت تکلیف دے رہا تھا۔

"آپا! شکر کریں کہ ابھی ہمارے بچے کو ہماری ناراضی کا ڈر ہے۔ نہیں تو ایک بار فیصلہ کر کے وہ اجازت لینے ہمارے پاس نہیں آتا۔ اپنے آنسو صاف کریں اور بیٹے کو اپنی دعاؤں کی امان میں رخصت کریں۔" مرتضیٰ حیدر کے سمجھانے پر رخسانہ بیگم سر ہلا کر رہ گئیں۔ تھوڑی مشکل ضرور ہوئی مگر سعد سب کو اپنے حق میں کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ سوائے امن کے......!

امن نے خود کو اپنے کام میں مصروف کر لیا تھا۔ خاندان میں شادی ملتوی ہونے سے بہت سی باتیں ہوئیں مگر ان لوگوں نے صبر اور تحمل سے برداشت کیا۔

سعد نے جانے سے ایک دن پہلے، عدن کو فون کیا اور امن سے بات کروانے کے لیے بہت منتیں کی۔ عدن نے بمشکل حامی بھری۔ امن اپنے اسٹوڈیو میں رنگوں کے ساتھ الجھی ہوئی تھی تو عدن خاموشی سے اندر داخل ہوئی، امن نے ایک سرسری سی نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور دوبارہ اپنی پینٹنگ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

عدن نے اپنے موبائل کا اسپیکر آن کیا اور امن کے سامنے رکھے اسٹول پر رکھ دیا اور خود فوراً کمرے سے باہر نکل گئی۔ امن ایک لمحے میں سب سمجھ گئی۔ اس نے تیزی سے ہاتھ بڑھا کر موبائل آف کرنا چاہا۔ جب اسپیکر سے ابھری سعد کی آواز نے اسے اپنی جگہ ساکت کر دیا۔

"امن پلیز ایک بار میری بات سن لو۔۔! بھلے بات مت کرو۔ مگر مجھے بولنے کا ایک موقع تو دو۔ پتا نہیں زندگی پھر یہ موقع دے یا نہ دے۔۔!" سعد کی دل شکستہ آواز پر امن نے اپنا بڑھا ہوا ہاتھ پیچھے کر لیا۔

"شکریہ امن۔ تم نے ہمیشہ ثابت کیا ہے کہ تم اپنے ظرف میں مجھ سے بہت آگے ہو......!" سعد نے اعتراف کیا تھا۔ امن کے چہرے پر ایک تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔ "کچھ کہو گی نہیں۔۔! اچھا برا یا کچھ بھی۔۔!" سعد کے پوچھنے پر امن نے گہری سانس لی۔

"جب لفظ اپنے معنی کھو دیں تو کچھ بھی کہنا یا سننا فضول ہوتا ہے۔ ابھی وہ وقت نہیں ہے کہ آپ کچھ بھی کہیں اور میرا اعتبار لوٹ آئے گا......!" امن کے سخت لہجے پر سعد لب بھینچ کر رہ گیا۔ اسے امن کے اس رویے سے تکلیف پہنچ رہی تھی۔

"تو پھر میں انتظار کروں گا۔۔! اس وقت کا جب تمہارا مجھ پر اعتبار لوٹ آئے گا!" سعد نے پر عزم لہجے میں کہا۔ امن نے کچھ بھی کہے بغیر فون بند

کر دیا تھا۔ کچھ دیر تک وہ خالی نظروں اور ذہن سے آس پاس بکھری ہوئی چیزوں کو دیکھنے لگی۔ کبھی کبھی زندگی ایسے ہی موڑ پر لے آتی ہے کہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی، دل کچھ بھی نہیں سمجھنا چاہتا ہے۔ امن اپنی جگہ سے اٹھی اور زمین پر رکھے بڑے سے سادہ کینوس کے پاس جا کر رک گئی۔ کچھ دیر تک خالی خالی نظروں اسے دیکھتی رہی۔ پھر پاس رکھے رنگوں کی بوتل، کھول کر باری باری کر کے وہ رنگ اس کینوس پر انڈیلنے لگی۔ پھر نیچے بیٹھ کر اپنے ہاتھوں سے رنگوں کو مکس کرنے لگی۔ وہ اس کام میں اتنی مگن تھی کہ اسے احساس ہی نہیں ہوا کہ اس کے سفید کپڑے اور ہاتھ وہ بھی ان رنگوں میں رنگ گئے ہیں۔ نجانے کیا بنانا چاہ رہی تھی؟

”زندگی کے سادہ کینوس پر، کسی کے ہونے سے، محبت، خوابوں، امیدوں کے اتنے ہی لاتعداد رنگ ایک دوسرے میں اس طرح مدغم ہو جاتے ہیں کہ اگر ہم چاہیں بھی تو انھیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کر سکتے ہیں۔۔۔! زندگی کا سادہ کینوس، پھر کبھی نہیں ملتا ہے۔۔۔!“

وہ خود سے الجھتی، خود سے لڑتی، بے خودی کے عالم میں نجانے کتنی دیر رنگوں میں ہر چیز کو رنگتی رہی مگر جب تھک ہار کر دیکھا تو سب رنگ ایک طرف تھے اور وہ خود کسی کی محبت میں ہجر کا سیاہ رنگ بن کر رہ گئی تھی۔

کیا بہت ضروری ہے؟
خواب پوش آنکھوں میں
آنسوؤں کا بھر جانا
حسرتوں کے ساحل پر
تتلیوں کا ڈر جانا
حبس کی ہواؤں میں
خوشبوؤں کا مر جانا
دل کے غم صحرا میں
درد، لا دوا ہونا
کیا بہت ضروری ہے؟

یوں تیرا جدا ہونا......!!

اس وقت کسی نے اس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔ امن نے سر اٹھا کر دیکھا۔ عدن نم آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ امن کے چہرے پر بہتے آنسو دیکھ کر عدن تڑپ کر رہ گئی۔

”امن آپی۔۔! پلیز مت روئیں۔ نہیں تو میں بھی رو دوں گی۔“ عدن کہتے ہوئے اس کے گلے لگ گئی۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ اپنے آنسو بانٹتی رہیں۔

”تم ہمیشہ سے بے وقوف ہو۔۔۔!“ سمیر کی آواز پر دونوں نے چونک کر دروازے کی سمت دیکھا تھا۔ وہ آنکھوں میں ضبط کی سرخی لیے ان کی طرف بڑھا۔ ”تمہیں امن آپی کو رونے سے منع نہیں کرنا چاہیے تھا......! بلکہ یہ کہنا چاہیے تھا کہ......!“ سمیر کہتے ہوئے بہن کے پاس بیٹھا اور اس کا چہرہ اوپر اٹھاتے ہوئے کہنے لگا۔

”امن آپی۔۔! آپ نے جتنا رونا ہے، ایک بار، آج ہی رو لیں۔ مگر آج کے بعد میں آپ کی آنکھوں میں آنسو نہ دیکھوں۔۔۔!“

سمیر کے کہنے پر امن ضبط کرتے ہوئے بھی اس کے ہاتھ پر سر رکھے رو پڑی۔ سمیر اس کے بہتے ہوئے آنسو کو بہت مضبوط بن کر برداشت کر رہا تھا اگر کبھی امن نے اسے کسی مشکل میں تنہا نہیں چھوڑا تھا تو سمیر نے بھی کبھی اپنی بہن کی آنکھ میں آنسو نہیں آنے دیے تھے مگر زندگی کی تلخ حقیقتوں کے سامنے، سب پیارے، سب اپنے اسی طرح پستے اور زندگی کا تاوان ادا کرتے ہیں۔ وقت کا پنچھی تیزی سے لمحوں سے ہوتا ہوا سالوں کا سفر طے کر رہا تھا۔ بہت کچھ بدل گیا تھا اور بہت کچھ بدلنے کے لیے سامنے آ رہا تھا۔

☆☆☆

”ساری تیاری مکمل ہے۔!“

سمیر نے بیکری سے لایا ہوا سارا سامان تیزی کے ساتھ کچن میں پہنچایا تھا۔ جب آخری شاپر سلیب پر رکھتا ہوا، بے ارادہ ہی اس کی نظر اٹھی اور کچھ دیر کے لیے واپس پلٹنا ہی بھول گئی۔ ہمیشہ کی طرح اپنے

پسندیدہ رنگ میں ملبوس وہ مگن سے کھڑی تھی۔ رائل بلیو کلر کے سوٹ پر سرخ رنگوں کی نفیس کڑھائی ہوئی ہوئی تھی۔ اس کے سلکی، گھنے، لچھے دار بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ زیور کے نام پر گلے میں نازک سی چین اور کانوں میں ڈائمنڈ کے ٹاپس تھے جو بی۔ ایس سی میں پاس ہونے پر اسے مما، پاپا سے گفٹ میں ملے تھے۔ لائٹ سے میک اپ میں وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ بے ساختہ سمیر کے منہ سے نکلا تھا۔

''تم صاف ستھرے حلیے میں کافی معقول لگتی ہو!'' عدن جو کیک پر کینڈل لگا رہی تھی۔ اسے گھور کر دیکھا۔ جس کی آنکھوں میں اب ستائش کی جگہ شرارت ہلکورے لے رہی تھی۔

''یہ تعریف ہے؟'' عدن نے جل کر پوچھا تھا۔

''کچھ بھی سمجھ لو! تمہیں کیا فرق پڑے گا!'' سمیر لاپروائی سے کہتا ہوا کچن سے باہر نکل گیا۔ جبکہ عدن اپنی جگہ سوچ میں گم کھڑی رہ گئی۔

''کاش کبھی تم جان سکتے کہ تمہارے عام اور سادہ سے لفظوں سے بھی کسی کی زندگی میں کتنے رنگ سجتے ہیں!''

عدن نے سوچتے ہوئے سر جھٹکا تھا اور اپنے ساتھ مدد کروانی مستقل ملازمہ روبینہ کو مخاطب کر کے کام سمجھانے لگی۔ اسے سب کچھ میز پر رکھنے کا کہہ کر وہ رسٹ واچ میں وقت دیکھتی کچن سے باہر نکلی تھی۔

بڑے سے لاؤنج میں خاموشی کا راج تھا۔ عدن چلتی ہوئی لاؤنج میں رکھے لکڑی کے بڑے سے جھولے میں آکر بیٹھ گئی۔ وقت کتنی جلدی گزر گیا تھا۔ عدن نے وال گلاس باہر دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔ چار سال۔۔۔! ابھی کل کی بات تو تھی۔ جب اس گھر میں امن کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں مگر پھر سب کچھ اچانک ہی بدل گیا تھا۔

سعد کے باہر جانے کے بعد سب کی زندگی میں ایک ان دیکھا سا خلا خود بہ خود آگیا تھا۔ امن نے مقامی کالج میں لیکچرر شپ حاصل کرلی تھی۔ اس کے دن رات ایک مخصوص رفتار میں گزر رہے تھے۔ اس کا آرٹ ورک بہت نکھر گیا تھا۔ اس سلسلے میں اس کی دو سولو ایگزیبیشن بھی ہو چکی تھی۔ اس کی شخصیت میں بہت سنجیدگی آگئی تھی۔ وہ ایک دم ہی اپنی عمر سے کئی سال آگے چلی گئی تھی۔ عدن کے ساتھ اس کی دوستی کا رشتہ اب بھی ویسا ہی تھا مگر عدن اکثر اس کی سنجیدگی کی وجہ سے تھوڑا جھجک جاتی تھی۔ نزہت کو پہلے ہمیشہ اس سے شکوے رہتے تھے۔ اب وہ ہی نزہت امن کی خاموشی سے خائف رہنے لگی تھیں۔ انھیں ہنستی بولتی، شرارتیں کرتی، لڑکوں والے سب کام کرنے والی امن بہت شدت سے یاد آتی تھی۔ جو کہیں بہت پیچھے رہ گئی تھی۔ اس کی بے پناہ مصروفیت دیکھ کر وہ پریشان ہو جاتی تھیں۔

''پتا نہیں کیا ہو گیا ہے اسے! لڑکی کم، پتھر کا بت زیادہ لگتی ہے......!''

امن ان کی بات سن کر اکثر پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہتی۔

''آپ ہی تو کہتی تھیں کہ کچھ عقل پکڑلوں۔۔۔! اور اب تو میں کافی عقل مند ہو گئی ہوں نا۔۔۔!''

''بے وقوف ہو تم! کوئی ماں اپنی اولاد کو ایسے کئی حصوں میں بٹا ہوا نہیں دیکھ سکتی ہے۔ امن یا تو اپنی ضد چھوڑ دو یا پھر یہ رشتہ۔۔۔! کیوں خود کو اذیت دے رہی ہو۔۔۔!''

نزہت نے ہمیشہ کی طرح اسے سمجھایا تھا اور ہمیشہ کی طرح امن کا جواب خاموشی ہی ہوتا تھا۔

سمیر ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کر رہا تھا مگر اس کا گانے کا شوق اسے شہرت کی بلندی پر لے گیا تھا۔ اس کی شاندار شخصیت، مسحور کن آواز اور اچھے مستقبل کو دیکھ کر بہت سی لڑکیاں شہد کی مکھیوں کی طرح اس کے گرد منڈلاتی رہتی تھیں۔ آج کل اس نے ایک مشہور میوزک کمپنی سے کانٹریکٹ کیا تھا۔ جو اس کی سولو البم پر کام کر رہی تھی۔ عدن کو وہ وقت بہت شدت سے یاد آتا تھا۔ جب وہ تینوں مل کر اودھم مچائے رکھتے تھے۔

عدن کو یاد تھا کہ سمیر اپنی مصروفیات اور ترجیحات

بدل جانے کی وجہ سے عدن اور امن کے ساتھ ہر شرارت یا کھیل میں شامل ہونے سے پہلے سو نخرے دکھاتا تھا اور اکثر چڑ کر کہتا تھا۔

"میں بھلا کوئی لڑکی ہوں جو آپ کے ساتھ ان اوٹ پٹانگ چیزوں میں شامل ہوں۔ مجھے کرکٹ کھیلنے جانا ہے۔" امن پھر بھی ضد کرتی تو وہ سر پکڑ کر بیٹھ جاتا۔ "امن آپی! آپ اپنے پیا کا دل جیتنے کے لیے یہ ریسپیز ٹرائی کریں۔ مجھے اور بھی بہت سے کام ہیں۔" سمیر امن کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتا۔

"کیوں اگر ہم تمہارے ساتھ لڑکوں والے سب گیمز کھیل سکتے ہیں تو تمہیں کیا تکلیف ہے۔ چلو بیٹھ جاؤ یہاں! اور کتاب میں سے ریسپیز پڑھ کر بتاتے جاؤ۔ میں اور عدن بنائیں گے۔"

امن بارعب انداز میں کہتی اور سمیر منہ بنا کر بیٹھ جاتا مگر جلدی جلدی میں ہمیشہ انھیں غلط ریسپیز بتاتا، اکثر دو ریسپیز کو ملا دیتا اور پھر موقع ملتے ہی کتاب پھینک کر رفو چکر ہو جاتا۔ کیوں کہ اس کے بعد یہاں سے بھاگنا ہی بہتر ہوتا تھا۔ جبکہ عدن اور امن جب اپنے بنائے ہوئے ملغوبے کو حیرت سے دیکھتی رہ جاتی تھیں۔

"سب کچھ تو ریسپی کے مطابق ہی کیا تھا پھر۔۔۔!" امن مایوسی سے کہتی۔

"امن آپی! یہ کتاب ہی غلط ہوگی۔" عدن اپنے ذہن کے مطابق تسلی دیتی۔ مگر جب امن بعد میں ریسپی چیک کرتی تو اسے سمیر کی حرکت کا پتا چلا جاتا۔ بعد میں اس کی خیر نہیں ہوتی تھی۔ عدن یہ سوچتے ہوئے بے ساختہ ہنس پڑی۔

"کتنا خوب صورت وقت تھا وہ بھی اور اب ایک وقت یہ بھی ہے۔۔۔!"

عدن نے سر اٹھا کر سامنے سیڑھیاں اترتے ہوئے سمیر اور نزہت کو دیکھا تھا۔ مرتضیٰ حیدر بھی گھر آنے والے تھے۔ آج امن کی سالگرہ تھی۔ اس لیے سمیر نے سرپرائز برتھ ڈے پارٹی رکھی تھی۔ عدن اٹھ کر نزہت سے ملی۔ نزہت نے اس کا ماتھا چوم کر ماشاء اللہ کہا تو عدن جھینپ کر رہ گئی اور سمیر اس کے چہرے پر پھیلے رنگوں کو دیکھ کر رہ گیا۔ اسی وقت مرتضیٰ حیدر گھر میں داخل ہوئے۔ سمیر نے اس کو فون کیا۔ امن راستے میں تھی۔ کچھ دیر کے بعد اس کی کار کا ہارن سن کر سمیر سب کو ڈرائنگ روم میں جانے کا اشارہ کر کے اسے ریسیو کرنے کے لیے باہر چلا گیا۔

"ارے واہ۔۔۔! آج تو بڑے بڑے لوگ گھر پر ہیں! خیر تو ہے ہیرو صاحب! اپنے کنسرٹ کی تیاری سے فرصت مل گئی۔" امن نے گاڑی سے اترتے ہوئے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا اور اسے محبت سے دیکھا تھا۔

"بس کریں آپی! ایک تو لڑکیاں بھی نا۔ خوب صورت مرد کو دیکھ کر گھورنے سے باز نہیں آتیں!" سمیر نے شرارت سے کہا تو امن نے اس کا کان پکڑتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہیں کب سے لڑکیوں کی طرح اپنی تعریف کرنے اور سننے کا شوق پیدا ہو گیا ہے۔ بھلے تم کتنے بڑے سیلیبرٹی بن جاؤ میرے لیے وہ ہی چھوٹے اور احمق سے بھائی ہی رہو گے۔"

"اچھا اب کان چھوڑیں۔۔۔! کیوں میری پرسنیلٹی خراب کر رہی ہیں۔ کوئی خفیہ کیمرہ کنسرٹ سے پہلے میرے امیج کو تباہ کر سکتا ہے۔" سمیر کے کہنے پر امن مسکرا کر رہ گئی۔ دونوں باتیں کرتے ہوئے گھر کے اندر داخل ہوئے۔ سمیر اس کا ہاتھ پکڑ کر ڈرائنگ روم کی طرف لے گیا۔

"یہاں کیا ہے؟" امن نے حیرت سے اس سے سوال کیا۔ مگر جیسے ہی اس نے اندر قدم رکھا "ہیپی برتھ ڈے" کی آوازوں کے ساتھ اس پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کی گئیں۔ امن اتنی محبت پا کر آبدیدہ ہو گئی۔ ماں، باپ نے اس کی پیشانی چوم کر خوشیوں بھری زندگی اور اچھے نصیب کی دعا دی تھی۔ امن نے اتنی محبتوں کے درمیان کیک کاٹا تھا۔ امن نے عدن کو گلے لگا کے شکریہ کہا تو سمیر تڑپ کر بولا۔

"اسے شکریہ کس خوشی میں کہہ رہی ہیں۔ یہ

آئیڈیا میرا تھا اور سب کچھ میں لے کر آیا ہوں بازار سے۔ محترمہ نے کون سا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔"

"تمہاری تو ہمیشہ سے عادت ہے۔ عدن کا کریڈٹ خود لینے کی۔" امن نے اسے چڑایا تھا۔

عدن کی مسکراہٹ پر سمیر مزید تپ گیا تھا۔

"حد ہے بھئی! یہاں تو اپنے بھی پرائے بن گئے ہیں۔ ضرور جادو ٹونے کروائے ہیں دشمنوں نے۔۔!"

"میں جادوگرنی لگتی ہوں!" عدن نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا تھا۔

"میں نے کسی کا نام نہیں لیا مگر سمجھنے والے سمجھ ہی گئے ہیں۔" سمیر کو اسے تپا کر مزا آرہا تھا۔

"خود کیا ہو؟ جن، بھوت اور بھی سب کچھ۔۔۔!" عدن غصے میں کہتی ہوئی نزہت کے پاس صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔

"پھر موڈ خراب کر دیا تم نے اس کا۔۔!" امن نے اسے سرزنش کی تھی۔ سمیر بالوں میں ہاتھ پھیرتا ہنس پڑا۔

"ویسے اب زیادہ مزا نہیں آرہا۔۔!" سمیر کی شرارت پر امن نے اسے گھورا تھا۔

"بری بات ہے سمیر۔۔! عدن کا دل بہت نازک اور حساس ہے! خیال رکھا کرو۔" امن نے سنجیدگی سے کہا تو سمیر کچھ نہ سمجھتے ہوئے سر ہلا کر رہ گیا۔ سب نے امن کو گفٹس دیے۔ جب سمیر کی باری آئی تو اس نے بہت انداز سے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

"میرا گفٹ سب سے خاص ہے! میں امن آپی کو اپنی آواز میں اپنی نئی آنے والی پہلی البم کا گانا ڈیڈی کیٹ کروں گا۔ تالیاں۔۔!" سمیر نے ہاتھ اٹھا کر کہا مگر سب خاموش بیٹھے ایک دوسرے کی شکل دیکھتے رہے۔ سمیر کھسیانا ہو کر رہ گیا۔

"یہ تو سزا ہے بھئی! پہلے گفٹ لینے والے سے پوچھو! اسے یہ سزا منظور ہے بھی یا نہیں۔۔!" مرتضیٰ حیدر نے شگفتہ لہجے میں کہا تو امن نے بھی سر ہلا کر تائید کی تھی۔

"یار ڈیڈ! آپ تو اپنے سپوت کا ساتھ دیں!"

سمیر نے باپ کی طرف دیکھا تھا۔

"بس بیٹا! بڑھتی عمر کے ساتھ میرا دل بہت کمزور ہو گیا ہے۔ تمہاری آواز کا بوجھ سہنے کی ہمت نہیں رکھتا۔" مرتضیٰ حیدر کے کہنے پر سب ہنس پڑے۔

"پارٹی بدلنے کی اجازت نہیں ملے گی آپ کو ڈیڈ! کھوٹا سکہ ہی سہی مگر ہوں تو آپ کا ہی ناں۔۔۔!" سمیر نے ماں سے کہا تو مرتضیٰ حیدر کچھ کہتے کہتے رک گئے۔

"ارے کھوٹا سکہ کیوں؟ میرا بیٹا تو انمول ہے.....!"

نزہت نے ملکہ جذبات بن کر فوراً انٹری ماری تھی۔

"یہ چیز......!اس لیے تو وہ ڈائیلاگ اتنا مشہور ہوا تھا کہ "میرے پاس ماں ہے!" سمیر نے کہتے ہوئے گٹار کی تاروں پر ایک خوب صورت دھن چھیڑ دی تھی۔ اس کی آواز میں سوز بھی تھا، لے بھی تھی۔ وہ سب اس کی آواز کے سحر میں گم ہو کر رہ گئے تھے۔ اس کی آواز اور لفظوں کے دھارے میں بہتی عدن کہیں بہت دور نکل گئی تھی۔ اس کے گٹار سے نکلی دھن عدن کے دل کے تاروں کو چھیڑ کر محبت کے نئے گیت گا رہی تھی۔ وہاں موجود ہر دل محبت کی لے پر دھڑک رہا تھا، اسے محسوس کر رہا تھا۔ سمیر کی آواز سے لے کر اس کی دھن، اس کے لفظوں میں محبت کا الہام بول رہا تھا مگر وہ ابھی اسے صرف محسوس کر رہا تھا۔ واضح کچھ نہیں تھا۔ اس کی محبت دل کے سیپ میں بند موتی کی طرح تھی۔ جس سے وہ ابھی انجان تھا۔ اس کی زندگی میں ابھی وہ لمحہ نہیں آیا تھا جو اسے محبت سے متعارف کرواتا۔

محبت سوچی سمجھی نہیں ہوتی، اس لیے تو اس میں الہام ہوتے ہیں۔

یہ خوبیوں اور خامیوں کو نہیں دیکھتی، اس لیے بے عیب ہوتی ہے۔

محبت اپنے ہونے کا یقین رکھتی ہے، اس لیے بے نیاز ہوتی ہے۔

محبت نوازنا جانتی ہے، ہر دل کو، ہر آنکھ کو، ہر بنجر زمین کو اپنے لمس سے زندگی عطا کرتی ہے۔ محبت کے پاس سب کے لیے سب کچھ ہے مگر محبت کرنے والوں کے ہی ظرف کے پیالے اکثر چھلک جاتے ہیں۔

سانس در سانس جی رہا ہوں اسے
وہ جو آنکھ کی دسترس میں نہیں۔۔۔!

امن کی خشک آنکھوں کے پیچھے کئی طوفان مچلنے لگے تھے۔ مگر اس نے ہاتھ اٹھا کر، تالیاں بجاتے ہوئے سمیر کو داد دی تھی۔

ایک خوب صورت شام کا اختتام، بہت پیاری یادوں کے ساتھ ہوا تھا۔ سب کاموں سے فارغ ہو کر امن رات کو اپنے کمرے میں اکیلی بیٹھی سب کے گفٹس کھول کر دیکھ رہی تھی اور مسکرا رہی تھی۔ کچھ رشتوں کے معاملے میں وہ سچ میں بہت خوش قسمت تھی۔ اسی وقت اس کی نظر اپنے بیگ کے پاس پڑے کالے رنگ کے کیس پر پڑی۔ اس کے چہرہ تن گیا۔ اس نے وہ کیس ہاتھ میں لیا اور اسے کھولا۔ اندر بہت خوبصورت گولڈ کا بریسلٹ تھا۔ سمیر کو لگتا تھا کہ امن کو سب سے پہلے اس نے وش کیا تھا مگر امن کو سب سے پہلے وش کرنے اور گفٹ دینے والا اسعد تھا۔۔۔!

امن نے لاپروائی سے وہ کیس اٹھا کر دراز میں ڈال دیا۔

کچھ باتوں اور چیزوں کو نظر سے ہٹانا تو بہت آسان ہوتا ہے مگر دل و دماغ سے نہیں۔۔۔!

☆☆☆

وہ کافی دیر سے کھڑا سفید گاؤن میں ملبوس اسٹیتھسکوپ گلے میں ڈالے، بچوں کے وارڈ میں کھڑی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر سب بچے بہت خوش تھے۔ وہ بچوں کے درمیان بچہ بنی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ کھیلتی، باتیں کرتی، وہ آس پاس سے بالکل بے خبر تھی۔ وہ لڑکی خوب صورت تھی مگر اس کی سب سے بڑی خوبی، اس کی بے نیازی اور چہرے پر چھائی وہ سادگی اور بھولپن تھا جو اسے بہت سے خوب صورت اور حسین چہروں سے منفرد بنا رہا تھا۔

"یہ نئی ڈاکٹر اپائنٹ ہوئی ہیں!" اس نے پاس سے گزرتی سینئر نرس سے پوچھا تھا۔ نرس نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور مسکرا دی۔

"ڈاکٹر حمزہ! آپ نہیں جانتے! یہ عدن شاہ ہیں۔ ڈاکٹر فاروق شاہ اور ڈاکٹر نائلہ کی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی۔ اکثر چلڈرن وارڈ میں بچوں کے ساتھ وقت گزارنے آتی ہیں۔" نرس نے کہا اور وہاں سے چلی گئی۔ جبکہ ڈاکٹر حمزہ بہت چونک کر عدن کا جائزہ لینے لگا تھا۔ اسی وقت عدن بچوں کو ہاتھ ہلاتی باہر نکلی جب ڈاکٹر حمزہ نے مسکرا کر اسے ہیلو کہا۔ عدن چونک کر رک گئی۔

"مجھے ڈاکٹر حمزہ کہتے ہیں! آپ۔۔۔!"

"جی میں ڈاکٹر نہیں ہوں۔ بس ویسے ہی بچوں سے ملنے آئی تھی۔"

عدن نے جلدی سے کہا۔ وہ بھی سمجھی کہ شاید وہ اسے ڈاکٹر سمجھ کر بات کرنا چاہ رہا ہے۔ اس سے پہلے ڈاکٹر حمزہ مزید بات آگے بڑھاتا۔ ڈاکٹر نائلہ عدن کو ڈھونڈتی وہاں چلی آئیں۔ حمزہ انھیں دیکھ کر مودب ہو کر کھڑا ہو گیا۔

"عدن فری ہو گئیں! گھر چلیں۔" ڈاکٹر نائلہ نے کہتے ہوئے حمزہ کی طرف دیکھا۔

"ڈاکٹر حمزہ کیسے ہیں آپ! یہ میری بیٹی ہے عدن! یونیورسٹی میں ایم۔ اے انگلش کے فائنل ائیر میں ہے۔ عدن یہ ہمارے بہت قابل ڈاکٹر ہیں۔ کچھ مہینے پہلے ہی جوائن کیا ہے انھوں نے۔" ڈاکٹر نائلہ نے دونوں طرف تعارف کا سلسلہ نبھایا تھا۔

"حیرت کی بات ہے ڈاکٹر نائلہ! کہ آپ کی بیٹی نے یہ پروفیشن نہیں چنا۔ ورنہ زیادہ تر ڈاکٹرز کے بچے اپنے والدین کی لائن میں آنا پسند کرتے ہیں۔"

"آپ کے والدین بھی ڈاکٹر ہیں؟" عدن نے سوال کیا۔

"نہیں! اپنی فیملی میں فی الحال میں ہی اس منصب پر فائز ہوا ہوں۔" ڈاکٹر حمزہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"حیرت کی بات ہے! آپ نے وہ پروفیشن چنا جو آپ کے والدین کا نہیں ہے!" عدن نے اس کی بات لوٹائی تھی۔ ڈاکٹر حمزہ شرمندہ ہو کر رہ گیا۔ اسے عدن سے اتنی سمجھداری کی توقع نہیں تھی۔ "مما

چلیں! عدن نے ڈاکٹر نائلہ سے کہا اور قدم آگے بڑھا دیئے۔ ڈاکٹر نائلہ نے حمزہ کو خدا حافظ کہا اور عدن کے پیچھے چل پڑیں جبکہ حمزہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

☆☆☆

"آپ! میرا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے! بار بار میرے راستے میں آنے کا مطلب!"۔

آج پھر سعد نے کالج میں اسے پھول بھیجے تھے۔ امن نے غصے میں سعد کو کال ملائی اور اس کے ہیلو کہتے ہی پھٹ پڑی۔ سعد خاموشی سے سنتا رہا۔

"میں تمہارے راستے سے کبھی گیا ہی نہیں ہوں!" سعد کے اطمینان سے کہنے پر امن تپ گئی۔

"شاید آپ کچھ بھول رہے ہیں!" امن کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"بھول نہیں رہا! تلافی کی کوشش کر رہا ہوں۔" سعد کے جواب پر امن غصے میں کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ اس کی خاموشی پر سعد بولا۔

"امن! ایک غلطی میں نے کی تھی، تمہیں چھوڑ کر جانے کی اور ایک غلطی آج تم کر رہی ہو! صرف اپنی ضد اور انا کی وجہ سے۔۔۔! اگر تم نے مجھے چھوڑنا ہوتا تو اس وقت چھوڑ سکتی تھیں۔ تمہارے پاس بہت سے راستے کل بھی تھے اور آج بھی ہیں مگر پھر بھی تم نے کوئی قدم نہیں اٹھایا یہ بات ہی میرا حوصلہ بڑھاتی ہے۔ امن تم ایک بار ٹھنڈے دل سے سوچو تو سہی۔"

سعد نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ امن نے کچھ بھی کہے بغیر فون بند کر دیا تھا۔ سعد نے گہری سانس لے کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی تھی۔ آج سے چار سال پہلے جب وہ کامیابی کی تلاش میں سب کو پیچھے چھوڑ گیا تھا تو اسے اندازہ نہیں تھا کہ واپسی کا سفر کتنا مشکل ہوگا۔ وہ دو سال بعد کامیابی کا جھنڈا اٹھائے وطن تو لوٹ آیا تھا مگر یہاں اس کا استقبال بہت سرد مہری سے کیا گیا تھا۔ رخسانہ ماں تھیں۔ ان کے لیے سعد سے بڑھ کر کوئی نہیں تھا مگر وہ بھی سعد کے ساتھ بہت سنجیدہ رویہ رکھتی تھیں۔ جبکہ مرتضیٰ حیدر کی فیملی کی طرف سے اسے کوئی رسپانس نہیں ملا تھا۔ حتیٰ کہ جب سعد نے شادی کی بات کرنا چاہی تو رخسانہ بیگم نے سختی سے منع کر دیا تھا۔ وہ خود میں اتنی ہمت نہیں پاتیں تھیں کہ بھائی کے سامنے یہ سوال رکھیں۔۔۔!

سعد ہر طرح سے کوشش کرنے کے باوجود ناکام رہا تھا۔ کیونکہ اب کی بار سب امن کی سائیڈ پر تھے اور امن ابھی رخصتی کے حق میں نہیں تھی۔ جب بھی اس سے اس بارے میں بات کی جاتی وہ جواب میں تھوڑا وقت مانگ لیتی کہ اس نے ابھی اس بارے میں کچھ بھی نہیں سوچا ہے۔ امن کے ساتھ پہلے بھی زیادتی ہو چکی تھی۔ اس لیے اب کی بار کوئی بھی اس کے ساتھ زبردستی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ سب چاہتے تھے کہ وہ دل سے اس رشتے کو قبول کرے۔

مگر ابھی دونوں کی کھینچا تانی میں یہ رشتہ کہیں گم ہو کر رہ گیا تھا۔ بڑوں نے سوچا تھا کہ دونوں کو کچھ وقت دیا جائے یا تو وہ دونوں اس رشتے کو لے کر آگے چلیں یا پھر اسے یہاں ہی چھوڑ دیں۔ اس لیے انھوں نے خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔ سعد اپنی طرف سے امن کو منانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا مگر امن کی نہ، ہاں میں نہیں بدلی تھی۔ تب سعد کو زندگی میں پہلی بار احساس ہوا تھا کہ زندگی میں کسی چاہنے والی کی "ہاں" ملنا بھی کتنی بڑی خوش نصیبی ہوتی ہے۔ مگر اس کا اندازہ اسے تب ہوا تھا جب وہ خوش نصیبی بھی اپنے ہاتھوں گنوا چکا تھا۔

☆☆☆

"بس کرو عدن! کتنی شاپنگ باقی ہے!" امن اس کے ساتھ مال میں پھرتے ہوئے کئی بار دہائی دے چکی تھی۔ مگر عدن کچھ نہیں سن رہی تھی۔

"امن آپی! آج اتنے عرصے کے بعد آپ ہاتھ آئی ہیں۔ اتنی جلدی نہیں میری شاپنگ ختم ہونی۔ خاندان میں کچھ قریبی عزیزوں کے گھر شادیاں بھی آ رہی ہیں۔ ویسے مجھے دور کے رشتے داروں کی شادی میں جانا بہت بورنگ کام لگتا ہے مگر مما کہہ رہی تھیں کہ جانا ضروری ہے۔ میں سوچ رہی ہوں کہ کچھ فینسی ڈریسز بھی دیکھ لیتی ہوں۔ پسند آ گئے تو ٹھیک

نہیں تو دوبارہ آجائیں گے۔"

"تم نے مجھے پاگل سمجھا ہوا ہے؟ جو میں دوبارہ بھی تمہارے ساتھ آؤں گی؟" امن نے منہ بنا کر کہا تو عدن مسکرا کر اسے دیکھنے لگی۔

"ایکسکیوزمی مس عدن!" اسی وقت کسی نے پاس آکر پکارا تو عدن کے ساتھ ساتھ امن نے بھی چونک کر دیکھا۔ سامنے ایک سوبر سا شخص کھڑا تھا۔

"آپ ڈاکٹر حمزہ۔۔۔!" عدن نے اسے پہچانتے ہوئے کہا۔ حمزہ کا چہرہ کھل اٹھا۔

"اس کا مطلب میں آپ کو پہلی ملاقات کے بعد یاد رہا۔" حمزہ کا لہجہ خوش فہم تھا۔ امن ٹھٹکی تھی۔

"جی اس لیے کہ مجھے ڈاکٹرز اچھے نہیں لگتے! اور بری چیزیں اتنی آسانی سے نہیں بھولتی ہیں!" عدن نے بے ساختہ کہا تھا۔ حمزہ کھسیانا ہو کر ہنس پڑا۔

"نائس جوک!" حمزہ نے اس کی بات کو ہوا میں اڑایا تھا۔

"ہمیں دیر ہو رہی ہے! ایکسکیوزمی پلیز!" عدن نے روکھے لہجے میں کہا۔

"او سوری! مجھے لگا کہ شاید آپ فری ہو گئی ہوں۔ اس لیے سوچا کہ ساتھ کافی پیتے ہیں مگر خیر۔ پھر سہی!" حمزہ نے مایوسی سے کہا۔ عدن نے کوئی بھی جواب دیے بغیر آگے قدم بڑھا دیے۔

"ویری روڈ۔۔۔! عدن یہ تم تھیں۔۔۔!" امن نے حیرت سے سوال کیا۔ عدن نے مسکرا کر کندھے اچکائے تھے۔

"پتا نہیں کیوں! یہ شخص پہلی ملاقات سے چپکو بننے کی کوشش میں ہے! اب بھلا ڈاکٹر ہو کر سڑک چھاپ حرکتیں کرتا ہوا بندہ اچھا لگتا ہے"

عدن نے نیچے پارکنگ ایریا کی طرف جانے والے ایکسلیٹر پر پاؤں رکھتے ہوئے مڑ کر امن کی طرف دیکھا تھا۔

"اس لیے تم نے اسے کہا کہ تمہیں ڈاکٹر اچھے نہیں لگتے جبکہ محترم کو ابھی یہ نہیں پتا کہ تمہارے والدین اسی شعبے سے وابستہ ہیں۔" امن نے ہنس کر کہا تو عدن شرارت سے مسکرا دی۔

"ویسے یہ محترم! بابا کے ہاسپٹل میں اپوائنٹ ہیں۔" عدن کے کہنے پر امن اپنے غلط اندازے پر سر پر ہلکا سا ہاتھ مار کر رہ گئی۔

"پھر تو لگتا ہے بات کافی آگے جا چکی ہے" امن نے اسے چھیڑا تھا۔

"جی نہیں! ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ کے اندازے غلط ہیں۔" عدن نے چڑ کر کہا تھا۔ امن اور وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے پارکنگ ایریا کی طرف آئے۔ جب عدن اپنے موبائل پر آنے والی کال کو سننے کے لیے رک گئی اور امن گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ عدن نے موبائل آف کیا تو اسے لگا جیسے کوئی پیچھے سے اس کا دوپٹا کھینچ رہا ہے۔ عدن فوراً مڑی۔ پیچھے دو درمیانی عمر کی خواتین اس کے دوپٹے کا ایک کونا تھامے اس کی کڑھائی کو غور سے دیکھتی تبصرے کر رہی تھیں۔ عدن کو ایک جگہ کھڑا دیکھ کر امن نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"حد ہے بھئی!" امن بڑبڑائی تھی۔

"بالکل ایسی ہی کڑھائی کا سوٹ مسز افتخار نے اس دن پارٹی میں پہنا ہوا تھا۔ میں نے جب پوچھا تو کہا کہ میری بہن نے خاص طور پر ملتان سے بھیجا ہے۔ یہ بھلا ہاتھ کی کڑھائی ہے یا مشین کی۔ ویسے ایسا ایک سوٹ اگر میری بیٹی کی بری میں شامل ہو جائے تو کتنا اچھا ہو۔"

وہ دونوں خواتین بے لاگ تبصرے میں مصروف تھیں۔ جب عدن نے انہیں مخاطب کیا۔

"ایکسکیوزمی میم!" عدن کی آواز پر دونوں خواتین نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"اس کے ساتھ میں بھی ہوں۔۔۔!" عدن نے معصومیت سے کہا۔

"کیا تم نے ہمیں اندھا سمجھا ہوا ہے؟" ایک فربہی مائل خاتون نے تپ کر کہا تو عدن ڈر کر پیچھے ہوئی۔

"نہیں نہیں۔۔۔! آپ تبصرے کریں آرام

سے۔ میں یہاں ہی کھڑی ہوں۔۔!"

عدن کے کہنے پر وہ خواتین غصے سے دوپٹا جھٹکتی ہوئی، منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے چلی گئیں۔ عدن نے قہقہوں کی آواز پر مڑ کر دیکھا۔ سمیر کو وہاں دیکھ کر چونک گئی۔ امن اپنی ہنسی روکنے کی کوشش میں تھی۔

"دیکھا امن آپی! یہ صرف گھر کی حد تک ہی بہادر ہے۔۔!"

سمیر نے اس کا مذاق اڑایا تھا۔ اس سے پہلے عدن اسے جواب دیتی۔ اس کے ساتھ کھڑی ایک حسین اور طرح دار لڑکی کو دیکھ کر چپ کر گئی۔

"امن آپی! یہ مس ہما ہیں! جس میوزک کمپنی کے ساتھ مل کر البم پر کام کر رہا ہوں، وہاں ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ مس ہما بہت اچھا گاتی ہیں۔ میری البم میں ایک گانا ان کے ساتھ بھی شامل ہے۔" سمیر نے تفصیل سے تعارف کروایا۔ ہما آگے بڑھ کر امن سے بہت محبت سے ملی مگر عدن سے صرف ہاتھ ملا کر پیچھے ہٹ گئی۔ سمیر نے اصرار کر کے امن اور عدن کو بھی ڈنر پر روک لیا۔ کھانے کے دوران صرف سمیر اور ہما ہی بول رہے تھے۔ عدن خاموشی سے بیٹھی انھیں سن رہی تھی۔ ہما بار بار امن کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیتی مگر عدن کی طرف کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔ وہ آپس میں ہنس رہے تھے، مذاق کر رہے تھے۔ عدن کو اپنا آپ بہت مس فٹ لگ رہا تھا۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ سمیر نے کسی اور کی خاطر اسے نظر انداز کیا تھا۔ عدن دل میں سمیر سے خفا ہو گئی۔ جبکہ ہما بہت تیز اور چالاک لڑکی تھی وہ اپنی باتوں اور اداؤں سے سب کو متوجہ کرنا جانتی تھی۔ واپسی پر سمیر ہما کو ڈراپ کرنے چلا گیا اور امن اور عدن اپنی کار میں گھر آ گئے۔

عدن سارا راستہ بہت چپ تھی۔ امن کو اس کی خاموشی محسوس ہو گئی تھی۔ اس کے پوچھنے پر عدن نے مسکرا کر سر درد کا بہانہ کر دیا۔ گھر آ کر بھی عدن سوچوں میں گھری رہی۔ سمیر اور ہما کی بے تکلفی نے اسے وہم میں ڈال دیا تھا۔

"میں آج تک یہ کیسے سوچ کر مطمئن رہی کہ میری طرح سمیر بھی۔۔۔! وہ مجھے دوست سمجھتا ہے اور میں اس کی محبت میں کتنا آگے بڑھ گئی ہوں!"

عدن کی ساری رات ان ہی سوچوں میں گزر گئی تھی۔

☆☆☆

سمیر کی البم کی لانچنگ پر ایک زبردست سے کنسرٹ کا اہتمام بھی کیا گیا۔ سمیر دن رات اس کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ ہما کے قدم اس کے گھر تک بھی پہنچ چکے تھے۔ ہما اکثر سمیر کے ساتھ آ جاتی یا کسی نہ کسی بہانے سے اس کے گھر آ جاتی تھی۔ اس نے وہاں کے مکینوں کے ساتھ اچھی دوستی کر لی تھی۔

عدن جو پہلے اکثر وہاں چلی جاتی تھی۔ ہما کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگی۔ ہما کے رویے میں اس کے لیے ایک واضح سرد مہری اور چڑ ہوتی تھی۔ وہ عدن پر نرم لفظوں میں تنقید کرتی رہتی۔ جسے سمیر مذاق سمجھ کر اور بڑھا دیتا تھا۔ عدن کا دل سمیر کی طرف سے میلا ہونے لگا۔ اسے سمیر کا نظر انداز کرنا اور ہما کو توجہ دینا برا لگتا تھا۔ وہ اسے کہنا چاہتی تھی مگر کس حق سے کہتی۔۔! اس کے جذبے صرف اس تک ہی تھے۔ سمیر تو ان سب سے انجان تھا۔ عدن دل برداشتہ ہو کر پیچھے ہٹنے لگی۔ وہ اب کم کم امن کے گھر جاتی تھی۔ اکثر کوئی نہ کوئی بہانہ بنا دیتی۔

دوسری طرف ڈاکٹر حمزہ نے سوچی سمجھی پلاننگ کے تحت عدن کے اردگرد رہنا شروع کر دیا تھا۔

حمزہ کے لیے عدن سنہری چڑیا تھی۔ جس سے شادی کر کے وہ ترقی اور کامیابی کے زینے بہت تیزی سے چڑھ سکتا تھا۔ وہ ہر طرح سے ڈاکٹر فاروق اور نائلہ کو متاثر کرنے کے چکروں میں رہتا تھا۔ عدن اکثر ہسپتال آتی اور جاتی رہتی تھی۔ اس لیے حمزہ سے ٹکراؤ بھی ہو جاتا تھا حمزہ اسے کئی بار گھر ڈراپ کرنے بھی آیا تھا۔ آہستہ آہستہ سہی مگر اب عدن اس سے چڑتی نہیں تھی۔ حمزہ کے لیے یہ تبدیلی ہی بہت تھی۔

☆☆☆

سمیر کی البم کی لانچنگ سے پہلے بہت بڑے

پیمانے پر ایک کنسرٹ منعقد ہو رہا تھا۔ سمیر اس کے لیے بہت پرجوش تھا۔ وہ ہما اور اپنے گروپ کے باقی لوگوں کے ساتھ گھر کے بیسمنٹ میں بنے اسٹوڈیو میں دن رات ریہرسل کرتا رہتا تھا۔ اس دوران ہما کی سالگرہ آئی تو اس کے بے حد اصرار پر سمیر نے سب کے سامنے اس کے لیے ایک گانا گایا۔ عدن بھی وہاں موجود تھی۔ ہما اسے جلانے کے لیے یہ سب کر رہی تھی اور۔ عدن بہت ہرٹ ہوئی تھی۔

"سمیر نے کبھی میری سالگرہ پر تو گانا نہیں گایا۔۔! میں نے بھی کتنی بار کہا تھا۔" امن اس کا شکوہ سن کر چونک گئی۔ عدن کے چہرے پر چھایا ملال اسے بہت کچھ سمجھا گیا تھا۔ عدن وہاں سے چلی جاتی ہے۔

اور پھر دل برداشتہ ہو کر کنسرٹ سے کچھ دن پہلے عدن، خاندان میں ہونے والی شادی میں شرکت کرنے کے لیے اسلام آباد چلی جاتی ہے۔

سمیر جس دن سب کے لیے کنسرٹ کے پاس لاتا ہے۔ اس دن اسے پتا چلتا ہے کہ عدن تو چلی گئی ہے۔ وہ شاکڈ رہ جاتا ہے۔

"امن آپی! آپ کو پتا ہے کہ عدن نے کیا کیا ہے؟ اس کے نزدیک میری زندگی کی اتنی بڑی کامیابی کی کوئی اہمیت نہیں تھی جو اس طرح چلی گئی!" سمیر امن کے سامنے اپنے دکھ کا اظہار کر رہا تھا۔ امن نے سنجیدگی سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"تمہیں کیا برا لگ رہا ہے سمیر؟ اس کا خاموشی سے چلے جانا یا تمہیں نہ بتا کر جانا۔۔۔!"

"دونوں میں کیا فرق ہے آپی! مجھے برا لگا ہے کہ اس نے مجھے نظر انداز کیا ہے۔۔!" سمیر نے غصے سے کہا تھا۔

"اس طرح اسے بھی برا لگتا ہوگا، جب تم اسے نظر انداز کرتے ہو گے سمیر۔۔! ٹھنڈے دل سے سوچو تو پچھلے کئی مہینوں سے تمہارا رویہ بھی اس کے ساتھ بہت بدل گیا ہے!"

امن کے سمجھانے پر سمیر سوچ میں پڑ گیا تھا۔ اسے بھی لگا کہ امن ٹھیک کہہ رہی ہے۔ وہ عدن سے اتنا لاپروا آج سے پہلے کبھی نہیں رہا تھا۔ اسے کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔

"مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔! اس کے ہونے یا نہ ہونے سے۔ جاتی ہے تو جائے۔۔۔۔!!!"

سمیر نے کندھے جھٹک کر کہا اور غصے سے باہر نکل گیا۔

"فرق تو صاف ظاہر ہے۔۔۔۔۔۔۔!!"

امن کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

☆☆☆

سمیر کا کنسرٹ بہت کامیاب رہا تھا۔ سمیر کے لیے یہ بہت بڑی کامیابی تھی۔ وہ اب ایک سیلیبرٹی بن گیا تھا۔ کنسرٹ سے واپسی پر سمیر خوش ہونے کے بجائے بہت چپ تھا۔ ہما سمیت سب ٹیم نے پروگرام بنایا تھا ساری رات اپنی کامیابی کا جشن منانے کا مگر سمیر نے منع کر دیا اور گاڑی لے کر گھر کی طرف چل پڑا۔

"مجھے تو آج خوش ہونا چاہیے پھر یہ بے چینی کیوں؟" سمیر کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی مگر جب وہ اپنے گھر کے پاس پہنچا تو شاہ ولا کی جلتی لائٹس کو دیکھ کر چونکا۔ کچھ دیر خاموشی سے دیکھتا رہا۔ اس کے ذہن میں لگی گرہ کھل گئی تھی۔

"کیا میں عدن کو مس کر رہا ہوں؟" وہ حیرت سے خود سے سوال کرتا ہے اور پھر جواب ملنے پر مسکراتا ہوا گاڑی اپنے گھر کے اندر لے جاتا ہے۔

رات سونے سے پہلے اسے اپنے بہت سے سوالوں کے جواب مل گئے تھے۔

وہ کنسرٹ میں مصروف ہونے کے باوجود، عدن کے آنے کا منتظر رہا تھا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ عدن شہر میں نہیں ہے مگر اس کی نگاہیں ہزاروں لوگوں میں بھی عدن کو ڈھونڈتی رہی تھیں۔ امن، ڈیڈ اور مما کے ساتھ آئی تھی۔ سمیر نے اسے دیکھتے ہی پہلا سوال عدن کا کیا تھا۔ امن نے نفی میں سر ہلایا تو اس کے چہرے پر پھیلی مایوسی نے امن کو بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔

وہ پہلی رات تھی جب سمیر نے عدن کے لیے محبت کے سب حوالوں سے سوچا تھا اور اسے حیرت ہوئی تھی

ہ عدن ان سب حوالوں پر پوری اترتی تھی۔ وہ
سکراتے ہوئے نیند کی وادی میں اتر گیا تھا۔

☆☆☆

دوسری طرف اخبارات اور ٹی۔ وی پر عدن
نے اس کے کنسرٹ کی کامیابی کے بارے میں پڑھا
ور دیکھا تھا۔ اسے سمیر کی کامیابی کی بہت خوشی تھی مگر
سے لگتا تھا کہ سمیر مشہور ہو کر بدل گیا ہے۔ وہ جان
وجھ کر عدن کو نظر انداز کرتا ہے۔ عدن کی یہ بات کچھ
لط بھی نہیں تھی۔ اس کنسرٹ کے بعد سے سمیر نے
دن سے بات کرنا بہت کم کر دی تھی۔ پہلے تو ان کا
سامنا ہی کم کم ہوتا تھا۔ دوسرا وہ عدن سے ناراض تھا۔
س کی سزا کے طور پر وہ عدن کو نظر انداز کرنے لگا تھا۔
ہ عدن کے حوالے سے جن خاص جذبوں کا شکار ہوا
تھا، اسے ابھی سامنے لانے سے ہچکچا رہا تھا۔ وہ سوچ
رہا تھا کہ ابھی بہت وقت ہے۔ وہ عدن کو ہمیشہ کی
طرح پہلے خوب ستائے گا، تنگ کرے گا، پھر جب وہ
رونے والی ہو جائے گی تو وہ کان پکڑ کر اسے تین بار
سوری کہہ کر منا لے گا۔۔! عدن کو منانا کون سا مشکل
کام تھا۔۔! سمیر سوچتا اور مسکرا دیتا۔

مگر عدن اندر ہی اندر اپنی خاموش محبت میں
گھلنے لگی تھی۔ وہ زیادہ وقت پڑھائی کو دینے لگی مگر
فائنل امتحان کے بعد، اس نے اپنا وقت گھر کے کاموں
اور ہسپتال کے چکروں میں گزارنا شروع کر دیا۔ کبھی
کچن میں گھسی نئی ریسپیز بناتی رہتی۔ کبھی رضیہ کے
بچوں کو پڑھانے بیٹھ جاتی اور کچھ نہیں تو سارے گھر
کی سیٹنگ ہی بدل دیتی۔ عدن اپنی چھوٹی سی دنیا میں
مگن تھی۔ جب ایک دن نائلہ نے اسے اپنے پاس بلا کر
اس کے رشتے بارے میں بات کی تو عدن پریشان ہو گئی۔

"کون سا رشتہ اور کیسا رشتہ۔۔! مجھے شادی
نہیں کرنی ہے!"

"بے وقوف ہو تم! بیٹیاں کتنی بھی عزیز ہوں سدا
والدین کے گھر نہیں بیٹھی رہ سکتی ہیں۔ تم اس دن
ڈاکٹر حمزہ سے ملی تھی ناں۔۔! ڈاکٹر حمزہ ہمارا ہم پلہ تو
نہیں ہے مگر بہت محنتی اور ذہین ہے۔ تمہارے بابا کو
بہت پسند ہے وہ۔ ویسے تو اور بھی بہت سے رشتے
ہیں تمہارے لیے مگر ڈاکٹر حمزہ ہمیں تمہارے لیے
بہت بہتر لگا ہے۔" نائلہ کے کہنے پر عدن نفی میں سر ہلاتے
ہوئے بولی تھی۔

"نہیں مما! میں نے ابھی ایسا کچھ بھی نہیں سوچا ہے۔"

"تو اب سوچ لو بیٹا! ساری زندگی ایسے تو
نہیں رہنا ہے۔"

نائلہ نے محبت سے اس کا گال تھپتھپایا تھا اور وہاں
سے اٹھ گئیں۔ جبکہ عدن گم صم سی اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

"محبت یوں بھی ممکن ہے۔۔!
نہ اس کو دیر تک تکنا
نہ اس سے بہت سی باتیں
نہ کوئی پیار کے قصے
نہ آخری سب مناجاتیں
محبت یوں بھی ممکن ہے۔۔۔!
کبھی کچھ عام سے جملے
کبھی کچھ عام سے باتیں
کبھی بس مسکرا دینا
کبھی نظریں چُرا لینا
محبت یوں بھی ممکن ہے۔۔!
نہ بہت شوخی ہے جذبوں میں
نہ زیادہ اُنس رنگوں میں
نہ زیادہ ربط پھولوں سے
نہ زیادہ سوچ میں رہنا
محبت یوں بھی ممکن ہے۔۔۔!
کہ جس کو چاہتے ہوں ہم
نہ اُس کو یہ بتا پانا
کہ اس کی چاہ کو ہر دم
دل میں ہی چھپا رکھنا
محبت یوں بھی ممکن ہے۔۔۔!
نہ نغمہ گیت ہو کوئی
نہ میٹھا ساز ہو کوئی
ایسے دل میں چھپا رکھنا

کہ جیسے راز ہو کوئی
محبت یوں بھی ممکن ہے۔۔۔!
محبت یوں بھی ممکن ہے۔۔۔!"

عدن گم صم آسٹریلین توتوں کے پنجرے کے پاس بیٹھی تھی۔ جب امن نے اسے پکارا۔

"ارے عدن! یہ تم ہی ہونا۔۔!" امن نے حیرت سے سوال کیا تھا۔ عدن گڑبڑا کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ آس پاس سے انجان، توتوں سے اپنے دل کا حال کہتے کہتے کب چپ ہوئی تھی، اسے پتا ہی نہیں چلا تھا۔

"کیا ہوا امن آپی!" عدن نے خود کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

"یہ تو تم مجھے بتاؤ گی کہ تمہیں کیا ہوا ہے؟ میری عدن اتنی خاموش اور گم صم تو کبھی بھی نہیں رہی ہے!" امن نے محبت سے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ عدن کی آنکھوں میں نمی پھیلی تھی۔ جسے چھپانے کے لیے اس کے رخ موڑ لیا تھا مگر امن دیکھ چکی تھی۔

"امن آپی! آپ کتنے عرصے کے بعد آج میرے گھر آئی ہیں۔ آپ کو اچھی سی چائے پلاتی ہوں۔ آپ کو پتا ہے میں نے کیک بنانا بھی سیکھ لیا ہے اور۔۔۔!" عدن ایک دم چپ ہوئی تھی۔ امن نے اس کا ہاتھ پکڑ کر رخ اپنی طرف موڑا تھا۔

"عدن۔۔۔! ہم لڑکیاں چاہے کتنی بھی بہادر اور عقل مند بن جائیں۔۔! مگر محبت اور انتظار کے معاملے میں ایک جیسی ہی سوچ اور سمجھ رکھتی ہیں۔۔۔! مجھ سے کچھ مت چھپاؤ! میں بھی محبت کے قبیلے سے [illegible] رکھتی ہوں۔۔۔!" عدن نے چونک کر امن کا [illegible] چہرہ دیکھا تھا۔

"[illegible]! آپ اپنی محبت کو بھول بھی تو چکی [illegible] سعد بھائی کو کبھی معاف نہیں کر [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

ہوا تھا۔ وہ دونوں سنگ مرمر کے بینچ پر آ کر بیٹھ گئی تھیں۔

"امن آپی! آپ سعد بھائی کو معاف کر دیں۔۔۔! ان کی خطا، آپ کی محبت سے بڑی تو نہیں ہے نا۔۔۔!" امن چونکی تھی۔ اس نے حیرت سے عدن کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔

"یہ میں نے کیوں نہیں سوچا۔۔!" امن کو خیال آیا۔ "یہ سب چھوڑو۔۔! اپنی بات کرو۔۔۔!" امن نے فوراً خود کو سنبھالا تھا۔ عدن نے سر جھکا کر اسے کل رات نائلہ سے ہوئی ساری بات بتا دی۔

"اس میں اتنا پریشان ہونے والی کیا بات ہے! سب لڑکیوں کی زندگی میں یہ وقت آتا ہے! ہاں اگر ان کی زندگی میں کوئی اور موجود ہو تو وہ تمہاری طرح ہی ری ایکٹ کرتی ہیں۔۔! تمہیں سمیر سے اپنے دل کی بات کہنی چاہیے ایک بار۔۔۔!"

"سمیر تو اس محبت سے بے خبر۔۔۔!" عدن کہتے کہتے ایک دم رکی تھی۔ "آپ کو کیسے پتا چلا؟" عدن نے معصومیت سے سوال کیا۔ امن بے ساختہ ہنس پڑی۔

"تم نے کیا مجھے بے وقوف سمجھا ہوا ہے۔۔۔! دیوانی بنی پھرتی ہو، کیا مجھے نظر نہیں آئے گا۔۔!" امن نے کہا تو عدن سر جھکا کر رہ گئی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ امن سے کیا کہے۔ امن نے اس کا سر تھپتھپایا اور اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "میں کوشش کروں گی عدن۔۔! کہ تمہیں محبت میں کوئی دکھ نہ دیکھنا پڑے۔" امن کہتے ہوئے وہاں سے چلی گئی اور عدن گم صم سے اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی۔

☆☆☆

عدن نے آج امن کی پسند کا چیز کیک بنایا تھا جب وہ ان کے گھر کے اندر داخل ہوئی تو سمیر اور ہما کو لاؤنج میں بیٹھا دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ اس وقت نزہت کی نظر اس پر پڑی۔

"ارے عدن آئی ہے!" سمیر نے فوراً سر گھما کر دیکھا تھا۔ اسے اتنے دنوں کے بعد اپنے سامنے [illegible] سمیر کو بہت اچھا لگا تھا۔ اس کی آنکھوں کی بڑھتی

ک نے ہما کو جلا کر رکھ دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ سمیر
دن کو مخاطب کرتا۔ ہما بول پڑی۔

''سمیر! مجھے جلدی گھر جانا ہے! میرے خیال سے ہم ٹائم ضائع کرنے کے بجائے، نئے گانے کی یہرسل کرلیں!'' ہما کہتے ہوئے اٹھ گئی تو سمیر بھی سر تا ہوا، اپنے گھر کی بیسمنٹ میں بنے اسٹوڈیو میں لا گیا۔ جبکہ عدن نے نزہت سے امن کے بارے ں پوچھا مگر جب اسے پتا چلا کہ وہ ابھی کالج سے پس نہیں آئی ہے تو اس نے کیک نزہت کو پکڑایا اور وبارہ آنے کا کہہ کر باہر کی طرف بڑھ گئی۔ دراصل سے سمیر کا ہما کے ساتھ اس طرح اٹھ کر جانا بہت تکلیف دے رہا تھا۔

''عدن آپی! یہاں آئیے میرے ساتھ...!''

ام والی روبینہ جو پریشان چہرہ لیے اندر آرہی تھی۔ رن کو دیکھ کر بولی۔ عدن اس کے ساتھ گھر کے پچھلے ے کی طرف چلی آئی۔ پرانے اسٹور کے روشن دان ں بے گھونسلے سے چڑیا کا بچہ نیچے گر گیا تھا۔ روبینہ کو کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اس بچے کی مدد کیسے کرے۔ اسے عدن نظر آئی تو اسے یہاں لے آئی۔

''اسے اوپر رکھنا پڑے گا...! تم وہ کرسی لاؤ۔ ں کوشش کرتی ہوں۔'' عدن نے کہا تو روبینہ بھاگ کر پرانی کرسی لے آئی۔ عدن اس پر چڑھ کر کوشش کرنے لگی مگر اس کا ہاتھ وہاں تک نہیں پہنچ سکا تھا۔ میر نے بیسمنٹ کی کھڑکی سے یہ منظر دیکھا اور گٹار سائڈ پر رکھتا بڑبڑاتا ہوا باہر کی طرف نکلا تھا۔ ہما نے گے بڑھ کر کھڑکی سے باہر دیکھا۔

''اف یہ لڑکی...!'' ہما نے ناگواری سے منہ ایا اور خود بھی مڑ کر باہر نکل گئی۔ سمیر نے کرسی پر چڑھی دن کو نیچے اترنے کا کہا۔ پہلے اسے سخت ڈانٹ پلائی ور پھر خود کرسی پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اپنا کام سلی سے نمٹا کر پلٹا تو عدن وہاں سے جا چکی تھی۔ سمیر کو اپنی جلد بازی پر افسوس ہوا۔

''بلاوجہ ہی میں نے اسے ڈانٹ دیا۔ وہ تو ہیشہ سے ایسی ہی ہے۔ نرم دل اور حساس...!''

سمیر نے سوچا۔

''شاید اتنے دن تک اسے نہ دیکھنے کا غصہ نکالا ہے میں نے...!'' سمیر واپس پلٹا۔ اسی وقت سامنے سے آتی ہما نے پاس آکر ناگواری سے کہا۔

''اس اسٹوپڈ لڑکی کی وجہ سے ہمارا اتنا ٹائم ضائع ہو گیا ہے! پتا نہیں تم لوگ اسے کیسے برداشت کرلیتے ہو!'' سمیر نے غصے میں پلٹ کر ہما کو دیکھا ہے۔

'' تمہارے پاس سمجھ داری اور عقل مندی کا کیا ثبوت ہے؟ عدن ہمارے گھر کے فرد کی طرح ہے۔ دوبارہ اس کے لیے ایسے بات مت کرنا!'' سمیر نے اسے نرم لہجے میں مگر سخت لفظوں کے ساتھ سمجھایا تھا۔ ہما پھیکی سی ہنسی کے ساتھ سوری کہتی ہوئی چلی گئی۔ جبکہ روبینہ کی زبانی ساری بات سن کر امن اطمینان سے مسکرائی تھی۔

''انسان کو اس کی خامیوں اور خوبیوں سمیت ہی چاہا جاتا ہے! اگر چاہنے کا معیار صرف خوبیاں ہوتیں تو انسان صرف فرشتوں کو چاہتا!''

امن نے مسکراتے ہوئے سوچا تھا۔

☆☆☆

سمیر شام کے وقت گھر لوٹ رہا تھا۔ جب اس نے عدن کو کسی انجان لڑکے کے ساتھ کار سے اترتے ہوئے دیکھا۔ عدن جس طرح اس سے باتیں کر رہی تھی۔ صاف نظر آرہا تھا کہ ان دونوں میں بہت اچھی دوستی ہے۔

''امن آپی! یہ عدن آج کل کس لڑکے کے ساتھ پھر رہی ہے؟ میں نے اسے دو تین بار اس کے ساتھ دیکھا ہے! اسے شرم نہیں آتی۔'' سمیر غصے سے امن کے کمرے کا دروازہ کھول کر داخل ہوا۔ امن نے اسکیچ بناتے ہوئے سر اٹھایا تھا۔

''وہ ڈاکٹر حمزہ ہے...! بے فکر رہو۔ اس کے والدین کی مکمل مرضی اور اجازت اسے حاصل ہے'' امن نے اطمینان سے کہا تھا۔

''مگر کیوں...! ابھی بھی وہ اس ڈاکٹر کی کار سے باہر نکلی تھی۔ مجھے دیکھ کر ایسے انجان بن گئی جیسے

جانتی ہی نہ ہو۔'' سمیر غصے سے کمرے میں یہاں سے وہاں چکر لگا رہا تھا۔ اسے عدن کا مسکراتا چہرہ اور اس لڑکے کی پرشوق نظریں جو مسلسل عدن کو دیکھ رہی تھیں نہیں بھول رہی تھیں۔

''وہ اس لیے میرے بھائی۔۔! کہ عدن خیر سے شادی کے قابل ہوگئی ہے۔ اس کے لیے آئے ہوئے بہت سے رشتوں میں سے، یہ رشتہ اس کے والدین کو کافی پسند آیا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ مستقبل قریب میں تم اس کی منگنی کی مٹھائی کھالو گے۔۔!''

امن کے کہنے پر سمیر اپنی جگہ ٹھٹک کر رک گیا تھا۔

''عدن کی شادی!'' وہ بڑبڑایا تھا۔ اسے کوئی چیز دل میں بری طرح چبھی تھی۔ ''یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔۔!'' سمیر کو اپنی بے وقوفی پر غصہ آنے لگتا ہے۔ وہ سالوں کے منصوبے بنا کر بیٹھا ہوا تھا اور وہاں عدن لمحوں میں کسی اور کے نام ہو جاتی۔

''ہاں تو کیا نہیں ہونی چاہیے۔۔!'' امن نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ چونکا۔

''ہونی تو چاہیے مگر صرف مجھ سے۔۔۔!''

سمیر نے مسکرا کر کہا اور امن کو حیرت میں ڈوبا چھوڑ کر چلا گیا۔ امن مسکرا اٹھی تھی۔

موبائل کی بجتی ٹون پر امن نے اطمینان سے موبائل اٹھایا۔ وہ جانتی تھی کہ اس وقت کس کا میسج ہوگا۔ سعد ان دنوں ملک سے باہر گیا ہوا تھا مگر وہ ہر روز اسے میسج کرنا نہیں بھولتا تھا۔ امن نے میسج کھولا۔

بھول جانا اُسے مشکل تو نہیں ہے لیکن۔۔

آسان کام بھی ہم سے کہاں ہوتے ہیں۔۔!

''اچھی بات ہے۔۔!'' امن نے مسکراتا ہوا ایموجی بھیج دیا تھا۔ دوسری طرف سعد بے ہوش ہونے کے قریب تھا۔

''زہے نصیب۔۔!'' سعد نے فورا لکھا تھا۔ امن نے مسکراتے ہوئے اگلا میسج پڑھا اور موبائل سائیڈ پر رکھ دیا۔

اس نے پہلے کی طرح میسج ڈیلیٹ نہیں کیے تھے۔

☆☆☆

ڈاکٹر حمزہ اپنے والدین کے ساتھ رشتہ لے کر فاروق شاہ کے گھر پہنچ گیا تھا۔ عدن کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

''اگر بابا نے ہاں کر دی تو۔۔!'' عدن کے چہرے کے اڑے رنگ دیکھ کر نائلہ پریشان ہو گئیں۔ فاروق شاہ نے آنے والے مہمانوں سے سوچنے کے لیے کچھ وقت مانگا۔ حمزہ پرامید ہو کر وہاں سے چلا آیا۔ رات فاروق نے نائلہ سے عدن کی مرضی پوچھی تو نائلہ کندھے اچکا کر رہ گئیں۔

''عدن نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا۔ میں دوبارہ بات کرتی ہوں اس سے'' اگلے دن وہ عدن کے پاس آئیں اور اس سے حمزہ کے رشتے کے بارے میں پوچھا۔ عدن گھبرا کر رونے لگی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ سمیر کے علاوہ کسی اور کے بارے میں اس نے نہیں سوچا۔ نائلہ اس کے رونے پر ٹھٹک گئی تھیں۔

''کیا عدن کسی کو پسند کرتی ہے؟'' وہ سوچ میں پڑ گئی تھیں۔ فاروق کو مزید ٹالنا آسان نہیں تھا۔ وہ عدن کی شادی جلد از جلد کر دینا چاہتے تھے۔ نائلہ تذبذب کا شکار تھیں انھوں نے کہا کہ وہ جلد اپنے فیصلے سے آگاہ کرے نہیں تو پھر ان کے فیصلے کو خوشی سے تسلیم کر لے۔

عدن کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیا کرے۔ وہ اسی پریشانی میں امن سے ملنے چلی آئی مگر امن سو رہی تھی۔ صبح سے کالے بادل چھائے ہوئے تھے۔ عدن نے بیسمنٹ سے آتی آوازوں پر اس طرف قدم بڑھا دیے۔

کھلے دروازے سے ہما اور سمیر گانے کی ریہرسل کرتے ہوئے نظر آئے۔ وہ کچھ دیر تک خاموشی سے دیکھتی رہی۔ پھر پلٹ گئی۔ نزہت اور حیدر مرتضیٰ گھر پر نہیں تھے۔ عدن باہر آئی تو تیز بارش شروع ہو چکی تھی۔ عدن بارش کی آواز سن کر بے ساختہ مسکرا دی۔ اسے بارش بہت پسند تھی۔ وہ گلاس وال سے لگ کر بارش دیکھتی رہی۔ پھر بے خود ہو کر باہر نکل گئی۔

ے سے شیڈ کے نیچے کھڑے ہو کر اس نے اپنے
وں ہاتھ آگے پھیلا دیے۔ بارش کے قطرے اس کی
یلی کو بھگونے لگے۔ سمیر ہما کو چھوڑنے باہر آ رہا تھا۔
ب گلاس وال سے نظر آتا منظر اسے ساکت کر گیا۔
"او مائی گاڈ! دیکھو یہ لڑکی سچ میں ابنارمل لگتی
ے،" ہما اسے دیکھ کر اپنے مزاج کی تلخی پر قابو نہیں رکھ
ی تھی۔ اس لیے ایک دم ہی بول پڑی۔
"دیکھ تو رہا ہوں...!" سمیر کا لہجہ کھویا کھویا سا تھا۔
ایک طرف وہ بارش سے بچنے کے لیے شیڈ کے
یچے کھڑی ہے اور دوسری طرف اپنے دونوں ہاتھ
پھیلا کر بارش کا پانی جمع کرنے کی کوشش کر رہی ہے!
تیز بولنے والی، بلاوجہ ہنسنے والی، بچوں کی طرح
شے پر ٹھہر دھند پر انگلی سے شکلیں بنانے والی..." کوئی
ہ سکتا ہے کہ اتنے مشہور اور قابل سرجن کی اکلوتی
... ہے یہ...!"
ہما ناک چڑھاتی حسب معمول شروع ہو گئی تھی۔
ر نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ ہما کی خوب
رتی، ناز و انداز، ادائیں سب سے جدا سہی مگر...!
ر نے گردن موڑی اور دوبارہ گلاس وال سے نظر
... کاسنی آنچل والی لڑکی کو دیکھنے لگا۔
"جس طرح دعا لبوں کی محتاج نہیں ہوتی ہے
س طرح محبت بھی کسی کے لیسن یا نصیحت کی محتاج
ں ہوتی ہے۔ میں نے اب جانا ہے کہ دل کے
وازے کی کنجی ہمارے پاس نہیں ہوتی ہے بلکہ اس
پاس ہوتی ہے جو ازل سے دل کا مکین ہوتا ہے
میں نے اپنے دل کے مکین کو پہچان لیا ہے۔"
"کیا مطلب...!" ہما نے الجھ کر اس کی
ف دیکھا تھا۔ سمیر بے ساختہ ہنس پڑا...!
"دیکھو میں آج اظہار بھی کر رہا ہوں تو کس
سامنے...!" سمیر نے اپنے گھنے بالوں میں
ھ پھیرا اور پھر سوچتے ہوئے بولا۔ "تم جانتی ہو
ے نزدیک محبت کیا ہے؟" ہما کی سوالیہ نگاہوں
حیرت کا رنگ بھی نمایاں تھا۔ "میرے لیے محبت وہ
ں میں بھیگتی لڑکی ہے...!"

"سمیر...!!" ہما کی آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں۔ مگر سمیر مبہوت کھڑا سامنے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اس کا ہنسنا محبت ہے، اس کا رونا محبت ہے، اس کا ضد کرنا، مجھ سے روٹھنا اور پھر مان جانا محبت ہے...! اب میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ میرے لیے محبت ایک ایسے گونگے، بہرے لفظ کی مانند ہے اگر میری زندگی میں وہ نہیں ہے...! محبت ایک لفظ تھا۔ جس کے معنی مجھے اس نے سمجھائے ہیں! اور محبت بھری زندگی کے معنی میں اسے دوں گا...!"

سمیر کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی ہما وہاں سے جا چکی تھی۔

اُسے بارش پسند ہے
مجھے بارش میں وہ...!
اُسے ہنسنا پسند ہے
مجھے ہنستے ہوئے وہ...!
اُسے بولنا پسند ہے
مجھے بولتے ہوئے وہ...!
اُسے سب کچھ پسند ہے
اور مجھے صرف وہ...!

"مجنوں صاحب! ہوش کی دنیا میں آ جائیں۔ آپ کی "صرف وہ" تشریف لے جا چکی ہیں!"

امن نے سمیر کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ سمیر چونکا۔ عدن وہاں موجود نہیں تھی۔ سمیر کو ایسے لگا جیسے بارش یکدم سوکھ گئی ہے۔ ساری کائنات کے رنگ کہیں کھو گئے ہیں۔

"کیا میں نے دیر کر دی ہے امن آپی!" سمیر کے لہجے میں کچھ کھونے کا خدشہ بول رہا تھا۔

"محبت جب تک پاس ہے، سمجھو سارا وقت آپ کے ہاتھ میں ہے مگر جب ایک بار محبت آپ کے ہاتھ میں سے نکل جاتی ہے تو پھر چند لمحوں کی دیر بھی صدیوں کے فاصلے بنا دیتی ہے...! محبت ایک طلسم کدہ ہے میرے بھائی...!" امن نے اسے حوصلہ دیا تھا۔

سمیر اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

''عدن کے رشتے کے لیے کچھ لوگ آنا چاہ رہے ہیں''

رات کھانے کے بعد عدن، فاروق کے ساتھ بیٹھی باتیں کررہی تھی۔ جب اچانک نائلہ نے کہا۔ فاروق شاہ کے ساتھ عدن بھی چونکی تھی۔

''کون لوگ ہیں؟'' انھوں نے سنجیدگی سے پوچھا۔ عدن کا رنگ زرد پڑا تھا۔ وہ باپ کا ہاتھ تھام کر بولی۔

''بابا! مجھے کسی سے شادی نہیں کرنی ہے اور اس ڈاکٹر حمزہ سے تو ہرگز نہیں۔۔! وہ بہت خود غرض اور عجیب سے ہیں۔ صرف اپنے لیے سوچنے والے۔۔'' عدن نے کہنے پر فاروق شاہ نے گہری نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''تم کیسے کہہ سکتی ہو عدن!''

''بس مجھے وہ اچھے نہیں لگتے'' عدن نے بچوں جیسی معصومیت سے کہا۔ فاروق شاہ چاہتے ہوئے بھی نہیں مسکرا سکے۔ وہ عدن کے سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گئے۔

''میں نے حمزہ کے رشتے سے کل ہی منع کر دیا تھا اور اسے جاب سے بھی فارغ کر دیا ہے۔ اس کا یہاں ذکر نہیں ہو رہا ہے۔ تمہاری مما دوسرے رشتے کی بات کر رہی ہیں۔'' فاروق شاہ کے کہنے پر عدن چونکی تھی۔

''آپ نے انھیں جاب سے نکال دیا مگر کیوں بابا۔'' عدن کے لہجے میں حیرت تھی۔

''دنیا ویسی نظر نہیں آتی میری بچی! جیسا ہم سمجھ لیتے ہیں! اس میں کوئی شک نہیں کہ میں حمزہ کو بہت پسند کرتا تھا مگر کچھ دن پہلے اتفاق سے اس کے نادر خیالات کا پتا چل گیا۔ حمزہ نے ایک محفل میں بیٹھ کر اپنے کچھ دوستوں کو بہت فخریہ بتایا تھا کہ تم اس میں انوالو ہو۔۔! اور تمہارے مجبور کرنے پر ہم یہ شادی کر رہے ہیں! وہ بڑھکیں مارتا ہوا یہ بھول گیا تھا کہ عزت اور ذلت دینے والی ذات صرف خدا کی ہے۔ اس خدا نے ہی مجھے اس کا اصلی چہرہ دکھایا تھا۔ اس کے دوستوں میں سے ایک دوست میرے قریبی کولیگ افتخار کا بیٹا تھا۔ اس نے یہ بات اپنے والد کو بتائی۔ افتخار میری فیملی سے بہت اچھی طرح واقف ہے۔ اس نے مجھ سے بات کی۔ میں نے اسی وقت حمزہ کو اپنے آفس بلا لیا اور افتخار کے سامنے ساری بات پوچھی۔ وہ گھبرا گیا تھا اور آئیں بائیں شائیں کرنا لگا۔ میں اس کی شخصیت کے دوغلے پن سے واقف ہو گیا تھا۔ اس لیے اسے ریزائن دینے کو کہا۔

مگر اب سوچتا ہوں تو دل کانپ جاتا ہے کہ میں ایسے شخص سے اپنی بیٹی کی شادی کرنے جا رہا تھا۔''

فاروق شاہ نے تاسف سے کہا۔ عدن حیرت سے منہ کھولے سنتی رہی۔

''بابا میں ایسی نہیں ہوں۔۔!'' عدن نے پریشانی سے کہا تو انھوں نے اس کا ہاتھ تھپک کر تسلی دی۔

''مجھے اپنی بیٹی کے بارے میں کوئی ابہام نہیں ہے! تم پریشان مت ہو!''

''اس لیے فاروق میں نہیں چاہتی کہ ہم دوبارہ کوئی رسک لیں۔۔! یہ لوگ ہمارے دیکھے بھالے ہیں اور۔۔!'' نائلہ فوراً بولی تھیں۔

''کس کی بات کر رہی ہو!'' فاروق شاہ نے الجھتے ہوئے پوچھا۔

''سمیر کی۔۔! نزہت کا فون آیا تھا۔ وہ لوگ کل آنا چاہ رہے ہیں۔''

''سچ میں مما۔۔!'' عدن ایک دم پُرجوش ہو کر اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔ پھر فوراً ہی شرمندہ ہو کر وہاں سے بھاگ گئی۔

فاروق شاہ اور نائلہ نے بیٹی کے چہرے پر سچی خوشیوں کے رنگ دیکھ لیے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا دیے۔

☆☆☆

''یہ غلط ہے۔۔! میں ایسا نہیں ہونے دوں گا'' سمیر نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے شور مچایا تھا۔ امن جو بہت مگن سی ڈیزائن دیکھ رہی تھی۔ چونک کر متوجہ ہوئی۔

''فارگارڈ سیک سمیر۔۔ میری جان چھوڑ دو اب

! مجھے بھی فنکشن کی تیاری کرنے دو ہر چھوٹی بات پر رونے بیٹھ جاتے ہو! بچے نہیں ہو تم!'' امن کے کہنے پر سمیر کی سنہری آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

''چھوٹی سی بات۔۔۔!'' سمیر کو صدمہ ہوا تھا۔

''او ہیلو آپی! آپ بھول رہی ہیں آپ کے اکلوتے شہزادے بھائی کی منگنی ہے! جو مستقبل کا مشہور سنگر بھی ہے۔ کچھ قدر کرو میری!''

''ویسے سچ میں بندہ ایسے عزت مانگتا ہوا، بہت عجیب لگتا ہے۔۔۔!'' امن نے مزے سے کہا تھا۔

''اور ویسے بھی کیا فائدہ ایسی شہرت اور عزت کا، جب بندے کی ذاتی منگیتر ہی لفٹ نہ کروائے۔۔۔!'' امن اسے چھیڑ رہی تھی۔ سمیر تڑپ ہی اٹھا۔

''دیکھ لوں گا اسے بھی۔۔۔! بہت نخرے دکھا رہی ہے۔ ساری شاپنگ اکیلے اکیلے کر لی! نہ مجھ سے بات کر رہی ہے اور نہ میری فون کالز ریسیو کر رہی ہے۔۔۔! ایک اچھا بندہ کیا مل گیا ہے، عام سی لڑکی کے نخرے ہی بڑھ گئے ہیں۔۔۔!''

سمیر اور عدن کی جب سے بات طے ہوئی تھی۔ اس کی شوخیاں اور شرارتیں عروج پر تھیں۔

''ویسے ایک آئیڈیا ہے میرے پاس۔۔۔!'' امن نے کہا تو سمیر جلدی سے بولا۔

''وہ کیا؟''

''تم منگنی ہی توڑ دو۔۔۔! اچھا سبق ملے گا اس عام سے لڑکی کو۔۔۔!'' امن کے کہنے پر سمیر کا جوش جھاگ کی طرح بیٹھا تھا۔

''نہیں خیر اب اتنا بھی غصہ نہیں ہے مجھے اس پر۔۔۔! اب عام سی لڑکی کا کیا دل توڑنا۔۔۔!''

''جی جی بڑی مہربانی آپ کی۔۔۔!'' امن کے کہنے پر سمیر کھسیانی ہنسی ہنس پڑا۔ پھر کچھ سوچ کر بولا۔

''کیا وہ مجھ سے بہت ناراض ہے آپی!''

''کیا اسے نہیں ہونا چاہیے؟ سمیر ایک شخص جو بچپن سے تمہارے لیے اتنا خاص تھا، جس کے نخرے اٹھا کر تم تھکتے نہیں تھے، اسے منانے کے لیے بار بار سوری کہتے تھے۔ اس کی ہنسی دیکھ کر تم خوش ہو جاتے تھے۔ پھر ایسا کیا ہوا کہ ایک دم ہی وہ شخص وقت کی ترجیحات میں بہت پیچھے رہ گیا تھا۔۔۔! تم اس کے ساتھ ہنسنا، بولنا، بات کرنا بھول جاتے ہو۔۔۔! بات صرف محسوس کرنے کی ہے۔

''اب کیا کروں؟'' سمیر پشیمانی سے کہتا ہے۔

''تم نے عدن کو جو مان ہمیشہ دیا تھا، بس اسے وہ لوٹا دو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

امن کے سمجھانے پر سمیر سر ہلا کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

''مجھے یہاں کیوں لے کر آئی ہیں امن آپی!''

فارم ہاؤس پر ابھی مہمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا۔ جب امن تیار عدن کا ہاتھ پکڑ کر اسے بڑے سے سوئمنگ پول کی طرف لے آئی۔

''تم یہاں رکو! ایک سرپرائز ہے تمہارے لیے۔۔۔!'' امن نے کہا اور فوراً سے پہلے وہاں سے چلی گئی۔

عدن اپنے پاؤں تک آتے گاؤن میں الجھتی پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ جب اسے گٹار کی دھن سنائی دی۔ وہ ایک دم پلٹی۔ سمیر گٹار بجاتے ہوئے اپنی خوبصورت آواز میں گا رہا تھا۔

چھوڑو بھی گلہ۔۔۔!

ہوا جو ہوا۔۔۔۔!

لہروں کی زبان کو ذرا سمجھو

سمجھو کیا کہتی ہے ہوا۔۔۔!

تم ناراض ہو۔۔۔۔!

میرے دل کے کتنے پاس ہو

نازک نازک سی، میرے جینے کی آس ہو۔۔!

میرا کیا قصور، کیوں ہو مجھ سے دور

ساتھی خفا ہو جب کسی سے

جیون میں اس کے کیا سرور

تم ناراض ہو۔۔۔!

سمیر نے سجاد علی کا سونگ اتنی خوب صورتی سے گایا کہ عدن حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتی، سب ناراضی بھول کر مسکرانے لگی۔ جیسے ہی اس نے

گانا ختم کیا۔ عدن نے جوش میں تالیاں بجائی۔ پھر فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا تو منہ بنا کر رخ پھیر لیا
"ایکسکیوزمی مس۔۔۔! سوری کہنے سے بات بن جائے گی!" سمیر نے پاس آکر کہا تو عدن نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا اور اثبات میں سر ہلایا۔
"ہاں مگر کان پکڑ کر۔۔۔!" عدن کی شرط پر سمیر تلملا کر رہ گیا مگر پھر ضبط کرتے ہوئے بولا
"لوگ کیا کہیں گے؟"
"میرا مسئلہ نہیں۔۔!" عدن نے کٹھور بنتے ہوئے کہا تو سمیر نے گہری سانس لے کر اپنے دونوں کان پکڑے اور تین بار اسے سوری کہا۔
"اب خوش محترمہ۔۔! ایک بار کی سوری سے تمہاری تسلی نہیں ہوتی نا۔۔!" سمیر کے منہ بنانے پر عدن کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ سمیر بھی مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کی نظروں سے خائف ہوتی، وہ وہاں سے جانے کے لیے مڑی۔ جب اس کی نظر سامنے سے آتے ہوئے شخص پر پڑی۔ ایک خیال بجلی کی تیزی سے چمکا تھا۔ وہ سمیر کی طرف مڑی۔ جو سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ عدن نے پاس آکر جو اسے کہا، اسے سن کر سمیر کے ماتھے پر لکیریں نمایاں ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

"امن آپی!" سمیر نے بہن کا ہاتھ تھام لیا۔ پھولوں کی ٹوکری ہاتھ میں پکڑے امن چونک گئی۔
"کیا ہوا؟" امن نے حیرت سے اس کی پریشان چہرے کی طرف دیکھا تھا۔
"امن آپی۔ ہال میں وہ سب ایک فیصلہ کر رہے ہیں کہ۔۔۔!" سمیر کہتے کہتے رک گیا۔
"کیسا فیصلہ۔۔!" امن نے ڈرتے ہوئے پوچھا تھا۔
"امن آپی! آپ کیوں محبت کو ہاتھ سے جانے دے رہی ہیں سعد بھائی رخسانہ پھپھو اور آپ سے بہت شرمندہ ہیں۔ وہ اس کشمکش سے تنگ آگئے ہیں۔ انھوں نے فیصلہ کیا ہے کہ اگر آپ ان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تو وہ آپ کو۔۔۔" سمیر کے کہنے پر

امن کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔

''میں نے خود سنا ہے۔ آپ کو یقین نہیں تو خود پوچھ لیں۔ سعد بھائی اور ڈیڈ۔۔۔!'' سمیر کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی امن بھاگتی ہوئی وہاں سے نکلی۔ اسے کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ اسے لگا کہ اگر وہ دیر کرے گی تو محبت سچ میں اس کے ہاتھوں سے ہمیشہ کے لیے نکل جائے گی۔ وہ سیڑھیاں اترنے لگی تھی، جب اس کی نظر سیڑھیوں کے اختتام پر کھڑے سعد پر پڑی۔ اس کے ہاتھ سے ٹوکری چھوٹی اور سارے پھول سیڑھیوں پر بکھر گئے۔ سعد نے اپنے پاؤں کے پاس گری خالی ٹوکری اٹھائی اور ایک ایک سیڑھی پر قدم رکھتا، سرخ گلاب چنتا، آگے بڑھتا گیا۔ امن کے پاس پہنچ کر اس نے ہاتھ میں پکڑی پھولوں سے بھری ٹوکری اس کی طرف بڑھائی تھی۔ امن کی آنکھوں سے تیزی سے آنسو بہہ رہے تھے، اس نے روتے ہوئے سعد کا بازو تھام لیا۔

سعد نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

''کیا آپ مجھے چھوڑ دیں گے؟'' امن کا لہجہ خوف زدہ تھا۔ سعد نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''ایک تمہیں ہی تو نہیں چھوڑ سکا میں آج تک۔۔۔! ہاں شاید یہ زندگی چھوڑ دوں گا میں!'' سعد نے مایوسی سے کہا۔

''اللہ نہ کرے!'' امن نے دل پر ہاتھ رکھا تھا۔

''امن کیا تم مجھے ایک بار معاف نہیں کر سکتیں اس محبت کے صدقے جو تمہیں اختیار ہوتے ہوئے بھی کسی اور کا نہیں ہونے دے رہی۔'' سعد نے امید بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔

''معاف تو بہت پہلے کر چکی تھی بس تسلیم نہیں کر پا رہی تھی۔ مگر آج یہ سن کر کے سب نے فیصلہ کر لیا ہے تو۔۔۔!'' امن نے پریشانی سے کہا۔

''فیصلہ! کیسا فیصلہ!'' اب کی بار سعد چونکا تھا۔ امن کچھ کہتے کہتے رکی۔ اس کے ذہن میں یکدم کچھ کلک کیا تھا۔۔۔

''آج ان دونوں کی خیر نہیں۔۔۔! دیکھتی ہوں انہیں!'' امن سب سمجھتے ہوئے غصے سے سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔ جب سعد نے ہاتھ پکڑ کر اسے روکا۔ امن نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ سعد نے پھولوں کی ٹوکری اس کی طرف بڑھائی تھی۔ جسے امن نے مسکراتے ہوئے تھام لیا تھا اور تیزی سے سیڑھیاں اتر گئی تھی۔

سمیر اور عدن کسی بات پر ہنس رہے تھے۔ جب امن نے پاس آ کر ہاتھ میں پکڑے پھول ان پر انڈیل دیے۔

''امن آپی! آپ کا غصہ پھولوں جیسا ہوتا ہے۔ پہلے بتانا تھا۔ ایسے ہی اتنے سال سعد بھائی کو ڈراتی رہیں۔'' سمیر ہنستے ہوئے اسے چھیڑ رہا تھا۔ سعد بھی وہاں آ گیا تھا۔

''تمہیں تو میں دیکھ لوں گی! شرم نہیں آتی جھوٹ بولتے ہوئے!'' امن نے تپ کر کہا تھا۔

''امن آپی! یہ سارا پلان اس معصوم لڑکی کا تھا۔ جس کی سائڈ آپ ہمیشہ لیتی رہی ہیں۔'' سمیر نے فوراً کہا تو امن نے عدن کی طرف دیکھا۔ دونوں کی نگاہیں ملیں۔ پھر دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ امن نے عدن کو گلے سے لگا لیا۔

''دیکھ لیں سعد بھائی! یہاں تو الٹی گنگا بہہ رہی ہے۔۔۔!'' سمیر نے حیرت سے کہا تو سعد نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا تھا۔

''کبھی کبھی بہت سے کیے الٹے کام، قسمت کی راہوں کو سیدھا بنا دیتے ہیں۔ بس آپ کی نیت صاف ہونی چاہیے!''

سعد نے سمیر سے کہا اور دل میں اپنے رب کا شکر ادا کرنے لگا۔ جس نے اس کی زندگی کی الجھی ڈور کو بہت محبت سے سلجھا دیا تھا۔

☆☆

مقدس مشعل

"اماں! مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔" وہ کچھ جھجکتی ہوئی اماں کے قریب چٹائی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ اماں لہسن چھیلنے میں مصروف تھیں۔ وہ عید کے تینوں دنوں کے لیے عید سے ایک دن پہلے لہسن چھیل کر فریج میں رکھ دیا کرتی تھیں۔

"ہاں بول، کیا کہنا ہے؟" وہ اپنے کام میں منہمک سرسری سے انداز میں بولیں۔

"اماں وہ میری سہیلی سائرہ ہے نا۔ وہ مصیبت میں ہے اور خالہ ساجدہ بھی بہت پریشان ہیں۔ سائرہ کے سسرال والے جس دن شادی کی تاریخ طے کرنے آئے تھے باتوں باتوں میں سنا گئے کہ ان کے لڑکے کو سلامی میں بائیک چاہیے۔ بارات میں لڑکے کے امیر

دوست اور ملنے جلنے والے ہوں گے۔ ان کی عزت کا معاملہ ہے اور یہ کہ ان کے ہاں بہویں ہاتھ، کان، ناک خالی لیے نہیں آتیں۔ بس اس دن سے وہ لوگ پریشان ہیں۔ عید کے آٹھ دن بعد اس کی شادی ہے اور ابھی تک ان کا یہ مسئلہ حل نہیں ہوا۔ سائرہ بے چاری تو بے حد پریشان ہے۔ اس کی شادی ہے مگر وہ کوئی بھی چیز شوق سے نہیں بنوا رہی۔ اس کے کپڑے بھی میں پسند کر رہی ہوں۔ اسے تو یہی خوف کھائے جا رہا ہے کہ سسرال والوں کی ڈیمانڈز پوری کیے بغیر سسرال گئی تو وہ کیا سلوک کریں گے اس سے؟" اس نے پوری بات اماں کے گوش گزار کی۔

"آئے... ہائے... کیسے لالچی، بے ہدایتے لوگوں سے پالا پڑ گیا ان کا۔ میں دن رات سوچتی ہوں میری حلیمہ میں خوب صورتی کی کمی ہے۔ یہ کمی نہ ہوتی تو کب کا رشتہ طے ہو چکا ہوتا۔ یہ اپنی سائرہ میں کس چیز کی کمی ہے۔ گوری چٹی اتنی سوہنی کہ نظریں نہیں ہٹتیں اس پر سے۔ بارہ جماعتیں پاس ہے۔ ہر کام کا طریقہ سلیقہ ہے۔ اور اس کے سسرال والوں نے اتنے پھیرے کاٹ کر منتوں، سماجتوں سے رشتہ لیا تھا اس کا۔ اس وقت کہتے تھے ہمیں صرف لڑکی چاہیے، اب ابھی سے اوقات دکھا دی اپنے ظرف کی۔ فٹے منہ ان کا۔ میں ساجدہ کی جگہ ہوتی تو رشتہ ہی ختم کر دیتی۔" خورشید بیگم جذباتی انداز میں بولیں۔

"اماں وہ لوگ ایسا نہیں کر سکتے، عزت کا معاملہ ہے۔ لوگ کہیں گے نہ جانے ایسی کیا بات ہوئی کہ عین وقت پر رشتہ ٹوٹ گیا۔" وہ اماں کو سمجھانے والے انداز میں بولی۔

"ہاں یہ تو ہے... لوگوں کے منہ کس نے پکڑ لینے ہے۔ لڑکیوں کے معاملات نازک ہوتے ہیں۔ ایک بار رشتہ ٹوٹے، سو بار انگلیاں اٹھتی ہیں۔" خورشید بیگم نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"اماں ہم ان کی مدد کر سکتے ہیں۔" وہ کچھ لجاجت سے بولی۔

"تو کیا چاہتی ہے ہم انہیں قرض دے دیں۔" خورشید نے سمجھتے ہوئے کہا۔

"ہاں اماں... مگر غیر مقررہ مدت تک... یعنی کہ جب تک وہ لوگ خود آسانی سے نہ دے سکیں ہم مطالبہ نہیں کریں گے۔" اس نے اماں کو صاف الفاظ میں کہا۔

"اچھا تو پھر... بیس ہزار تک ہی دے سکتی ہوں۔" اماں نے بلا تردد کہا۔

"اماں اس سے کیا ہو گا۔ نہ زیور بن سکے گا اور نہ ہی وہ اتنے میں بائیک لے سکیں گے۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

"اے لو تو، تو کیا چاہتی ہے؟" اماں نے گھوری چڑھا کر اسے دیکھا۔

"اماں میں چاہتی ہوں آپ نے جو زیور میرے لیے بنوا کے رکھا ہے۔ وہ ابھی ہم سائرہ کو دے دیتے ہیں۔ میری جب شادی ہو گی تب دیکھی جائے گی۔" اس کی بات پر اماں اپنا کام بھول کر اسے یوں دیکھنے لگیں گویا وہ اپنے ہوش و حواس میں نہ ہو۔

"اے لڑکی ہمدردی کا بخار زیادہ نہیں چڑھ گیا تجھے... دماغ چل گیا کیا۔ تیرا زیور درخت سے نہیں اترا، نہ ہی زمین سے نکلا ہے۔ پردیس میں تیرے بھائی محنت کرتے ہیں۔ پسینہ بہاتے ہیں۔ مظہر ٹیکسی چلاتا ہے تو اظہر ہوٹلوں میں برتن دھوتا ہے۔ تب جا کر ہم یہاں عیش میں رہ رہے ہیں۔ چار پیسے جمع کر کے تیرا زیور بنوایا ہے۔ آج اسے دے دیں، کل تجھے خالی ہاتھ رخصت کر دوں؟ چل جا کر دماغ درست کرا اپنا۔" اماں نے کھری کھری سناتے ہوئے آخر میں بری طرح گھر کا۔

"اماں کل بڑی عید۔ قربانی کی عید ہے۔ یہ عید مسلمانوں کو ایثار اور قربانی کا درس دیتی ہے۔ ایک مسلمان مصیبت میں مبتلا اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی مدد کرے تو یہ عمل اللہ کی بارگاہ میں بڑا محبوب عمل ہے۔ سنت ابراہیمی علیہ السلام کو امت محمدیہ میں اس لیے رائج کیا گیا کہ مسلمان اس سنت سے ایثار کرنا سیکھیں۔ اپنا ظرف کمال کو پہنچانا سیکھیں۔ جانور کی

قربانی سے سنت ابراہیمی علیہ السلام کی ادائیگی تو ہو جاتی ہے مگر ہم اس کی حقیقت کو پہچان نہیں پاتے۔ اس کی روح کو سمجھ نہیں پاتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا عزیز از جان بیٹا اللہ کی رضا پانے کے لیے قربانی کے لیے پیش کردیا اور اللہ نے انہیں آزمایا تھا۔ وہ آزمائش پر ثابت قدم نکلے تو انہیں ان کا بیٹا بھی مل گیا اور ان کی سنت آج تک مسلمانوں میں موجود ہے اور قیامت تک اب یہ عمل جاری رہے گا ان شاء اللہ۔ ان کا لقب خلیل اللہ ہے یعنی اللہ کا دوست۔۔۔ اماں وہ نبی تھے۔ مگر آزمائے گئے۔ ہم تو عام سے بندے ہیں۔ سائرہ میری بچپن کی سہیلی ہے۔ ہم ساتھ پڑھے ہیں۔ ساتھ کھیلے ہیں اور ساتھ بڑے ہوئے ہیں۔ وہ غریب ہے، پہلے ہم بھی تو غریب تھے۔ ہم بچپن میں ہر چیز آپس میں تقسیم کرتے تھے اپنی کتابیں۔۔۔ قلم دوات اور کھانے پینے کی چیزیں۔ مگر ہمیں کبھی پروا نہ ہوئی تھی کہ چیز بانٹنے سے کم ملے گی یا کوئی مسئلہ ہوگا۔ اماں اب وہ مصیبت میں ہے۔ میں اس قابل ہوں کہ اس کی مدد کرسکوں ڈیڑھ سال ہوگیا اماں جب میرا زیور بنوایا تھا۔ آج تک پڑا ہے۔ ابھی تک میرا رشتہ طے نہیں ہوا، جب ہوگا تب جو قسمت میں ہوا مل جائے گا، مگر سائرہ کا رشتہ آج مشکل میں ہے۔ میری اتنی سی قربانی سے اگر اس کا رشتہ قائم رہتا ہے اور وہ خوش و خرم زندگی پالیتی ہے تو مجھے بڑا سکون مل جائے گا اور اگر میں استطاعت رکھتے ہوئے بھی اپنا ہاتھ کھینچے رکھوں گی تو کیا ہوگا۔ مجھے ایک خلش رہے گی اور ہوسکتا ہے یہ زیور میرے کسی کام نہ آسکے۔"

"ایسا تو نہ بولا کر۔۔۔ زبان سے بات نکالتے ہوئے سوچتے ہیں۔" اماں ہولا کر درمیان میں ہی بول پڑیں۔

"اماں۔۔۔ نہ جانے کیوں سائرہ کی سوجی روئی آنکھیں دیکھ کر مجھے لگتا ہے آج وقت مجھ سے یہ ذرا سی قربانی مانگتا ہے۔ اماں آج ہماری وجہ سے کسی کا گھر بس جائے۔ کسی کو خوشیاں مل جائیں۔ کیا یہ عمل ہمیں مصیبت یا تنگ دستی میں ڈال سکتا ہے؟ نہیں نہ اماں۔۔۔ کیونکہ مسلمان کا نیک عمل اور ایثار کبھی رائگاں نہیں جاتا۔ اماں بس دل بڑا کرنے کی بات کی ہے۔" مدلل انداز میں سمجھاتی حلیمہ کا لہجہ ملتجی تھا۔ اماں کو قائل ہونا ہی پڑا۔

"اچھا تو اپنے من کو سکون دے لے، مگر کان کھول کر سن لے لڑکی۔۔۔ اپنی بھابھی کو علم نہ ہونے دینا، وہ الٹی سیدھی باتیں کرکے مظہر کا دماغ خراب کرے گی۔" اماں نے اس کی بات مانتے ہوئے ہدایت بھی جاری کی۔ وہ مسکرا کر سر ہلانے لگی۔ پھر نظر احمر (بھتیجا) پر پڑی۔ جو صحن میں بائیں طرف والی دیوار میں لگے کھونٹے کے ساتھ بندھے بکروں کو اداس نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ایک سفید بکرا جس کی کمر اور سر پر مہندی دو دن پہلے لگائی گئی تھی۔ دوسرا بھورا سا تھا، مہندی اسے بھی لگائی گئی تھی۔ یہ دونوں قربانیاں اس بار اظہر اور مظہر کی تھیں۔ ورنہ پچھلے سالوں میں گائے میں حصہ ڈالا جاتا، جبکہ چند سال قبل وہ لوگ قربانی دینے کے قابل ہی نہ ہوتے تھے۔ مظہر اور اظہر یکے بعد دیگرے سعودی عرب گئے تو حالات نے پلٹا کھایا۔ وہ دھیرج دھیرج چلتی احمر کے قریب آگئی۔ چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"میرا شونا (سوہنا) سا بھتیجا کیوں اداس ہے؟" وہ اس کے قریب آکر اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

"پھوپھو یہ بکرے کل ذبح ہوجائیں گے۔ تو پھر میں انہیں نہیں دیکھ سکوں گا اور نا ہی باہر گھمانے لے جاسکوں گا۔" بارہ سالہ احمر اداسی سے بولا۔

"ارے میرے لال، ہم انہیں قربانی کے لیے ہی تو لائے تھے۔۔۔ اور قربانی ہم ثواب حاصل کرنے کی نیت سے کرتے ہیں اور اللہ کی رضا کے لیے جب قربانی دی جائے تو اداس نہیں ہوتے۔ بلکہ اس کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس رب نے ہمیں اس قابل بنایا۔ دیکھو کتنے لوگ ہیں جو قربانی نہیں کرسکتے جیسے تمہارا دوست دانش۔۔۔ وہ لوگ غریب ہیں۔ بکرا نہیں خرید سکے۔ مگر ان کے دل میں حسرت ہوگی قربانی کرنے کی۔۔۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ تمہارے گھر سے دو بکروں کی

قربانیاں کی جارہی ہیں۔" اس نے رسان سے احمد کو سمجھایا۔ وہ کچھ کچھ بات کو سمجھتے ہوئے سر ہلانے لگا۔ افسردگی بھی خاصی حد تک کم ہوگئی۔

☆ ☆ ☆

"نہ آپا خورشید' اتنا بڑا قرض ہم نہیں لے سکتے۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنے بھائی سے چالیس ہزار قرض لیا ہے۔ سائرہ کے ابا تو اس کے لیے بھی نہ مانتے تھے۔ وہ کہتے ہیں آج قرض لے لیں' کل کو واپس بھی کرنا ہے۔ یہ نہ ہو ہم مزید تنگ دست ہو جائیں۔ اس لیے ابھی سے چادر دیکھ کر پاؤں پھیلاؤ۔" خورشید بیگم نے بیس ہزار روپے کے ساتھ سونے کے دو کڑے اور ایک سیٹ ساجدہ کے سامنے رکھا تو وہ بوکھلا کر بولیں۔

"اری میں قرض نہیں دے رہی۔ سائرہ میری حلیمہ کی سہیلی ہے اور مجھے حلیمہ کی طرح عزیز ہے۔ یہ اس کی شادی کا تحفہ سمجھ کر رکھ لے۔ لڑکے والوں نے بائیک کا مطالبہ کیا ہے۔ ان بیس ہزار میں اور رقم ڈال کے لے لے' لڑکی عزت سے رخصت ہو جائے گی۔ آج کل لوگ ایسے ہی ہیں ندیدے' مطلبی سے' شرم لحاظ نہیں ہے ان لوگوں میں۔ ان کو سب مل جائے گا تو خود ہی سیٹ ہو جائیں گے۔" خورشید نے ہمدردانہ انداز میں کہا۔

"کیا کروں آپا.... عین وقت پہ اپنا لالچ دکھایا ہے سائرہ کے سسرال والوں نے' ہماری تو سمجھو نیندیں اڑ گئی ہیں۔ اب بعد میں نہ جانے کیا کریں گے۔" ساجدہ افسردگی سے بولیں۔

"کچھ نہیں کریں گے۔ ایسے لوگوں کو شادیوں پر نمود و نمائش کا شوق ہوتا ہے۔ بعد میں تنگ نہیں کریں گے۔ آخر انہوں نے سب حالات دیکھ کر ہی رشتہ کیا تھا۔ بس یہ زیور رکھ لے۔ اگر بیچ کر کچھ اور بنانا ہے بنالے یا ایسے ہی سائرہ کو چڑھا دے۔" خورشید نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"آپا تو اتنا بڑا احسان نہ کر ہم پہ' جس احسان کے بدلے انسان کچھ کر نہ سکے' وہ بھی بوجھ ہی ہوا نا۔" ساجدہ کشمکش میں تھیں۔

"اری ساجدہ.... میں یہ تجھے کبھی نہیں جتاؤں گی نہ ہی اس کے بدلے کچھ مانگوں گی۔ ہاں اگر کبھی تیرے حالات بدلتے' تجھے آسانی ہوئی اور تو کرسکی تو اتنا ہی زیور بنوا دینا۔ اگر نہ کرسکی تو تجھے کبھی کوئی یاد بھی نہیں کرائے گا۔ بس تو رکھ لے ابھی بھرا طفیل کو بھی میں سمجھا دوں گی۔ موقع کی نزاکت کو سمجھنا چاہیے۔" خورشید کا انداز بڑی بہن کا سا تھا۔ ساجدہ مشکور سی نظر آنے لگیں۔

"خورشید آپا تیرا دل کتنا بڑا ہے' اللہ تجھے اس سے بھی بڑا صلہ دے۔" وہ تشکر آمیز انداز میں بولیں۔

"دل تو میری حلیمہ کا بڑا ہے۔ بس دل سے دعا کرنا' اس کا رشتہ کسی اچھے سے لڑکے سے ہو جائے۔" خورشید نے کہا۔

"اللہ اس کے نصیب بہت اچھے کرے۔ میرے اکرم نے اسکول ماسٹر کی نوکری کے لیے اپلائی کیا ہے۔ اسے ملازمت مل گئی تو میری پوری کوشش ہوگی میں آپ کا یہ قرض اتار دوں۔" ساجدہ نے اپنی مجبوری سے سمجھوتا کرتے ہوئے کہا۔ حلیمہ سائرہ کے پاس بیٹھی نہ جانے کیا کھسر پھسر کر رہی تھی۔ جب خورشید نے آواز دی۔

"چل آجا حلیمہ' رات کافی ہوگئی' گھر چلیں اب.... کل عید ہے گھر میں بھی کام ہے۔"

"اچھا آرہی اماں۔" حلیمہ نے جواباً ہانک لگائی۔

☆ ☆ ☆

"حلیمہ کل اتوار ہے۔ کچھ لوگ آرہے ہیں تجھے دیکھنے۔ چہرے پہ بیسن وغیرہ لگا' کوئی رونق شونق آجائے۔ دیکھ تیرے پاؤں کے ناخن بڑھے ہیں' میل ہے ان میں' ان کو کاٹ کر صاف کر۔" دال چنتی بھابھی نے کہا تو وہ جو سلائی مشین رکھے احمر کا کرتا سی رہی تھی بے حد بدمزا ہوئی۔

"بھابھی' میں اکتا گئی لوگوں کے سامنے اپنا آپ پیش کرتے۔ اب میں کسی کے سامنے نہیں جاؤں گی۔ اتنی ذلالت برداشت نہیں ہوتی۔ شادی ہونی ہوگی تو

بغیر ان سیاپوں کے بھی ہوجائے گی۔ نہیں ہے قسمت میں شادی ہونا' تو اتنے لوگوں کی خاطر تواضع کرکے بھی نہیں ہوگی' بس اب میں نے اللہ پہ توکل کرلیا' جس نے مجھے بنایا ہے' وہی جانے کہ اس نے میرا جوڑ بنایا ہے یا نہیں۔" وہ لاپروائی سے بولی۔

"تو لڑکا آسمان سے تھوڑی ٹپکے گا ایسے ہی رشتے ہوتے ہیں۔" بھابھی کچھ تعجب سے بولیں۔

"جو بھی ہے بھابھی اب میں خود کو نمائش کے لیے پیش نہیں کروں گی۔" وہ اٹل پن سے بولی۔

پانچ بہن' بھائیوں میں حلیمہ کا نمبر تیسرا تھا۔ دو بڑے بھائی مظہر اور اظہر۔ اس کے بعد حلیمہ' پھر عامر تھا اور سب سے چھوٹی نویدہ۔ مظہر کی شادی کو تیرہ سال ہوچکے تھے۔ اس کی شادی چھوٹی عمر میں کردی گئی تھی۔ اظہر کی خالہ کے گھر منگنی ہوئے تین سال ہوگئے تھے۔ خورشید چاہتی تھیں کہ اظہر کے ساتھ حلیمہ کی بھی شادی ہوجائے' اس کے لیے وہ کافی رشتے دیکھ چکی تھیں۔ مگر ابھی تک بات نہ بنی تھی۔ اب چھ ماہ بعد اظہر پاکستان آنے کا کہہ رہا تھا۔ خورشید اس کی شادی بھی کرنا چاہتی تھیں۔ اس لیے اب وہ اور زیادہ شدومد سے حلیمہ کا بر ڈھونڈنے میں لگی ہوئی تھیں۔ مگر حلیمہ اتنی ہی بے زار دکھائی دیتی۔ بلا مبالغہ کوئی بارہ تیرہ فیملیز تو آچکی تھیں اسے دیکھنے۔ کسی کو حلیمہ کی گہری گندمی رنگت پہ اعتراض ہوتا تو کسی کو دس جماعتیں کم معلوم ہوتیں۔ حلیمہ گھرداری میں ماہر سلیقہ شعار لڑکی تھی۔ اگرچہ خوب صورت نہ تھی' مگر بدصورت کہنا بھی غلط تھا۔ قد لانبا سا... رنگت گہری گندمی سی... مگر گالوں میں سرخی سی گھلی تھی۔ سب سے زیادہ خوب صورت اس کے بال تھے۔ لمبے' گھنے' سیاہ جو بیشتر وقت پراندے میں گوندھے رہتے۔ مزاج کی سادہ' کچھ کم گو' مگر دل کی بے حد نرم' دیکھنے والے ظاہری سراپا دیکھتے۔ عیب پر نظر ڈالتے اور خوبیوں کو نظر انداز کردیتے۔ وہ ایسے رویوں سے عاجز آگئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"اکرم ڈیڑھ سال ہوگیا تجھے نوکری لگے۔ اب میں چاہتی ہوں تیری شادی کردوں۔ بہو آئے گھر کا نظام سنبھالے۔ سائرہ کی شادی کے بعد اب میں ویسے بھی گھر کو سنبھال نہیں سکتی' وہ تھی تو مجھے کوئی کام نہ کرنے دیتی تھی' یہ چھوٹی دونوں تو ہیں ہی نکمی۔ کام سے جی چراتی ہیں۔ سائرہ نے مجھے بھی آرام پسند بنادیا تھا۔ اب بہو آئے گی تو ہی گھرداری بہتر ہوگی۔ اس لیے تو بتادے خاندان میں کوئی لڑکی پسند ہے تو ورنہ میں خود پسند کرلوں۔" دھریک کے درخت کے نیچے بیٹھے مٹر کے دانے نکالتی اماں نے کہا تو اکرم جو سامنے چارپائی پر بیٹھا تھا' چند لمحے خاموشی کے گزر جانے کے بعد بولا۔

"اماں ایک لڑکی ہے تو پسند' مگر خاندان کی نہیں ہے۔"

"ارے نہ ہو خاندان کی۔ ضروری تو نہیں' تو بول کون ہے۔" اماں بے صبری سے بولیں۔

"اماں... خورشید خالہ کی بیٹی حلیمہ مجھے پسند ہے۔ اس کا رشتہ مانگ لے۔" وہ پوری سنجیدگی سے بولا۔

ساجدہ تو ہکابکا سی اسے دیکھنے لگیں۔

"اے... باؤلا ہوا ہے یا مذاق سوجھ رہا ہے۔ کیا وہ تیرے قابل ہے۔! تو پڑھا لکھا۔ ماسٹر لگا ہے۔ وہ دس جماعتیں پاس... تو میرا پتر اتنا سوہنا ہے۔ رنگ گورا تیرا۔ ایسا جوان ہے۔ سوہنے نین نقش۔ اس حلیمہ میں کیا رکھا ہے' کالی سی ہے۔ تیرے ساتھ ذرا نہ جچے گی۔ عمر میں بھی تجھ سے دو سال بڑی ہے۔ خاندان میں اتنی سوہنی پڑھی لکھی لڑکیاں ہیں۔ محلہ بھرا ہے چٹی گوری کڑیوں سے' تجھے وہ اک حلیمہ ہی پسند آئی۔ کیا ہوگیا پتر تجھے؟" ساجدہ تو بے یقینی سے بولتی گئیں۔

"اماں... حلیمہ گوری چٹی نہ سہی... خاندان کی لڑکیوں جتنی سوہنی نہ سہی' مگر من کی بہت اجلی ہے۔ اماں آپ بھول گئیں اس کا ایثار... اس کا جذبہ... سائرہ باجی کی شادی پہ اس نے اپنا قیمتی زیور دیا تھا۔ آج تک مانگنا تو درکنار تم اس نے کبھی یاد بھی نہیں دلایا ہوگا۔ اماں میں نے تب ہی فیصلہ کرلیا تھا کہ میں حلیمہ

سے شادی کروں گا۔ اماں تو خود سوچ میں پڑھی لکھی رج کے سوہنی لڑکی بیاہ لاؤں تو پھر اس کے ناز نخرے بھی رج کے اٹھانے پڑیں گے اور وہ تیری خدمت نہ کرے، میری بہنوں کو برداشت نہ کرے تو کیا تو سکھی رہے گی۔ اماں تجھے نہیں لگتا کہ ہمارے گھر کو خوب صورت چہرے والی نہیں، بلکہ خوب صورت دل والی لڑکی چاہیے۔ اماں جب وہ مجھے پسند ہے میرے من کو بھائی ہے تو تجھے کیوں فکر ہے کہ وہ میرے ساتھ جچے گی یا نہیں۔ اس کا من بہت اجلا ہے۔ کیا آپ بھی اوروں کی طرح اس کا ظاہر دیکھتی ہیں، اس کے باطن کو نہیں پرکھ سکیں؟" اکرم کے ادب کے دائرے میں کیے گئے سوال نے ساجدہ کی سوچوں کو نئی راہ دکھائی تھی۔

☆ ☆ ☆
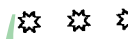
"اکرم، میں آج تک تجھے اپنا بھائی سمجھتی رہی ہوں چھوٹا بھائی۔ تو نے خالہ کو کیوں بھیجا رشتے کے لیے۔ اگر تو اس احسان کا بدلہ اتارنے کے لیے ایسا چاہتا ہے تو مجھے یہ قبول نہیں۔ وہ احسان میں نے رب کی رضا کے لیے کیا تھا اور مجھے یقین ہے میرا رب ہی اس کا صلہ مجھے دے گا۔ تو قربانی نہ دے۔ تجھے ایک سے بڑھ کر ایک خوب صورت اور اچھی لڑکی مل سکتی ہے۔ میں اس زیور کو بھول چکی جس کا حساب تو چکانا چاہتا ہے۔"
وہ ناراضی بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے رعب سے کہہ رہی تھی۔

"اچھا کیا بھول گئی۔ میں اب کسی دوسرے ڈیزائن کا زیور بنواؤں گا تیری بری کے لیے۔" وہ غیر سنجیدگی سے بولا۔ حلیمہ کی آنکھوں میں ناراضی کی جگہ غصہ اور حیرانی در آئی۔ "حلیمہ ہو سکتا ہے تیری اس نیکی اس جذبہ ایثار کا صلہ یہی ہو کہ رب نے میرے دل میں تیرے لیے محبت ڈال دی۔ میری نظر تیرے شفاف دل، تیرے روشن ضمیر تک پہنچ گئی۔ تو کیا جانے، مجھے تو کتنی حسین دکھتی ہے۔ ساری سوہنی کڑیاں تیرے سامنے عام سی لگتی ہیں۔ میرا ظرف اتنے کمال کا نہیں کہ میں محض ایک احسان کا بوجھ اتارنے کے لیے تجھ سے شادی کر لیتا۔ بلکہ یقین کرو میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ آج تک اظہار کی جرأت اس لیے نہ کر سکا کہ مالی لحاظ سے خود کو اس قابل نہ پاتا کہ کسی ذمہ داری کو نبھا سکوں اور میں تجھے واقعی ہی چاہتا تھا اور تجھے ہی اپنی گھر والی بنانے کا خواہش مند تھا۔ حلیمہ یہ سوچ کر مجھ سے شادی سے انکار نہ کرنا کہ میں کسی احسان کا صلہ دینا چاہتا ہوں۔ میرے دل میں تمہارے لیے جو محبت در آئی ہے اس کو اپنی نیکی کا صلہ جان کر قبول کر سکو تو کر لو اور اگر تجھے میں اپنے قابل نہیں لگتا تو میں تمہارے قابل بننے کی کوشش کرتا ہوں۔ مگر پلیز انکار مت کرنا۔" محبت اس کے لہجے سے ٹپک رہی تھی۔ سچائی اپنا آپ منواتی ہے اور وہ حیران سی اس کی سچائی پر یقین کر رہی تھی۔ مگر کچھ الجھن تھی۔

"اکرم مجھے اتنے لوگ دیکھنے آئے۔ ایسے بھی جن کے اپنے لڑکے کسی کام کے نہ تھے اور مجھ میں عیب نکال کر چلے گئے۔ کسی کو میرا نام بیک ورڈ لگا کسی کو میں کالی لگی۔ کسی کو میری شکل و صورت نہ بھائی۔ غرض ہر کسی نے مجھے ٹھکرایا۔ کیا تم اس ٹھکرائی ہوئی لڑکی سے محبت کر سکتے ہو۔" اس کے سوال میں ابھی بھی بے یقینی تھی۔

"میں کیا کروں حلیمہ، میرے دل میں تمہارے لیے محبت ڈال دی گئی ہے۔ قدرت جو کام کر دے اس میں انسان تو بے بس ہی ہوتا ہے نہ۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گمبھیر بھاری لہجے میں بولا۔

"اکرم میں تم سے دو سال بڑی ہوں۔" وہ نظریں چرا کر آہستگی سے بولی۔

"کیا کریں محبت چھوٹے بڑے کو نہیں دیکھتی۔" وہ ایسی بے چارگی سے بولا کہ حلیمہ کی بے ساختہ ہنسی نکل گئی۔ وہ بھی مسکرا دیا۔ دھریک کے درخت کے نیچے کوئی الگ ہی موسم کھلا تھا۔ رنگ برنگا سا، حلیمہ کا نرم دل، جذبہ ایثار اس کے لیے بے پایاں خوشیوں کی نوید لے آیا تھا۔ سو موسم میں رنگ کیوں نہ اترتے۔

☆ ☆

عنبرین ولی
روشن چہرہ

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے جب اس نے ٹیوشن کے لیے آنے والے بچوں کو چھٹی دی اور اکڑی ہوئی کمر کے ساتھ باورچی خانے میں آ گئی۔ جہاں برتنوں کا ایک ڈھیر موجود تھا۔ شام کے چھ بج رہے تھے۔ اور ابھی اسے بہت سے کام کرنے تھے۔ سارے گندے برتنوں کو جمع کر کے نل کے نیچے رکھ کر وہ باہر آ گئی۔ اور جھاڑو اٹھا کر کچرا سمیٹنے لگی۔ اس کام میں اس کے مزید بیس منٹ لگ گئے۔ اس کے بعد برتن دھو کر وہ رات کا کھانا بنانے لگی۔ آج نجانے کہاں سے مہمان آ گئے اور اس کا کام ڈبل ہو گیا۔

اسکول سے واپسی پر اسے ایمرجنسی میں کھانا تیار کرنا پڑا تھا۔ یہاں تک تو ٹھیک تھا، وہ خود بھی مہمان نواز تھی اور مہمانوں کے آنے پر خوش ہوتی تھی۔ لیکن زلیخا بی بی نے جان بوجھ کر اس کا کام بڑھایا۔ گھر کا برا حال تھا۔ صبح جانے سے پہلے وہ پورا گھر چمکا کر گئی تھی۔ آنے والی مہمان خاتون کے بچوں نے گھر کو کچرا خانہ بنا دیا تھا اور جب وہ بچوں کو منع کرتیں تو زلیخا ان سے کہتیں ارے بچے ہیں، گھر تو ویسے بھی گندا ہو جاتا ہے۔ صد شکر کہ صبح جاتے ہوئے وہ اپنے کمرے کو تالا لگا کر گئی تھی ورنہ شاید اس کی کتابوں کو بھی جہاز بنا بنا کر اڑایا جا رہا ہوتا۔ اور پھر بجائے مدد کرنے کے انہوں نے اسے جسمانی اور دماغی دونوں طرح سے خوب ہی تھکایا تھا۔ بار بار یہاں وہاں دوڑیں لگوا لگوا کر اس کا ستیاناس کر دیا تھا۔

مہمانوں کے جانے کے بعد وہ خود بھی باہر نکل گئی تھیں اور پچھلے دو گھنٹوں سے ان کا کوئی اتا پتا نہیں تھا، مدد تو دور کی بات ہے وہ اس کے کام میں ہمیشہ اضافہ ہی کیا کرتی تھیں۔ جان بوجھ کر۔ اسے آج تک سمجھ نہیں آئی تھی کہ وہ یہ سب کر کے اپنے دل کے کون سے جلاپوں کو ٹھنڈک پہنچاتی تھیں۔

وہ ان کی مرحومہ سوکن کی بیٹی تھی۔ مریم کی ماں کے مرنے کے چھ ماہ بعد ہی اس کے ابا ایاز نے زلیخا سے دوسری شادی کر لی اور سال بعد ہی زبیر پیدا ہو گیا۔ مریم کی والدہ اس کی پیدائش کے وقت کچھ پیچیدگیاں پیدا ہونے کے باعث انتقال کر گئیں تھیں۔ چھ سال کی عمر تک اس کی بوڑھی دادی نے اسے سنبھالا۔ اور پھر وہ بھی چل بسیں۔ اس کے بعد اسے کسی نے بھی نہیں سنبھالا، زلیخا کے عجیب و غریب رویے کو سہتے سہتے وہ بہت جلد بڑی ہو گئی۔

ایاز مریم کے معاملے میں زلیخا پر بھروسا نہیں کرتا تھا۔ کام سے واپس آ کر وہ اس سے باتیں کرتا، پوچھتا، کرید کرید کر ماں کے رویے کی بابت دریافت کرتا، مگر مریم دن بھر کی روداد بھلا باپ کو کیسے سناتی؟ وہ تو کچھ ہی دیر اس کے پاس بیٹھتا تھا اور پھر آرام کرنے چلا جاتا۔ دن کے چودہ گھنٹوں سے زیادہ وقت وہ زلیخا کی ہمراہی میں گزارتی تھی۔ اتنا تو وہ سمجھ ہی گئی تھی کہ اس کا کچھ بولنا اس کے ان چودہ گھنٹوں کی مشقت میں اضافہ کرے گا۔ سو وہ سب اچھا ہے کی رپورٹ دیتی۔

وہ شروع سے ہی گھر کے چھوٹے چھوٹے کام اس سے کرواتی تھیں۔ زبیر کو اسے تھما کر خود روزانہ دوپہر کو محلے کے گشت پر نکل جاتیں۔ وہ اکیلی گھر پر زبیر کے ساتھ کھیلتی رہتی۔ اس کا منہ دھلا کر کپڑے بھی تبدیل کروا دیتی۔ اس کا بچپن بس یونہی گزر گیا۔ شرارتیں کرنے اور بچپن جینے کا ارمان لیے وہ بڑی ہو گئی۔

اسے نہیں علم کہ اچانک ایاز کو کیا ہوا۔ انہوں نے ساری جمع پونجی اس گھر کا اوپری حصہ بنانے میں صرف کر دی اور پورا گھر مریم کے نام کر دیا۔ اور باقی تمام جائداد جس میں کچھ زمین اور دو پلاٹ تھے وہ زبیر کے نام۔ اس قصے کے بعد زلیخا نے کھل کر اس سے دشمنی گانٹھ لی۔ انہیں اس بات کا بے حد غصہ تھا کہ ایاز نے گھر اس کے نام کیوں کیا۔ اس دشمنی کو وہ شوہر کے مرنے کے بعد بھی نبھا رہی تھیں۔ مگر مریم نے جو قفل اپنے ہونٹوں پر لگایا تھا اسے لگا ہی رہنے دیا مگر کبھی کبھی اس کی برداشت بھی جواب دے جاتی اور وہ بھی زبان کا استعمال کرتی۔ مگر ایسا بہت کم ہی ہوتا تھا۔

وہ وقت کو تقسیم کرتی تیزی سے ہاتھ چلا رہی تھی۔ تاکہ بجلی جانے سے پہلے وہ سارے کاموں

سے فارغ ہو جائے اور ایسا ہی ہوا۔ کھانا بنا کر وہ کمرے میں آئی ہی تھی کہ لائٹ چلی گئی۔ زلیخا ابھی تک واپس نہیں آئی تھیں۔ گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے موم بتی جلائی۔ کمرہ روشن ہو گیا۔ موم بتی ہاتھ میں لیے وہ باہر آئی، بیرونی دروازے کو کنڈی لگا کر وہ پھر کمرے میں آ گئی۔ زبیر بھی اب تک غائب تھا۔ آج کل وہ دیر سے گھر واپس آ رہا تھا۔ اسے پارٹ ٹائم جاب کی تلاش تھی تاکہ مریم کا بوجھ کچھ کم ہو سکے۔

اسے بھوک محسوس ہو رہی تھی مگر رات کا کھانا وہ اور زبیر ایک ساتھ کھاتے تھے۔ کمرے میں اتنی روشنی تھی کہ وہ کچھ پڑھ سکے۔ اس نے سائڈ پر رکھی کتاب اٹھائی اور بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ کمرے میں رکھی تمام چیزوں کے لمبے لمبے سائے بن رہے تھے۔ مگر وہ ان چھوٹی چھوٹی چیزوں سے بالکل بھی خوف زدہ نہیں ہوتی تھی۔ تنہائی اس کی سہیلی تھی اور اندھیرا اس کا لنگوٹیا دوست۔ بھلا بے جان چیزوں کے سائے سے بھی کوئی خوف زدہ ہوتا ہے۔ اس نے مسکراتے ہوئے سوچا۔

یہ ناول وہ کچھ دن پہلے ہی خرید کر لائی تھی۔ ہر ماہ وہ ضرور ایک یا دو کتابیں خریدا کرتی تھی۔ کتابیں پڑھنے اور جمع کرنے کا شوق اسے بچپن سے تھا۔ اسی مشغلے کے باعث اس کے پاس کافی ساری کتابیں جمع ہو چکی تھیں۔ جن دنوں اس کا ہاتھ تنگ ہوتا وہ سیکنڈ ہینڈ کتابیں خرید کر اپنے شوق کو تسکین پہنچاتی۔ زلیخا کو اس بات پر بھی اعتراض تھا مگر چونکہ دونوں بہن بھائیوں کا مشترکہ شوق تھا سو وہ مریم کو کتابوں سے دور کرنے کی کوئی عملی کارروائی نہیں کر پائی تھیں۔

کتاب پڑھتے ہوئے اسے ابھی آدھا گھنٹا ہی گزرا تھا، وہ کہانی میں بری طرح محو تھی کہ بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔ مریم نے کتاب کا صفحہ موڑا اور کتاب بند کر کے اٹھ گئی۔ وہ یہی سمجھی تھی کہ اس کی اماں یا پھر زبیر آیا ہوگا۔ مگر دروازہ کھولنے سے پہلے اس نے احتیاطاً پوچھ لیا۔

''کون؟'' سوال کرتے ہوئے اس کے ہاتھ کنڈی پر تھے۔

''میں ہوں اطہر۔'' جواب سن کر اس کے ہاتھ رک گئے۔ اطہر اس کی اماں کے رشتہ داروں میں سے تھا۔

''گھر پر کوئی بھی نہیں ہے۔'' دروازہ کھولنے کا ارادہ ترک کر کے اس نے کہا۔

''جی جانتا ہوں۔ زلیخا خالہ نے ہی بھیجا ہے۔ وہ ہمارے گھر پر ہیں۔'' مریم کا خون کھول گیا۔

''انہوں نے آپ کو کیوں بھیجا؟'' اس کا لہجہ اور انداز ایک دم سخت ہو گیا۔ ادھر دوسری جانب اطہر پشیمان۔

''وہ اور اماں شام کو مارکیٹ گئی تھیں۔ اماں انہیں ساتھ لے آئیں، اور پھر خالہ نے کہا کہ میں سامان گھر پر پہنچا دوں۔'' اس نے آہستگی سے جواب دیا۔ مریم کو بے تحاشا غصہ آ رہا تھا۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔ اطہر نے سامان سے بھرے تھیلے دروازے سے اندر کیے خود باہر ہی کھڑا رہا۔

''رکھ دیا سارا سامان۔ آپ دروازہ بند کر لیں۔'' اس کی آواز ابھری۔ اور پھر جاتے قدموں کی آواز بھی اسے سنائی دی۔ اس نے زور سے دروازہ بند کیا۔ بھاری بھرکم تھیلے گھسیٹتے ہوئے وہ باورچی خانے میں لائی۔ اسی وقت لائٹ آ گئی۔ کپڑے سے بنے تھیلوں میں سے سبزی اور اسی طرح کی باقی چیزیں جھانک رہی تھیں۔ سب کو ٹھکانے لگا کر اس نے پانی پیا اور غصہ بھی۔ کچھ ہی دیر بعد دوبارہ دروازہ بجا۔ اس بار زلیخا کی آمد ہوئی تھی۔ ابھی انہوں نے برآمدے میں قدم رکھا ہی تھا کہ مریم چلا اٹھی۔

''جب آپ کو علم ہے کہ میں گھر پر اکیلی ہوں اور لائٹ بھی نہیں تو اطہر کو گھر بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟'' وہ غصے سے چیخی۔ زلیخا نے اسے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

''زبیر کہاں ہے؟ میں تو یہ سمجھی کہ......''

''آپ کیوں کچھ بھی سمجھ لیتی ہیں؟ جب دس منٹ کے فرق سے آپ کو گھر آنا ہی تھا تو اس کے ساتھ آتیں۔ یا پھر پہلے خود آ جاتیں بعد میں اسے بلوا

لیتیں۔'' وہ اونچی آواز سے بول رہی تھی۔ زلیخا جانتی تھیں کہ اس معاملے میں وہ نہ تو کسی کی سنتی ہے اور نہ ہی ڈرتی ہے۔ وہ اس پر ہاتھ بھی اٹھائیں گی تو بھی وہ اپنی بات سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹے گی۔ اور اس بات پر تو زبیر بھی بگڑ جاتا تھا۔ اور بیٹے سے وہ کسی صورت بگاڑنا نہیں چاہتی تھیں۔ وہ یہی سمجھی تھیں کہ زبیر گھر پر ہوگا۔ مریم کو جواب دیے بغیر وہ اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ اور وہ غصے سے تلملاتے ہوئے وہیں بیٹھ گئی۔ ٹھنڈے فرش پر۔

میری سگی ماں ہوتیں تو کیا وہ ایسے ہی کرتیں؟ رات کے اس پہر کسی کو بھی گھر کا راستہ دکھا دیتی؟'' اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ یہ وہ واحد لمحہ ہوتا تھا جب اسے شکوہ ہونے لگتا کہ اس کی ماں کیوں مر گئیں؟ ان کے رویوں سے وہ دکھی ہوتی تھی لیکن اس قسم کی بے احتیاطیوں کو دیکھ کر اس کا دل خون کے آنسو روتا تھا۔ رات کے دس بجے ایک بار پھر دروازہ بجا مگر وہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔ زلیخا نے ہی آکر دروازہ کھولا۔ تھکا ہارا زبیر گھر میں داخل ہوا۔

''السلام علیکم۔'' اس نے بلند آواز میں سلام کیا۔ دروازے پر ماں کو دیکھ کر وہ سمجھ گیا تھا کہ مریم اس سے ناراض ہو چکی ہے اسی لیے وہ خود اس کے استقبال کے لیے نہیں آئی، نہ اس کے ہاتھ سے بیگ اور کتابیں لیں نہ ہی پانی کا پوچھا۔ وہ ایک کونے میں بالکل چپ چاپ بیٹھی تھی۔ زبیر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

''آئی ایم سوری مریم۔ آج بہت دیر ہوگئی۔'' وہ شرمندگی سے بولا۔ مریم خاموش رہی۔

''ایگزامز سر پر ہیں اور مجھے نوٹس بنانے ہوتے ہیں اس لیے دیر ہو جاتی ہے۔ تم تو جانتی ہو کراچی کے ٹریفک کو۔ شام کے بعد ایک گھنٹے کا راستہ تین گھنٹوں تک کھنچ کر لمبا ہو جاتا ہے۔'' اس نے سچائی بیان کی البتہ ماں کی موجودگی کی وجہ سے جاب کے لیے جگہ جگہ خوار ہونے والی بات کو وہ گول کر گیا تھا۔ مریم نے اس کی بات سنی، اثبات میں سر ہلایا اور کھڑی ہوگئی۔

''تم نہالو۔ میں کھانا گرم کر کے لاتی ہوں۔''

وہ باورچی خانے میں چلی گئی۔ زبیر اس کی ہدایت پر عمل کرتا باتھ روم میں گھس گیا۔ جہاں اس کے صاف ستھرے استری شدہ کپڑے لٹک رہے تھے۔ وہ نہا کر آیا تو مریم نے کھانا لگا دیا۔ دونوں فرش پر آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ درمیان میں دسترخوان اور اس پر سجا کھانا۔

''تم نے مجھ سے دوبارہ وعدہ خلافی کی ہے۔'' مریم بے حد سنجیدہ تھی۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں۔ میں ایک ہی جگہ انٹرویو کے لیے گیا تھا۔ بہت سارے لوگ تھے وہاں۔ تم جانتی تو ہو وہ کراچی کا مشہور ترین کورنگی سینٹر ہے۔ اور ہے بھی بہت دور۔'' اس نے آواز دھیمی کر کے کہا۔

''صبح نو بجے سے تین بجے تک تم یونی میں ہوتے ہو۔ وہاں سے سیدھے کورنگی جاؤ گے چار پانچ گھنٹے وہاں گزر جائیں گے، واپس آتے آتے آدھی رات ہو جائے گی۔ پھر اپنی تعلیم پر کب توجہ دو گے؟ دو سال ہی تو رہتے ہیں تمہاری تعلیم مکمل ہو جائے گی اور پھر میں جاب چھوڑوں گی۔ تم اپنے دماغ سے پارٹ ٹائم کا کیڑا نکال دو۔ ابھی سے خود کو تھکاؤ گے تو آگے کیا کرو گے؟'' اس نے نوالہ حلق میں اتارنے کے بعد کہا اور پانی کا گلاس اٹھا لیا۔ مریم کی عادت تھی وہ ہر دوسرے تیسرے نوالے کے بعد پانی کے چند گھونٹ لازمی پیتی تھی۔

''تم بھی صبح پانچ بجے سے رات گیارہ بجے تک مصروف رہتی ہو۔'' زبیر نے جیسے اسے یاد دلایا۔

''لیکن میری تعلیم مکمل ہو چکی ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''تمہاری تعلیم مکمل نہیں ہوئی، تم اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ چکی ہو۔ اور کیا صرف وہی لوگ تھکتے ہیں جو پڑھتے ہیں؟'' زبیر نے اسے گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔

''پڑھنا کوئی آسان کام نہیں۔ اور ایم بی اے کرنا تو بالکل بھی آسان نہیں۔ مستقل پڑھائی انسان کا دماغ خشک کر دیتی ہے۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

"مستقل محنت زندگی خشک کر دیتی ہے۔" زبیر نے دوبدو کہا وہ ہنس پڑی۔

"کتنی بے وقوفانہ بات کر دی تم نے۔" وہ بہت محظوظ ہوئی تھی۔

"اور ہاں تمہیں خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ جاب میں اپنے لیے ڈھونڈ رہا ہوں۔ یونی میں کتنی ہی لڑکیاں ہیں جو مجھ پر، میری معصومیت پر مرتی ہیں لیکن خالی جیب کی وجہ سے میں ان کی طرف دیکھتا ہی نہیں۔ کہ کہیں پول ہی نہ کھل جائے اور ان بے چاریوں کو لگتا ہے کہ میری ماں نے ایک انسان کو نہیں فرشتے کو جنم دیا ہے۔ جس کا نام زبیر ہے۔ اور وہ ان کی یونی ورسٹی میں بغیر پروں کے گھومتا ہے۔" آنکھیں جھکا کر۔" اس نے اتنی سنجیدگی سے کہا تھا کہ مریم کے لیے ہنسی قابو کرنا مشکل ہو گیا۔ ہنستے ہنستے اس کی نظر زبیر پر پڑی وہ بڑی محبت اور عقیدت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ہنستی رہا کرو۔" اس کے ماتھے پر بوسہ دے کر وہ کمرے سے نکل گیا۔ کتنی ہی دیر وہ اپنی پیشانی کو چھوتی رہی۔ اسے یوں لگا تھا جیسے اس کے ابو نے اس کا ماتھا چوما ہو۔ اس کی آنکھیں پھر سے بھیگ گئیں۔

☆☆☆

رات گہری ہو رہی تھی۔ ٹھنڈی ہواؤں کی شدت میں تیزی آ چکی تھی۔ سنسان سڑک پر گاڑی دوڑاتے گرم جیکٹ پہنے ہوئے بھی اسے سردی محسوس ہو رہی تھی۔ کیونکہ شیشہ نیچے تھا۔ تیز ہوا کے تھپیڑے سیدھا اس کے چہرے سے ٹکراتے۔ ناک اور آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں مگر اس نے شیشہ اوپر نہیں کیا۔ ڈرائیو کرتا رہا۔

خاموشی، تیز ٹھنڈی ہوا، سرد موسم اور تنہائی۔ یہ ماحول اس کا پسندیدہ تھا۔ اور اب جب اسے یہ ماحول میسر آ ہی چکا تھا تو وہ اسے بھرپور طریقے سے محسوس کرنا چاہ رہا تھا۔ کبھی کبھی کا یہ سناٹا بڑا دلکش لگتا ہے۔ اکیلے ہی لانگ ڈرائیو کے بعد جب اس نے

گاڑی اپنے بنگلے کے سامنے روکی تو ہاتھ کسی لکڑی کی طرح اکڑ چکے تھے اور برف کی طرح سرد تھے۔ ہارن بجانے پر چوکیدار نے دروازہ کھولا تو وہ گاڑی اندر لے آیا۔

کمرے میں قدم رکھتے ہی اسے گرمائش محسوس ہوئی۔ کمرے کا ہیٹر آن تھا۔ وہ مسکرایا۔

"تو دادی اماں واپس آ گئیں۔" سوچتے ہوئے اس نے جیکٹ اتار کر صوفے پر اچھالی۔ اور واش روم میں گھس گیا۔ واپس آیا تو بیڈ پر دادی اماں بیٹھی تھیں۔ گرم شال اپنے گرد لپیٹے، وہ سیدھا ان کے پاس آیا اور ان کے گلے لگ گیا۔

"مجھے پتا چل گیا تھا کہ آپ واپس آ چکی ہیں۔" اس نے مسکرا کر کہا اور ان کے پاس بیٹھ گیا۔ "ایک فون کر دیتیں میں خود آ کر لے جاتا آپ کو۔" وہ مزید بولا۔

"عفان گھر پر تھا، اسی لیے تمہیں نہیں بلایا اور اسی کے ساتھ آ گئی۔ کیسی طبیعت ہے میرے بچے کی؟ کھانا کھایا؟" انہوں نے لاڈ سے پوچھا۔ موحد کو بھوک نہیں تھی مگر اس کے باوجود اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں نے کھانا نہیں کھایا۔ ملازمہ شاید جاگ رہی ہو۔ میں اسے کہتا ہوں وہ کھانا گرم کر دے گی۔" وہ شرافت سے بولا حالانکہ شرافت سے اس کا کوئی لینا دینا نہیں تھا۔

"تم اس غریب کی نیند نہ خراب کرو۔ کچھ دیر پہلے ہی میں نے اسے کوارٹر میں بھیجا ہے، تمہاری ماں نے اسے بٹھا رکھا تھا کہ جب تک تم نہ آؤ وہ تمہارے انتظار میں بیٹھی رہے۔ خود تو آج تلک کسی ایک بھی دن اپنی اولاد کے لیے نیند کی قربانی نہیں دی اور غریب لوگوں سے زبردستی خدمتیں کرواتی ہے۔" وہ یقیناً بھری بیٹھی تھیں، وہ خود بھی خجل ہو گیا۔ یہ اسی کا آرڈر تھا کہ کوئی ایک ملازم لازماً اس کے لیے موجود ہو اگر وہ رات دیر سے بھی گھر واپس آئے اور بھوکا ہو تو اسے خود سے کچن میں جانے کی زحمت نہ کرنی پڑے۔ اور نہ کھانا گرم کرنے کا کشٹ اٹھانا پڑے۔ وہ کیا جواب دیتا چپ ہو رہا۔ دادی بستر سے اٹھ گئیں۔

''تم یہیں بیٹھو۔ میں کھانا یہیں لے آتی ہوں۔ تمہارے کمرے میں اس لیے آئی تھی کہ ہیٹر بند کردوں یہ نہیں معلوم تھا کہ تم سے ملاقات ہوجائے گی۔''
ان کے انداز میں بے حد محبت تھی۔ وہ بھی کھڑا ہوگیا۔

''میں آپ کے ساتھ ہی کچن میں چلتا ہوں۔ وہاں بھی گرمائش ہوگی سکون سے کھانا کھاؤں گا اور آپ سے باتیں بھی ہوجائیں گی۔'' موحد نے ان کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ دونوں دادی پوتا باورچی خانے میں آگئے۔ وہ خود کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا جبکہ وہ اس کے لیے تازہ چپاتی بنانے لگیں۔ ان کی عمر ستر سے تجاوز کرچکی تھی مگر آج بھی وہ صحت مند اور بہت ایکٹو خاتون تھیں۔

''جب تمہارے باپ کی شادی نہیں ہوئی تھی اس وقت وہ بھی یونہی بیٹھ کر روٹی پکنے کا انتظار کرتا تھا۔ میرے ہاتھ کے علاوہ اسے کسی کے ہاتھ کا کھانا پسند نہیں تھا۔ اور اب جب دیکھو بھی ایک جگہ ڈنر میں مصروف تو کبھی دوسری جگہ۔ لوگوں سے چھوٹتے ہیں تو بیوی کو لے کر لنڈوروں کی طرح گھومتے ہیں۔ گھر میں تو میں نے اسے کھانا کھاتے ہوئے دیکھا ہی نہیں۔'' دادی باتونی خاتون تھیں۔ جتنی تیزی سے ان کے ہاتھ چلتے تھے اسی قدر اسپیڈ سے وہ باتیں بھی کرتی تھیں۔ موحد ہنسی دبائے ساری توجہ ان پر رکھے بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا۔

''تمہاری شادی ہوجائے گی تو تم بھی باپ کی روش اختیار کرلوگے۔ لیکن۔۔۔''

''لیکن کیا دادی۔'' انہیں خاموش ہوتے دیکھ کر اس نے پوچھا۔ گرم گرم پھولی ہوئی روٹی دیکھ کر اس کی بھوک چمک اٹھی۔

''لیکن یہ کہ جب تم بچوں کو گھر میں چھوڑ کر بیوی کو ساتھ چمٹائے لور لور پھروگے تو ان کا خیال کون رکھے گا؟ تم اپنے بچوں کے لیے میری جیسی دادی کہاں سے لاؤ گے؟ تمہاری ماں نے تو ماشاء اللہ۔ اپنے بچے نہیں سنبھالے پوتا پوتی کیسے سنبھالے گی۔''
روٹی اس کے سامنے رکھتے ہوئے وہ سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئیں۔ ایک پلیٹ میں کباب تھے اور دوسری میں چکن کا سالن۔ اتنا سادہ کھانا وہ صرف تب ہی کھاتا تھا جب دادی کے ہاتھ کا بنا ہو۔ اور کھانے کی شکل دیکھ کر ہی وہ پہچان گیا تھا کہ انہوں نے ہی کھانا بنایا ہے۔

''میرے بچوں کے لیے بھی میری دادی کافی ہوں گی۔'' کھانے پر توجہ گاڑ کر وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''چل ہٹ۔ میں کیا بڑھاپے کے اختتام تک بچے ہی سنبھالوں گی؟'' وہ ایسے بدکیں کہ موحد کا قہقہہ پھوٹا اور تب ہی نوالہ اس کے حلق میں پھنس گیا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے گلے میں رسی ڈال کر جھٹکا دے دیا ہو۔ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اس کی سانس بند ہوئی تھی۔ وہ بری طرح کھانس رہا تھا۔ دادی گھبرا گئیں۔ فوراً اٹھ کر زور زور سے اس کی پشت سہلانے لگیں۔ موحد کی آنکھوں سے پانی چھلکنے لگا تھا۔ کچھ دیر بعد اس کی سانس بحال ہوئی۔ پانی پیا۔ اور آنکھیں صاف کیں۔

''آرام آرام سے، پرسکون ہوکر کھانا کھایا کرو۔ اللہ صحت دے، میرے بچے کو۔'' انہوں نے دعا دی، موحد صرف مسکراتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ جیسی دادی اس کے پاس ہے کسی کے بھی پاس نہیں ہوں گی۔ کچھ دیر مزید ان کے پاس بیٹھ کر باتیں کرکے وہ کمرے میں چلا آیا۔ اسے ایک بھرپور اور پرسکون نیند اپنی جانب بلا رہی تھی۔ بستر پر گرتے ہی وہ سوگیا۔ صبح اسے یونیورسٹی بھی جانا تھا۔

☆☆☆

اگلی صبح ایک اور محنت طلب اور مشقت بھرا دن اس کے انتظار میں کھڑا تھا۔ فجر کی اذان کی آواز سنتے ہی وہ جاگ گئی۔ بستر چھوڑنے پر اسے احساس ہوا کہ آج سردی اس کی ڈھٹائی سے بھی زیادہ سخت ہے۔ کھونٹی سے لٹکتی شال اپنے گرد لپیٹ کر وہ باہر آگئی۔ سیمنٹ سے بنا فرش بھی سرد تھا۔ وہ سی سی کرتی پلاسٹک کی چپل تلاش کرنے لگی اور چپل دکھائی دیتے ہی اسے پاؤں میں اڑس کر زبیر کے کمرے کا دروازہ بجایا۔

''اٹھ گیا ہوں۔'' دوسری بار دروازہ بجانے پر اس کی نیند میں ڈوبی آواز آئی تو وہ وضو کرنے چل دی۔ لیکن اس سے پہلے اس نے ایک ٹین میں پانی بھر کر چولہے پر رکھ دیا تھا۔ پانچ منٹ میں ہی وہ اتنا گرم ہو گیا کہ اس میں تھوڑا سا اور پانی ملا کر وضو کیا جا سکے۔ خود تو وہ نماز ادا کر چکی تھی۔ غسل خانے میں رکھی پلاسٹک کی بڑی سی بالٹی میں اس نے پانی ڈالا اور ٹھنڈا پانی مکس کیا۔ زبیر تب تک کمرے سے باہر آ چکا تھا۔ اسے آتا دیکھ کر وہ باورچی خانے میں آ گئی اور چھوٹی دیگچی میں پانی ابالنے کو رکھ دیا۔ وہ وضو کر کے نماز پڑھنے جا چکا تھا۔ وہ واپس آیا مریم نے اسے ایک کپ تھمایا۔

''یہ کیا ہے؟'' اس نے ابلے ہوئے ہلکے سے رنگ کے پانی کو دیکھ کر پوچھا۔

''یہ پودینے کا پانی ہے۔ صحت کے لیے اچھا ہوتا ہے اور وزن بھی کم کرتا ہے۔ دن بدن تمہارا پیٹ بڑھتا جا رہا ہے۔ خود تو تمہیں کسی چیز کا ہوش نہیں ہے۔'' زبیر نے بے اختیار اپنے پیٹ کی طرف دیکھا اسے احساس ہوا کہ مریم بالکل درست کہہ رہی ہے۔

''سوچ رہا ہوں جاب ملنے کے بعد جم جوائن کر لوں۔'' کپ منہ سے لگاتے ہوئے اس نے کہا۔

''ضرور کرنا لیکن جب تک تم جم جوائن نہیں کرتے تب تک نہ تو تمہیں صبح ناشتے میں پراٹھا ملے گا اور نہ ہی تم کوئی تلی ہوئی چیز کھاؤ گے۔'' اس نے آرڈر جاری کیا۔

زبیر کی تو جان پر بن گئی تھی۔ اس نے خوب منتیں کیں لیکن وہ نہ مانی بالآخر امتحانات کا بہانہ کر کے وہ اسے منانے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ ڈائٹنگ پلان ایگزامز کے بعد ہی شروع کیا جاتا۔ زبیر نے سوچ لیا تھا کہ وہ روزانہ دوڑ لگائے گا تا کہ کچھ تو وزن قابو میں آئے۔ من پسند ناشتا دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی اور کھا پی کر وہ یونیورسٹی سدھار گیا۔ جبکہ وہ بھی اسکول کے لیے روانہ ہو گئی۔ مریم کی ٹھیک ٹھاک تنخواہ تھی۔ اس کے علاوہ ٹیوشن اور سلائی سے بھی وہ کافی کما لیا کرتی تھی لیکن یہ تینوں کام ہی انتہائی محنت طلب تھے۔ اور سارے گھر کے اخراجات اس کے ذمہ تھے تو وہ بمشکل ہی بچت کر پاتی تھی، اس کی خواہش تھی کہ وہ پرائیویٹ ایم اے کر لے لیکن اتنے ٹف شیڈول کے ساتھ پڑھائی کا اضافی بوجھ اٹھانے کی سکت اس میں نہیں تھی۔

وہ تھی بھی دبلی پتلی۔ اس بھاگم بھاگ روٹین میں وہ موٹی ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ مریم دراز قد کے ساتھ پرکشش لگتی تھی۔ لیکن اس کے نقوش خوب صورت نہیں تھے۔ عام سے تھے۔ البتہ چہرے کے کٹ بہت حسین تھے۔ لمبی پلکیں، کمان ابرو، خوبصورت نازک ہاتھ، لمبے بال اور صراحی دار گردن۔ جسمانی اعتبار سے شاید اس کا ثانی کوئی بھی نہیں تھا۔ لیکن چہرے اور رنگ کی بات آئے تو وہ اکثر کہیں پس منظر میں چلی جاتی تھی۔ لیکن اس کی آواز۔ لہجے کا اتار چڑھاؤ۔ بولنے کا طریقہ ایسا تھا کہ مقابل اس کی بات پر توجہ دینے پر خود کو انتہائی مجبور پاتا۔ کچھ اس نے کبھی اپنے ظاہری حلیے پر توجہ ہی نہیں دی تھی۔ اگر وہ اپنا خیال رکھتی تو یقیناً وہ خوب صورت دکھائی دیتی۔

اسکول میں بھی اس کا عبایا اس کے جسم کو ڈھانپ کر رکھتا تھا۔ اور چہرہ اسکارف میں چھپا ہوتا۔ وہ صرف تب ہی نقاب کھسکاتی جب اسٹاف روم میں وہ اکیلی ہوتی۔ کم ہی کسی نے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ اور جو بھی اس کی آواز سے متاثر ہو کر اسے دیکھتا نجانے کیوں مایوس ہو جاتا۔ شروع شروع میں اسے یہ بات بہت عجیب محسوس ہوتی تھی۔ وہ رات دیر تلک آئینے میں خود کو دیکھ کر نقص ڈھونڈنے کی کوشش کرتی مگر اسے کچھ بھی نامکمل نہ لگتا۔ ہاں مٹیالا سا رنگ تھا۔ وہ کسی گرم علاقے میں موجود دیہات کی ناری لگتی۔ اسے اپنا یہ رنگ و روپ پسند تھا۔ مگر اسے ادراک ہو گیا تھا کہ لوگوں کو اس میں حسن دکھائی نہیں دیتا۔ کچھ وقت بعد اسے یقین ہو گیا کہ اس کی شکل کی حامل لڑکیوں کو کسی مرد کی قبولیت بہت مشکل سے ملتی ہے۔ اور یہ یقین اسے تب ہوا تھا جب اس کے پڑوس میں رہنے

والی رشتے کروانے والی بوا ان کے گھر آئیں۔ دونوں اس کی موجودگی سے بے خبر تھیں۔ انہیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ گھر واپس آچکی ہے۔ بوا زلیخا سے کہہ رہی تھی۔

''مریم کا رشتہ طے کرنا ہے کہ نہیں؟ بائیسویں سال میں لگ گئی ہے۔ محلے والے کہتے ہیں کہ زلیخا اس کی کمائی کے لالچ میں ہے اور شاید بھی شادی نہ کرے گی اس کی۔'' بوا کی صاف گوئی پروہ بری طرح بدکی تھیں۔

''محلے والوں کو تو بکواس کرنے کی عادت ہے۔ اب تم بھی ان کی کی گئی باتیں یہاں آکر دہراؤ گی؟ اور جہاں تک اس کی تنخواہ کی بات ہے تو مجھے اس کا لالچ نہیں۔ پیسا اس گھر کی ضرورت ہے۔ وہ اکلوتی کمانے والی ہے اسے بیاہ دیا تو کیا محلے والے کما کر کھلائیں گے؟ زبیر کی پڑھائی پوری ہو جائے اس کے بعد مریم کی شادی بھی کردوں گی۔'' زلیخا کا لہجہ ایک دم بدل گیا تھا۔ انہوں نے دوٹوک بات کی۔ بوا جانتی تھیں کہ زلیخا بدلحاظ عورت ہے سو فوراً ہی بات پلٹی۔

''تمہیں بتانے کا مقصد یہ ہے کہ گھر میں کوئی ہلچل کرواؤ۔ لوگ آئیں، اسے دیکھیں، ارے چٹکی بجاتے تو رشتہ طے نہیں ہو جاتا۔ حسین حسین لڑکیاں اچھے رشتوں کے انتظار میں بیٹھی ہیں۔ مریم تو پھر ہلکے رنگ کی اور عام سی ہے۔ سال دو سال تو رشتے والوں کے سامنے پیش ہونے ہونے میں نکل جائیں گے۔'' مریم کو لگا جیسے کسی نے گرم گرم چائے اس کے چہرے پر پھینک کر چہرہ جھلسا دیا ہو۔

''اچھی خاصی ہے۔ بس رنگ ذرا ہلکا ہے۔ تم نے غور نہیں کیا ہوگا، میں نے دیکھا ہے اسے۔ اسے کم مت سمجھنا۔ کمر سے نیچے تو بال ہیں اس کے۔ پڑھی لکھی، بات چیت کے سلیقے سے آشنا، گھر کے ہر کام میں ماہر، سلائی کڑھائی اسے آتی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ گھر اس کے نام ہے خود بھی کام کرتی ہے۔ کون ہے جو اس کے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہے گا بھلا؟ آج کل کے لڑکوں کو دبلی پتلی اور پرکشش عورتیں پسند آتی ہیں۔'' انہوں نے اس کا کافی تفصیلی جائزہ پیش کر دیا تھا۔ بوا برامان گئیں۔

''ہم نے تو اس کے جلوے نہ دیکھے، جب دیکھو دوپٹا سر سے پیر تک لپیٹ کر رکھا ہوتا ہے۔ کپڑے کے تھیلے کی طرح کھلے ڈلے کپڑے پہن کر رکھتی ہے موئی آواز کا کوئی کیا کرے گا بھلا؟ اس سے گانے تو نہیں گوانے۔'' اس نے ان کی اسی طرح کی گفتگو سنی اور خوب سنی۔ پھر خاموشی سے کمرے میں آگئی۔ اس واقعے کے بعد مریم نے شیشہ دیکھنا چھوڑ دیا تھا۔ ساتھ کام کرنے والی فی میل کولیگز کی فرمائش پر وہ انہیں اپنا چہرہ دکھاتی اور تاثرات پر یوں ہو جاتی جیسے کسی اور کو دیکھ کر ناگوار حیرت کا اظہار کیا جارہا ہو۔ انہیں حیرت اس لیے زیادہ ہوتی تھی کہ مریم کی آواز سے لے کر اس کے ہاتھ پاؤں قد کاٹھ ہر شے معمول سے زیادہ حسین تھی۔ اور چہرے کے نقوش عام سے۔

آج ایک بار پھر اسکول میں یہی قصہ دہرایا گیا۔ عارفہ نے انتہائی معصومیت اور محبت سے اس سے فرمائش کی تھی۔ مریم کا رنگ پھر سے پھیکا پڑا تھا۔

''میں بالکل عام سی شکل وصورت کی ہوں۔ دیکھ کر افسوس میں مبتلا ہو جاؤ گی۔'' اس نے بظاہر عام سے انداز میں یہ جملہ ادا کیا تھا لیکن عارفہ ان لفظوں کے پیچھے چھپی اذیت محسوس کر گئی۔

''مریم۔ میرے لیے حسن کا معیار گورا رنگ، بڑی آنکھیں نہیں ہیں۔ تم میری دوست ہو۔ تمہارے نین نقش معمولی ہوں یا خاص مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔ فرق پڑتا ہے تو تمہارے رویے سے۔ میں تمہاری نرم مزاجی اور دوستانہ طبیعت سے متاثر ہوئی ہوں۔ ہاں اگر اس میں فرق آیا تو مجھے افسوس ہوگا۔ تمہیں دیکھ کر ہرگز نہیں۔'' مریم جانتی تھی کہ عارفہ کی کہی گئی باتیں محض لفاظی نہیں۔ اس نے سیاہ اسکارف چہرے سے کھسکایا۔ ٹیالے رنگ کا چہرہ روشن ہو گیا۔ اب عارفہ انتہائی ناگواری سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہوا؟'' اسے غصے سے بھرا دیکھ کر مریم نے بے چارگی سے پوچھا۔

''کیسی لڑکی ہو تم۔؟ خدا کا خوف ہے کہ نہیں؟

اچھی خاصی شکل ہے تمہاری، اور تم یوں بول رہی تھیں جیسے خدا نا خواستہ تمہارا چہرہ کٹا پھٹا ہے۔" مریم نے اسے حیرت سے دیکھا۔ عارفہ نے جھنجلا کر پرس سے شیشہ نکالا اور اس کے سامنے کیا۔

"دیکھو خود کو۔ اپنی رنگت دیکھو۔ کوئی ہے اسی رنگت کا مالک؟ یوں لگتا ہے جیسے چکنی مٹی کو گیلا کر رکھا ہو۔ میرا تو دل چاہ رہا تھا کہ تمہارے چہرے پر ہاتھ پھیروں۔ کہ آیا یہ رنگ اصلی ہے کہ نہیں۔" مریم ان تعریفوں پر اسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگی۔

"کیا؟ ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ جو تمہیں دیکھ کر منہ بناتی ہیں ناں اصل میں وہ جیلس عورتیں ہیں۔ جل جاتی ہیں تمہاری انفرادیت دیکھ کر۔ اور تم ان کی باتوں کا یقین کر کے خود کو کم تر محسوس کرتی ہو؟ تمہاری عقل کو سات توپوں کی سلامی وہ بھی تمہیں توپ کے آگے کھڑا کر کے۔" اس کے آخری جملے پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

گھر آ کر سب سے پہلے اس نے شیشہ دیکھا۔ چہرے میں دکھائی دیتے عکس پر نگاہ پڑتے ہی اس نے بے اختیار اپنا چہرہ چھوا۔ کتنا روشن چہرہ تھا اس کا۔ وہ ہنس پڑی۔

شام کو زبیر گھر آیا۔ آج وہ جلدی آ گیا تھا۔ مریم کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ دیکھ کر وہ حیران ہوا۔ وہ صرف اس سے باتیں کرتے ہوئے ہی ہنسا کرتی تھی۔ کبھی اسے مسکراتے چہرے کے ساتھ کام میں مگن نہیں دیکھا تھا اس نے۔ وہ آئی، اسے پانی پلایا اور پھر چائے بنانے چل دی۔ زبیر باہر صحن میں بیٹھ گیا۔ زلیخا بھی چارپائی پر براجمان تھیں۔

"کتنے دن ہو گئے ہیں مکان خالی ہے۔" انہوں نے بات کی ابتدا کی۔ زبیر ہاتھ کا تکیہ بنا کر لیٹ گیا۔

"آ جائیں گے کرائے دار بھی۔" اس نے ہلکا سا سر گھما کر ماں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ انہوں نے ایک نظر چائے بناتی مریم پر ڈالی اور گلا کھنکارا۔

"ماجدہ کی بیٹی کے ہاں بچی کی پیدائش ہونے والی ہے۔ وہ کل پرسوں لاہور کے لیے نکل جائے گی۔" بات وہ زبیر سے کر رہی تھیں لیکن نگاہیں مریم پر تھیں۔ کپوں میں چائے انڈیلتے اس کے ہاتھ رک گئے۔ زبیر بھی ایک دم سیدھا ہو گیا۔

"لیکن ہم اسے اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتے۔" مریم کے کچھ کہنے سے پہلے ہی زبیر بول پڑا۔ زلیخا کو اس کا بولنا سخت ناگوار گزرا۔

"میری بات ابھی مکمل نہیں ہوئی۔ اور تم زیادہ زبان مت چلاؤ۔" انہوں نے اسے غصے سے جھڑکا۔ مریم چائے کی ٹرے اٹھا کر باہر آ گئی۔

"آپ کیجیے بات مکمل۔" زبیر کو منہ کھولتا دیکھ کر مریم نے اسے ہاتھ کے اشارے سے خاموش ہونے کا کہا۔

"پچھلے سال جو ہوا، میں اس کے بعد یہ بات کبھی نہ کہتی لیکن اب وہ بدل گیا ہے۔ وہ اپنی کی گئی تمام غلطیوں پر بے حد شرمندہ ہے۔ اس نے یا اس کی ماں نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ وہ اس گھر میں رہے۔ لیکن ظاہر ہے وہ ماں کے جانے کے بعد اکیلا ہو گا۔ اور گھریلو معاملات میں اطہر بالکل کورا ہے۔ اسے بہت مشکل پیش آئے گی۔ دیکھ بھال تو ہمیں ہی کرنا پڑے گی۔ کرائے کا مکان بھی خالی ہے۔ اچھا ہے کہ وہ دو ماہ کے لیے یہاں آ جائے۔ کرایہ بھی دے گا اور اس کے کھانے پینے کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔" زلیخا میں لاکھ خامیاں سہی لیکن وہ ہمیشہ دوٹوک بات کرتی تھیں۔ مریم نے بے حد مشکل سے ضبط کیا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ میں اطہر کو کسی بھی صورت اس گھر میں برداشت نہیں کروں گی۔ کرائے دار کی حیثیت سے بھی نہیں۔ ماجدہ خالہ اگر اتنے لمبے ٹور پر جا رہی ہیں تو یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مسئلے کا مستقل حل سوچ کر جائیں۔ دوسری بات یہ کہ اطہر کوئی چھوٹا بچہ نہیں ہے۔ اور جگہ جگہ ڈھیروں ڈھیر ہوٹل کھلے ہوئے ہیں کہیں بھی جا کر کھانا پینا کر سکتا ہے۔ اگر آپ نے زبردستی اسے اس گھر میں بلایا تو نتائج کی ذمہ دار آپ خود ہوں گی۔" مریم نے بے حد ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

''تم مجھے دھمکا رہی ہو؟'' زلیخا کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''میں آپ کو نہیں دھمکا رہی۔ میں ہر معاملے میں خاموش ہو جاتی ہوں لیکن جہاں بات میری عزت پر آئے گی میں کسی کا بھی لحاظ نہیں کروں گی۔'' اس کی آنکھیں سرخ ہونے لگی تھیں۔ زلیخا کو پہلی بار بہت عجیب سا محسوس ہوا۔ زبیر بالکل خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ کوشش کے باوجود بھی اس کے کرب کا اندازہ کرنے سے قاصر تھا۔

''کیا کرو گی تم؟''

''آپ یہ بات مت بھولیں کہ یہ گھر میرے نام ہے۔ اگر آپ میری اجازت کے بغیر یہاں کسی کو لے کر آئیں گی تو میں پولیس میں شکایت درج کروا دوں گی۔'' اس نے اتنی بڑی بات بے حد آسانی سے کہہ دی تھی۔ مریم نے اتنے سالوں میں کبھی بھی اس بات کو نہیں جتایا تھا کہ یہ گھر اس کا ہے۔ گھر کے اصل کاغذات ایاز نے اپنی زندگی میں ہی بینک میں جمع کروا دیے تھے۔ اس کے پاس ان کاغذات کی کاپی تھی۔ بات مکمل کر کے وہ کھڑی ہوئی، ٹرے سے چائے کا کپ اٹھایا اور اپنے کمرے میں گھس گئی۔ زلیخا حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

''سنا تم نے یہ کیا کہہ کر گئی ہے؟'' زبیر ان کے واویلے پر چونکا۔

''اس نے جو بھی کہا اس میں آپ کو کیا غلط لگا؟ آپ نے ہی اسے اس حد تک جانے پر مجبور کیا ہے۔'' زبیر نے مریم کی طرف داری کی۔

''تم تو ہو ہی اس کے چمچے۔'' زلیخا بپھر گئیں۔

''تو آپ بھی مجھے اپنا چمچہ بنا لیں۔ بنا سکتی ہیں؟ چمچہ بنانے کا گر بھی کسی کسی کو آتا ہے۔'' وہ بول کر جھٹ سے وہاں سے اٹھ گیا۔ جانتا تھا کہ وہ مزید وہاں بیٹھا تو چپل پڑے گی ہی پڑے گی۔ زلیخا کا بس نہ چلتا تھا کہ دونوں کو کچا چبا ڈالیں۔

☆☆☆

موحد یونی ورسٹی کے کیفے ٹیریا میں بیٹھا تھا۔ سامنے رکھی ٹیبل پر کھانے کی کئی چیزیں موجود تھیں۔ اس کے عین سامنے تانیہ بھی براجمان تھی۔ جو نزاکت سے کھانے میں مصروف تھی۔ اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ اس کی ہر حرکت پر موحد کی نگاہ ہے۔ وہ اپنی تمام تر دلچسپی اسی پر مرکوز کیے بڑی خطرناک نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ تانیہ کو ایسی ہی نگاہیں مسحور کرتی تھیں۔ کچھ دن پہلے ہی تانیہ نے اس کی توجہ کھینچی تھی۔ اور نتیجے کے طور پر اب وہ دونوں آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو پسندیدگی کی سند دے چکے تھے اور دے رہے تھے۔ موحد نے بھی کوک کے کین کو اپنے منہ سے لگایا۔ تانیہ نے چند ماہ پہلے ہی اس تعلیمی ادارے کو جوائن کیا تھا۔ مگر موحد کی نگاہوں میں وہ اب اتری تھی۔

''شام کو کیا کر رہی ہو؟'' اس نے کوک کا گھونٹ حلق سے اتار کر پوچھا۔

''تمہاری دعوت کا انتظار۔'' تانیہ نے بال جھٹکتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''موحد کو یہ بات بہت مزا دیتی تھی جب کوئی لڑکی اپنی تمام تر توانائی اسے متاثر کرنے، اس کی توجہ کے حصول یا اس کی طرف سے دی جانے والی توجہ کو برقرار رکھنے میں صرف کرتی ہو۔ تانیہ حسین تھی، طرح دار، ادائیں دکھانے اور مقابل کو چاروں شانے چت کرنا اسے خوب آتا تھا۔ وہ نہ تو قدموں میں گرتی تھی نہ ہی کسی کو گراتی تھی۔ اور یہی ایک صفت تھی جس نے اسے اس جیسی باقی لڑکیوں سے ممتاز کر دیا تھا۔ یہی امتیازی خاصیت موحد کو درکار تھی۔ وہ ہمیشہ اس عورت کو اپنی قربت دیتا جو کسی نہ کسی اعتبار سے دوسروں سے مختلف ہوتی۔ اسے دوسروں سے الگ لگنے کا خبط تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ ہر وہ چیز جو اس کی دسترس میں ہے، ویسی کسی اور کے پاس نہ ہو۔ کپڑوں، جوتوں سے لے کر ہر شے میں وہ بے حد چوزی تھا۔ اور اپنے لیے ہر ہر چیز وہ خوب چھان پھٹک کر خریدا کرتا تھا۔ کسی اور کی پسند کردہ چیز کم ہی اسے بھاتی تھی۔ اس کی اس عادت کے باعث اس کے تمام قریبی

لوگ پریشان رہتے تھے۔ موحد کے لیے تحفوں کی خریداری بھی ان کے لیے کسی عذاب سے کم نہیں تھی۔ سب جانتے تھے کہ وہ شادی کے معاملے میں کسی حور سے کم پر کسی صورت اکتفا نہیں کرے گا۔ اسے بھی یہی خوش گمانی تھی۔

تانیہ سے ملاقات طے کر کے وہ اس سمت آ گیا جہاں اس کی گاڑی کھڑی تھی۔ اس کی نگاہ زبیر پر پڑی۔ وہ اس کا جونیئر تھا، اور جب پہلی بار وہ یونی ورسٹی آیا تھا تب موحد نے ہی اس کی ریگنگ کی تھی۔ تب سے آج تک اس لڑکے نے دوبارہ موحد سے بات تو دور اس کی جانب دیکھا تک نہیں تھا۔ اسے زبیر کا نگاہ پھیر کر گزر جانا بہت چبھتا تھا۔ موحد کو جب بھی زبیر دکھائی دیتا اسے اپنا کارنامہ یاد آتا، وہ ریگنگ سے زیادہ بے عزتی تھی جو اس کے ہاتھوں زبیر نے اٹھائی تھی۔ مگر وہ خاموش رہا تھا۔ آج بھی وہ خاموش ہی تھا۔ اور ہمیشہ ہی موحد چند لمحوں کے لیے شرمندہ ضرور ہوتا، اس کا جی چاہتا وہ اس سے جا کر معذرت کر لے لیکن ایسا کرنے میں انا آڑے آ جاتی تھی۔ موحد کوئی انتہائی حساس یا ذمہ دار لڑکا ہر گز نہیں تھا۔ مگر صرف چند لوگوں کے معاملے میں وہ اپنی فطرت کے الٹ چلتا تھا۔ جن میں زبیر خود بخود ہی شامل ہو گیا تھا۔

اگر زبیر اس وقت کوئی جوابی کارروائی کرتا، اس سے جھگڑا کرتا یا کوئی بھی ایسا عمل جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ وہ اس کی حرکت کے خلاف آواز اٹھا رہا ہے یا یہ عمل موحد کی بدتمیزی کی جوابی کارروائی ہے تو وہ شرمندہ ہونا تو دور الٹا زبیر کا جینا حرام کر دیتا۔ مگر اس نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ صرف ایک نگاہ اسے دیکھا تھا۔ اس نگاہ میں نجانے کیا تھا کہ ہنستے ہوئے اس کے دوست تک چپ رہ گئے تھے۔ جبکہ موحد ساکت۔ دوبارہ اس نے کسی بھی ایسے لڑکے کی ریگنگ نہیں کی جو مڈل کلاس سے تعلق رکھتا ہو۔

زبیر فون پر کسی سے کوئی بات کر رہا تھا۔ اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور اس میں بیٹھ گیا۔ شیشے سے اب بھی زبیر کسی سے بات کرتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر پریشانی تھی۔ موحد اس سے توجہ ہٹا کر گاڑی اڑا کر لے گیا۔ کچھ دیر پہلے ہی دادی کا فون آیا تھا۔ وہ کہہ رہی تھیں۔

''موحد بیٹا۔ آج جلدی گھر آنا، میں نے تمہارے لیے بریانی بنائی ہے۔ تمہاری ماں بھی اتفاق سے گھر پر ہے۔ مجھے کام کرتا دیکھ کر منہ بنانے لگی کہ بھلا آپ کو اس عمر میں کام کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ لو بتاؤ میں کون سا نوے سال کی بوڑھی ہوں۔ خود تو جوان جہان ہو کر بھی ہل کر پانی نہیں پیتی۔ اور چاہتی ہے کہ میں بھی اس کی طرح معذوروں والی زندگی گزاروں۔ میں نے کہا کہ بھئی تم بھی کچن میں جھانک لو۔ بچوں کو بھی اپنے ہاتھ کا بنا بھی چکھا دو۔ میری اس بات پر تمہاری ماں کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ توبہ کرنے لگی۔ اور کہتی ہے کہ خانساماں کے ہوتے میں کیوں خود کو ہلکان کروں؟ دیکھو اپنی دادی کا کرشمہ۔ تمہاری ماں کے منہ سے بھی توبہ توبہ نکلوا دی۔'' اور وہ زور زور سے ہنسنے لگا تھا۔ تانیہ اسے فون پر اس طرح ہنستے دیکھ کر حیران ہو گئی تھی، بریگر کی جانب بڑھتا ہاتھ رک گیا تھا۔

''اچھا میں فون رکھتی ہوں آدھے گھنٹے میں پہنچو اور ہاں یاد آیا وہ جو سیلفی اسٹک ہوتی ہے وہ بھی تیار رکھنا آج ماشاء اللہ عرصے بعد سب ساتھ ہوں گے ایک یادگار سیلفی ہونی ہی چاہیے۔'' اس بار اس نے بمشکل اپنی ہنسی روکی۔ اور ''جی اچھا میں آتا ہوں'' کہہ کر فون رکھ دیا۔

''کس کا فون تھا؟ کون لطیفے سنا رہا تھا؟'' موحد کو ہنستا دیکھ کر اس نے خوش دلی سے پوچھا۔

''میری دادی کا فون تھا۔ کھانا بنا کر انتظار کر رہی ہیں۔ میں نکلتا ہوں۔ شام کو ملیں گے۔'' وہ کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔

''تمہاری دادی نے اسپیشلی تمہارے لیے کوکنگ کی؟'' وہ تحیر کا اظہار کرنے لگی

''ہاں۔ وہ جب بھی ہمارے گھر رہنے آتی ہیں۔ میرا خیال اسی طرح رکھتی ہیں جیسے میں کوئی چھوٹا بچہ

ہوں۔" وہ دونوں ایک ساتھ چلنے لگے تھے جب اس نے بتایا۔

"کاش میری بھی کوئی دادی ہوتی۔ جو ایسی ہی ہوتیں جن کا فون سن کر میں اس طرح ہنستی جیسے ابھی تم ہنسے۔" وہ حسرت سے بولی۔ موحد ایک دم رک گیا۔

"کیا ہوا؟ رک کیوں گئے؟" تانیہ نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

"میری لاسٹ گرل فرینڈ کے ساتھ میرا بریک اپ اس لیے نہیں ہوا کہ میں اس سے بور ہو گیا تھا۔ بلکہ اس لیے ہوا کیونکہ وہ میری دادی ماں کی کال آنے پر ناگواری کا اظہار کرتی تھی۔" اس نے جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے اسے بتایا۔ وہ مسکرائی۔ مگر جواباً کچھ نہیں بولی۔

"لیکن تم واقعی الگ ہو۔ بہت زیادہ نہیں لیکن ہو۔ میں تمہارے ساتھ خوشی محسوس کرتا ہوں۔" اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے وہ بولا۔

اور گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

وہ گھر پہنچا تو ڈائننگ روم میں گھر کے تمام افراد موجود تھے۔ اس کی ممی، پاپا، چھوٹا بھائی عاصم، جو بیس سال کا تھا۔ عاصم سے بھی چھوٹی عنائیہ۔ اس کی عمر سولہ سال تھی۔ اور دادی بھی۔ اسے آتا دیکھ کر ملازمہ نے پھرتی سے کھانا لگایا۔

"دادی اچھا سا پوز بنائیں میں سب کی تصویر لے رہا ہوں۔" کھانا لگتے ہی اس نے موبائل نکال کر مسکراتے ہوئے دادی سے مخاطب ہو کر کہا۔ دادی مسکرائیں لیکن اس نے لمحے میں محسوس کر لیا تھا کہ ان کا جوش مفقود ہے۔ موحد نے تصویر لی۔ اور موبائل جیب میں رکھ لیا۔ سب خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے۔ آج ٹیبل پر صرف ایک ہی ڈش تھی۔ ایسی سادگی تب ہی دیکھنے میں آتی تھی جب دادی گھر آتیں۔ اس نے سوچا دادی کی کسی بات پر ممی کا موڈ آف ہو گیا ہو گا یا ایک ڈش پر ان کا اعتراض اٹھا ہو گا۔ سو اس نے زیادہ توجہ نہیں دی۔ پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ تعریفوں کے پل باندھے انہیں پیار کر کے وہ پھر سے باہر نکل گیا۔

شام کو اسے تانیہ سے ملنا تھا۔ وہ اس کی بتائی ہوئی جگہ پہنچ گیا۔ دونوں ایک دوسرے سے ملے۔ آمنے سامنے بیٹھے۔ تانیہ نک سک سی تیار گہرے سرخ رنگ کی شرٹ اور کریم کلر کے ٹراؤزر میں ملبوس کافی حسین لگ رہی تھی۔ موحد کی طبیعت خوش گوار ہو گئی۔ وہ دونوں کئی گھنٹے ایک دوسرے کے ساتھ رہے، کھانا کھایا، باتیں کیں، سیلفیاں بنوائیں، گھومے پھرے، وقت پر لگا کر اڑ گیا۔ وہ رات گئے گھر واپس آیا۔ اسے واپسی کے سفر میں یاد آیا کہ اسے دادی کے ساتھ بھی وقت گزارنا تھا۔ جو کہ تانیہ کی سنگت کی نظر ہو گیا۔ گاڑی کھڑی کر کے کمرے میں داخل ہوا تو ہیٹر بند تھا اور کمرہ ٹھنڈا۔

"دادی کہیں ناراض تو نہیں ہو گئیں؟" اس نے سوچا۔ وہ اپنے کمرے سے نکل کر دادی کے کمرے کی جانب بڑھا۔ دروازہ ہلکا سا کھلا تھا اور کمرہ اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ اسے بستر پر لیٹا وجود دکھائی دیا۔ موحد نے دروازہ پھر سے بند کر دیا۔

"دادی اتنی جلدی کیسے سو سکتی ہیں؟ صبح اٹھ کر پوچھوں گا وہ سوچتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔

صبح دیر سے جاگا۔ ناشتے کی ٹیبل پر پہنچ کر اس نے ملازمہ سے دادی کے بارے میں دریافت کیا۔

"وہ تو آج صبح سات بجے ہی چلی گئیں۔ عفان صاحب کو فون کر کے بلایا تھا انہوں نے۔ وہ آ کر لے گئے انہیں۔" ملازمہ نے اس کے سامنے جوس کا گلاس رکھتے ہوئے کہا۔ موحد کے ناشتا کرتے ہاتھ تھم گئے۔

"کوئی بات ہوئی ہے گھر میں؟" اس نے تشویش سے پوچھا۔

"وہ...... جی...... بی بی جی اور دادی اماں کا جھگڑا ہو گیا۔" اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ جیسے ڈر ہو کہ گھر کا کوئی اور فرد اس کی بات نہ سن لے۔

"سب سو رہے ہیں۔ تم بتاؤ کہ کیا ہوا ہے؟"

اس نے اپنے اندر اٹھتے غصے کو دباتے ہوئے کہا۔
"وہ کل دادی اماں نے کہا کہ آج وہ کھانا بنائیں گی کیونکہ آپ کو ان کے ہاتھ کا کھانا پسند ہے۔ پہلے بی بی جی نے اس بات پر اعتراض کیا پھر جب دادی نے مجھ سے حساب مانگا کہ ایک وقت کے کھانے میں کتنا خرچا آتا ہے۔ انہیں اس بات پر بھی غصہ آگیا۔ دادی نے کہا کہ میں جب تک ہوں ایک ہی ڈش بنائی جائے۔ اور جو پیسے فضول میں ضائع ہوتے ہیں وہ ہم سب ملازموں میں بانٹ دیے جائیں۔ اس پر بی بی جی نے بہت غصہ کیا، ان کو باتیں سنائیں۔ صاحب جی نے کہا بھی کہ اماں جو کرنا چاہتی ہیں کرنے دو۔ تمہیں نہیں کھانا باہر سے آرڈر کر دو لیکن وہ چپ نہ ہوئیں۔ دادی کو طعنے مارے اور۔"
"اور کیا؟" اس کا دماغ کھولنے لگا تھا۔
"اور پھر بی بی جی نے کوئی جائداد کا قصہ چھیڑ دیا۔ جس پر دادی اماں بھی خوب بولیں اور ناراض ہوگئیں۔ وہ اسی وقت واپس جانے لگی تھیں لیکن چھوٹے صاحب اور چھوٹی بی بی نے منت کر کے روک لیا۔ رات تک وہ دونوں انہیں مناتے رہے۔ لیکن وہ صبح ہوتے ہی کسی کو بھی بنا بتائے چلی گئیں۔"
"جائداد کے معاملے پر کیا بات ہوئی تھی؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔ کئی سال پہلے ہی تمام جائداد کے حصے ہو چکے تھے جس پر کسی کو بھی اعتراض نہیں ہوا تھا۔
"مجھے بی بی نے وہاں سے باہر بھیج دیا تھا۔"
"ٹھیک ہے تم جاؤ۔" وہ ناشتا ادھورا چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ جیب سے موبائل نکال کر اس نے عفان کا نمبر ملایا۔ لیکن وہ بند جا رہا تھا۔ اسے تشویش ہوئی۔ گاڑی نکال کر وہ روڈ پر لے آیا۔ دوبارہ کال کرنے کے لیے ابھی فون ہاتھ میں لیا ہی تھا کہ شیری کی کال آگئی۔ وہ اسے یونی ورسٹی بلا رہا تھا۔ آج لاسٹ کلاس تھی۔ اس کے بعد امتحانات کے لیے چھٹیاں شروع ہو جاتیں۔ اس نے سوچا کہ وہ شیری کو منع کر دے۔ لیکن پھر پروفیسر صاحب کی بدلحاظی یاد آئی تو عفان کی طرف جانے کا ارادہ ترک کر کے وہ یونی ورسٹی کی جانب چلا آیا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ کلاس کے بعد سیدھا دادی سے ملنے جائے گا۔ لیکن آج ہی تمام ضروری کام نکل آئے تھے۔ اسے یاد آیا کہ کچھ اہم ٹاپکس اس کے پاس موجود نہیں اور ان کے حصول کے لیے اسے لائبریری چھاننی پڑے گی۔ وہ لائبریری آیا تو زبیر ایک سائڈ پر پریشان چہرہ لیے بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے میز پر کتاب کھلی پڑی تھی، بیگ کتاب کے ساتھ رکھا ہوا تھا، وہیں ایک طرف نوٹس بھی پڑے تھے۔ اور وہ خیالوں میں گم تھا۔ موحد مطلوبہ کتاب کے مل جانے پر کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا، مگر کتاب پر توجہ برقرار نہ رکھ سکا۔ ہمیشہ پرسکون دکھائی دینے والا زبیر اسے کئی دن سے پریشان دکھ رہا تھا۔ اسے تجسس تھا کہ اسے آخر ایسا کیا مسئلہ لاحق ہو گیا ہے۔
زبیر کچھ دیر یونہی گم صم سی کیفیت میں بیٹھا رہا۔ پھر بیگ کو کھنگالا اور کوئی تصویر برآمد کی۔ تصویر دیکھتے ہوئے اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔
اوہ محبت کا چکر۔ وہ بے اختیار ہنسا۔ اب اس کی ساری توجہ زبیر پر تھی۔ اس کے موبائل پر کال آئی اور وہ فون اٹھا کر باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد موحد نے کتاب پر نگاہیں گاڑ دیں۔ آدھے گھنٹے بعد جب اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو زبیر کا سامان جوں کا توں وہیں پڑا تھا۔
"کیا وہ اب تک واپس نہیں آیا؟" اس نے حیرت سے سوچا۔ اور اٹھ کھڑا ہو گیا۔ کتاب ایشو کروا کر اس نے وہاں بکھرا سارا سامان سمیٹا اور باہر آگیا۔ پوری یونی ورسٹی چھان ماری مگر وہ اسے کہیں بھی دکھائی نہیں دیا۔
"کیا کروں میں اس کا؟" اس نے بیگ کو آنکھوں کے سامنے کر کے گھورا اور گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ ساتھ والی سیٹ پر بیگ پھینک کر اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ گھر پہنچ کر اس نے بیگ اٹھایا اور کمرے میں لے آیا۔ کچھ سوچ کر اس نے بیگ بستر پر الٹ دیا۔ بیگ سے نوٹس، پین اور ایک ڈائری

نکلی۔اس نے سب سے پہلے ڈائری اٹھائی۔تصویر نیچے گر گئی۔تصویر کو چھوڑ کر اس نے وہ صفحہ کھولا جس میں تمام نمبر درج تھے۔گھر کا نمبر، آپی کا نمبر، فلاں خالہ کا نمبر وہ اس ترتیب کو پڑھ کر ہنسا مجھے گھر کا نمبر ملانا چاہیے۔ہوسکتا ہے بات ہوجائے۔اس نے خود کلامی کی۔پھر ڈائری الٹ پلٹ کر دیکھی۔دوسری جانب اس کے گھر کا پتا بھی درج تھا۔اور اس پر لکھا تھا۔

''اگر میں کسی حادثے کا شکار ہوجاؤں تو لوگ مجھے لاوارث نہ سمجھیں۔یہ ڈائری انہیں میرے ورثا تک پہنچانے میں مدد کرے گی۔اس ڈائری میں تمام نمبرز اور میرے گھر کا پتا موجود ہے۔''موحد نے باآواز بلند اس نوٹ کو پڑھا اور پھر الٹی پڑی ہوئی تصویر اٹھائی۔تصویر دیکھ کر اس کا منہ بن گیا۔

زبیر کی یہ چوائس ہے؟ خود تو اچھا بھلا ہینڈسم ہے۔پھر اس لڑکی میں ایسا کیا ہے جو وہ اس کے لیے آنسو بہا رہا تھا۔اس نے تصویر کو آنکھوں کے سامنے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔پھر سارا سامان بیگ میں واپس بھر کر اٹھ گیا۔البتہ ڈائری اور تصویر اپنی پاکٹ میں رکھ لی۔اس کا ارادہ تھا کہ وہ اسے کال کر کے آگاہ کردے گا کہ نوٹس اس کے پاس ہیں۔

کھانا کھا کر وہ پھر گھر سے نکلا۔اس کا رخ عفان کے گھر کی طرف تھا۔جب وہ وہاں پہنچا تو گھر پر تالا لگا ہوا تھا۔اسے تشویش ہوئی۔ایک تو مستقل اس کا نمبر بند تھا۔دوسرا اب گھر میں بھی کوئی نہیں تھا۔وہ واپس پلٹ آیا۔شام کو وہ اور تانیہ ایک پارک میں ملے۔ٹھنڈی ہوا جسم کے آر پار ہورہی تھی۔دونوں نے گرم لباس پہن رکھا تھا۔پارک میں واک کرنے کے بعد وہ ایک بینچ پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔آج وہ بالکل سادہ سے حلیے میں تھی۔بال پونی میں قید کر رکھے تھے۔چند لٹیں چہرے پر بکھری تھیں جو ہوا چلنے پر اڑنے لگتیں۔کچھ دیر یہاں وہاں کی باتیں کرنے کے بعد موحد کو اچانک سے زبیر یاد آگیا۔

''تم نے زبیر کو دیکھا ہے؟ ٹینا کا کلاس فیلو؟'' دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔جب اس نے زبیر کا ذکر چھیڑا۔

''ہاں کئی بار۔ٹینا کو اس پر شدید کرش ہوا تھا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''زبیر کا کیا رسپانس تھا؟''اسے ایک دم دلچسپی محسوس ہوئی۔ٹینا ایسی لڑکی تھی کہ اسے آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔

''کاش کہ زبیر کا کوئی رسپانس ہوتا۔اس نے تو کبھی غور سے ٹینا کی جانب دیکھا بھی نہیں۔وہ اگر بات بھی کرتی تو زبیر اتنے مختصر جواب دیتا کہ ٹینا کی ہمت ہی ٹوٹ جاتی۔کچھ دن بعد اس نے ہمت ہار دی اور پھر اسے کسی اور پر کرش ہوگیا۔''اس نے ہلکے پھلکے انداز میں بات مکمل کی۔موحد نے پاکٹ سے تصویر نکالی۔اور اس کے سامنے لہرائی۔

''یہ کون ہے؟''تانیہ نے اس کے ہاتھ سے تصویر لی۔اور غور سے دیکھی۔

''یہ ہے زبیر کی محبوبہ۔''اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔تانیہ نے ایک دم نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔اس کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوئی۔

''تم اس انداز میں کیوں ذکر کررہے ہو؟''اسے موحد کا انداز بے حد عجیب لگا تھا۔

''تم اس لڑکی کی شکل دیکھو اور زبیر کو دیکھو۔زبیر اس کے مقابلے میں بے حد ہینڈسم ہے۔پتا نہیں اسے اس لڑکی میں ایسا کیا دکھائی دے گیا۔''موحد نے چہرہ بگاڑ کر کہا۔تانیہ نے غور سے تصویر دیکھی۔دوپٹے کے ہالے میں وہ چہرہ ایسا ہرگز نہیں تھا کہ اس کا یوں تمسخر اڑایا جاتا۔اس نے گہری سانس بھرتے ہوئے تصویر اسے واپس کی۔

''یہ تصویر تمہیں کہاں سے ملی؟''اس نے بے حد سنجیدگی سے پوچھا۔جواباً موحد نے تفصیل اس کے گوش گزار کردی۔

''یہ مڈل کلاس لوگ۔ان کی سوچ ایک مخصوص زاویے سے باہر نہیں آسکتی۔اگر تم زبیر سے محبت کی وجہ پوچھو گی تو وہ پتا ہے کیا جواب دے گا؟ یہ باکردار ہے، گھریلو ہے، اچھا کھانا بناتی ہے۔اسی لیے زبیر کی

پسند ٹھہری۔ ان دو خصوصیات کے لیے جو کہ اتنی اہم بھی نہیں، کیا کوئی کسی کم شکل لڑکی کو اپنی پسند بنا سکتا ہے؟ انسان کو زندگی میں ایک بار شادی کرنا ہوتی ہے اور ایک ہی بار محبت۔ تو ان دونوں اہم ترین معاملات کے لیے کیا ایسی لڑکی مناسب ہوگی؟ میں ہوتا تو کبھی بھول کر بھی ایسی لڑکی پر دوسری نگاہ نہ ڈالتا۔ کجا کہ محبت۔ اف ہمت ہے زبیر کی۔'' تانیہ ساکت نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ جس سوسائٹی کا وہ حصہ تھی وہاں لوگ ظاہر پر ہی مرتے تھے لیکن موحد بھی ظاہری رنگ و روپ کا اس حد تک شیدائی ہوگا، اور یوں بغیر کسی وجہ کے کسی لڑکی کے بارے میں اس انداز میں گفتگو کر سکتا ہے۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ تانیہ ایک حساس اور بہت اچھی لڑکی تھی۔ موحد کا یہ لہجہ اسے بے حد دکھی کر گیا۔ وہ ایک دم چپ ہوگئی۔

''کیا ہوا تمہیں؟'' موحد کی ہر بات کے جواب میں ہوں ہاں کرتے دیکھ کر اس نے پوچھا۔ تانیہ نے اڑتے بال کانوں کے پیچھے اڑسے۔

''تمہیں ایک بات بتاؤں؟'' تانیہ نے آہستگی سے کہا؟ میری مما کہا کرتی تھیں جو ظاہری حسن کا دلدادہ ہوتا ہے ناں وہ کبھی کسی بھی رشتے کے ساتھ مخلص نہیں ہوتا۔'' اس نے ابھی جملہ مکمل ہی کیا تھا کہ موحد کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

''تمہارے ساتھ میں نے کیا بے ایمانی کی؟'' موحد بھڑک اٹھا۔

''میں نے تمہارا ذکر کب کیا؟'' وہ بدستور پرسکون لہجے میں بول رہی تھی۔

''جب میرا ذکر نہیں تو اس وقت تمہیں تمہاری ممی کی بات کیوں یاد آگئی؟'' وہ تیز لہجے میں بولا۔

''میں بچپن سے ایسا ہوں، مجھے ہر چیز پرفیکٹ چاہیے۔ خوب صورتی میری کمزوری نہیں لیکن میں کسی معمولی عورت کے ساتھ زندگی نہیں بسر کر سکتا۔ اس سارے قصے میں، میں تمہیں کیوں بے ایمان لگا؟'' اس کی بات سن کر تانیہ ہنسی۔

''اگر میں صورت میں اس جیسی ہوتی تو کیا میں یہاں اس وقت تمہارے ساتھ ہوتی؟'' موحد لمحے بھر کو چپ رہ گیا۔'' اور تم کہتے ہو کہ خوب صورتی تمہاری کمزوری نہیں۔'' اس نے سر جھٹکا۔

''میں نے کسی اور کے بارے میں بات کی ہے۔'' موحد نے کہا

''تم نے بات نہیں کی تمسخر اڑایا ہے۔ جیسے تمہارے لیے خوب صورتی محبت کے لیے، زندگی گزارنے کے لیے، شادی کے لیے لازمی جز ہے، اسی طرح زبیر نے بھی کوئی پیکر تراش رکھا ہوگا جس میں خوب صورتی سے زیادہ باقی باتیں اہم ہوں گی۔ تمہیں کوئی حق نہیں کہ اسکی پسند کا یوں مذاق اڑاؤ۔ اور اپنی سوچ کو درست مان کر کسی کی بے عزتی کرو۔ محبت پر کس کا زور ہے؟ یہ تو کبھی بھی کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔ کسی ایسے آدمی سے بھی جو انسان کہلانے کے لائق نہ ہو، ہم اس کی محبت میں بھی مبتلا ہو سکتے ہیں۔'' موحد اسے بے یقین نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر کرسی سے ٹیک لگا کر اسے دیکھنے لگا جیسے پہلی بار دیکھ رہا ہو۔

''تم کون سے تھرڈ کلاس ناول پڑھ رہی ہو آج کل؟ اور یہ پچھلی صدی کی محبت کا فلسفہ تمہیں کیوں یاد آگیا؟'' وہ ہنسا۔ تانیہ نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

''میری جان محبت بھی سوچ سمجھ کر کی جاتی ہے۔ یہی سچ ہے۔'' اس نے آگے جھک کر سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔

''محبت سوچ کر نہیں کی جاتی۔ سوچ کر تو تعلق بنائے جاتے ہیں۔ تمہیں اس فرق کو سمجھنا ہوگا۔ تم اپنی دادی سے سوچ سمجھ کر محبت کرتے ہو؟''

''وہ میری دادی ہیں۔ خونی رشتہ ہے ان سے۔ اور خونی رشتوں میں محبت قدرتی طور پر موجود ہوتی ہے۔'' اس نے جواب دے کر پانی کی بوتل منہ سے لگائی۔

''قلبی تعلق بھی یونہی نہیں بن جاتا۔ ہم وجوہات ڈھونڈتے ہیں۔ ہمیں فلاں سے فلاں وجہ سے محبت

ہوئی۔ اس پر عاشق ہوئے کیونکہ ہم نے اسے اس روپ میں دیکھا تھا۔ یہ ساری فضول باتیں ہیں۔ تم نے کبھی صبیحہ خانم کی سوانح حیات پڑھی ہے؟ ان کی والدہ کی داستان پڑھنا، اسے کہتے ہیں محبت۔ ایک ایسا آدمی جو پیسے کا پجاری ہو، اس عورت نے اس کے ساتھ نباہ کیا۔ اس لیے نہیں کہ اس کے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا اس لیے کہ اس کا دل اس کی محبت سے مغلوب تھا۔ یہ محبت انہوں نے کسی منصوبے کے تحت اپنے دل میں پیدا نہیں کی۔ یہ خود ہو گئی۔'' موحد اب انتہائی دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا۔

''ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟'' وہ ناراض ہو گئی، موحد کی آنکھوں میں چمکتی شرارت وہ بھانپ چکی تھی۔

''تم بہت اچھی وکیل بن سکتی ہو اور مجھے لگنے لگا ہے کہ مجھے تم سے محبت ہو سکتی ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔ تانیہ نے اس کے بازو پر مکا مارا۔

''انتہائی بدتمیز لڑکے ہو۔'' وہ مصنوعی غصے سے بولی۔

''لیکن تم کچھ بھی کہو زبیر کی محبوبہ سے مجھے کبھی محبت نہیں ہو سکتی۔'' وہاں سے اٹھتے ہوئے اس نے پھر اسے چھیڑا۔ تانیہ نے ایک بار پھر اسے مکا مارا۔ موحد کا قہقہہ گونج اٹھا۔

☆☆☆

زبیر بے حد پریشانی کی کیفیت میں یونیورسٹی سے نکلا۔ اسے مریم کا فون آیا تھا۔ ابھی ان کی بحث کو چند دن ہی ہوئے تھے۔ اور زبیر کو یقین تھا کہ زلیخا مریم کی دھمکی کے بعد اطہر کو دوبارہ اس گھر میں داخل کرنے کا نہیں سوچیں گی۔ لیکن مریم کا چیختا چنگھاڑتا فون آیا۔ وہ بری طرح مشتعل تھی۔ لیکن زبیر سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے والا انسان تھا۔ لیکن اس کے زار وقطار رونے پر وہ گھبرا گیا۔ جب وہ گھر پہنچا تو مریم کمرہ بند کیے اندر غائب تھی۔ جبکہ اطہر بے حد شرمندہ سا باہر چارپائی پر بیٹھا تھا۔ جبکہ زلیخا کچن میں کھڑی کھانا بنا رہی تھیں۔ زبیر گھر کے اندر داخل ہوا۔ وہ اس کی موجودگی سے بے خبر تھیں۔

''مریم کی کیا اوقات بھلا؟ یہ گھر میرے شوہر کا ہے، نجانے کب ان کا دماغ خراب ہوا اور کب یہ گھر اس جھگڑالو لڑکی کے نام کر دیا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میرا حق ختم ہو گیا اور میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ اسے کیا لگتا ہے میرے رشتے داروں کو بے عزت کرے گی تو میں اسے یہاں کسی اور کرائے دار کو رہنے دوں گی؟'' زبیر کو دیکھ کر اطہر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ زلیخا کی اس جانب پشت تھی سو وہ اسے نہیں دیکھ پائی تھیں۔ وہ دروازے میں آ کر کھڑا ہو گیا۔

''تم بالکل فکر مت کرو۔ تم یہاں اس وقت تک رہ سکتے ہو جب تک تمہاری ماں واپس نہیں آ جاتی۔''

زبیر حیرت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ کھانا بنا رہی تھیں۔ ابا کی وفات کے بعد یہ پہلی دفعہ تھا کہ انہوں نے گھر کے کسی کام کو ہاتھ لگایا تھا۔ ورنہ مریم چاہے بخار سے مر رہی ہوتی وہ چارپائی کے پائے سے جڑی رہتیں۔ زبیر ہی جیسے تیسے اس کی مدد کرتا، روٹیاں ہوٹل سے پکوا کر لے آتا۔ آج وہ اطہر کی خاطر باورچی خانے میں تھیں۔ اسے حیران تو ہونا ہی تھا۔ کفگیر کو ایک جانب رکھ کر وہ جیسے ہی پلٹیں سامنے زبیر کو دیکھ کر لمحے بھر کے لیے سٹپٹا گئیں۔

''تم کب آئے؟ جاؤ جا کر کپڑے بدل لو۔ وہ مہارانی اندر کمرہ بند کیے بیٹھی ہے۔ اپنے کپڑے خود نکال لو الماری سے۔'' وہ خود پر قابو پا کر بالکل نارمل لہجے میں بولیں۔ زبیر جی جان سے جل گیا۔ اطہر سر جھکائے کھڑا تھا۔ وہ اس کے پاس آیا۔

''جب آپ کو ہر بات کا علم ہے تو امی کے کہے پر آپ یہاں کیوں آئے؟ کیا آپ کے اندر عزت نفس نہیں؟'' زبیر نے غصہ دباتے ہوئے لہجے کو حتی الامکان نرم کر کے کہا۔

''میں نے خالہ سے کہا تھا کہ میں اپنا انتظام کر لوں گا لیکن امی اور خالہ نے زبردستی مجھے یہاں بھیجا ہے۔'' اطہر کے لہجے میں شرمندگی، ناراضی کے سارے رنگ تھے۔

"آپ کے پاس فیصلہ کرنے کی طاقت اور اس پر قائم رہنے کی صلاحیت ہے؟ یا ان دونوں خواتین کی باتوں پر کان دھر دھر کے شرمندگی اٹھاتے رہیں گے۔" زبیر نے بغیر لحاظ کیے کہا۔ اطہر کا چہرہ سرخ ہوا۔ اگلے ہی لمحے اس نے اپنا سامان اٹھایا۔ زلیخا اسے آوازیں دیتی رہ گئیں۔ مگر وہ ان سنی کر کے باہر نکل گیا۔

"تم دونوں کے سارے کس بل نکالوں گی میں، دیکھنا تم۔" زبیر کو خوں خوار نگاہوں سے دیکھتے ہوئے وہ بولیں۔

"میں آپ کو آخری دفعہ کہہ رہا ہوں امی۔ مجھے مجبور مت کریں۔ ایسا نہ ہو کہ میں مریم کو لے کر یہ گھر ہی چھوڑ کر چلا جاؤں۔ پھر حق جتاتی رہیے گا اور دیواروں سے نفرت کیجیے گا۔" زبیر نے انتہائی برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ اور مریم کے کمرے کی طرف چل دیا۔

"کیا کہا تم نے؟ تم یہ گھر چھوڑ دو گے؟ کہاں جاؤ گے؟ تمہارا باپ تو بڑی جائداد بنا کر گیا ہے تمہارے لیے۔" وہ غصے سے چلانے لگیں۔

"میرے باپ نے ہمیشہ اپنی برداشت سے بڑھ کر محنت کی ہے۔ مجھے زیادہ کا لالچ نہیں۔ جتنا ہے کافی ہے۔ اور اگر کافی نہ بھی ہوا تو اللہ کی دنیا بہت بڑی ہے۔ اور کھلے دل لوگوں کی بھی کمی نہیں۔" عموماً وہ ان کے سامنے اس طرح سے زبان کا استعمال نہیں کرتا تھا لیکن آج حد ہو گئی تھی۔ اس کی شرافت کو بزدلی سمجھا جا رہا تھا۔ اس کی بہن ایک جوان بھائی کے ہوتے ہوئے بھی خود کو غیر محفوظ سمجھ رہی تھی، اس سے بڑے دکھ کی بات اور کیا ہو سکتی تھی؟ زلیخا مسلسل چلا رہی تھیں۔ اس نے سنی ان سنی کر کے مریم کو آوازیں دینا شروع کیں۔

"اطہر جا چکا ہے اور اگر دوبارہ اس نے اس گھر میں قدم رکھا تو میں اس کی ٹانگیں توڑ دوں گا۔" زبیر نے غصے سے کہا۔ اس کی آواز سن کر مریم نے دروازہ کھولا تھا اور زلیخا نے خود کو کمرے میں بند کر دیا تھا۔

☆☆☆

آج مریم نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ بہت دن بعد وہ گنگنائی تھی۔ شام کو جب بچے ٹیوشن پڑھنے کے لیے آئے تو وہ ان کے ساتھ با آواز بلند نظمیں گنگنانے لگی۔ اس کی کوئل سی آواز گونجتی تو چاروں جانب ایک عجیب سا ساز بکھر جاتا۔ یوں لگتا جیسے بہت ساری چڑیا ایک ساتھ چہچہائی ہوں۔ وہ آج بے حد خوش تھی، اس کی خوشی اس کی آواز سے چھلک رہی تھی۔ بچے اسے گنگناتا دیکھ کر مزید پرجوش ہو گئے۔ فون بج بج کر بند ہو گیا، آواز شور میں دب گئی۔ زلیخا وہیں فون کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ مگر دوبار انہوں نے بیل کو نظر انداز کیا۔ پھر غصے سے فون اٹھا لیا۔

"ہیلو۔" ان کی ہیلو میں بھی ناراضی کی لہریں تھیں۔ دوسری جانب سے کچھ کہا گیا مگر بچوں اور مریم کی بلند آواز میں وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکیں۔ غصے سے فون پٹخا اور سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

زبیر اب ان کے مقابل آ گیا تھا۔ وہ یہ بات بھول چکی تھیں کہ وہ ان سے ایک بیٹے کے رشتے کی حیثیت سے جتنا چاہے دبتا ہو، ڈرتا ہو، ان کی عزت اور محبت کے آگے مجبور ہو۔ لیکن اس گھر کے سربراہ اور مرد ہونے کی حیثیت سے وہ ان کی ناجائز باتوں پر ضرور لب کھولے گا۔ اور یہی بات ان سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ اوپر سے مریم کی چہکتی آواز زلیخا کو لگا ان کا سر پھٹ جائے گا۔ وہ اس وقت زبیر کے کمرے میں بیٹھی تھیں۔ اطہر کو یہاں سے چلتا کر کے وہ خود غائب ہو چکا تھا۔ اور اب تک واپس نہیں آیا تھا۔ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئیں۔ مریم بچوں کو چھٹی دے کر رات کا کھانا بنانے لگی۔ آج ہی اسے احساس ہوا تھا کہ اس کا بھائی اب اس کی حفاظت کے قابل ہو چکا ہے۔ وہ اپنی ذمہ داری سمجھ چکا ہے۔ اور یہ بات اسے سرشار کرنے کے لیے کافی تھی۔ وہ رات کے کھانے کے لیے پالک کاٹنے لگی۔ گوشت وہ فریج سے نکال چکی تھی۔ ابھی وہ پالک کاٹ ہی رہی تھی کہ فون بجا۔ فون زبیر کے کمرے میں موجود تھا۔ اس نے کچھ دیر انتظار کیا مگر زلیخا نہ آئیں۔ عام طور پر فون

ی پہلی بیل بجتے ہی وہ جھٹ سے فون اٹھا لیتی تھیں۔
مریم ہاتھ صاف کر کے کمرے میں آ گئی۔ ریسیور اٹھا
کر کان سے لگایا۔
"ہیلو۔" کچھ دیر دوسری جانب خاموشی چھائی
رہی۔ مریم نے دو بار ہیلو کہا لیکن کوئی جواب نہ آیا۔
اس نے ریسیور کریڈل پر رکھا اور پھر سے باورچی
خانے میں آ گئی۔ کچھ دیر بعد دوبارہ فون بجا، مگر اس
دفعہ اسے زبیر کے کمرے میں جانا نہیں پڑا۔ کیونکہ
زبیر خود آ گیا تھا۔ مریم نے کھانا تیار کیا۔ اور اپنے لیے
کھانا لے کر کمرے میں آ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ آج وہ
ماں کو منائے گا۔ اسے اس بات پر راضی کرنے کی
کوشش کرے گا کہ وہ مریم کو پریشان کرنا چھوڑ دیں۔
مگر زلیخا کیسے مان سکتی تھیں بھلا؟
اپنے کمرے میں آ کر بستر پر بیٹھ کر ہی کھانا
نوش فرما کر اٹھی، برتن واپس جا کر رکھے اور اپنے لیے
چائے بنا کر لے آئی۔ زبیر ماں کو سمجھانے میں مصروف
تھا اور رات کو وہ بھی کبھار ہی چائے پیتا تھا جبکہ زلیخا
بھی اس گرم مشروب کی شوقین نہیں تھیں البتہ خود وہ
نشے کی حد تک چائے پسند کرتی تھی۔ کمرے میں آ کر
دروازہ بند کیا۔
چائے گھونٹ گھونٹ حلق میں اتارتے ہوئے
اسے ماضی یاد آنے لگا۔
سال بھر پہلے کی ہی تو بات تھی۔ جب اس کی
زبان تلخ نہیں ہوتی تھی۔ زلیخا کچھ بھی کہیں وہ خاموش
ہی رہتی تھی۔ اس نے موجودہ حالات سے سمجھوتا کر لیا
تھا۔ مگر زلیخا اس پر بھی خوش نہیں تھیں۔ اطہر ان ہی
کے علاقے میں رہتا تھا۔ ماجدہ زلیخا کی دور کی رشتہ
دار تھیں۔ انہی کے توسط سے ہی تو ایاز کی شادی ان
سے ہوئی تھی۔ شادی کے بعد زلیخا نے ان کے ساتھ
مستقل اور گہرا رابطہ رکھا۔ ماجدہ کا اکلوتا سپوت، اطہر
جو دیکھنے میں ٹھیک ٹھاک تھا۔ عادات بھی اچھی تھیں۔
وہ بچپن سے اسے اپنے گھر آتا جاتا دیکھ رہی تھی۔ کبھی
کم عمری میں بھی اطہر نے کوئی لیچڑ حرکت نہیں کی۔
وہ دونوں ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے، وہ مریم کا
سینئر تھا۔ خاموش طبع اور پڑھاکو۔ مگر پھر اچانک ہی
اس کا رویہ تبدیل ہو گیا۔ ایاز کے انتقال کے بعد اس
کا آنا جانا بڑھ گیا۔ وہ خود بخود محتاط ہو گئی۔ پردہ وہ صرف
باہر کے لوگوں سے کرتی تھی۔ اب رشتہ داروں سے
کرنے کا سوچا تو زلیخا نے خوب واویلا مچایا۔ وہ چپ
ہو گئی لیکن اب گھر میں بھی ہر وقت بڑی سی چادر اوڑھ
کر رکھتی۔ زبیر کا اسکالرشپ پر یونیورسٹی میں داخلہ
ہو چکا تھا۔ وہ صبح جاتا شام کو آتا۔ اسے گھر کے معاملات
کی آگاہی نہیں تھی۔
زلیخا ایاز کو باہر صحن میں رکھی چارپائی پر گھنٹوں
بٹھا کر رکھتیں۔ مریم کے لیے گھریلو امور نمٹانا دوبھر
ہو جاتا۔ وہ جہاں جاتی اطہر کی نگاہیں اس کا پیچھا
کرتیں۔ گھر اتنا بڑا تو تھا نہیں اور بنا ہوا بھی اس طرز
کا تھا کہ صحن میں بیٹھا انسان پورے گھر کو نگاہوں میں
رکھ سکے۔ وہ سخت پریشان ہوتی۔ اس کی جان عذاب
میں تب آئی جب ماجدہ خالہ کو اپنی بیٹی کے پریگننٹ
ہونے کی خبر ملی۔ اس کے آخری مہینوں میں وہ
لاہور پہنچ گئیں۔ اور اپنا بیٹا زلیخا کے حوالے کر گئیں۔
اتفاق سے چند دن پہلے ہی ان کے کرائے دار مکان
خالی کر کے گئے تھے۔ وہ اوپری منزل پر کرائے پر
رہنے لگا۔ کھانا پینا، کپڑے دھونے، استری کرنے
اور اس کے کمرے کی صفائی کا ہر کام مریم کے ذمہ
آ گیا۔ وہ اس کی غیر موجودگی میں اس کے کام کرتی۔
اس کی واپسی سے پہلے ہی اپنے پورشن میں آ جاتی۔
شام کو بچے پڑھنے کے لیے آتے، اور چھ بجتے ہی
اطہر واپس آ جاتا۔ وہ اور زلیخا چارپائی پر براجمان
ہو جاتے۔ بچوں کی تعداد زیادہ تھی۔ کمرے میں
پورے نہیں آتے تھے۔ اسے مجبوراً باہر ہی بیٹھنا پڑتا۔
اطہر کی نظریں اسے انتہائی کوفت زدہ کرتیں۔
اس روز اتوار تھا۔ زبیر بھی گھر پر تھا۔ صبح فجر میں
جاگ کر اس نے مشین لگائی تھی تا کہ اطہر کے جاگنے
سے پہلے وہ اس کام سے فارغ ہو جائے۔ زبیر کھٹ
پٹ کی آوازیں سن کر جاگ گیا۔ اور کمرے سے باہر آیا۔
"تم اتنی صبح کیا کر رہی ہو؟ سورج کی روشنی تو

پھیلنے دو۔" وہ اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ نیچے فرش پر کپڑوں کا ڈھیر تھا جو اس نے ابھی مشین سے باہر نکالے تھے۔ اب وہ پانی بھر رہی تھی۔

"نماز کے بعد نیند ہی نہیں آئی اس لیے سوچا مشین لگا لوں۔ ابھی دھوؤں یا بعد میں کام تو مجھے ہی کرنا ہے نا۔" اس نے سرف کا پیکٹ کھول کر زبیر کو جواب دیا۔

"میں تمہاری مدد کر دیتا ہوں۔" اس نے کپڑے الگ کرنا شروع کیے۔ مریم نے اسے حیرت سے دیکھا۔

ایسے کیوں دیکھ رہی ہوں؟ میں نے تمہیں بہت بار دیکھا ہے۔ مردوں اور عورتوں کے کپڑے الگ کرتی ہو۔ رنگ دار الگ رکھتی ہو، دوپٹے الگ۔"

"ہاں ہاں تمہیں بہت معلومات ہیں۔ بیوی کی مدد کرنا۔ مجھے سکون سے کام کرنے دو۔ اور جاؤ اندر۔" اس نے ہنستے ہوئے اس کے ہاتھ سے کپڑے لیے۔

"تم اطہر بھائی کی موجودگی سے پریشان ہو؟" مریم کے کام کرتے ہاتھ رک گئے۔

"نہیں۔ ایسا تو کچھ بھی نہیں۔" وہ پھر سے کام کرنے لگی۔

"میں اب اتنا بھی نا سمجھ نہیں ہوں۔"

"جب علم ہے تو پوچھ کیوں رہے ہو۔ اطہر کو تم اس گھر سے نہیں بھیج سکتے۔ اور ویسے بھی انہوں نے تو مجھے کچھ نہیں کہا۔ صبح جاتے ہیں شام کو آتے ہیں۔ باقی وقت امی کے ساتھ باتوں میں لگے رہتے ہیں۔" اس نے بات ختم کی تھی یا اس کی ابتدا۔ وہ خود نہیں سمجھ پائی۔ زبیر خاموشی سے چلا گیا۔ البتہ اطہر کے جاگنے اور اس کے نیچے آنے کے بعد سے زبیر اسے اپنے کمرے میں ہی لے کر بیٹھا رہا۔ دوپہر کے بعد اچانک ہی موسم کے تیور بدلے اور تیز ہوائیں چلنے لگیں۔ آسمان سیاہ بادلوں سے اٹ گیا۔ وہ دھلے ہوئے کپڑے رسیوں سے اتارنے کو اوپر بھاگی۔ موسم بدلتے ہی بجلی غائب ہو گئی۔ دوپہر کے دو بجے کا عمل تھا۔ لیکن یوں لگتا تھا جیسے رات ہونے لگی ہو۔ تیز ہوا دھول مٹی سے اٹ کر ہر شے کو گرد آلود کر رہی تھی۔

وہ کپڑوں کا ڈھیر اٹھائے سیڑھیاں اترنے لگی۔ اندھیرا اتنا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ سیڑھیوں پر سہج سہج کر قدم رکھتے ہوئے وہ نیچے آنے لگی۔ ابھی وہ اپنے پورشن تک نہیں پہنچی تھی کہ اطہر سیڑھیاں چڑھتا اوپر آنے لگا۔ اندھیرا ہونے کے باعث دونوں کا تصادم ہوا۔ وہ گرتی لیکن اطہر نے اسے تھام لیا۔ مریم نے دعا کی تھی کہ کاش وہ اسے گرنے دیتا، اس کے اتنے قریب نہ آتا۔ جبکہ اطہر قربت کے اس مختصر ترین لمحے کے نشے میں دھت ہو گیا۔ مریم کا خمار پہلے ہی اس پر حاوی تھا۔ اطہر کے نتھنوں سے مریم کے پاکیزہ وجود کی خوشبو ٹکرائی تو اس سے اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ کمزور لمحے اس پر بری طرح حاوی ہوتے مگر اس ٹکراؤ کی وجہ سے مریم کے منہ سے جو بے اختیار چیخ نکلی تھی اس پر زبیر بھاگتا ہوا آیا تھا۔ اطہر قدموں کی آہٹ پا کر ایک طرف ہو گیا۔ اور وہ تیزی سے نیچے آ گئی۔

"کیا ہوا؟ تم ٹھیک تو ہو؟ میں سمجھا تم اپنے کمرے میں ہو۔ اگر اوپر جا ہی رہی تھیں تو مجھے بتا کر جاتیں میں ٹارچ لے کر ساتھ جاتا۔" زبیر کو اس کی کم عقلی پر شدید غصہ آیا۔

"میں بھی سمجھی تم گھر میں نہیں ہو۔ اور مجھے چوٹ نہیں آئی بے فکر رہو۔" اس نے اپنے کانپتے لہجے پر لمحوں میں قابو پایا تھا۔ اور کپڑوں کا ڈھیر اٹھائے آگے بڑھ گئی۔ صبح سویرے کپڑے دھونے کا یہ فائدہ ہوا تھا کہ اب سارے کپڑے سوکھ گئے تھے۔ مریم نے ڈھیر صوفے پر پھینکا، کمرے کی کھڑکی بند کی، اور پھر بستر پر ڈھے گئی۔ وہ عمر کے اس حصے میں تھی جہاں ایسے تصادم دھڑکنیں بڑھا کر دل کو نئی لے پر دھڑکنا سکھاتے ہیں۔ اس کا دل دھڑکا نہیں تھا خوف سے کانپ گیا تھا۔ اس لمحے بھر کی قربت میں اطہر کی گرفت کا مضبوط ہونا، وہ بے چینی سے اٹھ گئی۔ اس کی سرمئی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وجہ اسے خود معلوم نہیں تھی۔ بس ایک عجیب سا خوف، عجیب سی بے چینی جیسے یہ واقعہ نہیں کوئی حادثہ ہو۔ یہ بے چینی

ںحوں پر نہیں گھنٹوں پر مشتمل تھی۔ وہ تو عام حالات
یں بھی اس سے نگاہ نہیں ملاتی تھی اور اب۔۔اب وہ
کیا کرے گی؟ کیسے اس کے سامنے جائے گی۔

ہوا کی تیزی میں شدت آگئی۔ بارش کے
موٹے قطرے تابڑ توڑ برسنے لگے۔ مریم تھک کر
ستر پر لیٹ گئی۔ اس کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ
جا کر چائے یا پکوڑے بنائے۔ کبھی کبھی کی اس بارش
یں دونوں بہن بھائی کھاپی کر اور کبھی بارش میں بھیگ
کر لطف اندوز ہوتے مگر آج وہ کمرے سے نہیں نکلی۔
کچھ دیر بعد زبیر ہی چائے لے آیا۔

''طبیعت ٹھیک ہے نا؟ آج زیادہ تھک گئی
ہو؟'' وہ لاڈ سے پوچھ رہا تھا۔ مریم مسکرادی۔

''تھک گئی لیکن تمہارے ہاتھ کی چائے پی کر
ٹھیک ہو جاؤں گی۔'' چائے کا گرم کپ اس نے
تھاما۔ زبیر اس سے یہاں وہاں کی باتیں کرنے لگا۔

''آج میں نے اطہر بھائی سے پوچھا تھا کہ
ہے تھے کہ دس دن میں ان کی والدہ واپس آجائیں
گی۔'' اس بات سے مریم کے چہرے پر اطمینان کی
یک عجیب لہر اتری۔ جسے زبیر نے شدت سے محسوس
کیا۔ مگر وہ تبصرہ کیے بغیر چائے پینے لگی۔ زبیر کچھ دیر
مزید بیٹھ کر باہر چلا گیا۔

''دوسری جانب اس اچانک ٹکراؤ نے اطہر
کے دل کی حالت خراب کر دی تھی۔ اسے مریم کا لمس
شدت سے بے چین کر رہا تھا۔ شام کو دوبار اس نے
نیچے کا چکر لگایا مگر وہ اسے دکھائی نہیں دی۔ اس کی
پوری رات عذاب میں گزری۔ مریم اسے ہمیشہ سے
ہی اچھی لگتی تھی۔ خاموش طبع، سلجھی ہوئی، اپنے آپ
یں مگن۔ اس کے لمبے سیاہ بال جو چوٹی میں قید
ہوتے تھے جب بھی اس کی نگاہ پڑتی وہ اسے دیکھتا رہ
جاتا۔ لیکن یہ پرانی بات تھی۔ تب وہ صرف اسے ہلکا
پھلکا دیکھ لیتا تھا۔ جیسے کوئی چیز نگاہ کو بھائے اور آپ
سے دیکھ لیں۔

ایاز کے انتقال کے بعد وہ باقاعدگی سے ان
کے گھر جانے لگا۔ روئی روئی سی بے حال مریم اس کا
دل دھڑکا گئی۔ اس کے بعد وہ اپنی نگاہوں پر قابو نہیں
رکھ پاتا تھا۔ اس کی دلچسپی اس کی اماں اور زلیخا نے
بھی محسوس کر لی تھی۔ ماجدہ نے اسے صاف صاف
کہہ دیا تھا کہ وہ تو اول روز سے ہی مریم کو اس کی دلہن
بنانا چاہتی ہیں مگر نہ تو زبیر مانے گا اور نہ ہی مریم
کیونکہ ان دونوں کو یہ لگے گا کہ ہم صرف گھر کے
حصول کے لیے اس کی شادی تم سے کرنا چاہتے ہیں۔

''لیکن یہ بات تو سچ ہے۔ زلیخا خالہ اس کی
شادی مجھ سے اسی لیے کروانا چاہتی ہیں کہ میں بعد
میں اسے فورس کر کے گھر ان کے نام کروادوں۔''
اطہر اتنا بھی بھولا نہیں تھا جتنا وہ سمجھ رہی تھیں۔

''تو اس میں غلط کیا ہے؟'' ماجدہ نے منہ بنا کر کہا۔

''اماں۔ مجھے غلط صحیح کا نہیں پتا۔ مجھے بس مریم
سے شادی کرنی ہے مگر اس کی رضامندی جان کر۔''
وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ ایسی نیک سیرت بہو انہیں بھی
درکار تھی۔ محنتی بھی تھی۔ انہوں نے اس کے منہ سے
اف تک نہیں سنی تھی۔ وہ بیٹے کی رضامندی سے پہلے
بھی اس پر جی جان سے فدا تھیں۔ انہوں نے اطہر کو
اسی مقصد کے لیے زلیخا کے گھر رہنے کے لیے بھیجا تھا
کہ ایک گھر میں رہتے ہوئے نہ نہ کرتے ہوئے بھی
کئی بار آمنا سامنا ہوگا۔ وہ اسے اپنے دل کی بات بھی
بتادے گا۔ اور مریم کی ہاں ناں کا بھی علم ہو جائے گا۔

مگر زلیخا کی اندر سے یہی خواہش تھی کہ اطہر اور
اس کی شادی نہ ہو۔ ماجدہ کو ٹالنا آسان نہیں تھا۔ مریم
کی عادت سے وہ خوب واقف تھیں۔ انہوں نے
جان بوجھ کر اطہر کو ڈھیل دی۔ اور بنا احتیاط کیے اسے
منہ کے سامنے لے کر بیٹھ جاتیں۔ ان کی سوچ کے
مطابق ہی سب کام ہو رہا تھا۔ اطہر کی بے چین نظریں
مریم کو ڈھونڈتیں اور وہ ان سے بے زار ہوتی۔ اطہر
مرد تھا بھلا کب تک خود پر قابو رکھے گا، کسی نہ کسی دن
موقع دیکھ کر وہ مریم سے کچھ نہ کچھ کہے گا۔ انہیں اسی
دن کا انتظار تھا۔ جب مریم اس کی کسی جسارت پر
ہنگامہ کرتی اور دونوں کی شادی خواب ہو جاتی۔ ان
کے اس سیاسی دماغ تک ماجدہ بھی نہیں پہنچی تھیں۔

لیکن زلیخا نے یہ سب ہرگز نہیں سوچا تھا جو وقوع پذیر ہوا۔

اطہر کو ان کی روٹین کا علم تھا۔ دوپہر کو وہ گھر سے نکلتیں تو شام ساڑھے پانچ کے بعد ہی واپس آیا کرتی تھیں۔ اس دوران مریم اکیلی ہوتی تھی۔ عموماً وہ زلیخا کی آمد کے بعد ہی آتا تھا۔ ابھی تک ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا کہ وہ گھر پر اکیلی ہو اور اطہر آجائے۔ مگر اس روز یہ بھی ہو گیا۔ وہ نہا کر آئی تو اسے چائے کی طلب محسوس ہوئی۔ وہ کچن میں اپنے لیے چائے بنانے آئی کہ اس نے زلیخا کو چادر اوڑھے باہر نکلتے دیکھا۔ مریم نے یہی سوچا تھا کہ وہ چائے کپ میں ڈال کر دروازہ بند کر آئے گی مگر محض تین منٹ کے بعد ہی کوئی گھر میں داخل ہوا۔ اسے کسی کی آمد محسوس نہیں ہوئی تھی۔ وہ عادت کے مطابق گنگنا رہی تھی۔ اور چائے کو کپ میں انڈیل رہی تھی۔ ہڑبڑائی وہ تب جب اطہر کی آواز اس کی سماعتوں میں اتری۔

"ایک کپ مجھے بھی دے دیجیے گا۔" چائے چھلکتے چھلکتے رہ گئی تھی۔ مریم کا سانس رک گیا تھا۔ وہ گھر میں اکیلی تھی۔ اتنی احمق ہرگز نہیں تھی کہ کسی غیر مرد پر بھروسا کرتی۔ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں وہ کچن سے نکلی۔ دوپٹے کو اپنے گرد مزید پھیلا لیا۔

"اماں گھر پر نہیں ہیں۔ اور جب تک وہ واپس نہیں آتیں آپ یہاں نہیں رک سکتے۔" اس کا لہجہ بے حد سخت تھا۔ اطہر مسکرایا۔

"میں نے آپ سے صرف چائے مانگی ہے۔ آپ ناراض کیوں ہو رہی ہیں۔ میں اوپر چلا جاتا ہوں۔" اس نے مریم پر نگاہیں فکس کرتے ہوئے کہا۔

"چائے سامنے رکھی ہے۔ لے جائیے۔" یہ کہہ کر وہ رکے بغیر کمرے میں آگئی اور دروازے کو کنڈی لگالی۔

"جتنی بھی احتیاط برتو آنا تو تمہیں میرے پاس ہی ہے۔" اطہر نے سرشاری سے سوچا اور چائے کا کپ لے کر اوپر چلا گیا۔ اس کے جاتے قدموں کی آواز مریم نے سنی۔ جب آواز آنا بند ہو گئی تو وہ تیزی سے اوپر گئی اور دروازہ بند کر دیا۔ اب اطہر نیچے نہیں آسکتا تھا۔ غصے سے اس کا برا حال تھا۔ اس نے زبیر کا نمبر ملایا اور اسے آنے کو کہا۔ وہ راستے میں ہی تھا بس پہنچنے والا تھا۔ اس کے آنے کے بعد مریم نے سکون کا سانس لیا۔ زلیخا کے گھر آنے کے بعد پہلی بار مریم نے ان سے بحث کی۔ لمحے بھر کے لیے وہ بھی چپ ہو گئی تھیں۔ زبیر بھی ان سے کہہ رہا تھا۔

"آپ آج کے بعد مریم کو گھر میں اکیلا چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گی۔" مگر وہ کب کسی کی سنتی تھیں۔ جب جی کیا اٹھ کر چلی گئیں وہ تو چاہتی تھیں کہ اطہر تنہائی دیکھ کر اس سے اظہار کرے اور مریم ہنگامہ کھڑا کر دے، اور ایسا ہی ہوا۔

ماجدہ کی آمد سے ایک روز پہلے وہ بے وقت گھر آیا جب گھر میں کوئی نہیں تھا۔ اس بار اس نے سیدھا راستہ اپنانے کے بجائے باہر بنی ہوئی سیڑھیوں سے اوپر کی جانب قدم بڑھائے۔ جو کہ کرائے داروں کے لیے بنایا گیا تھا۔ اطہر گھر میں پھیلی خاموشی سے سمجھ گیا تھا کہ مریم گھر میں اکیلی ہے۔ کپڑے بدل کر اس نے دوسرا دروازہ دیکھا جو اندرونی سیڑھیوں پر موجود تھا۔ وہ بھی اتفاق سے کھلا ہوا تھا۔

آج تو میں مریم سے اظہار کر کے رہوں گا۔ وہ جتنی بھی ناراضی کا اظہار کرے میں اسے منالوں گا۔ اس نے دل میں سوچا اور دبے پاؤں نیچے آگیا۔ مریم اسے کہیں بھی دکھائی نہیں دی۔ اسے یاد آیا کل ہی زبیر مریم کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا تھا۔ مریم کو بخار تھا۔ یقیناً وہ اپنے کمرے میں ہوگی۔ اس نے کمرے کی جانب قدم بڑھائے۔ مریم بستر پر دراز تھی۔ مٹیالے رنگ میں تکلیف کی پیلاہٹ گھلی تھی۔ پپوٹے ایک دوسرے میں پیوست۔ وہ شاید نیند میں تھی۔ دوپٹا ایک طرف پڑا تھا۔ اور خود وہ کروٹ کے بل لیٹی دواؤں کے زیر اثر سو رہی تھی۔

سیاہ بالوں کی چوٹی لمبی گردن سے ہوتی ہوئی سینے سے ڈھلک کر نیچے جھول رہی تھی۔ اطہر سانس لینا بھول گیا۔ چادر کے پیچھے کیسا حسن چھپا تھا۔ لمحوں میں اس کا حلق خشک ہوا۔ وہ بھول چکا تھا کہ وہ یہاں

کیوں آیا تھا۔ یاد تھا تو بس اتنا کہ اس کی من پسند عورت خود سے بھی بے خبر حالت میں دراز ہے۔ وہ ایک ٹرانس کی کیفیت میں اس کے قریب آیا۔ اطہر نے اپنا چہرہ اس کے چہرے کے قریب کر کے آنکھیں بند کر کے گہری سانس بھر کر اس کی خوشبو اپنے اندر اتاری۔ جذبات کی شدت سے اس کی آنکھیں سرخ ہونے لگی تھیں۔ اس کی سانسوں کی تپش سے مریم کی آنکھ کھلی، وہ کرنٹ کھا کر سیدھی ہوئی۔

"مریم ڈرومت میں تم سے بات کرنے آیا ہوں۔" اطہر نے اسے خوف زدہ ہوتا دیکھ کر کہا۔

"نکل جاؤ میرے کمرے سے۔ تم اندر کیسے آئے؟" وہ چیخی۔ دوپٹا کھینچ کر اپنے گرد لپیٹا۔ اور دور ہوگئی۔

"میں چلا جاؤں گا۔ میں صرف تمہاری مرضی معلوم کرنے آیا ہوں۔ تم ڈر کیوں رہی ہو؟" اطہر کی خماری میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ اسے لگا وہ ہوش میں نہیں ہے۔

"میں آخری بار کہہ رہی ہوں میرے کمرے سے نکل جاؤ۔ ورنہ میں شور مچادوں گی۔" اطہر وہیں بیٹھ گیا۔

"مچاؤ شور۔" اکیلی عورت کے سامنے کوئی بھی مرد کس طرح شیر ہو جاتا ہے اسے آج سمجھ میں آیا۔ مریم انتہائی تیزی سے بستر سے اتری اور باہر کی جانب بھاگی مگر اطہر نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"مریم پلیز میری بات سن کر جاؤ۔"

"میں نے کہا چھوڑو مجھے۔" اس نے اپنی ساری طاقت لگادی مگر اطہر سے بازو نہ چھڑا پائی بلکہ اب وہ دوسرا بازو بھی قابو کرنے کی کوشش میں تھا جب اس نے زوردار تھپڑ اس کے منہ پر مارا۔ اور کمرے سے باہر بھاگی۔ اس کا رخ زبیر کے کمرے کی طرف تھا۔ اندر گھس کر کنڈی لگانے میں وہ کامیاب ہوگئی۔

باہر سے اطہر دروازہ پیٹ رہا تھا۔

"میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ تم پلیز میری بات سن لو۔ محبت کرتا ہوں تم سے، اظہار کرنے آیا تھا۔ مریم پلیز میری بات سنو۔" وہ آوازیں دینے لگا۔ مریم روتی ہوئی کانپتے ہاتھوں سے زبیر کا نمبر ملا رہی تھی دوسری بیل پر ہی اس نے کال ریسیو کرلی۔

"زب۔ زبیر پلیز جلدی آؤ۔ اطہر۔" اس سے بولا ہی نہیں جارہا تھا۔ اتنا کہہ کر وہ زور زور سے رونے لگی۔

"کیا ہوا؟ مریم بولو۔۔ مریم۔ میں آرہا ہوں۔ کیا ہوا ہے؟" مریم نے روتے ہوئے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اور فرش پر بیٹھ گئی۔ اطہر دروازہ توڑ کر اندر نہیں آسکتا تھا۔ یہ بات وہ جانتی تھی۔ مگر دل میں پیدا ہونے والا خوف، اس کا وہ کیا کرتی۔ سر سجدے میں گرا کر وہ زار و زار رونے لگی۔ دروازہ بجنا بند ہوگیا تھا۔ کتنی دیر گزری اسے علم نہیں۔ زبیر کی آواز پر اس کی جان میں جان آئی وہ اٹھی۔

"مریم۔ دروازہ کھولو۔" زبیر کی آواز سن کر اس نے کنڈی کھول دی۔ اپنے بھائی کو سامنے پا کر وہ اس کے گلے لگ کر اس طرح روئی کہ ایاز کی میت کے وقت بھی نہ روئی ہوگی۔ زبیر نے اسے کھل کر رونے دیا۔

"اب بتاؤ کیا ہوا؟" زبیر کی آنکھیں غصے سے سرخ ہورہی تھیں۔ مریم ہچکیاں لیتے ہوئے بتانے لگیں۔ زبیر انتہائی تیزی سے اوپر گیا۔ مریم نے اسے بالکل نہیں روکا۔ زبیر نے جاتے ساتھ ہی اطہر کے منہ پر گھونسا مارا تھا۔ جو اس قدر بے غیرتی کے باوجود وہیں بیٹھا تھا۔ اس کے تیور دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ مریم نے اسے سب بتادیا ہے۔ نجانے کیوں اسے یہ گمان تھا کہ ایسی بات وہ اپنے بھائی کو نہیں بتائے گی۔ پہلے تو اطہر نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن پھر دونوں گتھم گتھا ہوگئے۔ ان کے جھگڑے اور شور کی آواز محلے میں گونجنے لگی۔ زلیخا بھاگی بھاگی آئیں۔ مریم کو روتا دیکھ کر وہ سب سمجھ گئیں اور پاگلوں کی طرح اوپر بھاگیں۔ جہاں دونوں لڑنے مرنے کو تیار تھے۔ بے حد مشکل سے وہ انہیں الگ کرنے میں کامیاب ہوئیں۔

"ساری غلطی آپ کی ہے۔ آپ مریم کو اکیلا کیوں چھوڑ کر گئی تھیں؟" وہ غصے سے چلایا۔ زلیخا لمحے

بھر کو گڑ بڑا گئیں۔

"مریم کوئی بچی نہیں ہے جس کی چوکیداری پر مجھے معمور کر رہے ہو۔" انہوں نے ڈھٹائی سے کہا۔

"مریم بچی نہیں ہے اسی لیے آپ سے کہا تھا۔ جب غیر مردوں کو گھر کا راستہ دکھائیں گی تب یہی سب ہوگا۔" زبیر کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ کیا کر ڈالے۔

"تمہاری بہن بھی کوئی'۔۔۔' زلیخا کی بات ادھوری رہ گئی۔

"بس امی۔ مریم کے خلاف ایک لفظ نہیں۔ ورنہ۔۔۔" وہ اطہر کی طرف پلٹا "دس منٹ کے اندر اندر اس گھر سے دفعان ہو جاؤ۔ دوبارہ یہاں قدم بھی رکھا تو میں تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا" اس نے جاتے جاتے اطہر کو زوردار دھکا مارا۔ اور غصے سے نیچے اتر آیا۔ مریم سے نگاہ ملانے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ وہ سر جھکائے اندر چلا گیا۔ زلیخا نے اطہر سے کیا کہا کیا نہیں کہا، اسے کچھ علم نہیں تھا۔ وہ دس منٹ میں واپس جا چکا تھا۔ البتہ زلیخا نے مریم کے کمرے میں آکر اسے بے نقط سنانا شروع کیں۔ ہمیشہ کی طرح اس نے منہ بند کر کے نہیں رکھا تھا بلکہ ہر بات کا دو بدو جواب دیا تھا۔ اور کیوں نہ دیتی جواب۔ اب بات گھریلو معاملات یا جھگڑوں کی نہیں تھی، بات کردار پر آچکی تھی۔ کردار سے اہم بھی بھلا کچھ ہوتا ہے؟

☆☆☆

وہ اپنی دادی کے سامنے صوفے پر بیٹھا تھا۔ سامنے رکھی ٹیبل پر چائے اور دیگر لوازمات موجود تھے۔ دادی اس کے عین سامنے بیٹھی تھیں۔ موحد کی ناراض نگاہیں انہیں دیکھ رہی تھیں۔

"آپ ایک تو بتا بتائے وہاں سے چلی آئیں، اور اتنے دن سے میں یہاں چکر پر چکر لگا رہا ہوں اور گھر پر تالا لگا ہے۔ عفان نے نمبر بھی بند کر کے رکھا ہوا تھا۔ یہ سب کیا ہے؟" وہ بے حد غصے میں تھا اور ناراض بھی۔

"میں فاطمہ کی طرف چلی گئی تھی۔ آج ہی واپس آئی ہوں۔ اور عفان کا موبائل چوری ہو گیا تھا اس لیے اس کا نمبر بند ہے۔" انہوں نے سنجیدگی سے بتایا۔ موحد ان کے قریب ہوا۔ اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھاما۔

"دادی مجھے نہیں معلوم کہ گھر میں کیا ہوا ہے، لیکن جو بھی ہوا میری اس میں کوئی غلطی ہے تو بتائیں میں ابھی آپ سے معافی مانگ لیتا ہوں۔" وہ نرمی سے بولا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"تمہاری کوئی بھی غلطی نہیں ہے۔ ساری عمر تمہاری ماں کی باتیں سنتی رہی ہوں میں۔ مجھے آج تک یہی لگتا تھا کہ وہ اپنی عادت سے مجبور ہو کر یہ سب کر رہی ہے۔ شاید اس کی پرورش ہی اس نہج پر ہوئی ہو لیکن میں غلط تھی۔ اس روز مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ اپنی فطرت سے بھی مجبور نہیں۔ میرے لیے جتنی سیاہی اس کے دل میں ہے شاید ہی کسی اور کے لیے ہو۔ اب وہ میری محبت پر بھی شک کرنے لگی ہے۔" ان کی آواز میں گہرا دکھ تھا۔

"کوئی انسان اتنا بدگمان کیسے ہو سکتا ہے؟ میری طرف دیکھو۔ کیا تمہیں میری ان بوڑھی آنکھوں میں اپنے لیے محبت کی جگہ کچھ اور دکھائی دیتا ہے؟ کوئی مکر، فریب؟" موحد ان کی بات سن کر تڑپ گیا۔ سفید دوپٹے کے ہالے میں ان کا پرنور چہرہ، محبت سے لبریز آنکھیں، کوئی اجنبی بھی دیکھ لیتا تو لمحوں میں ان کی محبت محسوس کر لیتا وہ تو موحد تھا ان کی جان۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟ کس نے کہہ دیا آپ کو؟ کون شک کر رہا ہے آپ کی محبت پر؟" وہ بلبلا اٹھا۔

"تمہاری ماں۔ میں نے اسے یہ بتایا تھا کہ میں نے اپنی ساری جائداد عفان کے نام کر دی ہے۔" اس بات پر وہ بھڑک گئی۔ اور اس نے کہا کہ میں آج تک صرف دکھاوے کے لیے تم سے محبت جتاتی رہی ہوں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میں نے اس کی اولاد کو کبھی اپنا سمجھا ہی نہیں۔ سب کچھ عفان کے لیے کیا ہے ہمیشہ۔ تم بتاؤ۔ تم بھی یہی سب سمجھتے ہو؟"

موحد کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

''نہیں میں ایسا کچھ نہیں سمجھتا۔'' موحد نے ان کے جھریوں سے بھرے سفید ہاتھوں پر بوسہ دیا۔

''جب وہ مجھے گھر میں اکیلا چھوڑ کر رات گئے اپنی سوشل ایکٹیویٹیز میں مصروف رہتی تھیں تب آپ ہی تھیں جنہوں نے مجھے اور میرے بہن بھائی کو سنبھالا۔ محبت دی۔ اور آج تک محبت دے رہی ہیں۔ خیال رکھتی چلی آرہی ہیں۔ مجھے جائداد میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میرے لیے آپ کی محبت، آپ کی موجودگی ضروری ہے۔ پلیز مجھے معاف کر دیں اور گھر چلیں۔ میں آج ہی ممی سے بات کروں گا''۔ اس نے نگاہیں دادی کے چہرے پر جماتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔ تم کوئی فساد ہنگامہ کھڑا نہیں کرو گے۔ تم میرے لیے ماں سے کوئی بدتمیزی نہیں کرو گے۔ اور میں اس گھر میں اب کبھی نہیں آؤں گی۔ تم یہاں آجایا کرنا۔ روز آنا۔ لیکن مجھے وہاں مت بلانا''۔ انہوں نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''کیوں نہیں آئیں گی آپ وہاں؟ ممی نے اور کیا کہا آپ سے؟'' موحد نے چونکتے ہوئے پوچھا۔ اس کی ممی اور دادی کی اکثر جھڑپ ہوتی تھی لیکن انہوں نے آج تک یہ نہیں کہا تھا کہ وہ اس گھر میں کبھی نہیں آئیں گی۔

''وہ کیا کہے گی بھلا؟ جس گھر میں محبت کو بھی شک کی عینک لگا کر دیکھا جا رہا ہو، میں وہاں کس طرح جا سکتی ہوں؟ اچھا بہت ہو گئیں تمہاری ماں کی برائیاں۔ چائے پیو۔ بلکہ لاؤ دو میں دوسری بنا دیتی ہوں۔'' وہ فوراً وہاں سے اٹھ گئیں۔ موحد چپ چاپ بیٹھ گیا۔ رات کا کھانا دادی اور عفان کے ساتھ کھا کر وہ نو بجے گھر پہنچا تھا۔ جہاں دونوں میاں بیوی نک سک سے تیار کہیں جانے کے لیے کھڑے تھے۔ موحد انہیں اگنور کر کے سیڑھیاں پھلانگنے لگا۔

''موحد۔ یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' تنزیلہ نے اسے یوں اوپر جاتے دیکھ کر چلا کر کہا مگر وہ رکے بغیر آگے بڑھ گیا۔ اس کا رخ عنائیہ کے کمرے کی طرف تھا۔ دروازہ بجا کر اندر داخل ہوا۔ عنائیہ بیڈ پر بیٹھی تھی اس کے سامنے لیپ ٹاپ کھلا ہوا تھا۔ بھائی کو آتا دیکھ کر مسکرائی۔

''آئیں بھائی۔ کہاں تھے آپ؟ صبح سے نظر نہیں آئے؟'' موحد اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

''ایگزامز سر پر ہیں بس اسی لیے مصروف ہوں۔ تم بتاؤ کیا کر رہی تھیں؟'' اس نے گفتگو کا آغاز کیا۔

''کچھ بھی نہیں بس بور ہو رہی تھی۔ سوچا کوئی مووی دیکھ لوں۔ اسی لیے لسٹ چیک کر رہی تھی۔'' عنائیہ نے اپنی مصروفیت بیان کی۔

''اچھا ایک بات بتاؤ۔''

''جی پوچھیں۔'' عنائیہ نے لیپ ٹاپ بند کر دیا۔

''اس روز جب دادی ماں یہاں آئی تھیں۔ تو اگلے دن دوپہر کو کیا ہوا تھا؟ ممی نے ان سے ایسا کیا کہا کہ وہ مجھ سے ملے بغیر ہی چلی گئیں۔'' موحد نے پوچھا۔ عنائیہ نے لیپ ٹاپ بند کر کے سائڈ پر رکھا۔

''آپ دادی سے اب تک نہیں ملے؟ انہوں نے آپ کو کچھ نہیں بتایا؟'' وہ حیران ہوئی

''میں آج ان سے ملا تھا لیکن انہوں نے ساری بات نہیں بتائی۔ بہت اداس اور پریشان لگ رہی تھیں۔ آج سے پہلے میں نے کبھی انہیں اتنا دکھی نہیں دیکھا۔'' موحد کی نگاہوں میں ان کا چہرہ گھوم گیا۔

''انہیں دکھی ہی ہونا ہے۔ پہلے اپنی اولاد کو پالا، تربیت کی، پھر اولاد کی اولاد کی بھی ذمہ داری اٹھائی۔ اب جب ان کی ضرورت ختم ہو گئی ہے تو سب نے آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں''۔ وہ غصے سے بولی۔

تم پہیلیاں مت بجھواؤ۔ بتاؤ بھی کیا ہوا ہے؟'' وہ جھنجلا گیا۔

''دادی اور ممی کا جھگڑا ہوا، وہی جائداد کا قصہ کہ آپ کب وصیت تیار کر رہی ہیں۔ اتنی عمر ہو گئی ہے آپ کی۔ فلانا فلانا۔ میں نے انہیں ٹوکا تو پاپا نے کہا کہ تنزیلہ درست کہہ رہی ہے۔ انسان کو حقیقت پسند ہو کر سوچنا چاہیے۔ اماں کو اب وصیت بنوا لینی چاہیئے۔ دادی تو اسی وقت پیلی پڑ گئی تھیں۔ مگر جب

انہوں نے یہ بتایا کہ وہ اپنی ساری جائداد عفان کے نام کر چکی ہیں تو پھر بس۔ ممی نے انہیں وہ وہ باتیں سنائیں کہ میں دہرا بھی۔۔" عنائیہ ایک دم خاموش ہوگئی۔ اس کے چپ ہونے اور دروازے کی طرف دیکھنے پر موحد نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ تنزیلہ خونخوار نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"کروماں کی برائیاں۔ یہی تربیت کی ہے تمہاری دادی نے۔" وہ غصے سے بولیں۔ عنائیہ ایک دم کھڑی ہوگئی۔ موحد بھی فوراً بستر سے اٹھا۔

"جب ماں باپ زندہ ہوں تو تربیت دادیاں نہیں پائیں کرتی ہیں اور آپ کو تو کبھی اس بات کی توفیق نہیں ہوئی۔" وہ بدلحاظی سے بولا۔ تنزیلہ کی آنکھیں غصے سے مزید پھیل گئیں۔

"مل آئے دادی سے؟ خوب لگائی بجھائی کی ہوگی انہوں نے اسی لیے اس لہجے میں بات کررہے ہو اور آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔" ان کی آواز بھی بلند تھی۔

"میں جس دن آنکھیں ماتھے پر رکھوں گا ناں اس دن آپ کو اچھی طرح علم ہوگا کہ آنکھیں ماتھے پر رکھنا کسے کہتے ہیں۔" وہ بھڑک گیا۔

"تم کسے دھمکیاں دے رہے ہو؟ مجھے؟ یہی سکھا کر بھیجا ہے انہوں نے؟ منہ پر میٹھی بنتی ہیں اور جب کچھ دینے کا وقت آیا تو اپنے بڑے بیٹے کی اولاد یاد آگئی۔ ساری جائداد اس عفان کے نام کردی ہے انہوں نے۔" ان کا غم باہر آگیا۔ انہیں یہ گمان تھا کہ اس بات کا علم موحد کو نہیں۔ عنائیہ پریشان کن تاثرات لیے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ عاصم بھی اوپر آگئے۔

"ہاں تو کیا غلط کیا ہے انہوں نے؟ ان کی جائداد ہے ان کی مرضی وہ جس کے چاہے نام کردیں۔ آپ کو کس بات کی پریشانی ہے؟" موحد کی بات پر وہ ہکا بکا رہ گئیں پلٹ کر عاصم صاحب کی طرف دیکھا۔

"اس جائداد پر ہم سب کا بھی حق ہے۔" عاصم صاحب غصے سے بولے۔

"پاپا آپ کا کوئی حق نہیں اس جائداد پر۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے دادی نے آپ کو اور تایا کو اپنی جائداد میں سے آپ دونوں کا حصہ بہت پہلے ہی دے دیا تھا اور باقی جو کچھ ان کے پاس تھا، وہ ہم سب کے لیے رکھا۔" اس کی بات سن کر عاصم لمحے بھر کے لیے گڑبڑا گئے۔

"تم لوگوں کا تو حق تھا؟ اس کا کیا کیا انہوں نے؟ بولو جواب دو۔" تنزیلہ تیزی سے بولیں۔

"ہم لوگوں نے اپنی مرضی سے اپنا حصہ عفان بھائی کو دیا ہے۔" عنائیہ نے منہ کھولا۔ یہ خبر ان پر بجلی بن کر گری۔

"کیا؟ کیا بکواس کررہی ہو تم؟ عفان کیا کوئی ایدھی سینٹر چلا رہا ہے؟ کروڑوں کی جائداد تم لوگوں نے کس کے مشورے سے اس کے نام منتقل کرنے دی؟" غصے سے ان کا دماغ خراب ہوگیا۔ لگ رہا تھا وہ رو پڑیں گی۔

"میرے مشورے پر۔ آپ لوگوں کو تو کچھ دکھائی نہیں دیتا لیکن ابھی ہماری آنکھیں خراب نہیں ہوئیں۔ عفان بھائی کو بزنس میں مسلسل نقصان نے ان کا سب کچھ چھین لیا۔ تایا ابو بیمار ہوئے، ان کے مہنگے علاج میں بچی کھچی ساری رقم خرچ ہوگئی، گھر تک بک گیا مگر نہ تو آپ نے کبھی ان کی مدد کی، مدد تو دور کبھی پوچھا نہیں الٹا ہمیشہ انہیں نااہل کہہ کہہ کر طعنے مارے۔ دادی ان کی وجہ سے ہر وقت پریشان رہتی ہیں مگر انہیں آپ نے کبھی جھوٹے منہ تسلی تک نہیں دی۔ اور آپ انہیں موردِ الزام ٹھہراتے رہے ہیں۔ ہم تینوں نے مل کر یہ فیصلہ کیا ہے۔ اس فیصلے میں نہ تو دادی کی مرضی شامل تھی نہ ہی عفان بھائی کی۔ سو آپ انہیں الزام دینا بند کردیں۔ اور ہاں یاد آیا۔ کل وکیل کو بلوا لیجیے گا، زندگی کا کیا بھروسا میں نہیں چاہتا کہ میں وصیت کیے بغیر مر جاؤں۔" موحد نے بے حد سخت لہجے میں کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ جبکہ تنزیلہ اور عاصم ساکت کھڑے تھے۔

دوسرا اور آخری حصہ آئندہ شمارے میں

☆☆

مادر طلحہ

عید مس

کچے صحن کے اک کونے میں مٹی کے چولہے سے دھواں اٹھ رہا تھا اور پاس بیٹھا وجود پھونکوں سے آگ جلانے کی سعی کر رہا تھا۔ آنکھوں میں دھواں پڑنے سے سارا منظر دھندلایا ہوا تھا اسی باعث وہ لکڑی کی سیڑھی پہ اداس بیٹھی گڈی کو نہیں دیکھ سکی تھی۔ مسلسل جدوجہد سے آگ جلانے کے بعد آنکھوں میں آئی نمی کو دوپٹے کے پلو سے پونچھا اور گڈی کو دیکھنے کے لیے صحن کی طرف نظر گھمائی۔ گڈی کی خاموشی سلیمہ کے لیے اچنبھے کا باعث تھی۔

"اے گڈی! تجھے کیا ہوا؟ تو کیوں وہاں منہ لٹکائے بیٹھی ہے؟ ادھر آ دیکھ آج تیری پسند کا بینگن کا بھرتا بنا رہی ہوں" سلیمہ کے بلانے پہ گڈی نے سر اٹھایا اور پھر نیچے کر لیا۔

اب تو پریشانی بجا تھی۔ گڈی خاموش ہو تو سمجھو ناراضی انتہا کی ہے اور گڈی کی ناراضی سلیمہ سے زیادہ اسلم کو بری لگتی تھی۔ سلیمہ نے وقت کا اندازہ کرنے کے لیے آسمان کی سمت دیکھا، سورج سنہری رنگ کی شعاعیں بکھیرتا ہوا بہت دور جا کھڑا ہوا تھا اور چند پل کے بعد شام ہو جانی تھی۔ اسلم کے آنے میں تھوڑا ہی وقت تھا۔ سلیمہ اٹھی اور گڈی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

"بول نا میری دھی رانی، تجھے کیا ہوا ہے؟ کیا عذرا کے بچوں سے لڑائی ہو گئی؟" اس نے اپنی جٹھانی کا نام لیا جس کے بچوں سے اکثر گڈی کی لڑائی ہوتی رہتی تھی۔

"اماں! ابا کب آئے گا؟" گڈی نے سر اٹھاتے ہوئے سلیمہ سے اسلم کے بارے میں پوچھا۔

"اچھا تو میری گڈی اپنے ابا کے لیے اداس ہو گئی ہے، وہ دیکھ سورج اپنے گھر جا رہا ہے اور جب سورج چلا جاتا ہے تو گڈی کا ابا گھر آ جاتا ہے" سلیمہ نے اسے پیار سے اٹھایا اور صحن میں بچھی بان کی چارپائی پہ جا بیٹھی۔

"اب وہاں دوبارہ نہ جا کے بیٹھنا، تیرے ابے نے دیکھ لیا تو مجھے باتیں سنائے گا" سلیمہ اسے چارپائی پہ بٹھاتی ہوئی دوبارہ چولہے کے پاس جا بیٹھی۔

رات نے اپنے پر پھیلا لیے تھے، سارے دن کی حبس اور گرمی میں بھی کچھ کمی واقع ہوئی تھی۔ سلیمہ نے ہنڈیا پکانے کے بعد تندور جلا کے روٹیاں بھی پکا لی تھیں۔ گرمی کے زور کو کم کرنے کے لیے کچے صحن میں پانی کے چھینٹے بھی مار لیے تھے۔ اس وقت تک اسلم گھر آ چکا ہوتا تھا مگر آج خلاف معمول تاخیر ہو گئی تھی۔ اب گڈی کے ساتھ ساتھ وہ بھی لکڑی کے دروازے کی طرف منتظر نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر اور انتظار کرنے کے بعد اس نے اپنے جیٹھ سے پتا کرنے کا سوچا، اس خیال سے اٹھی ہی تھی کہ باہر کا دروازہ کھلا اور تھکا ہوا سا چہرہ نمودار ہوا۔

اسلم نے اپنے ریوڑ کو صحن کے اک کونے میں باندھا اور ہاتھ منہ دھونے کے لیے نلکے کا رخ کیا۔ سلیمہ نے جلدی سے گھڑے سے گلاس میں پانی نکالا، اسلم کے فارغ ہوتے ہی پانی کا گلاس تھما دیا۔

"میری دھی رانی کیسی ہے اور آج یہ منہ کیوں مرجھایا ہوا ہے؟" اسلم نے پانی پیتے ہی گڈی کو گود میں لے لیا تھا۔

"ابا عید آنے والی ہے اور تو نے وعدہ کیا تھا اس بار مجھے بڑی گڑیا، نئے کپڑے اور ڈھیر ساری چوڑیاں لے کے دے گا" گڈی نے اسلم کے پوچھتے ہی سارے شکوے بیان کر دیے تھے۔

"لو جی۔ بس اتنی سی گل پچھے میری شہزادی نے منہ بنایا ہوا ہے۔ میری پتری ابھی عید میں پورے چار دن ہیں، تو دیکھنا اس بار میں تجھے سب لے کے دوں

گا" اسلم نے ہنستے ہوئے اس کے شکوے ختم کیے تھے اور ابے کی تسلی کے بعد وہ ہنستی ہوئی تائے کے گھر چلی گئی۔

" کیوں اسے جھوٹے لارے لگاتے ہو بعد میں وہ پھر رو رو کے آسمان سر پہ اٹھالے گی" سلیمہ نے کھانا آگے رکھتے ہوئے افسردگی سے کہا تھا۔ اک ہی دھی تھی اور اس کی فرمائشیں بھی وہ پوری نہیں کر سکتے تھے۔

" تو پریشان کیوں ہوتی ہے جھلیے، یہ ہم بندے ہی ہیں جن کو رب سارا کچھ دیتا ہے اور ہم پھر بھی ناشکرے بن کے روتے رہتے ہیں۔ یہ بچے ہم بڑوں سے زیادہ سیانے ہوتے ہیں اگر من پسند چیز نہ بھی ملے تو چند لمحوں میں بھل جاتے ہیں۔۔۔۔ سوہنے رب کے ناشکرے نہیں بنتے۔" اسلم نے سلیمہ کو تسلی دی تھی۔

"پریشان نہ ہوں تو کیا کروں؟ عید کو صرف چار دن باقی ہیں اور تیرا اک بھی جانور نہیں بکا۔۔۔۔ اتنی دفعہ کہا ہے شہر چلا جا جانور کی زیادہ قیمت لگ جائے گی۔ عذرا بتا رہی تھی شہر میں منہ مانگا دام دیتے ہیں مگر اک تو ہے علاقے سے باہر جاتا ہی نہیں" سلیمہ کے لہجے میں اکتاہٹ کے رنگ ابھرے تھے۔

" رب سوہنا پتھروں میں بسے اک چھوٹے سے کیڑے کو بھی رزق دیتا ہے ہم تو پھر تین جانیں ہیں، تو مجھے اک رات آئی بھی بتا جس میں تو خالی پیٹ سوئی ہو؟" اسلم نے کھانا کھا کے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے شکر ادا کیا اور سوالیہ نظروں سے سلیمہ کی طرف دیکھا۔

"ہاں! وہ تو ٹھیک ہے مگر تو شہر کیوں نہیں جاتا؟" سلیمہ نے روز کا سوال پھر کیا تھا۔

" دیکھ سلیمہ! میں نے جتنا اپنے ریوڑ پہ لگایا مجھے اس کے حساب سے مناسب منافع ہی چاہیے، میں ناجائز منافع لے کے پیٹ میں جہنم کی آگ نہیں جلا سکتا۔ اس لیے مجھے بار بار مجبور نہ کیا کر" اسلم نے فیصلہ کن لہجے میں کہتے ہوئے بات ختم کر دی تھی۔

" اک تو صوفی صاحب نے تیرا دماغ خراب کیا ہوا ہے، خود بھی رو رو کے دن گزار رہے ہیں اور تجھے بھی اسی کام لگایا ہوا ہے۔ جیٹھ صاحب بھی تو ہیں شہر جا کے سب بیچ باچ کے آگئے" سلیمہ منہ میں بڑبڑائے جا رہی تھی۔ اسلم نے چپ رہنا ہی مناسب سمجھا اور آسمان پہ چمکتے ستاروں میں اپنے رب کی قدرت تلاشنے لگا۔

بندیا
ویکھ آسماناں تے اُڈ دے پنچھی
دیکھ تے سہی کی کردے نے
نہ او کردے رزق ذخیرہ
نہ او بکھے مردے نے

کدی کسی نے اڈدے پنکھ پکھیرو
بکھے مردے ویکھے نے؟
بندے ہی کردے رزق ذخیرہ
بندے ہی بکھے مردے نے

☆☆☆

آج کاروبار کا آخری دن تھا اور کل عید تھی۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا توں توں اسلم کے دل میں مایوسی تانک جھانک کر رہی تھی۔ بار بار اس کی نظروں کے سامنے گڈی کا اداس چہرہ آتا تو اس کے دل کو کچھ ہونے لگتا، اس کے کانوں میں سلیمہ کی آوازیں گونجنے لگی اور اک پل ایسا آیا کہ اس کے دل میں چپکے سے یہ خیال گزرا کہ اگلے سال وہ بھی شہر کا رخ کرے گا

لیکن یہ چند پل کی کیفیت تھی۔ اسے جمعے کو صوفی صاحب کا دیا گیا خطبہ یاد آیا "اللہ اپنے پیارے بندوں کو آزماتا ہے۔ تاریخ اٹھا کے دیکھ لو ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا کیا نہ کیا کافروں نے مگر انہوں نے اف تک نہ کی، اسی لیے کہتے ہیں جو آزمائش پہ صبر کر گیا وہ فلاح پا گیا اور فلاح پانا ہی تو مقصد ہے" اس نے اپنی سوچوں کو ذہن سے جھٹکا اور نئے سرے سے امید کا دامن تھام لیا۔

سورج کا سفر اختتام کو پہنچا اور شام نے چھوٹی سی بستی کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔ اسلم کے ساتھ کے سب سوداگروں نے رخت سفر باندھ لیا تھا۔ اس نے گھر واپسی کا ارادہ کیا جب اس کے پاس کوئی اجنبی آ کھڑا ہوا اور اس کی بات سن کر اسلم کو اپنے رب کی محبت پہ بڑا پیار آیا تھا۔ اجنبی نے اس کے ریوڑ کے سب سے صحت مند جانور کو چنا اور منہ مانگی قیمت ادا کر دی۔ بیس ہزار کی قیمت ہاتھ میں لے کر اسے خیالوں میں ہی گڈی کا مسکراتا چہرہ نظر آیا، سلیمہ کے شکووں سے پاک چہرے پہ محبت کے جگنو چمکتے محسوس ہوئے تھے۔

اسلم کے گھر میں عید سے پہلے ہی عید کا سماں تھا۔ گڈی چہچہاتی ہوئی پورے صحن میں کود رہی تھی۔ سلیمہ کی ساری خواہشیں پوری ہو رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ گڈی کی فرمائشوں کی فہرست اور لمبی ہو گئی تھی۔ اسلم نے بڑے بھائی سے موٹر سائیکل مانگی اور سلیمہ کو تیار ہونے کا کہا تا کہ شہر جا سکے۔ سلیمہ نے گڈی کو تیار کیا اور اب خود اپنے لمبے بالوں کو پراندے میں باندھ رہی تھی جب لکڑی کے دروازے پہ کھٹکا ہوا۔ اسلم نے چونک کے باہر کی سمت دیکھا۔ صوفی صاحب جھجکتے ہوئے اندر آ رہے تھے۔ اسلم نے آگے بڑھ کے ان کا استقبال کیا اور صحن میں بٹھایا۔ سلیمہ آہستگی سے دروازے کی اوٹ میں آ کھڑی ہوئی۔ چند لحموں کی خاموشی کے بعد صوفی صاحب کی آواز آئی۔

"اسلم! میں جانتا ہوں میرا مطالبہ ناجائز ہے مگر اس پوری بستی میں ہاتھ پھیلانے کے لیے مجھے تم سے بہتر کوئی نہیں ملا، میں تین دن سے تمہاری طرف آنا چاہ رہا تھا مگر بار بار قدم رک جاتے تھے آج نہ جانے کیسے میں تمہارے در پہ آ کھڑا ہوا، عید کے دوسرے دن میری بیٹی کا بیاہ ہے۔ مجھے قرض کی ادائیگی کے لیے قرض چاہیے" اک لمبی تمہید کے بعد صوفی صاحب نے مدعا بیان کیا تھا۔

صوفی صاحب نے بات ختم کر کے سر کو جھکا لیا تھا۔ اسلم کچھ بھی بولنے سے قاصر تھا۔ ایک طرف وہ شخص تھا جس نے ہدایت کی شمع ہاتھ میں پکڑائی اور دوسری طرف گڈی کا مسکراتا چہرہ تھا۔ انتخاب بہت مشکل تھا، وہ اسی کشمکش میں مبتلا تھا جب صوفی صاحب نے اس کا کندھا تھپتھپایا اور واپسی کے لیے اٹھ گئے، اسلم کے چہرے سے اس کے اندر کی کشمکش نظر آ رہی تھی۔

"رکیے صوفی صاحب!" وہ دروازے کے پاس پہنچے ہی تھے کہ پیچھے سے نسوانی آواز سنائی دی۔ ان سے چند قدم کے فاصلے پہ اسلم اور اس کی بیوی کھڑے تھے۔ اسلم نے پیسے صوفی صاحب کی طرف بڑھا دیئے۔ صوفی صاحب نے نم آنکھوں سے رقم تھامی اور دروازہ پار کر گئے۔

"شکوہ جب حلق میں دم توڑ جائے تب صبر کا حق ادا ہو جاتا ہے" سلیمہ نے ہلکی سی سرگوشی کی تھی مگر اسلم نے اس کے لہجے کی نمی کو واضح محسوس کیا تھا۔

"گڈی ناراض ہو جائے گی" اسلم کو بیٹی کی ناراضی کا خدشہ تھا۔

"رب سوہنا دگنا دے گا تو ہر فرمائش پوری کر دیں گے" سلیمہ کے لہجے میں اس کامل یقین کی جھلک تھی جو مخلوق کو خالق پہ ہوتا ہے۔

"سلیمہ میں آج قربانی کا مطلب سمجھ گیا ہوں" اسلم نے مطمئن ہوتے ہوئے کہا۔

"میں بھی" سلیمہ نے تائید کی۔

عید تب ہی ہوتی ہے جب من راضی ہوں اور من کی خوشی دوسروں کی مدد سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

دونوں مسکراتے ہوئے ناراض گڈی کو منانے کے لیے سیڑھیوں کی طرف چل دیے۔

☆☆

عائشہ تنویر
تجھ پہ قربان میری جاں

ابو جی بے آواز قدموں سے چلتے علی کو جگانے آئے تھے۔ یہ خاموشی دانستہ تھی کیونکہ انہیں اپنے ہاتھ میں تھامی چھڑی کا استعمال بہت مرغوب تھا۔ اگر آواز سے علی اٹھ جاتا تو بلا سبب چھڑی مار کر اس کا واویلا سننے کا فی الحال کوئی ارادہ نہیں تھا۔ انہیں کمرے کا رخ کرتے دیکھ کر پیچھے پیچھے سیف بھی چل دیا۔ علی بھائی کے جاگنے کے انتظار میں وہ بہت دیر سے آیا بیٹھا تھا۔

بے سدھ سوئے علی کی ٹانگ میں چھڑی کی نوک چبھوتے ابو نے آواز دی "اٹھ جاؤ نابنجار، بے چارہ سنی تمہارے انتظار میں بھوکا بیٹھا ہوگا، جاؤ اسے ناشتا کرواؤ۔"

کہتے کہتے وہ چھڑی اس کی کمر میں رسید کر چکے تھے۔ سیف بے اختیار ایک قدم پیچھے ہوا۔ سنی کو تو وہ نہیں جانتا تھا لیکن ابو جی سے خوب واقف تھا۔ سو علی بلبلا کر اٹھ بیٹھا۔

"سنی کے ناشتے، کھانے کی فکر میں ہلکان رہتے ہیں۔ میں آپ کا اکلوتا بیٹا، مجھے ناشتے میں مار کھلاتے ہیں۔" اس کی تلملاہٹ حسب سابق ان پر بے اثر ثابت ہوئی۔

"ہونہہ، اکلوتا بیٹا، ایک سکہ وہ بھی کھوٹا۔ میری چڑیاں تو اڑ گئیں، گھر کی رونق۔ ہم بوڑھے اب تمہارے آسرے پہ رہ گئے۔ اٹھ جاؤ پوستی مارے، فہیم کا فون بھی آ چکا ہے۔ میں تو شرمندگی کے مارے اسے بتا بھی نہیں سکا کہ بے چارہ سنی اب تک بھوکا بیٹھا ہے۔ کیا گزرتی اس کے دل پر" انتہائی رنجیدگی کے عالم میں وہ تقریر کر رہے تھے۔ نہ وہ خود ایسے مظلوم بوڑھے تھے نہ فہیم اتنا کمزور دل۔ لیکن جذباتی ہونے اور کرنے کا انہیں بہت شوق تھا۔ اس وقت فہیم سامنے ہوتا تو علی اسے ایک، دو ہاتھ تو ضرور لگا دیتا۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ صبح، شام کے فون سنی کی فکر سے زیادہ علی کی "خاطر تواضع" کے لیے کیے جا رہے ہیں۔ اس کے ابو جی جو ویسے تو بہت سیانے تھے لیکن فہیم کی ہر فون کال کے بعد فکر مندی کے عالم میں علی کی کلاس لیتے اور فہیم کا مقصد پورا ہوتا۔

"چڑیاں نہیں مرغیاں تھیں آپ کی، ہر وقت ٹھونگیں مارنے والی اور شور مچانے والی۔ فہیم کو بھی کہہ دیں لے جائے اپنا لاڈلا اتنی فکر ہے تو" اس نے تنک کر جواب دیا۔ ان تین بڑی مرغیوں اوہ سوری بہنوں نے کبھی اسے اکلوتے بیٹے یا گھر کے چھوٹے بچے کی حیثیت سے لاڈ نہیں اٹھوانے دیے تھے۔ یہ نہیں تھا کہ اس سے کوئی محبت نہ کرتا، وہ اپنے ابو کا جگری دوست تھا لیکن وہ جنت کا ٹکٹ نہیں تھا اور دنیا کی نعمتوں کو تو ابو جی چھڑی کی نوک پر رکھتے تھے۔ ابھی بھی اس کی بات پر انہیں ایک دم غصہ آیا تو بلا لحاظ چھڑی استعمال کی اور علی بے اختیار "افففف" کر کے رہ گیا۔ پیار سے اور غصے سے مارنے کا فرق واضح ہو گیا تھا۔

"سنی کیوں جائے، اس سے پہلے میں تمہیں نہ نکال دوں۔۔۔" وہ غصے میں بول رہے تھے، ان کا غصہ دیکھ کر سیف دروازے سے ہی غائب ہو گیا۔

سیف کی اماں یہاں کام کرتی تھی۔ بچپن کا آنا جانا تھا۔ اتنا بے وقوف نہیں تھا کہ ایسے منظر نامے میں عزت افزائی کروانے داخل ہوتا۔ کچن کی طرف آیا تو اماں ایک بڑے پیالے میں چائے نکال رہی تھیں۔ ٹرے میں چائے کے پیالے کے ساتھ پاپے رکھتے اماں نے اسے تھمائی۔

"چھت پر لے جاؤ، ابھی علی بھائی آئے گا سنی کو ناشتا کروانے تو کر لینا بات۔"

"یہ سنی ہے کون اماں؟"

وہ اپنے تجسس پر قابو نہیں رکھ پایا تھا۔ ساری باجیوں، ان کے بچوں سب سے واقف تھا۔ بس ایک ہفتے کے لیے ابا کے ساتھ گاؤں ہی تو گیا تھا، اتنے میں یہ کون آ گیا جس کی خاطر داری کے لیے سب پریشان تھے۔ اماں نے جواب دینے کے بجائے مسکرا کر اسے دیکھا پھر پھولے منہ کے ساتھ کچن کی طرف آتے علی کو۔

"سیف اوپر لا رہا ہے ناشتا بیٹا، جاؤ سنی سے مل آؤ۔" انہوں نے بیک وقت دونوں کو مخاطب کیا تھا۔ وہ متفرق خیالوں میں گھرا علی بھائی کے پیچھے چھت پر پہنچا تو چھت پر بنے کمرے میں ایک خوب صورت سا بکرا نظر آیا۔ علی اس کے آگے سے پانی کی بالٹی اٹھا کر کونے میں لگے نل کی طرف لے جارہا تھا۔

"تم جھاڑو لے کر کمرا صاف کرو۔ ایسے گندگی میں ناشتا نہیں کرتا سنی" علی نے بالٹی دھو کر بھرتے سیف کو ہدایت دی۔

"سنی ہے کون اور کہاں؟" ٹرے رکھ کر جھاڑو اٹھاتے اس نے سوال داغا۔

"یہ سامنے تمہیں نظر نہیں آرہا، جس کے کیے دھرے کو سنبھال رہے ہو" نیند سے جگائے جانے کا دکھ ابھی گیا نہیں تھا۔ انسانی فطرت بھی یہ ہی ہے کہ طاقت ور سے دبتا اور کمزور کو دباتا ہے۔ تب ہی ابو جی کی مار کی چڑچڑاہٹ سیف پر نکالتے علی نے بکرے کی طرف اشارہ کیا۔ سیف کا منہ کھلا رہ گیا۔

"یہ ہے سنی، یہ اس کا ناشتا ہے۔" وہ بے یقینی سے پوچھ رہا تھا۔ کبھی ناشتے اور کبھی سنی کو دیکھتے اس کا چہرہ قابل دید تھا۔

"جی، یہ عید قرباں کے لیے پال رہے ہیں۔ ابو جی نے اس کا نام سنت ابراہیمی رکھا تھا۔ اب پیار سے سب سنی کہتے ہیں۔" سیف کے تاثرات نے علی کو مزا دیا تھا۔ وہ آرام سے پانی کی بالٹی رکھ کر ٹرے لے کر بکرے کے سامنے بیٹھتا ہوا بولا۔

"تو یہ ناشتے میں چائے، پاپا کھاتا ہے۔ بکرے تو پتے کھاتے ہیں نا۔" گند سمیٹ کر ہاتھ دھونے کے لیے جاتے اس نے پوچھا۔

"یار پھپھو پالتی تھیں بکرے وقت گزاری کے لیے، بہت لاڈوں سے۔ اب فہیم کے نوکری کی وجہ سے وہ دوسرے شہر شفٹ ہو گئے تو یہ ابو نے قربانی کے لیے رکھ لیا، عید بھی تو آنے ہی والی ہے۔ اب روز فون آجاتا ہے وہاں سے۔ اس ٹائم یہ پاپے کھاتا ہے تو اس ٹائم بسکٹ، چاول، سبزی، چارا اتنا کچھ تو انسان نہیں کھاتے، جتنا یہ کھاتا ہے وہ بھی مقررہ وقت پر۔ حتی کہ سافٹ ڈرنک بھی پیتا ہے۔" علی نے جلے بھنے انداز میں تفصیل سنائی۔

"اوہ" سیف تاسف سے اسے دیکھ کر رہ گیا جو پاپے چائے میں ڈبو کر بکرے کو کھلا رہا تھا۔ زبانی ہمدردی کرنا بھی خطرے سے خالی نہ تھا۔ جیسے علی بھائی ابو جی کے سامنے مجبور تھے، اسی طرح وہ علی بھائی کے نرغے میں آجاتا تو اس انوکھے لاڈلے کے تمام کام اس کی ذمہ داری بن جاتے۔

"قربانی کا جانور ہے، خدمت کریں گے تو ثواب ملے گا۔" اس نے دل جوئی کی۔

"ابو جی کے نام کی قربانی ہے میری نہیں۔ اس سے آدھی خدمت اپنی ماں کی کرلوں تو جنت پکی۔" علی نے سر جھٹکا۔

"اللہ تعالیٰ آپ کی طرح ناپ تول کر نہیں دیتے کہ کس کے نام کی قربانی ہے، اس سے تجارت فائدہ ہی دیتی ہے۔ کام تو کر رہے ہیں۔ اچھی نیت سے کرلیں تو قربانی کا ثواب کیا دور ہے۔" سیف نے بے اختیار طنز کیا تھا۔ ان لوگوں کا مین مارکیٹ میں بہت بڑا گارمنٹ اسٹور تھا اور کاروبار میں علی کا دماغ خوب چلتا تھا۔ بات علی کو کچھ شرمندہ کر گئی تو کھسیاہٹ چھپانے کو بولا۔

"تم بتاؤ، کیوں صبح صبح میرے سر پر سوار ہو۔" سیف سٹپٹا گیا، پھر مناسب الفاظ ڈھونڈتے ہوئے بولا۔

"سارہ باجی نے بلایا ہے آپ کو۔ ابا زبردستی گاؤں لے گیا تھا جی، ایک ہفتے کی چھٹی ہو گئی" اس کا لہجہ عاجزانہ ہو گیا۔ علی کے یکدم چونک کر گھورنے پر شکل بھی فقیرانہ کرلی۔ چند لمحے اسے گھور کر علی نے ٹھنڈی سانس بھری تھی۔ یہ اس کی وہ نیکی تھی جو گلے پڑ گئی تھی۔

"مجھے یہ بتاؤ کہ میں تمہاری ماں ہوں یا باپ، مجھے کیوں لائن حاضر کرلیتی ہے تمہاری سارہ باجی۔ تمہیں بھی ویسے تو پڑھنے کا بہت شوق تھا اب جب دیکھو چھٹی کرلیتے ہو" اس نے بے بسی سے آخر میں

پھر اسے گھورا۔ سیف چپ ہی رہا۔ اسے پڑھنے کا واقعی بہت شوق تھا۔ اماں بھی پڑھانا چاہتی تھی لیکن ابا کو لگتا کہ اسے پڑھائی کی عیاشی مل گئی تو کل کو محنت سے جی چرائے گا۔ جانے کیسے ایک بار علی بھائی کے سامنے ذکر ہو گیا تو انہوں نے اماں کو ہر ماہ اس کے تعلیمی اخراجات کے نام پر علیحدہ رقم دینا شروع کر دی۔ پیسے ملے تو ابا بھی چپ ہو گیا۔ پڑھائی میں مشکل آئی تو اماں پھر علی بھائی کے پاس لے آئی۔ وہ خود کون سا پڑھے لکھے تھے جو اسے پڑھاتے، سارہ باجی کے پاس چھوڑ آئے۔ بس یہی غلطی کی۔

"کاش میں پیسے بچانے کے لیے سارہ کے پاس بھیجنے کے بجائے اسے ٹیوشن لگوا دیتا۔" علی نے خود پر افسوس کیا تھا۔

☆☆☆

سارہ اس کی نصف بہتر تھی اور وہ دونوں مل کر کچھ بہتر ہو ہی جاتے۔ دیکھا جاتا تو علی سارہ سے زیادہ خوب صورت تھا لیکن مجنوں کی طرح اسے بھی اپنی "لیلیٰ" ہی اچھی لگتی۔ سارہ کی یونیورسٹی میں میٹرک فیل علی سے زیادہ ذہین فطین لڑکے پڑھتے مگر علی کے سامنے اسے کوئی نہ بھاتا۔ باقی رہ گیا مزاج وہ دونوں کا ہی "خاندانی" تھا۔ یعنی زندگی میں سب اچھا تو نہیں ہوتا نا۔ سو قصہ یوں ہوا کہ وہ دونوں نکاح کے بعد اپنے اپنے گھر میں سکون سے رہ رہے تھے۔ پھر سارہ کی کلاس فیلو کی منگنی ہو گئی۔

اس کا منگیتر مانگے کی بائیک پر بھی ہفتے میں ایک، دو بار اسے گھر چھوڑنے جاتا۔ ورنہ اکٹھے بیٹھ کر پوائنٹ کا انتظار کرتے وہ یونیورسٹی کے چپے چپے پر اپنی داستان محبت کے نقوش چھوڑتے۔ ان کے روز روز کے قصوں سے متاثر ہو کر سارہ نے اپنے خوب صورت، سیلڈ منکوح سے اس کی چمکتی کرولا میں یونیورسٹی پک اینڈ ڈراپ کرنے کی ننھی سی فرمائش کر دی۔ یہ فرمائش علی پر بجلی بن کر گری تھی۔ اگر صبح سویرے اٹھ کر یونیورسٹی ہی جانا ہوتا تو وہ خود نہ پڑھ لیتا۔ دوپہر کو جب سارہ کی واپسی ہوتی، اس وقت تو وہ بمشکل اپنے گارمنٹ اسٹور پر پہنچتا تھا۔ اس وقت بھی نہ جاتا تو ملازمین کرولا چھوڑ سائیکل کے قابل بھی نہ چھوڑتے۔

اپنی خواہش پوری نہ ہونے اور اپنے آپس کی نوک جھوک کا بدلہ لینے اب سارہ ضرور سیف کی تعلیمی کارکردگی بتانے، چھٹیوں کی وجہ جاننے یا کچھ اور بہانہ بنا کر اسے بلا لیتی۔ نہ وہ سیف کو پڑھانا چھوڑتی تھی نہ اسے بلانا۔ درمیان میں پھنستا تھا سیف بے چارہ۔ دل لگا کر پڑھنا چاہتا تو ابا آئے دن ادھر ادھر کے کاموں میں الجھاتا۔ پھر سارہ باجی جو دنیا جہان کے بچوں کو پیار محبت سے پڑھا کر اسے دیکھتیں تو شاید علی یاد آتا۔ "سفارشی"، "تمہارے علی بھائی" اور اس طرح کے طنز تو اس کا معمول تھے۔

سیف نے ایک بار تو علی کو کہہ بھی دیا تھا

"آپ کے ساتھ جا کر پھنس گیا۔ خود جا کر درخواست کر لیتا تو بھی سارہ باجی نے بخوشی پڑھا دینا تھا بلکہ بغیر ڈانٹ کے پڑھ لیتا۔" یہ اور بات کہ یہ کہنے کے بعد جو صلواتیں علی سے سننی پڑیں، وہ سارہ کے مقابلے کی ہی تھیں کیونکہ "خوش کلامی" تو ان کا خاندانی وصف تھی۔ ابھی بھی علی کا ردعمل دیکھ کر سیف منہ بنا کر بیٹھ گیا تو بالآخر اسے ترس آیا۔

"چلا جاؤں گا یار، ایسے منہ تو مت لٹکاؤ۔" اس کی اتری صورت دیکھ کر آخر علی نے بمشکل اسے تسلی دی۔ اس کے علاوہ اور کون شیرنی کا سامنا کر سکتا تھا۔

مسئلہ حل ہوتے ہی سیف غائب ہو گیا اور سی کو ناشتا کروا کر نیچے جاتے علی نے دانت پیسے۔

"بدتمیز، رک جاتا تو دو گھنٹے بعد اسے چارا کھلا جاتا۔" مگر اب کوئی اس کا غصہ دیکھنے کو موجود نہیں تھا۔ وہ نیچے اترا تو ابو جی اسٹور پر جانے کو تیار تھے۔ موڈ بھی خوش گوار تھا۔

"آ گیا میرا جگر۔ بس بیٹا مجھے سیڑھیاں چڑھنے کا مسئلہ ہے ورنہ تو خود ہی سنبھال لیتا سب۔" چھڑی دکھاتے انہوں نے پیار سے کہا۔ وہ سر ہلا کر رہ گیا۔ اب کیا یاد دلاتا کہ ماشاءاللہ وہ بالکل فٹ تھے۔

یہ چھڑی انہوں نے چلنے میں مدد کے لیے ہرگز نہیں لی تھی۔

جن دنوں شہر میں امن و امان کی صورتحال مخدوش تھی اور گرد و جوار کے دو، چار لوگ اپنے موبائل گنوا چکے تھے تو متوقع لٹیروں کے ڈر سے انہوں نے کچھ حفاظتی اقدام کرنا چاہا۔ چاہتے تو وہ مشین گن رکھنا تھے لیکن احباب کے سمجھانے پر بات رائفل، پستل سے ہوتی اس چھڑی پر آ کر ٹھہری، جس میں ایک عدد چاقو پوشیدہ تھا اور بٹن دبانے سے نکلتا۔ علی کے خیال میں تو یہ چھڑی بھی اضافی تھی کہ وہ کوئی موبائل یا قیمتی سامان رکھنے کے عادی نہ تھے اور لٹیروں سے بھڑنا تو یوں بھی خطرناک ہوتا۔ مگر علی کی وہ سنتے کب تھے۔ سو اہتمام سے چھڑی لے کر گھومتے کہ کوئی کچھ کہے تو اس کی گوشمالی کر سکیں بلکہ نہ بھی کہے تو بھی وہ موقع ڈھونڈ کر چھڑی استعمال کر سکیں۔ چاقو گھر سے باہر تربوز اور خربوزے کاٹنے کے کام آتا۔

☆☆☆

سنی کو ناشتا کروا کر علی دوبارہ سو گیا تھا۔ بارہ بجے اٹھ کر جب وہ اسٹور جانے کی تیاری کر رہا تھا تو ابو جی کا فون آ گیا۔

"چارہ وغیرہ کھلا دیا سنی کو"

"جی ابو" اس نے تابعداری سے جواب دیا۔

"وہ ایسا کرو کہ سنی کو ساتھ لے جا کر کچھ پاپڑ وغیرہ دلا دو دکان سے" وہ معمول کے انداز میں یوں کہہ رہے تھے جیسے کسی بچے کا ذکر ہو۔

"جی!" تعجب سے ایک لمبی جی اس کے منہ سے نکلی تھی، ابو جی جھلا گئے۔

"بے وقوف کیا جی، جی لگا رکھی ہے۔ فہیم کہہ رہا تھا کہ ذرا گھومے پھرے نہیں تو طبیعت خراب ہو جاتی ہے سنی کی۔ سلانٹی ولانٹی بھی شوق سے کھاتا ہے، جاؤ اسے گھماؤ گلی میں۔"

"اففففف" علی کو یقین ہو گیا کہ فہیم کی موت اس کے ہی ہاتھوں لکھی ہے۔

"آج تو مال آنا ہے۔" چھت سے بکرے کو سیر کرانے نیچے لانا اور پھر واپس اوپر لے جانے کا خیال اسے گھبرا گیا۔

"تو میں ہوں نا یہاں نکمے، تمہیں جو کہا ہے وہ کرو۔" ابو جی نے حسب عادت جھاڑ کر فون بند کر دیا۔ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق وہ سنی کو لینے چھت کی طرف چلا۔ غیر متوقع طور پر وہ بہت آرام سے سیڑھیاں اتر کر اس کے ساتھ باہر آ گیا، وہ مطمئن ہو گیا۔ یہ کام اتنا مشکل بھی نہیں تھا جتنا وہ سمجھ رہا تھا۔ جب وہ آرام سے رسی تھامے گنگناتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اسی لمحے شاید سیٹی کی دھن کو سنی صاحب نے ریس کی ابتدائی سیٹی سمجھا اور رسی چھڑا کر بھاگا۔ علی ہڑبڑا کر اس کے پیچھے بھاگا، چند لمحوں میں وہ اس کے برابر تھا۔ اتنے میں سامنے سے آتی دوشیزہ بمعہ والدہ نے جو یہ "بکروں" کی دوڑ دیکھی تو نہ صرف گلی کے کنارے دیوار کے ساتھ لگ گئیں بلکہ اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ کر اور آنکھیں بند کر کے لڑکی نے وہ چیخیں ماریں کہ سرپٹ دوڑتے سنی صاحب نے بھی سن لیں اور اسے دوڑ کی اختتامی گھنٹی سمجھتے نہ صرف رک گئے بلکہ از خود اپنے آپ کو فاتح سمجھتے ایوارڈ لینے سرا کڑا کر ان خواتین کے پاس کھڑے ہو گئے۔

علی بھی ہانپتا ہوا ساتھ ہی پہنچا تھا۔

"شرم نہیں آتی تمہیں قربانی کے جانور کو یوں بھگاتے"

آنٹی نے کڑے تیوروں سے اسے دیکھا جبکہ دوشیزہ سنی کے احترام میں نظریں جھکائے، کانپتے ہاتھوں سے آنٹی کے پیچھے چھپنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

"میں نہیں یہ مجھے بھگا رہا تھا۔"

علی نے احتجاج کرنا چاہا مگر سن کون رہا تھا۔ اتنے میں یونیورسٹی سے تھکی ہاری سارہ گلی کا موڑ مڑتی آئی اور سامنے کے منظر کو دیکھ کر اس کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔

ڈانٹ ڈپٹ کرتی آنٹی، ہراساں حسینہ اور مجرم اس کا شوہر۔ تھکن سے چور قدموں میں ایک دم تیزی آئی اور وہ لمحوں میں ان کے پاس پہنچی۔

"کیا ہوا آنٹی؟"

اس نے براہ راست ماجرا دریافت کیا تھا۔

"خود ہی پوچھ لو" آنٹی "ہونہہ" کرتی آگے بڑھ گئیں لرزتی مشرقی حسینہ ان کے پیچھے لپکی اور پیچھے عدالت میں علی اکیلا رہ گیا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم ایسا بھی کرو گے، اپنے ہی محلے کی لڑکی کو چھیڑتے ہو۔" سارہ شاکڈ تھی۔ اس عجیب صورتحال میں بے اختیار علی کے منہ سے نکلا۔

"یہ اپنے محلے کی ہیں۔ مجھے نہیں معلوم تھا۔"

"تم نے اسے دوسرے محلے کی سمجھ کر چھیڑا، یعنی یہ تمہارا کام ہے۔" علی سے صفائی پیش کرنے کی جو موہوم سی امید سارہ کے دل میں تھی وہ بھی غائب ہوئی۔ صدمے سے اس کی آواز رندھ گئی۔

"تمہارا دماغ خراب ہے۔ اپنی ماں کے ساتھ جاتی لڑکی کو کوئی پاگل ہی چھیڑے گا۔" علی نے کچھ سٹپٹا کر بگڑتے ہوئے صفائی پیش کی۔

"تو تم اکیلی لڑکیوں کو تنگ کرتے ہو۔ میرے لیے تمہارے پاس وقت نہیں اور یوں راہ چلتے ...." سارہ بھی ابو پر ہی گئی تھی۔ اس کی سنے بنا اپنے قائم کردہ نتائج پر مہر ثبت کرتے اب وہ غصے سے بلند آواز میں بول رہی تھی۔ جب گھر کا دروازہ کھلا اور ایک اور آنٹی نے سر نکال کر خلل دیا۔

"بری بات بیٹا۔ گلی میں کھڑے ہو کر مت لڑو، جو مسئلہ ہے گھر جا کر سلجھاؤ۔" ان کی بات پر سارہ آگ برساتی نظروں سے اسے گھورتی، پاؤں پٹختی چلی گئی تھی۔ علی سر پکڑے سوچ رہا تھا کہ ان تایا بھتیجی کے ساتھ زندگی کیسے گزرے گی۔ سنی جو پہلے رسی چھڑا چھڑا کر بھاگ رہا تھا۔ اب اطمینان سے کھڑا جگالی کر رہا تھا۔ محلے دار آنٹی آدھی سنی بات پر اسے کھینچتیں کر رہی تھیں۔

☆☆☆

سارہ اتنے غصے میں تھی کہ کال بھی ریسیو نہیں کر رہی تھی۔ گھر جاتا تو اکیلے بات کرنے کا موقع نہ ملتا، آخر سنی کو سیر کرانے کے بہانے وہ رات کو سارہ کے گھر کے سامنے والے پارک میں چلا آیا۔ بہانے کی ضرورت یوں تھی کہ یہ خاص چھٹی اسے سنی صاحب کے اعزاز میں ہی ملی تھی۔ پارک میں سنی کی رسی مضبوطی سے تھامے وہ سارہ کے واک کے لیے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ سارہ نے اندر آتے ہی اسے دیکھ لیا تھا۔ میسیج پڑھ چکی تھی سو واپس جانے یا اس کے پاس آنے کے بجائے اندر آ کر ٹہلنے لگی۔ اتنے نخرے کرنا تو وہ اپنا بنیادی حق سمجھتی تھی۔ علی اس کے برابر آ کر چلنے لگا۔ اس کا مزاج آشنا تھا سو جان گیا کہ اس کی غلط فہمی دور ہو چکی ہے ورنہ وہ اسے دیکھتے ہی پلٹ جاتی۔

"آج تمہاری جذباتیت نے میرا کردار مشکوک کر دیا۔ تمہیں میں ایسا لگتا ہوں۔" ساتھ چلتے علی نے خفگی سے بات کا آغاز کیا۔

"میرا کیا قصور، وہ منظر ہی ایسا تھا۔ پھر تم بھی درست بات بتانے کے بجائے الٹا سیدھا بولے جا رہے تھے۔" سارہ اپنی غلطی مان لے گی، اس کا تو علی نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا سو خاموشی سے جواب شکوہ سنا۔ "دیکھو ابھی بھی تم اسے ساتھ لیے گھوم رہے ہو۔ دال میں کچھ تو کالا ہے نا" اس کی خاموشی سے شہ پا کر سارہ نے سنی کی طرف اشارہ کرتے کہا۔ علی تڑپ کر رہ گیا۔

"دماغ خراب ہے تمہارا تو" اس کے ایک دم غصے میں آجانے پر سارہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"دیکھو تم مجھ سے کیسے بات کر رہے ہو۔ میں تمہیں یونیورسٹی ڈراپ کرنے کا بولوں تو تمہاری نیند خراب ہوتی ہے۔ اسے صبح ناشتا کرواتے ہو۔" یہ یقیناً سیف کی رپورٹنگ تھی۔ علی تلملایا۔ سارہ ابھی بھی بول رہی تھی۔ "تمہیں واک کے لیے بلا لوں تو اسٹور پر ہوتے ہو۔ آج اسے واک کروا رہے ہو تو اسٹور پر مسئلہ نہیں ہو رہا۔"

چھلکتی آنکھوں سے اس کا بیان جاری تھا۔ علی تعجب سے منہ کھولے اپنی بیوی کو دیکھ رہا تھا جو ایک بکرے سے اپنا مقابلہ کر رہی تھی۔ اللہ جانے یہ محبت کی زیادتی تھی یا بے وقوفی کی۔

" سارہ، میری پیاری سارہ۔ قربانی کا جانور ہے۔ ابو چاہتے ہیں کہ اب کی بار ہم عین وقت پر جانور لا کر ذبح کرنے کے بجائے اس کی خدمت کر کے ثواب کمائیں۔

دیکھو کتنے پیار سے تمہیں دیکھ رہا ہے۔" پیار سے سمجھاتے علی نے اس کی توجہ سنی کی طرف دلائی۔

یوں ادھر ادھر کی باتیں کرتے کتنی دیر واک کرنے کے بعد جب وہ گھر کی طرف مڑا تو موڈ بہت خوش گوار تھا۔ اسے سنی پر بھی پیار آ رہا تھا۔ آج اس کی وجہ سے کتنے عرصے بعد اس کی سارہ سے یوں فرصت سے ملاقات ہوئی تھی۔ گھر آتے ہی اس کے مزاج کی خوش گواریت اڑ گئی تھی۔

"کہاں تھے صاحبزادے" ابو جی بے چینی سے ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔

"سنی کو واک کروانے گیا تھا۔ امی کو بتایا تو تھا"

اس نے حیرت سے کہا۔

"اتنی دیر ٹہلانے کا بھی نہیں بولا تھا کہ اس کی ٹانگوں میں ہی درد، ہو جائے۔ اب اس کی مالش کون کرے گا۔" ان کی فکریں نرالی تھیں۔ علی ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔

"سارہ سے ملوایا سنی کو" انہوں نے پوچھا۔

"جی، بہت پیارا لگا اسے" اس نے ابو جی کو متاثر کرنے کی کوشش کی۔

"پیارا ہے تو پیارا ہی لگے گا نا۔" وہ ذرا بھر بھی متاثر نہ ہوئے۔ علی مایوس ہو کر کمرے میں جانے لگا تھا، جب انہوں نے دھماکا کیا۔

"میں نے حسن سے بات کر لی ہے۔ اگلے ہفتے سارہ کی رخصتی کروالیں گے۔" اپنے بھائی یعنی سارہ کے والد کا نام لیتے وہ آرام سے آگاہ کر رہے تھے۔ علی حیرت سے پلٹا تھا۔ امی بھی چونک گئیں۔

" رخصتی تو سارہ کے امتحان کے بعد ہونی تھی۔ اس کے تو امتحان بھی عید کے بعد ہیں۔" انہوں نے تعجب سے کہا۔

"ہوتے رہیں گے امتحان بھی، عید کا سیزن ہے۔ روز روز تو علی اسٹور چھوڑ کر گھر بیٹھ نہیں سکتا۔ آپ اوپر جاتی نہیں ہیں۔ سنی کو کھانا پانی کون دے گا۔ اکیلا پریشان ہو گا بے چارہ سنی۔"

وہ شاید دنیا کے واحد باپ ہوں گے جو بکرے کی خدمت کے لیے بھولا رہے تھے۔

"اتنی جلدی تو ہال بھی نہیں ملے گا۔" ابو کی بات سے انکار کون کر سکتا تھا پھر بھی امی نے بولا ضرور تھا۔

" ہو جائے گا سب کچھ" انہوں نے قطعیت سے کہہ کر علی کو دیکھا۔

" تم کیوں یہاں کھڑے ہو؟ پتا چل گیا نا اگلے جمعہ کو شادی ہے۔ کپڑے وپڑے لے آنا۔" ان کا انداز ایسا تھا کہ جیسے وہ کوئی غیر متعلقہ فرد ہو۔ وہ مسکراہٹ دباتا کمرے میں آ گیا۔ نہا دھو کر بیڈ پر نیم دراز ہوتے اس نے سارہ کو کال ملائی تھی۔

" مبارک ہو اگلے جمعہ کو آپ کی رخصتی ہے۔" کال ملتے ہی اس نے شرارت سے کہا۔

"جی، مجھے پتا چلا لیکن اتنا اچانک کیوں، ابھی تو پیپرز کی ڈیٹ بھی نہیں آئی" وہ کنفیوز تھی۔

" کوئی بات نہیں یار، ڈیٹ تو ڈیٹ ہوتی ہے شادی کی ہو یا پیپرز کی" وہ بہت خوش تھا۔

" اچھا ہے، اب تم آ جاؤ گی تو سنی کو ناشتا کروانے صبح جاگنا نہیں پڑے گا۔" وہ شوخی سے بولا۔

"لیکن مجھے یونیورسٹی چھوڑنے کے لیے تو جانا ہو گا۔ تایا جی کا حکم ہو گا۔"

وہ چہکی اور ان تایا، بھتیجی کے درمیان سینڈوچ بننے کا سوچ کر اس نے اپنا سر پیٹ لیا۔ عید سے پہلے ہر سو عید کی خوشیاں پھیل گئی تھیں۔

☆☆

سرورق کی شخصیت

ماڈل	حنا
میک اپ	روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافی	موسیٰ رضا

فائزہ رابعہ

ایک ہی خواہش تھی ایک ہی آرزو... خیال تھے تو اسی کے اور خواب تھے تو اسی کے۔ اٹھتے بیٹھتے اسے ایک ہی منظر دکھائی دیتا۔ پھر اس کا لب و لہجہ' چال ڈھال سب کچھ اسی منظر کے مطابق ڈھل جاتا۔ جہاں دو چار بچے اکٹھے نظر آتے اس کا دل "من چلے کا دل" بن جاتا۔ آنکھ بند کرتی تو ڈھیر سارے بچے ٹاٹ پر بیٹھے ہیں اور وہ... وہ... عابدہ پروین... کرسی پر بیٹھی ان کو پڑھا رہی ہے... خود... بلکہ بقلم خود... استانی جی بننا اس کا پیدائشی شوق تھا جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کم ہونے کے بجائے بڑھتا چلا گیا... خوابوں خیالوں میں کسی بچے کی رس گھولتی آواز سنائی دیتی۔ استانی جی...' اور وہ اس مدھر مترنم آواز پر دل و جان ہار بیٹھتی...

اس کے گاؤں میں صرف مڈل اسکول تھا۔ اس کے گاؤں میں کوئی بچی آج تک پڑھنے کے لیے شہر نہیں گئی تھی ایک دو کے بارے میں پتا چلا تھا کہ انہوں نے پرائیویٹ میٹرک کیا تھا اور اگلے دن کے اخبار میں ان کی خبر بھی لگی تھی... اسے تو گاؤں کے اسکول میں پڑھنے کے لیے بھی سو جتن کرنا پڑے... پندرہ بیس منٹ کے کھیت اور پگڈنڈیاں پار کر کے' گاؤں کے نالے... چھلانگ لگا کے اس کا اسکول آتا تھا۔ اس کا گاؤں بہت بڑا نہیں تھا ہاں وہ چونکہ گاؤں سے بہت دور ڈیرے میں اپنے ماں باپ اور پانچ بہن بھائیوں کے ساتھ رہتی تھی اس لیے ڈیرے سے گاؤں کا فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے دور لگتا۔

نہ نہ نہ... ڈیرہ ان کا نہیں تھا... گاؤں کے نمبردار چوہدری حاکم علی آرائیں کا ڈیرہ... جس کے ایک کونے میں ڈیڑھ مرلہ کے پلاٹ پر کچی پکی اینٹوں کی چار دیواری کھڑی کر کے رہائش گاہ بنایا گیا تھا۔ چار دیواری بھی باضابطہ چار دیواری نہیں تھی بلکہ ان گھڑ ہاتھوں سے رکھی اینٹیں تھیں... گرمیوں میں وہ دھوپ اور سردیوں میں ہوا اندر لانے کا بھی باعث بنتی تھیں۔

چوہدری حاکم علی آرائیں کی اس بیٹی کا نام کیا تھا جو استانی بننے کے خواب دیکھتے دیکھتے بیس سال کی ہو گئی تھی؟ نام تو راحیلہ بی بی کمیٹی کے دفتر میں لکھوایا تھا لیکن باپ کا نام اکرم تھا اس نے بصد اصرار سب سے اپنے آپ کو راحیلہ اکرم ہی کہلوانا پسند کیا۔

چوہدری حاکم علی کے مویشیوں کے ڈیرے میں چار بھینس تین گائیں' تین کٹے (بچھڑے) اور چار پانچ بکریاں تھیں۔ اکرم عرف کرماں ان کی دیکھ بھال کے کام پر مقرر تھا۔ ان کا چارہ کاٹنا' کھلانا' دودھ دوہنا' سردی گرمی کا خیال کر کے جانوروں کو اندر باہر کرنا... کھل بھگو نا روٹیوں کے ٹکڑے مکس کر کے انہیں کھلانا... اس کی بیوی کا کام ان کا گوبر اکٹھا کرنا اور اپلے تھاپنا تھا... اس کام کا سب کو علم تھا ہاں مہینے میں ایک آدھ مرتبہ وہ میاں کی نظر بچا کے دس بیس روپے کے اپلے فروخت بھی کر دیتی تھی یہ اس کی واحد "سیونگ" بھی جو سال میں ایک آدھ مرتبہ شہر جانے پر خرچ ہو جاتی... راحیلہ سب بہن بھائیوں سے بڑی تھی اس سے چھوٹے دو بھائی ذہنی طور پر معذور تھے ان سے چھوٹی دو بہنیں تھیں زمانے بھر کی نکمی' جاہل...

کئی دفعہ راحیلہ نے گھیر گھار کے انہیں الف ب پ پڑھانا چاہا۔۔۔ شکر پاروں کا لالچ دیا مگر قریب نہ پھٹکیں۔۔۔ مار اور پیار دونوں سے قابو کرنا چاہا مگر ان پڑھوں اور جاہلوں کے خاندان میں قسمت والے ہی علم کے قدردان نکلتے ہیں۔۔۔ بس راحیلہ ہی پر علم کے دروازے کھلے استانی بننے کے شوق نے حالوں بے حال کر دیا۔ یہاں تک کہ اس نے محنت مشقت کے کئی باب رقم کر کے آٹھ جماعتیں پاس کر لیں۔۔۔ باپ سے چوری اس نے اوپن والوں کی نویں دسویں کی کتابیں بھی منگوا لیں۔۔۔ دو اڑھائی سال میں اس نے میٹرک کر لیا۔ منزل اس کے بے حد قریب تھی بس صرف اور صرف پی ٹی سی کا ایک سالہ کورس اور پھر نوکری۔۔۔ تنخواہ کا اسے لالچ نہیں تھا۔۔۔ ملنا مقدر میں ہوئی تو ضرور ملے گی' نہ بھی ملی تو استانی بننے کا بڑا سا دوپٹا ایک طرف کندھے پر ڈالنے کا۔ کالے رنگ کا چرمی بیگ لٹکانے کا شوق تو پورا ہوگا۔۔۔ پی ٹی سی کے لیے خاصی تگڑی رقم چاہیے تھی۔۔۔ ڈھور ڈنگر سنبھالنے والا غریب کرما اس کا بندوبست کہاں سے کرتا۔ بیٹی کا چہرہ اترا ہوا آنکھیں سوجی ہوئی دیکھتا تو اپنے اوپر دس دفعہ لعنت بھیجتا۔۔۔ ڈھور ڈنگروں کے ساتھ رہ رہ کر خود بھی تو ڈنگر ہی بن گیا تھا۔۔۔

ڈیڑھ مرلہ زمین جس پر اس کی چار دیواری تھی چوہدری حاکم علی آرائیں کی تھی۔۔۔ جانوروں کے دودھ سے ایک ایک کلو صبح شام مل جاتا تھا۔ رات کے دودھ کی دہی بنا لیتے صبح کے دودھ کی چائے۔۔۔ گندم کی فصل بھی چوہدری حاکم علی آرائیں کی مہربانی سے اتنی مل جاتی کہ دو وقت کی روٹی پک جاتی۔۔۔ کپڑے گندم کی وجائی اور کٹائی پر حاکم علی آرائیں کی بیوی ہی اپنی اترن کی شکل میں دے دیتی تھی۔۔۔ سال میں ایک جاتی ہری مرچوں اور آم کے اچار کی بھی اوکھے سوکھے ہو کر ڈال لیتی۔۔۔ بیٹی کے ایک سالہ کورس کے لیے یک مشت پانچ ہزار کا بندوبست۔۔۔!! سوچتی بھی تو جھرجھری آجاتی۔۔۔ چوہدری حاکم علی آرائیں نے جو بکری انہیں دی تھی دو بچوں کے ہمراہ فروخت کر کے رقم کا بندوبست ہوا۔۔۔ داخلہ فارم فل کرتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔۔۔ نظروں ہی نظروں میں اس نے سجدہ شکر ادا کیا۔۔۔ فارم باپ کو دیے کہ شہر جا کے جمع کروا کے آئے۔۔۔ قسمت کتنی مہربان تھی۔۔۔ ملتان کے ایک ہوسٹل میں کمرہ مل گیا۔۔۔ کلاسوں کے آغاز کا پورا شیڈول اس کو زبانی ازبر تھا۔۔۔ گھر میں تھرتھلی مچی ہوئی تھی۔۔۔ پرانے وقتوں کا ایک لوہے کا ٹرنک ماں نے جھاڑ پونچھ کے بعد اس کے حوالے کیا۔

"لے دھیئے اس میں رکھ لے اپنی چیزیں۔۔۔"

جہاں جہاں لوہے کو زنگ لگی ہوئی تھی اس نے دھان کے چھلکوں سے خوب رگڑ رگڑ کر صاف کیا زیادہ نہیں تو انیس بیس کا فرق پڑ ہی گیا تھا۔ راحیلہ کی نظروں میں اس جستی صندوق کے لیے سخت ناپسندیدگی تھی۔۔۔ ہائے کہیں سے کمرے کی چھت پھٹے اور خوب صورت سا ہینڈ کیری اس کے پاس آجائے۔۔۔ لیکن وہ بے بس تھی۔۔۔ کس سے فرمائش کرتی ماں کو کہتی تو اس نے حد درجہ بے مروتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنا تھا۔

"تو ٹھیک ہے نہ لے کے جاؤ پھر آرام سے اپنے ابے کی چادر میں باندھ لو کپڑے۔۔۔"

اف اس نے کپڑوں کی گٹھڑی تصور ہی تصور میں سر پر رکھے دیکھ کے خوف سے جھرجھری لی۔ دو پلیٹیں، دو چمچے ایک گلاس گدا، کمبل، چادر تکیہ۔۔۔ سامان کا اس نے جائزہ لیا بنیادی ضروریات کی چیزیں زیادہ تر موجود ہی تھیں۔۔۔ جب وہ جستی صندوق کو تالا لگا رہی تھی ایک دم جھماکا سا ہوا۔۔۔ ارے تیل سرسوں کا تو رکھ لیا ہے۔۔۔ بال کس سے بناؤں گی۔۔۔ گھر میں پرانا بدرنگ سال خوردہ پلاسٹک کا کنگھا ہے۔۔۔ اگر وہ لے جائے گی تو گھر والے کیا استعمال کریں گے؟

"لے دھیئے یہ کنگھی، تیری دادی کی تھی بہت سنبھال کر رکھی ہے میں نے۔۔۔" بے بے نے اللہ جانے کس زنبیل سے وہ کنگھا برآمد کر کے اس کے حوالے کیا۔

"ک۔۔۔ کیا۔۔۔ یہ چالیس سال پرانا کنگھا؟" راحیلہ کی آنکھیں صدمے سے پھٹنے کو تھیں۔۔۔ "یہ میں لے کر جاؤں اور اپنا مذاق اڑواؤں سب سے۔۔۔" اس کی آواز شدت جذبات سے پھٹ رہی تھی۔۔۔ ماں نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا اور بولی۔

"ہے ناں شودین۔۔۔ تیرا دادا جب بستی ملوک میں نمبردار کے ہاں کام کرتا تھا تو نمبردار حج پر گیا تھا مکے مدینے سے خرید کے لایا تھا۔۔۔ تیری دادی اللہ بخشے تو ٹرنک سے نکال کے ہاتھ میں لیتی تھی اور چوم کے رکھ دیتی تھی۔۔۔"

"ہونہہ۔۔۔ اسی لیے نہ کالا رہا نہ پیلا چوم چوم کے سارا رنگ چاٹ لیا دادی نے۔۔۔" راحیلہ بڑبڑ کرتے ہوئے قطعیت سے بولی۔

"میں نے نیا ہیئر برش لینا ہے خواہ ادھار سے لے کے خرید کر دے یا کسی کی منت سماجت کر۔۔۔ میں نے تو یہ مکے مدینے کا کنگھا نہیں لے کے جانا۔۔۔" سنبھال کے رکھ اپنی نسلوں کے لیے۔۔۔"

"لو بھلا بیٹھے بٹھائے میں چالی پنجاہ روپے کا خرچا کہاں سے کروں بورش لینے کے لیے۔۔۔" ماں نے سرسری لیا سارے مسئلے کو۔

"بورش نہیں برش۔۔۔" راحیلہ کو نئی ٹینشن لگ گئی۔

"اچھا خیر جو بھی ہو میرے پاس تو دھیلا پیسہ بھی

نہیں بس وہی ستر روپے ہیں جو تیرے ابے نے بیس روپے کرائے کے اور پنجاہ روپے مجھے خرچے پانی کے دینے کے لیے جمع کیے ہوئے ہیں۔"

راحیلہ کی آنکھوں میں چمک آئی۔ "خرچہ پانی میں خود ہی کرلوں گی بس تم ابے سے وہ پچاس روپے لے دو میں نے نیا برش لینا ہے۔۔۔۔ سارے پینڈو کہیں گے ورنہ مجھے۔۔۔۔"

ماں چپ چاپ اٹھی اور چارپائی کے نیچے رکھے ایک اور صندوق میں سے پچاس کا تڑا مڑا نوٹ اس کے حوالے کردیا۔

راحیلہ کو ہفت اقلیم کی دولت مل گئی تھی۔!!!

مارے خوشی کے اس کا لڈی ڈالنے کو دل چاہ رہا تھا۔۔۔۔!!! مس راشدہ مس قمراس کے خیالوں میں کھلے بالوں کے ساتھ چھم سے آن وارد ہوئیں۔۔۔۔ ریشمی لہراتے بال۔۔۔۔ ہاتھوں میں ہیئر برش' انگلیوں میں نازک سی انگوٹھیاں۔۔۔۔!!!

بے اختیار اس نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"اخ تھو۔۔۔۔ ہاتھی مارکہ صابن سے دھوتے ہفتہ پہلے کے جڑے میلے بدبودار بال۔۔۔۔ شیمپو کے ساشے بھی ہیئر برش کے ساتھ ہی خریدنا ہیں اس نے ڈھیر ساری ہیئر بینڈز اپنے ٹرنک میں ٹھونسیں۔ ساشے ایک دفعہ پورا استعمال کیا تو بہت مہنگا پڑے گا۔۔۔۔ ہاں سر کے بالوں کو پہلے لائف بوائے سے دھو کے پھر آدھے ساشے میں پانی ڈال کر بالوں کو شیمپو کروں گی۔۔۔۔ باقی آدھا ساشے ہیئر بینڈ سے فولڈ کر کے رکھ دیا کروں گی۔" پلان بنائے جاچکے تھے۔۔۔۔ بس ہوسٹل میں جاکر عمل درآمد باقی تھا۔

☆ ☆ ☆

مارچ-2011ء

"میم آپ کا سارا سامان لوڈ کیا جاچکا ہے۔۔۔۔ کوئی اور کام تو نہیں۔" چوکیدار نذیر حسین نے اندر آکے میڈم اکرم سے پوچھا۔

"نہیں بھئی اللہ کا نام لے کے سامان روانہ کرو۔ کل صوبائی وزیر تعلیم صاحب آرہے ہیں اور نئی میڈم گھبرا رہی ہیں میں ان کے وزٹ کے بعد ہی ملتان جاؤں گی۔۔۔۔" میڈم اکرم ہائر سیکنڈری اسکول کی پرنسپل تھیں اور دو دن قبل ہی زبردست' برسوں یاد رکھی جانے والی تقریب میں ریٹائر ہوئی تھیں۔ اسکول کی انتظامیہ نے ان کے اعزاز میں الوداعی پارٹی دی۔۔۔۔ شہر کے معززین نے بھی ان کو فائیو اسٹار ہوٹل میں عشائیہ دیا تھا۔۔۔۔

میڈم اکرم ہمہ وقت جدوجہد' متحرک اور مخلص ہونے کی وجہ سے خواص و عوام دونوں میں یکساں مقبول تھیں۔ محض پی ٹی سی سے ٹیچنگ کا آغاز کرنے والی میڈم اکرم نے دوران سروس ایف۔ اے- بی اے' ایم اے ڈبل ایم اے کیا۔ بی ایڈ میں نمایاں پوزیشن حاصل کی۔ بااصول' حق گو' ہمدرد اور خیر خواہ کے الفاظ ان کی شخصیت کا احاطہ کرتے تھے ان کے بدترین دشمن بھی ان کی ان خوبیوں کے معترف تھے۔ فلاحی کاموں کے لیے انہوں نے بے مثال کام کیا۔۔۔۔ تیس سال کی پیشہ وارانہ زندگی ان کے ہنراور صاحبہ دل ہونے کا منہ بولتا ثبوت تھی۔

اسٹاف کے ہر ادنیٰ و اعلا کارکن نے ان کی ریٹائرمنٹ پر انہیں تحائف سے نوازا۔ تمام عمر تحائف کے نام پر ایک کوڑی تک ۔۔۔ نہ لینے والی نے اب تحائف قبول کیے۔۔۔۔ اسکول کی ہر سال ہی آٹھ دس طالبات ایسے کالجوں میں پہنچتی تھیں جو اپنی مثال آپ تھے۔۔۔۔ پورے شہر' پورے صوبہ' پورے ملک بلکہ پوری دنیا میں ان کی ہونہار شاگردیں پائی جاتی تھیں۔۔۔۔ بہت بھرپور زندگی گزارنے کے بعد اب رخصتی کا سماں تھا۔ انہیں گورنمنٹ کی طرف سے ہاؤسنگ اسکیم کے تحت شہر کی بہتر لوکیشن میں بنا بنایا گھر ملا تھا۔۔۔۔ چوکیدار نذیر حسین سامان لوڈ کروا کے وہاں سے جانے کی اجازت مانگ رہا تھا۔ ازدواجی زندگی میں سو فیصد ناکام رہنے والی راحیلہ اکرم تعلیمی پیشہ وارانہ زندگی میں قابل قدر سرمایہ تھی۔۔۔۔ کوئی ورکشاپ ان کے بغیر نہیں ہوسکتی تھی' کسی سیمینار کا انعقاد ان کے حوالے سے ہٹ کے ممکن نہیں تھا۔۔۔۔ کبھی بورڈ کی

طرف سے پیپرز سیٹنگ کے لیے میٹنگ میں جا رہی ہیں تو کبھی بی ایڈ کی ٹریننگ کے لیے قدم نکال رہی ہیں۔
بہت عزت و آبرو کے ساتھ اس دشت کی تیس سالہ سیاحی سے فارغ ہوئیں تو ہر نجی ادارہ ان کو اعزازی سرپرست بنانے کو تیار تھا۔ شروع شروع میں تو انہوں نے فوراً" انکار کیا۔
"نہ بھئی نہ... میں آپ بیتی لکھوں گی... ایک جھگی میں پلنے والی ان پڑھ والدین کی بیٹی کے اندر اللہ نے کون کون سی صلاحیتیں چھپا کے رکھی تھیں... زندگی سے کیا سیکھا اور لوگوں کو کیسا سکھایا یہ بتانا چاہتی ہوں شاید میری جیسی کسی اور غریب لاچار کے کام آجائے... لیکن بہت اعلا شخصیات کے پرزور اصرار پر انہوں نے تھوڑی سی رضامندی ظاہر کردی...
ٹھیک ہے بھئی زندگی تو ایک دفعہ ہی ملتی ہے... کسی طلب گار کی طلب بھی ہر کوئی تو پوری نہیں کرسکتا...
آنسوؤں، سسکیوں، ہچکیوں میں وہ ادارے سے رخصت ہوئیں... گھر میں ان کی چھوٹی بہن موجود تھی اس کا میاں دبئی میں مقیم تھا وہ آج کل پاکستان میں تھی اپنی بہن کی الوداعی تقریبات کا حصہ بننے کے لیے اپنی بے مثال بہن کی قربانیوں کی داستان سنانے کے لیے... دونوں ذہنی معذور بھائی اللہ کو پیارے ہوچکے تھے' ایک بہن بہاولنگر میں پڑھاتی تھی' اس نے اپنی بڑی بہن سے بہت کچھ سیکھا... اب وہ اس مرحلہ میں تھی کہ وہاں کے لوگوں کو سکھلا رہی تھی۔
پھولوں کے بکے' ویلکم کے کارڈز نے در و دیوار پر باغ و بہار کی کیفیت پیدا کی ہوئی تھی... "کھانا تیار ہے آپی! آپ ابھی کھائیں گی یا ٹھہر کے..." بہن نے مودب ہو کر پوچھا۔
"نہیں بھوک نہیں ہے' ابھی میں تحفے تحائف کھول کر دیکھتی ہوں۔" انہوں نے ماسٹر بیڈ میں قدم رکھتے ہوئے کہا جہاں تحفوں کا قد آدم ڈھیر موجود تھا... بہن اس کے بچے سب ان کی مدد کے لیے موجود تھے' گرم شال' جرسی' لیدر بیگ' پرفیومز... برانڈڈ سوٹ... لوشن اور انتہائی نفیس عمدہ ہیئر برش...

بہت دیر وہ ہاتھ میں برش پکڑ کے دیکھتی رہیں...
"آپی یہ واقعی بہت سوفٹ ہے نرم اور ملائم... میں بھی یہی استعمال کرتی ہوں..." چھوٹی بہن نے ان کو اس برش میں باقی تحائف کی بہ نسبت زیادہ متوجہ دیکھ کر اپنی رائے دی۔
"ہاں بہت اچھا ہے۔ میں نے بھی ملازمت کے آغاز میں دس گیارہ سال اسی برانڈ کا ہی برش استعمال کیا تھا... لیکن یہ تم لے لو..." انہوں نے برش اس کے حوالے کیا۔
"نہیں آپی..." چھوٹی بہن نبیلہ کرنٹ کھا کے پیچھے پلٹی۔ "آپ اپنا سارا پرانا سامان وہاں کے ملازمین کو دے آئی ہیں یہ آپ ہی رکھیں میرے پاس تو ہے ناں..."
"میرے پاس اس سے بھی اچھے برانڈ کا موجود ہے۔ ایک وقت میں دو دو چیزیں زیر استعمال لانا میرا اصول نہیں' تم لے لو یا ثمینہ کو بہاولنگر جاؤ گی تو دے دینا..." سنجیدگی سے انہوں نے کہا۔
"اور آپ کیا استعمال کریں گی..." نبیلہ نے ادھر ادھر نظر دوڑائی ڈریسنگ ٹیبل سارا خالی پڑا تھا بس پرفیوم اور لوشن کے علاوہ کوئی تیسری چیز اس پر نہ رکھی ہوئی تھی۔
"یہ ہے ناں میرے پاس..." انتہائی عقیدت اور محبت سے اپنا ہینڈ بیگ کھول کر انہوں نے اپنی دادی کا کنگھا نکالا۔ "بتاؤ دنیا کا کوئی برانڈ اس کا مقابلہ کرسکتا ہے؟"
موٹے موٹے آنسو ٹپ ٹپ کرکے آنکھوں سے گرے اور کنگھے کے دندانوں میں براجمان ہوکر زبان حال کہنے لگے۔ بے بے زندہ ہوتی تو ضرور کہتی جتھوں دی کھوتی اوتھے آن کھلوتی۔

☆ ☆

بعض لوگوں پر قدرت مہربان ہوتی ہے۔ بے حد اور بے حساب میرا شمار بھی ایسے ہی افراد میں ہوتا تھا۔ ہمارا گھرانہ کالونی کا معتبر گھرانہ سمجھا جاتا "صدیقی ہاؤس" ایک مستند شریف گھرانہ سمجھا جاتا۔ پابند صوم و صلوۃ حسب نسب اعلیٰ۔۔۔ معزز اور نجیب الطرفین۔ اباجی کی رائے بڑی مستند سمجھی جاتی اور ان کے مشوروں کو اولیت دی جاتی۔

میں تین سگھڑ' بااخلاق' باپردہ بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا اور سب کی امیدوں کا واحد مرکز بھی' امی تو مجھے دیکھ دیکھ کر جیتی تھیں۔ میں نے بھی ان کی خواہشات اور امیدوں کو مقدم جانا تھا۔ اکلوتا نور چشم ہونے کی وجہ سے اباجی میرے چال چلن پر خاص نظر رکھتے اسکول جانے سے پہلے مجھے اصول دین' فروغ دین' چھے کلمے اور مختلف سورتیں ترجمہ کے ساتھ زبانی یاد کروا دی تھیں۔ یوں شکل صورت' تعلیم' اخلاق' کردار میں ہمیشہ نمایاں و منفرد رہا اور اپنے ہم عصروں کے لیے مثال بھی۔

اب جبکہ میں بچپن کی حدود پھلانگتا' لڑکپن اور نوجوانی کی شوریدہ سری سے بچتا بچاتا' باشعور دور میں داخل ہو چکا تھا۔ تو روز میری بہنیں میرا سہرا سجانے کے ارمان سجاتیں اور تقریباً" روز لڑکی دیکھنے کے لیے جاتیں لیکن میں جو اصل کردار تھا اسے ثانوی درجہ دیا گیا تھا یعنی خود ہی لڑکی دیکھتی تھیں اور مسترد کر دیتیں۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-
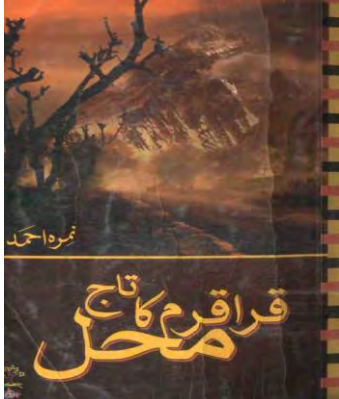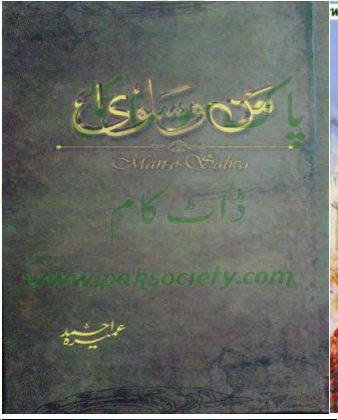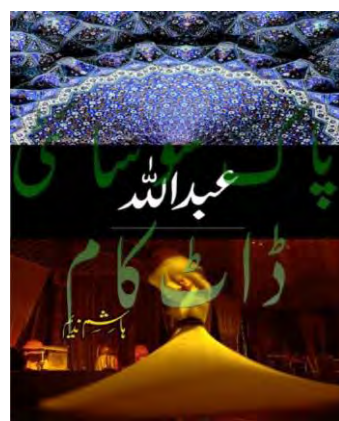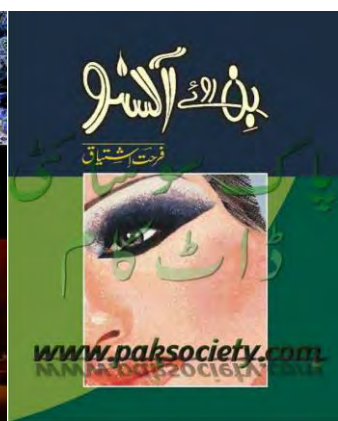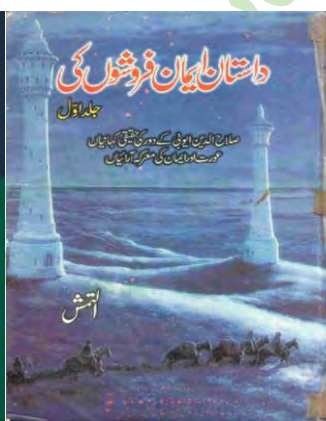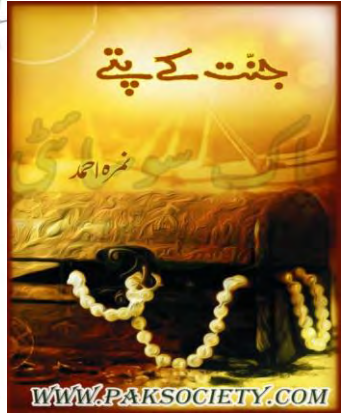
"بھئی بڑا کچھ دیکھنا ہوتا ہے، کردار، اخلاق، خاندان اور سلیقہ۔۔۔" رافعہ آپا انگلیوں پر خوبیاں گنواتیں۔

"خوب صورتی، تعلیم۔۔۔" کرن اور ماہ وش تڑکا لگاتیں۔

"ارے بھئی ہٹو! بس ایسی ہو کہ آتے ہی رونق لگا دے۔" امی پیار سے میرے بال سہلاتیں اور میں جھینپ کے اٹھ جاتا۔

لیکن دو سال گزر گئے۔ گوہر مقصود مل ہی نہیں رہا تھا۔ میں اکتانے لگا تھا۔ میرے دوست، کولیگز، کزنز سب بال بچے دار ہو گئے تھے اور میں یعنی عبداللہ ابھی تک دیوانہ پھر رہا تھا۔

ہر لڑکی پر بہنوں کا اختلاف ہوتا اور میں مشرقی بیٹا ہونے کا ثبوت دے دے کر تھک چکا تھا۔ انہیں بے کیف دنوں میں مجھے وہ نظر آئی۔ ثنا رحمان دوسری برانچ سے ٹرانسفر ہو کر آئی تھی۔

روشن گندمی رنگت، سنجیدہ مزاج اور جاذب نظر۔ وہ ایک با اعتماد اور سلجھی ہوئی لڑکی تھی۔ سب سے بات چیت رکھتی، معاملات ڈیل کرتی، لیکن ایک حد میں رہ کر وقار کے ساتھ۔ میں نجانے کب اس سے متاثر ہوا کہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے حال دل سنا بیٹھا اور شادی کی پیش کش کر دی۔ وہ بھی شرمانے کے بجائے سنجیدگی سے مجھے دیکھتی رہی اور کہا کہ اس کے گھر والوں سے بات کی جائے۔ میں نے اسی کو بہت جانا اور اب اگلا مرحلہ گھر والوں کو منانا تھا اور نتیجہ غیر متوقع نہ تھا۔

امی اور بہنیں حیران بلکہ کچھ غصے میں نظر آئیں اور اس آزاد اور شتر بے مہار لڑکی سے خائف اور نالاں بھی۔ جس نے ان کے شرمیلے بیٹے کو یوں قابو میں کر لیا تھا کہ وہ اپنا سہرا خود سجانے بیٹھ گیا تھا۔ حالانکہ حقیقت برعکس تھی۔

اباجی کے تعاون سے ہم سب ثنا کے گھر گئے۔ وہ تینوں بہنوں اور دو بھائیوں میں بڑی تھی۔ مڈل کلاس فیملی۔۔۔ پنشن یافتہ والد صاحب، بھائی چھوٹے، اور بہنیں شادی شدہ گھر آ کر سب سخت بدمزا تھے اور مجھ سے خفا بھی۔۔۔

"ثنا کا نکاح دو سال رہ کر ٹوٹا ہے مطلقہ ہے۔۔۔" امی کو شکوہ تھا (اس کے نکاح ٹوٹنے کی وجہ لڑکے کا بیرون ملک نیشنلٹی کے لیے شادی کرنا تھی اور یہ بات میرے علم میں تھی)

"کیسے اباجی اور بھائی کے سامنے ٹرالی گھسیٹ کر لائی اور چائے بنا بنا کر پیش کرنے لگی نہ جھجک نہ شرم۔۔۔" رافعہ آپا نے منہ بنایا۔

"وہ میری کولیگ ہے آپا، ہم دونوں آفس میں ملتے ہیں۔" مجھے ان کا لہجہ برا لگا۔

"کیا وہ تمہیں روز اسی طرح چائے پیش کرتی ہے۔" رافعہ آپا نے آنکھیں نکالیں اور میں سر جھٹک کر رہ گیا۔

"بھائی سے بڑی لگتی ہے۔" کرن اور ماہ وش ہزار آپس میں لڑتیں۔ میری بیوی (ہونے والی) کے متعلق ان کا ایکا مثالی ہوتا۔ میں نے اباجی کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھا تو وہ نظریں چرا گئے گویا ان کو بھی ثنا پسند نہ آئی تھی۔ لیکن میں بھی ڈٹ گیا۔ بہنیں میری بغاوت پر کمر کس کر میدان میں آ گئیں۔

"میں ثنا سے ہی شادی کروں گا۔" ثنا نے مجھے کبھی اپنی طرف متوجہ نہ کیا تھا۔ اکسایا نہ تھا۔ بس وہ مجھے اچھی لگی اور اتنی اچھی لگی کہ دل میں بس گئی۔ میں نے احادیث کی کتب سے مثالیں دیں، اسلام کے احکامات بتائے۔

"ارے بھئی ان پاکیزہ ہستیوں سے ہمارا کیا مقابلہ" امی توبہ توبہ کر کے پیٹتیں۔

"لوگ کیا کہیں گے۔" بہنیں چلاتیں۔

ثنا پر وہ الزام لگاتیں کہ اگر ثنا سن لیتی تو ایٹمی جنگ کا آغاز ہمارے گھر سے ہوتا۔ بہرحال وہ اپنے کردار کے متعلق بہت حساس تھی۔

✡ ✡ ✡

میں اپنی محبت کے محاذ پر تنہا تھا اور جس قلعے پر محبت کا جھنڈا گاڑنا چاہتا تھا اس کی ملکہ گھر والوں پر فیصلہ

چھوڑے بیٹھی تھی۔ اچانک ثنا کی ٹرانسفر ہو گئی اور وہ اپنا اتا پتا بتائے بغیر غائب ہو گئی۔ گھر میں اب سکون تھا۔ غیبت ' عیب جوئی کے چینلز (بہنوں کے تبصرے) بند تھے۔ امی وظائف میں مصروف۔ ایک روز میں نے سنا کہ میری منگنی ہو رہی ہے۔ پھپھو کی نند کی دیورانی کی بہن..... میں سکتے میں رہ گیا تھا۔ اباجی نے میرا چہرہ دیکھا تو مجھے اپنی اسٹڈی میں لے گئے۔

"دیکھو بیٹا! ہمارا باپردہ 'دین دار ماحول' وہ لڑکی یہاں نہیں رہ سکتی تھی۔" نسل کی تربیت 'ثنا کی جاب' نکاح کا ٹوٹنا 'لوگوں کے تبصرے وہ سب نقصانات گنوا رہے تھے جو ثنا سے شادی کی صورت میں متوقع تھے۔

"رافعہ اور تمہاری ماں ثنا کے گھر گئے اور ان کے والدین کو سمجھایا کہ وہ ہمارے بیٹے کو پھنسانے کے لیے اپنی بیٹی کو آگے نہ کریں۔"

"اباجی!" میں ششدر رہ گیا تھا۔

"اس لڑکی نے ایک غیر محرم کو اپنی طرف مائل کیا ہے۔"

"ایسا کچھ نہیں ہے اس نے مجھے کبھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا تھا۔" میں صدمے کے باعث بول نہ پا رہا تھا۔ صرف لڑکیاں مشرقی نہیں ہوتیں لڑکے بھی مشرقی ہوتے ہیں اور میں اس کا چلتا پھرتا ثبوت تھا' جیتی جاگتی تصویر۔

بعد میں کرن نے بتایا کہ جب میں بھوک ہڑتال پر تھا تو رافعہ آپا اور امی نے ثنا کو فون پر خوب سنائیں کہ وہ ان کے بیٹے کو ورغلا رہی ہے۔ میں دکھ سے رو بھی نہ سکا (مرد رو نہیں سکتے ناں) میں ثنا سے فون پر بات کر کے اپنی پوزیشن واضح کرنا چاہتا تھا' اس کا نمبر بہت مشکل سے ملا۔

"ثنا! میں شرمندہ ہوں کہ....." میں اسے سب کچھ کہتا گیا وہ خاموشی سے سنتی رہی۔

"اویس! اگر تمہارے دل میں میری عزت ہے' احترام ہے تو مجھے اس کا ثبوت دو....." میں سمجھا وہ مجھے کورٹ میرج کا مشورہ دے گی۔ میں بھی بغاوت پر تیار تھا۔

"تم اپنے گھر والوں کی مرضی سے شادی کر لو۔ میں اپنی نگاہوں میں سرخرو ہو جاؤں گی۔ اگر تمہارے دل میں میرے لیے کوئی جذبہ ہے تو مجھ سے کبھی رابطہ نہ رکھنا..... میں جاب کرتی ہوں' گھر سے باہر نکلتی ہوں تو یہ اعتماد میرے والدین نے مجھے بخشا ہے جس کی میں نے ہمیشہ پاسداری کی ہے..... ویسے بھی میری شادی ہو رہی ہے اور وہ شخص اور اس کا گھرانہ مجھے وہ عزت و احترام دے رہے ہیں جو تم اور تمہاری فیملی کبھی مجھے نہ دے سکتے اور یاد رکھنا....." وہ تھوڑی دیر رکی میرا پورا وجود کان بن چکا تھا۔ میں ایک لفظ نہ بول سکا۔ اس نے فون بند کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ثنا سے محبت تھی یا اس محبت کی عزت کی پاسداری۔ جو میں گھر والوں کے فیصلے پر راضی ہو گیا تھا۔

ساری گلی بقعہ نور بنی تھی۔ میری شادی پر گھر والوں نے سارے ارمان نکالے تھے۔ (اور میرے ارمان!!)

کنیز فاطمہ بنت حاجی مقبول علی شرعی حق مہر کے مطابق میری زندگی میں شامل ہو گئی تھی۔ میرے نکاح میں شرعی طریقوں کی پیروی کی گئی تھی اباجی نے خود نکاح پڑھایا تھا۔ ولیمہ شاندار ضیافت تھی 'بہنیں' امی دلہن پر واری صدقے جا رہی تھیں۔ اور میں بالکل خاموش تماشائی بنا یہ سب دیکھ رہا تھا۔ ثنا کا ایک جملہ میرے کانوں میں گونج رہا تھا۔

"اویس! مذہب وہ نہیں ہے جو صرف عبادات میں نظر آئے مذہب تو وہ ہے جو روزمرہ معاملات میں شامل ہو کر تعارف بن جائے۔ پھر لڑکی جو گھر سے فکر معاش لے کر نکلتی ہے وہ بے راہ رو نہیں ہو سکتی۔ ہر لڑکی محبت سے زیادہ عزت چاہتی ہے جو تم نہیں دے سکتے تھے۔ اور مجھے صرف عزت ہی چاہیے تھی۔ جو تمہارے گھر والے مجھ جیسی "خود مختار" اور "آزاد خیال" لڑکی کو نہیں دے سکتے تھے۔"

☼ ☼

میرے ستارے تو رہتے ہی ہیں ہمیشہ گردش ایام میں۔"

س "وہ کون سے کام جن کو کرتے ہوئے خیال آتا ہے، کہ دنیا کیا کہے گی؟"

ج "یہ دنیا دو دھاری تلوار ہے۔ یہ کسی پل بھی چپ نہیں رہ سکتی۔ اور میں تو ہوں ہی من موجی۔ میں تو کام کے بعد سوچتی ہوں۔ ویسے بھی پچھتاوا نہیں بس جو ہو گیا سو ہو گیا۔ دنیا میں آئے ہیں یہاں ہر ناممکن ممکن ہے۔ میری سوچ تو یہی ہے ویسے بھی دنیا کو راضی اور خوش رکھنا بہت مشکل کام ہے۔"

س "آپ کسی سنسان راستے سے گزر رہی ہوں اور کتا پیچھے لگ جائے تو؟"

ج "پہلی بات تو یہ کہ میں اکیلی سنسان راستے سے گزروں گی ہی کیوں! ساتھ کوئی نہ کوئی تو ہو گا ہی ناں میرے ساتھ۔ تو بس پھر وہ خود کتے سے نپٹ لے گا۔ دوسری بات کہ کتے سے معافی مانگ لوں گی کہ کتے صاحب مجھے انجکشن سے ڈر لگتا ہے۔ اور پھر ایک بھی نہیں دو بھی نہیں پورے چودہ انجکشن، کتے کی منت کر لوں گی بس۔"

س "آپ کی نظر میں محبت کیا ہے؟"

ج "دو انسانوں باہمی رضامندی سے ایک دوسرے کو دھوکا دینے کا نام ہے محبت۔ آج کے دور میں بغیر غرض کے کوئی محبت ہے ہی نہیں۔"

س "کن لوگوں کی احسان مند ہیں؟"

ج "ایک شخصیت تھی پر اب وہ دنیا میں نہیں رہی۔ دوسرا میں کرن اسٹاف کو سمجھتی ہوں کہ میں خود تو کچھ بھی نہیں میری ذات کو سنوارنے والے یہی ہیں۔"

س "اپنی تعریف سن کر خوش ہوتی ہیں؟"

ج "دنیا اس معاملے میں بھی کنجوسی بہت کرتی ہیں ویسے خود کے پکائے کھانے کی تعریف کر لے تو خوشی ہوتی ہے اور جب بھی شادی پہ تیار ہو کے جاؤں تو سب جل کے سواہ ہو جاتے ہیں کہ تعریف کیا خاک کریں گا۔"

س "ڈرامے دیکھتی ہیں؟"

ج "ہاں جو پسند آجائے اسے ریپیٹ میں بھی دیکھتی ہوں۔ ویسے کبھی کبھی (باجی نرگس کے ڈانس دیکھتی ہوں تو رب سے توبہ استغفار کرتی ہوں کہ عورت کو شہرت کی ہوس نے کتنا گرا دیا ہے۔"

س "اگر دوست ناراض ہو جائیں تو کیسے مناتی ہیں؟"

ج "میری دوست دو ہی ہیں۔ معینہ تہذیب (بھگوال) اور ثمرہ نعیم (واہ کینٹ) پہلے منانے اور روٹھنے کے پروگرام ہوتے تو بس جان پر بن آتی تھی۔ اب تو مہینوں بات نہیں ہوتی۔ ویسے میری عادت تھی مشکل سے مانتی چاہے اگلا خود روٹھے جائے۔"

س "حقیقی خوشی کب ہوتی ہے؟"

ج "جب میری وجہ سے کوئی خوش ہو یا میں کسی کے کام آؤں تو خود مجھے دلی سکون اور خوشی ملتی ہیں۔"

س "زندگی سے کیا سبق سیکھا؟"

ج "یہاں سارے رشتے تعلق بس غرض سے ہیں آپ کتنی بھی محبت کر لیں وقت پڑنے پر یہی لوگ آپ سے غیروں سا برتاؤ کریں گے۔"

س "ستاروں پر یقین رکھتی ہیں؟"

ج "جی بالکل ستاروں کی گردش قسمت پر ضرور اثر انداز ہوتی ہے۔"

س "آخری بات؟"

ج "جی نہیں کوئی آخری بات نہیں جب تک سانس ہے۔ تب تک کچھ نہ کچھ ہونا ہو گا۔ ہاں آخری بات آپ کی آخری ہچکی سے ذرا پہلے والی ہی ہو سکتی ہے ناں۔"

س "کوئی ایسی بات جو ہمیشہ ذہن میں رہتی ہے؟"

ج "دنیا میں آئے ہیں اور جب تک ہیں اس کی تلخ و ترش حقیقتوں کو برداشت کرنا ہے چاہے اس کے لیے جندڑی رولا ڈالے یا پھر خاموشی سے سہہ جائے۔ کیونکہ آپ کے اپنے اختیار میں کچھ بھی نہیں پھر برداشت اور صبر ہی اس حقیقت کا اصل پیالہ ہے، جو پیا گیا وہ جیا گیا۔"

☆ ☆

القرآن

وہ جو نہایت مہربان ہے۔ تعلیم فرمائی اس نے قرآن کی۔ پیدا کیا اس نے انسان کو، سکھایا اسی نے بولنا اس کو۔ سورج اور چاند پابند ہیں ایک حساب کے۔ اور جھاڑیاں اور درخت اس کو سجدہ کررہے ہیں اور آسمان کو بلند کیا اسی نے اور قائم کردیا میزان عدل' تاکہ نہ تجاوز کرو حد سے نظام میزان میں۔ اور قائم کرو صحیح تول انصاف کے ساتھ اور مت کم کرو تولتے وقت اور زمین بچھائی اسی نے خلقت کے لیے۔ اس میں میوے ہیں اور کھجور کے درخت ہیں۔ جن کے خوشوں پر غلاف ہوتے ہیں اور اناج بھوسے والا اور خوشبودار پھول' تو کون سی نعمتوں کو اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔ پیدا کیا اس نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتی مٹی سے اور پیدا کیا اس نے جنات کو شعلے سے آگ کے' تو کون سی نعمتوں کو اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے۔

(سورۃ الرحمٰن۔۔۔ آیت نمبر1 سے 16)

امت پر اندیشہ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ اندیشہ خواہشات نفسانی اور لمبی لمبی امیدیں باندھنے سے ہے' خواہشات نفسانی انسان کو حق سے روکتی ہیں اور لمبی امیدیں باندھنا آخرت کو بھلا دیتا ہے۔ (اور دیکھو) یہ دنیا کوچ کرکے جاری ہے اور یہ آخرت کوچ کرکے آرہی ہے اور انسانوں میں کچھ لوگ دنیا کی اولاد ہیں اور کچھ آخرت کی پس اگر تم یہ کرسکو کہ دنیا کے بیٹے نہ بنو تو ایسا ضرور کرو' اس لیے کہ آج دار العمل میں ہو' جبکہ کوئی حساب نہیں ہورہا ہے اور کل تم دار الآخرت میں ہوگے کوئی عمل نہیں ہوگا۔"

(بیہقی' مشکوۃ ص 444)

کچھ باتیں

☆ سڑک چاہے کانچ کی کیوں نہ ہو' پیدل چلنے والوں

شعاع عین

کو تھکا دیتی ہے۔

☆ جو راستوں کے عشق میں گرفتار ہوجائے' منزلیں ان سے دور ہوجاتی ہیں۔

☆ خون کے رشتے چاہے کتنے بھی اذیت ناک کیوں نہ ہو دم آخر ہمارے احساسات کے ساتھ جڑے رہتے ہیں۔

☆ ٹھیک وہ نہیں ہوتا جو ہم چاہتے ہیں' بلکہ ٹھیک وہ ہوتا ہے۔ جو رب نے ہمارے لیے لکھ رکھا ہے۔

☆ اگر محبت کرنے والا شخص آپ پر غصہ کرنا چھوڑ دے تو سمجھ جاؤ تم اپنی اہمیت اس کی نظر میں کھو چکے ہو۔

فوزیہ ثمرہٹ۔۔۔ہانیہ عمران گجرات

ایک بے مثال شہید

جنگ احد میں جب دونوں فوجیں لڑ رہی تھیں' گھمسان کا رن تھا۔ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی' ایک نوجوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر کہنے لگا۔ "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہلے میں اسلام لاؤں یا قتال کروں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' پہلے اسلام لا' پھر قتال کر! چنانچہ وہ عین میدان جنگ میں مسلمان ہوا اور تلوار سونت کر میدان میں گھس گیا۔ جنگ ختم ہوئی اور ستر مسلم شہیدوں کی لاشیں میدان سے اٹھائی گئیں' تو ان میں اس خوش قسمت کی لاش بھی تھی' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا کہ اس نے عمل تھوڑا کیا اور اجر زیادہ پایا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس بے مثال شہید پر رشک کیا کرتے تھے' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے شاگردوں سے پوچھا کرتے' بتاؤ وہ کون سا شہید ہے جس نے ایک

نماز بھی نہ پڑھی اور سیدھا جنت میں چلا گیا۔ پھر گیا۔ پھر خود ہی فرمایا کرتے' وہ احیرم عبدالاشھل ہے عبدالاشھل ان کی قوم کا نام تھا' ان کا نام عمرو بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور لقب احیرم تھا۔

افشاں سمیع۔ کراچی

چارلی چپلن کے تین دل کو لگنے والے بیان

1۔ اس دنیا میں کوئی چیز دائمی نہیں ہے' یہاں تک کہ تمہارے مسائل بھی۔

2۔ میں بارش میں چلنا پسند کرتا ہوں تاکہ کوئی بھی میرے آنسو نہ دیکھ سکے۔

3۔ زندگی میں فضول ترین دن وہ ہے جس دن ہم ہنسیں نہیں۔

محبت

محبت میں ذاتی آزادی کو طلب کرنا شرک ہے۔ بیک وقت دو افراد سے محبت نہیں کی جاسکتی۔ محبوب سے بھی اور اپنی ذات سے بھی.... اس طرح محبت ایک طرح کی غلامی کا عمل ہے۔ (بانو قدسیہ)

عاصمہ اقراطیبہ.... خانوال

میں وکیل نہیں ہوں

مشہور اداکار باب ہوپ کو ایک ڈاکے کے مقدمے میں گواہ کے طور پر عدالت میں پیش ہونا پڑا۔ ڈاکو کے وکیل نے باب ہوپ کو اپنے سوالات سے پریشان اور ہراساں کرنے کی کوشش کی۔

"مسٹر ہوپ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ڈاکا کس وقت ڈالا گیا؟" اس نے پوچھا۔

"میرا.... میرا خیال ہے۔" باب ہوپ نے کہنا شروع کیا۔

"عدالت کو آپ کے خیال سے کوئی دلچسپی نہیں ہے' میرے سوال کا جواب دیجیے۔ ڈاکا کس وقت ڈالا گیا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ...."

وکیل نے دوبارہ ان کی بات کاٹی۔ "اپنا خیال نہیں درست بات بتایئے۔"

"میں سمجھتا ہوں۔"

"مجھے بلاواسطہ جواب کی ضرورت ہے۔" وکیل گرجا۔

باب ہوپ نے معصومیت سے اس کی طرف دیکھا۔ "آپ یہ جاننا نہیں چاہتے کہ میں کیا سمجھتا ہوں؟"

"ہرگز نہیں۔"

"پھر تو میں گواہی نہیں دے سکتا۔" باب ہوپ نے جج سے مخاطب ہوتے ہوئے مایوسی کے انداز میں کہا۔ "کیونکہ مجھے افسوس ہے کہ میں سوچے سمجھے بغیر بول نہیں سکتا۔ میں وکیل نہیں ہوں۔"

صدف سمیع.... کراچی

قیدی

کتنے تعجب کی بات ہے کہ ہم اپنی خطا کی صفائی میں تو اس قدر کوشش کرتے ہیں' لیکن حق و صداقت کی تائید میں کوئی جدوجہد نہیں کرتے۔ ہم سب قیدی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ہم میں سے بعض لوگ روشن دانوں اور کھڑکیوں والی جیل میں قید ہیں اور بعض کال کوٹھری میں۔ (خلیل جبران)

صائمہ مشتاق.... بھاگٹانوالہ سرگودھا

نمکین غزل

اکسا رہا ہے ملنے کو موسم بہار کا
پر دل میں خوف ہے ترے ابا کی مار کا
بھائی بھی ترے دوش ہیں خوں خواں شکل کے
اک دو نہیں ہیں گینگ مکمل ہے چار کا
اک اور بھی بلا ہے ترے گھر میں ان دنوں
کیدو سا ایک چاچا ترا دور پار کا
اوپر سے دھاڑتی ہوئی اماں تری کا منہ
جیسے کھلا ہوا کوئی بونٹ ہو کار کا
جنت تو چھوڑ آیا تھا میں تری چاہ میں
پر حال پھر وہی ہے دل بے قرار کا
اب حوصلہ نہیں ہے تجھے پیش کرسکوں
تحفہ تو لے لیا ہے مگر ہے ادھار کا

(فضہ نور.... رونجھی)

بشریٰ محمود

فائزہ بھٹی، کی ڈائری میں تحریر
وصی شاہ کی نظم

آدھی رات کے سناٹے میں
کس نے فون کیا ہے مجھ کو
جانے کس کا فون آیا ہے
فون اُٹھا کر یوں لگتا ہے
اُس جانب کوئی گم سم، گم سم، اُکھڑا اُکھڑا، دھیرے
دھیرے کانپ رہا ہے
مہکی ہوئی اک خاموشی ہے
گھپ خاموشی
لیکن اُس خاموشی میں بھی گونج رہے ہیں
ٹھنڈی سانسیں، بارش، آنسو
خاموشی سے تھک کر اُس نے سانس لیا تو
چوڑی کھنکی.....
اُف یہ کھن کھن.....
اک لمحے میں سارے بدن میں پھیل گئی ہے
تیرے علاوہ کوئی نہیں ہے
لیکن اتنے برسوں بعد

حرا کنول، کی ڈائری میں تحریر
ناصر کاظمی کی غزل

تم آگئے ہو تو کیوں انتظارِ شام کریں
کہو تو کیوں نہ ابھی سے کچھ اہتمام کریں

خلوص و مہر و وفا لوگ کر چکے ہیں بہت
میرے خیال میں اب اور کوئی کام کریں

یہ خاص و عام کی بیکار گفتگو کب تک
قبول کیجیے جو فیصلہ عوام کریں

ہر آدمی نہیں شائستۂ رموزِ سخن
وہ کم سخن ہو مخاطب تو ہم کلام کریں

جدا ہوئے ہیں بہت لوگ ایک تم بھی سہی
اب اتنی سی بات پہ کیا زندگی حرام کریں

خدا اگر کبھی کچھ اختیار دے ہم کو
تو پہلے خاک نشینوں کا انتظام کریں

رہِ طلب میں جو گمنام مر گئے ناصر
متاعِ دردِ انہی ساتھیوں کے نام کریں

رضوانہ پروین، کی ڈائری میں تحریر
جمال احسانی کی غزل

سلوک ناروا کا اس لیے شکوہ نہیں کرتا
کہ میں بھی تو کسی کی بات کی پروا نہیں کرتا

ترا اصرار سر آنکھوں پر میں تجھ کو بھول جانے کی
کوشش کر کے دیکھوں گا مگر وعدہ نہیں کرتا

بہت ہوشیار ہوں اپنی لڑائی آپ کرتا ہوں
میں دل کی بات کو دیوار پر لکھا نہیں کرتا

اگر پڑ جائے عادت آپ اپنے ساتھ رہنے کی
یہ ساتھ ایسا ہے کہ انسان کو تنہا نہیں کرتا

زمین پیروں سے کتنی بار اک دن میں نکلتی ہے
میں ایسے حادثوں پر دل مگر چھوٹا نہیں کرتا

رباب راجپوت، کی ڈائری میں تحریر
امجد اسلام امجد کی نظم

اگر کبھی میری یاد آئے
تو چاند راتوں کی نرم دلگیر روشنی میں کسی ستارے کو دیکھ لینا
اگر وہ نخل فلک سے اُڑ کر تمہارے قدموں میں آگرے تو
یہ جان لینا کہ وہ استعارہ تھا میرے دل کا
اگر نہ آئے
مگر یہ ممکن ہی کس طرح ہے کہ تم کسی پر نگاہ ڈالو
تو اس کی دیوار جاں نہ ٹوٹے
وہ اپنی ہستی نہ بھول جائے
اگر کبھی میری یاد آئے
گریز کرتی ہوا کی لہروں پہ ہاتھ رکھنا
میں خوشبوؤں میں تمہیں ملوں گا
مجھے گلابوں کی پتیوں میں تلاش کرنا
میں اوس قطروں کے آئینوں میں تمہیں ملوں گا
اگر ستاروں میں اوس قطروں میں خوشبوؤں میں
نہ پاؤ مجھے
تو اپنے قدموں میں دیکھ لینا
میں گرد ہوتی مسافتوں میں تمہیں ملوں گا
کہیں پہ روشن چراغ دیکھو تو جان لینا کہ ہر پتنگے کے
ساتھ میں بھی بکھر چکا ہوں
تم اپنے ہاتھوں سے ان پتنگوں کی خاک دریا میں
ڈال دینا
میں خاک بن کے سمندروں میں سفر کروں گا
کسی نہ دیکھے ہوئے جزیرے پہ رُک کے تم کو صدائیں
دوں گا
سمندروں کے سفر پہ نکلو تو اس جزیرے پہ بھی
اُترنا!

سائرہ راو، کی ڈائری میں تحریر
محسن نقوی کی غزل

مفروض کہ بگڑے ہوئے حالات کی مانند
مجبور کہ ہونٹوں پہ سوالات کی مانند

دل کا تیری چاہت میں عجب حال ہوا ہے
سیلاب سے برباد مکانات کی مانند

میں ان میں بھٹکے ہوئے جگنو کی طرح ہوں
اس شخص کی آنکھیں ہیں کسی رات کی مانند

دل روز سجاتا ہوں میں دلہن کی طرح
غم روز چلے آتے ہیں بارات کی مانند

اب یہ بھی نہیں یاد کہ کیا نام تھا اس کا
جس شخص کو مانگا تھا مناجات کی مانند

کس درجہ مقدس ہے تیرے قرب کی خواہش
معصوم سے بچے کے خیالات کی مانند

اس شخص سے ملنا محسن میرا ممکن ہی نہیں ہے
میں پیاس کا صحرا ہوں برسات کی مانند

شگفتہ سلیمان

حنا کرن ـــــــ پتوکی

تم نے جگنو سے دوستی کر لی
ہم ستارے تلاش کرتے رہے
کیا بتائیں کہ اب کے ساون میں
ہم تجھے کتنا یاد کرتے رہے

اقرا جٹ ـــــــ میغن آباد

لاکھ دوری ہو مگر عہد نبھاتے رہنا
جب بھی بارش ہو مرا سوگ مناتے رہنا
تم گئے ہو تو سر شام یہ عادت ٹھہری
بس کنارے پہ کھڑے ہاتھ ہلاتے رہنا

ادم کمال ـــــــ فیصل آباد

دیکھا ہے اُجڑتے ہوئے کتنے گھروں کو
ہے کون جو اس عشق میں برباد نہیں
آتا ہے خیالوں میں میرے ایک ہی چہرہ
بس اس کے سوا مجھے کچھ یاد نہیں

شازیہ گلزار ـــــــ منڈی ٹاؤن بھکر

یوں وفا کے سلسلے مسلسل نہ رکھ کسی سے!
لوگ ایک خطا کے بدلے ساری وفائیں بھول جاتے ہیں

عاصمہ خالد ـــــــ راولپنڈی

تمہارا نام لکھنے کی اجازت چھن گئی جب سے
کوئی بھی لفظ لکھتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

صدف عمران ـــــــ کراچی

نصیب کا کھیل بھی عجب طرح سے کھیلا ہم نے
جو نہ تھا نصیب میں اسی کو ٹوٹ کر چاہ بیٹھے

بینا ظفر ـــــــ کراچی

اپنے مطلب کے علاوہ کون کسی کو پوچھتا ہے
شجر جب سوکھ جائیں تو پرندے بھی بسیرا نہیں کرتے

آمنہ محمد نوید ـــــــ چیچو کی ملیاں

کچھ ایسی محبت اس کے دل میں بھر دے یا رب
کہ وہ جس کو بھی چاہے وہ میں بن جاؤں

روزینہ سلیم ـــــــ کراچی

محفل آرا تھے، مگر پھر کم نما ہوتے گئے
دیکھتے ہی دیکھتے ہم کیا سے کیا ہوتے گئے
ناشناسی دہر کی، تنہا ہمیں کرتی گئی
ہوتے ہوتے ہم زمانے سے جدا ہوتے گئے

سیمی ظفر ـــــــ کراچی

کاش چاہنے والے ہمیشہ چاہنے والے ہی رہتے
پر لوگ اکثر بدل جاتے ہیں محبت ہو جانے کے بعد

کرن رحمن ـــــــ فیصل آباد

کہنے کو تو بہت سی باتیں ہیں اس دل میں ہمدم
کچھ لفظوں میں سن لو کچھ میری آنکھوں میں پڑھ لو

زبیدہ ریاض ـــــــ مانسہرہ

یادیں کیوں نہیں بچھڑ جاتیں
لوگ تو پل میں بچھڑ جاتے ہیں

عذرا ناصر، اقصیٰ ناصر ـــــــ کراچی

بدل رہے ہیں ہم اپنا طرز زندگی آج سے
کریں گے صرف اسے یاد جسے ہم یاد آئیں گے

اریبہ شمشاد، منیبہ شمشاد ـــــــ آزاد کشمیر

تیری وفا کے تقاضے بدل گئے ورنہ
مجھے تو آج بھی تم سے عزیز کوئی نہیں

لائبہ، ایمن ـــــــ مظفر آباد

اس کا معیار ابھی مجھ سے جدا ہے لیکن
وہ بھی بکھرے گا تو ہو جائے گا میرے جیسا

ندا طارق ______ فیصل آباد
انہیں تفصیل سے کیسے سناؤں یہ قصہ محبت کا
کہ وہ مصروف ہیں اب تک ہمیں برباد کرنے میں

فرہ عاقب ______ گرین سٹی کراچی
مجھ سے کیا گلہ تم کو اتنے بدگمان کیوں ہو تم
میں نے تم کو چاہا ہے تم سے تو کچھ نہیں چاہا

کرن رحمن ______ گوجرہ
محبت زندگی کے فیصلوں سے لڑ نہیں سکتی
کسی کو کھونا پڑتا ہے اور کسی کا ہونا پڑتا ہے

فوزیہ ثمر بٹ ______ گجرات
ہو اجازت تو مانگ لوں تمہیں رب سے
سنا ہے بارش میں دعا قبول ہوتی ہے

مدیحہ، ایمان ______ مدینہ کالونی
سینے میں جلن آنکھوں میں طوفان سا کیوں ہے
اس شہر میں ہر شخص پریشان سا کیوں ہے

انیلا ادریس ______ شورکوٹ
جس کو چاہا بھی اظہار نہ کرنا آیا
عمر کٹ گئی ہمیں پیار نہ کرنا آیا
اس نے مانگا بھی تو جدائی مانگی
اور ہم تھے کہ ہمیں انکار نہ کرنا آیا

عذرا ناصر، اقصیٰ ناصر ______ کراچی
یاد رکھنا ہی محبت میں نہیں ہے سب کچھ
بھول جانا بھی بڑی بات ہوا کرتی ہے

شاہینہ عارف ______ اورنگی ٹاؤن
کون پوچھتا ہے پنجروں میں بند ان پنچھیوں کو
یاد وہی آتے ہیں جو اڑ جاتے ہیں

فرحین ظفر ______ کراچی
جو اس کی چاہ میں گزری، وہ زندگی ہے میری
اس کے بعد تو گزارہ ہے زندگی نے مجھے

نادرہ سلطانہ ______ کوٹڑی
وہ پیش لفظ تھا جس نے رلا دیا ہے مجھے
سنبھال خود کو ابھی داستان باقی ہے

اقرا، تحریم ______ سلور ٹاؤن
لوگوں نے اس کو میری محبت سمجھ لیا
محسن وہ مجھ کو جان سے پیارا لگا اور بس

سعدیہ سلیم، سدرہ سلیم ______ شریف آباد
کاٹا ہے آستینوں کے سانپوں نے اس قدر
میں سامنے پڑی ہوئی رسی سے ڈر گیا

فضہ یوسف ______ گوجرہ
میں نے ہیرے کی طرح اس کو تراشا کتنا
اپنی فطرت میں وہ پتھر تھا... پتھر ہی رہا

صدف عمران ______ کراچی
تجھ کو دیکھا نہیں محسوس کیا ہے میں نے
آ کسی دن میرے احساس کو پیکر کر دے

نادیہ یاسر ______ لاہور
زندگی تیری حقیقت کی حقیقت یہ ہے
تیرے گفتار میں چھاؤں، تیرے کردار میں دھوپ

عائشہ، عظمیٰ ______ کراچی
سات صندوقوں میں بھر کر دفن کر دو نفرتیں
آج انسان کو محبت کی ضرورت ہے بہت

ثمینہ، زبیدہ ______ حیدرآباد
سنا ہے لوگ جہاں کھوئیں، وہیں ملتے ہیں
میں اپنے آپ کو تجھ میں تلاش کرتا ہوں

ایمان، مدیحہ ______ گوجرہ
دیکھ کے مجھ کو غور سے، پھر وہ چپ سے ہو گئے
دل میں خلش ہے آج تک، ان کے کیسے سوال کی

عائشہ، تحریم ______ کراچی
خمار عشق میں ہم خود کو بھلا کے بیٹھے ہیں
ہر اک سانس میں تجھ کو بسا کے جیتے ہیں

رباب راجپوت ______ اسلام آباد
سنا ہے کوئی اور بھی چاہنے لگا ہے تمہیں
ہم سے بڑھ کر اگر چاہے تو اسی کے ہو جانا

یاسمین کنول ______ پسرور
بیٹھ کر سایہ گل میں ناصر
ہم بہت روئے وہ جب یاد آیا

روبینہ شریف

بیوی کیسے جیسے

بیوی: "ذرا کچن سے نمک لیتے آنا۔"
کافی دیر ڈھونڈنے کے بعد شوہر نے کہا: "یہاں تو کوئی نمک نہیں ہے۔"
بیوی: "مجھے پتا تھا تم تو ہو ہی اندھے۔ کبھی آج تک کوئی چیز ملی ہے۔ جو نمک ملے گا۔ میرے باپ کو بھی تم ہی ملے تھے میرے لیے۔ ایک کام ڈھنگ سے نہیں کر سکتے۔ بس بہانہ بنانا جانتے ہو۔ زندگی میں کچھ تو کام کرلو ... مجھے پتا تھا تمہیں نہیں ملے گا نمک اس لیے پہلے ہی ادھر لے آئی تھی یہ نمک۔"

سائرہ راؤ..... دنیا پور

باخبر

ایک صاحب اپنے شناسا سے کہہ رہے تھے۔
"جب تم نے ناہید سے شادی کی درخواست کی تو تمہیں یہ بھی کہہ دینا چاہیے تھا کہ تم اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتے۔ اس طرح عورت ذرا خوش ہو جاتی ہے۔"
شناسا نے قدرے بے چارگی سے کہا۔ "میں یہ بات کہنے ہی لگا تھا۔ لیکن اس نے میرے بارے میں یہ بات مجھ سے پہلے ہی کہہ دی کہ..... وہ مجھے اپنے قابل تو نہیں سمجھتی لیکن والدین کے مجبور کرنے پر ہاں کہہ رہی ہے۔"

امبر فاطمہ..... سبی

متبادل

مولوی صاحب نہایت خوش اخلاق، تحمل مزاج اور شائستہ تھے، مگر ایک محفل میں ویٹر نے غلطی سے گرم سالن کا ڈونگا ان کی گود میں الٹ دیا۔
انہوں نے تکلیف ضبط کرتے ہوئے صبر و تحمل سے ادھر ادھر دیکھا اور گھٹی گھٹی سی آواز میں بولے۔
"محفل میں، اگر کوئی بد اخلاق اور بد زبان آدمی موجود ہے تو براہ مہربانی اس ویٹر کو کھری کھری سنا دے۔"

امن عامر..... کراچی

نحوست

ایک اداکارہ ایک تقریب میں پہنچی تو ایک خوب صورت لاکٹ پہنے ہوئے تھی جس پر بہت بڑا ہیرا جگمگا رہا تھا۔ دوسری اداکارہ نے رشک بھرے لہجے میں پوچھا۔
"یہ کون سا ہیرا ہے۔"
"قاسم ڈائمنڈ۔" پہلی اداکارہ نے جواب دیا۔
"قاسم ڈائمنڈ؟" دوسری اداکارہ نے حیرت سے دہرایا "میں نے ہوپ ڈائمنڈ اور کوہ نور ڈائمنڈ کے بارے میں تو سنا تھا..... کیا یہ قاسم ڈائمنڈ بھی دنیا کے مشہور ہیروں میں شامل ہے۔"
"یہ تو مجھے معلوم نہیں..... لیکن یہ معلوم ہے کہ اس کے ساتھ ایک بڑی نحوست وابستہ ہے۔" پہلی اداکارہ نے کہا۔
"وہ کیا؟"
"سیٹھ قاسم" پہلی اداکارہ نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔

انوش ابصار ..... اسلام آباد

ایجاد

پٹھان "ہم نے ایک ایسی چیز ایجاد کی جس کی بدولت دیوار کے آرپار آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔"

انگریز: "بھئی یہ تو بڑی حیرت انگیز بات اور بڑے کام کی چیز بھی ہے... یہ کون سی ایجاد ہے؟"
پٹھان: "سوراخ۔"

سدرہ ارشد... بہاولپور

حیرانگی

اصغر: "میں حیران ہوں کہ رحیم اپنی زیادہ تنخواہ کا کیا کرتا ہے نہ اس کے پاس کل روپے تھے اور نہ آج۔"
اسلم: "کیوں کیا وہ تم سے ادھار مانگ رہا تھا۔"
اصغر: "نہیں، لیکن میں اس سے ادھار مانگ رہا تھا۔"

ایس عنبرین... نواب شاہ

مناسب حل

ایک سہیلی نے دوسری سے پوچھا: "تم نے اپنے شوہر کی ساری رات باہر رہنے کی عادت کیسے چھڑائی۔"
دوسری نے اطمینان سے بتایا: "ایک رات جب وہ تین بجے کے قریب گھر آیا تو میں نے پوچھا۔ "عارف کیا یہ تم ہو... اور میرے میاں کا نام اختر ہے۔"

فرزانہ جاوید... کراچی

پھر کیا ہو گا

جارج برنارڈ شا کو ان کے زمانے کی ایک حسین و جمیل لڑکی نے شادی کی پیش کش کی۔ برنارڈ شا کو قائل کرنے کے لیے اس نے دلیل دی۔
"شا صاحب! ہماری شادی ہوئی تو ہمارے بچے مثالی ہوں گے کیونکہ ان میں میرا تمام حسن و خوب صورتی اور آپ کی ساری ذہانت سما جائے گی۔"
برنارڈ شا دل ہی دل میں بہت خوش ہوئے مگر ان کے ذہن میں ایک اندیشہ تھا لہٰذا وہ کہنے لگے۔
"آپ کی تجویز معقول ہے مگر بچوں کی ذہانت آپ پر اور شکل مجھ پر چلی گئی تو پھر کیا ہو گا؟"

حنا کرن... پتو کی

حفظ ماتقدم

حوالدار نے تھانیدار کو فون کیا۔ "جناب اعلیٰ! ادھر ہمارے علاقے میں ایک عورت نے اپنے شوہر کو چاقو مار کر قتل کر دیا ہے۔"
تھانیدار نے پوچھا۔ "کیوں... کیا وجہ تھی؟"
"جناب اعلیٰ! ملزمہ نے فرش کو تازہ تازہ صاف کیا تھا اور فرش ابھی گیلا تھا کہ اس کا شوہر جوتوں سمیت کچن کے اندر آ گیا۔" حوالدار نے رپورٹ پیش کی۔
"مجرمہ کو گرفتار کر لیا ہے؟" تھانیدار نے پوچھا۔
حوالدار نے کہا "نہیں جناب وہ ابھی تک کچن میں ہے۔ ابھی تک ہم نے اس کو گرفتار نہیں کیا۔"
تھانیدار نے حیرت سے کہا "وہ کیوں؟"
"جناب ہم انتظار کر رہے ہیں کہ پہلے کچن کا فرش خشک ہو جائے۔" حوالدار کی کانپتی ہوئی آواز سنائی دی۔

افشاں شریف۔ کراچی

ذہانت

ماں نے بیٹے سے پوچھا "ٹیپو سلطان کون ہیں؟"
بیٹے نے جواب دیا "پتا نہیں۔"
ماں نے غصے سے کہا۔ "پڑھائی پر دھیان دیا کرو۔"
پھر بیٹے نے ماں سے پوچھا "ماما! یہ نوشین آنٹی کون ہیں؟"
ماں نے جواب دیا "پتا نہیں۔"
بیٹا بولا "ماما! آپ پاپا پر دھیان دیا کریں۔"

فضہ نور... روہڑی

کچن اور آپ

اس ماہ صبا آصف کو "کچن اور آپ" میں انعام کا حق دار قرار دیا گیا ہے۔ ادارے کی طرف سے صبا آصف کو تین ماہ کے لیے ماہنامہ کرن مفت دیا جا رہا ہے۔

بھول

اللہ کی بے شمار نعمتوں میں بھول بہت بڑی نعمت ہے۔ اگر یہ انسانی دل ودماغ کے لیے نہ بنائی جاتی تو دنیا پہلے غم پر ختم ہوجاتی۔ اماں حوا' ہابیل کے غم میں اور بچے جننا بھول جاتیں۔ صدمے' مقصد کائنات روک دیتے' مگر اللہ عزوجل کا بڑا احسان ہے' اس نے انسان کے لیے بھول بنائی اور انسان غم سے نکل کر آہستہ آہستہ زندگی کے راستے پر سوار ہوجاتا ہے۔

(حاصل کشت وخون۔۔۔ مصباح علی)

میمونہ عارفہ۔۔۔ نواب شاہ

زندگی

زندگی کب رکتی ہے' وہ رواں دواں رہتی ہے' زندگی کتنی عجیب و غریب ہوتی ہے نا۔ "جو کچھ ہم سوچتے ہیں' یا چاہتے ہیں' وہ نہیں ہوپاتا' تو زندگی ہمیں عجیب و غریب یا بری لگتی ہے' مگر زندگی جو بس ایسی ہی ہوتی ہے' کچھ کھٹی میٹھی سی۔ کبھی تلخ تو کبھی خوش گوار۔۔۔

(نعیمہ ناز۔۔۔ تخلیق)

فضہ نور۔۔۔ روہڑی

کچھ لوگ

زندگی میں ہمارے ساتھ چلنے والا ہر شخص اس لیے نہیں ہوتا کہ ہم ٹھوکر کھا کر گریں اور وہ ہمیں سنبھال لے۔ ہاتھ تھام کر گرنے سے پہلے' بازو کھینچ کر گرنے کے بعد' بعض لوگ زندگی کے اس سفر میں ہمارے ساتھ صرف یہ دیکھنے کے لیے ہوتے ہیں کہ ہم کب' کہاں اور کیسے گرتے ہیں۔ لگنے والی ٹھوکر ہمارے گھٹنوں کو زخمی کرتی ہے یا ہاتھوں کو' خاک ہمارے چہرے کو گندا کرتی ہے یا کپڑوں کو۔

(عمیرہ احمد۔۔۔ تھوڑا سا آسمان)

حرا کنول۔۔۔ سکرنڈ

سکون

پیسا ثانوی چیز ہے۔ زندگی میں سب سے اہم چیز

کچھ موتی چنے ہیں

ادارہ

سکون ہے اور سکون آپ کو صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے۔ جب آپ کا کوئی ساتھی ایسا ہو جس کے ساتھ آپ بلا خوف و خطر اپنے دل کی ہر بات شیئر کرسکیں۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ معجزاتی طور پر ہوجائے تو آپ سے زیادہ خوش قسمت ہی کوئی نہیں' کیونکہ جو بندہ اپنے دکھ اور خوشیاں' اپنی ذات کی گہرائیوں تک کی فیلنگز کسی کے ساتھ شیئر کرلیتا ہے' پھر اسے ذہن کا وہ سکون میسر ہوجاتا ہے جس کے آگے دنیا کی ہر نعمت ہیچ ہے۔

(عنیزہ سید۔۔۔ دل وحشی تیرے جینے کی ادا)

فائزہ بھٹی۔۔۔ پتوکی

بے ثبات زندگی

مصر کے فرعونوں کی طرح چینی بادشاہوں کو بھی یقین تھا کہ ایک دن وہ دوبارہ زندہ ہوسکیں گے۔ چنانچہ انہوں نے بھی اپنے مقبروں میں بہت سا سازوسامان اور مال و دولت اپنے ساتھ دفن کروالیا تھا اور اسے دست برد زمانہ سے محفوظ رکھنے کے لیے اپنی قبروں کو زمین دوز سنگی حصار میں تعمیر کروایا تھا۔ مقبرے کا سیلن زدہ راستہ طے کرتے ہوئے میر بہت یاد آئے۔

جس سر کو غرور آج ہے یاں تاج وری کا
کل اس پہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا

وہ ذی چشم لوگ جن کی جنبش ابرو سے لوگوں کی زندگیوں کے فیصلے ہوا کرتے تھے' جب قبر کے گڑھے میں اترتے ہیں تو کتنے بے حقیقت ہوجاتے ہیں۔ انسانوں کو کیڑے مکوڑوں سے زیادہ بے وقعت جاننے والی آنکھیں سچ مچ کے کیڑے' مکوڑوں کا رزق بن جاتی ہیں۔ چھوٹی' چند فٹ جگہ کے درمیان کیسے کیسے منہ زور طوفان بند ہوجاتے ہیں اور کتاب میں صرف اتنا لکھا جاتا ہے۔ "فلاں ابن فلاں۔" (پیدائش 1601 وفات 1670) لیجیے ختم

(امجد اسلام امجد۔۔۔ ریشم ریشم)
شازیہ ہاشم میواتی۔۔۔ قصور

تعلیم

امریکی مزاح نگار رول راجرز نے کہا ہے کہ صرف ایک چیز فلم انڈسٹری کو مار سکتی ہے اور وہ ہے تعلیم۔ اس لیے ہمیں تسلی ہے کہ پوری دنیا کی فلم انڈسٹری مر بھی گئی تو ہماری پھر بھی زندہ رہے گی۔

(ڈاکٹر یونس بٹ۔۔۔ افراتفریح)
ایس عنبرین۔۔۔ نواب شاہ

مایوسی و ناامیدی

بھلا روز ازل کیا ہوا تھا' لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید ابلیس کا گناہ فقط تکبر ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ تکبر کا حاصل مایوسی ہے۔ جب ابلیس اس بات پر مصر ہوا کہ وہ مٹی کے پتلے کو سجدہ نہیں کر سکتا تو وہ تکبر کی چوٹی پر تھا' لیکن جب تکبر ناکامی سے دوچار ہوا تو ابلیس اللہ کی رحمت سے ناامید ہوا۔ حضرت آدم علیہ السلام بھی ناکام ہوئے' وہ بھی جنت سے نکالے گئے' لیکن وہ مایوس نہیں ہوئے' یہی تو ساری بات ہے۔ ابلیس نے اغوا کر رکھا ہے میں تیری مخلوق کو تیری رحمت سے مایوس کروں گا۔ ناامید' مایوس لوگ میرے گروہ میں داخل ہوں گے۔ اللہ جانتا ہے کہ اس کے چاہنے والوں کا اغوا ممکن نہیں۔ وہ کنویں میں لٹکائے جائیں صلیب پر لٹکیں' وہ مایوس نہیں ہوں گے۔

(بانو قدسیہ۔۔۔ ابن آدم' سامان وجود)
فوزیہ ثمرٹ۔۔۔ گجرات

پانی

پانی پینا جس قدر سہل ہوتا ہے' اتنا ہی تکلیف دہ ہوتا ہے' پانی کے اس گولے کو پینا جو آنکھوں کے کناروں سے پلٹ کر آتا ہے' اس کی اذیت کو سمجھا نہیں جا سکتا' اسے تو بس اس عمل سے گزرنے والا ہی محسوس کر سکتا ہے۔

(شگفتہ بھٹی۔۔۔ زاد راہ)
اقراء ممتاز۔۔۔ سرگودھا

سعادت مند بیٹا

اوتھانٹ اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری لاہور آئے۔ ان کا استقبال کرنے والوں میں' میں بھی شامل تھا۔ انہوں نے وی آئی پی روم میں کچھ دیر توقف کیا۔ اخباری نمائندے بھی یہاں تھے۔ وہ سوال پوچھتے رہے۔ اوتھانٹ ٹالتے رہے' میں دیکھتا اور سنتا رہا۔ یہ انٹرویو مایوس کن تھا۔ بے معنی جملے جو بے ایمانی سے قریب اور حقیقت سے دور ہوتے ہیں۔ بے وزن باتیں جنہیں سفارتی آداب کہتے ہیں۔ بے وجہ چشم پوشی اور جان بوجھ کر پہلو تہی ناحق اس عہدے دار کو دنیا کا غیر رسمی وزیراعظم کہتے ہیں۔ یہ شخص تو دنیا بھر سے خائف رہتا ہے اور ہماری طرح سیدھی بات بھی نہیں کر سکتا ہے۔ آٹوگراف بک جیب میں ہی پڑی رہی اور دوسرے دن ان کا جہاز جاپان کے شہر ناگوما چلا گیا' بات آئی گئی ہوگئی اور ایک مدت گزر گئی۔

میں جاپان کے اسی شہر میں ٹھہرا ہوا تھا۔ میں نے انگریزی اخبار اور رسالہ خریدا۔ میں نے جب اسے کھولا تو اس میں اوتھانٹ کی تصویر تھی۔ وہ برما گئے اور وہاں اپنی والدہ سے ملے۔ یہ تصویر اس ملاقات کے متعلق تھی۔ تصویر میں ایک دبلی پتلی سی بڑھیا اونچی کرسی پر ننگے پاؤں بیٹھی ہے۔ معمولی لباس اور اس پر بہت سی شکنیں' سادہ سی صورت اور اس پر بہت سے جھریاں' چہرہ البتہ مسرت سے دمک رہا ہے۔ اس کے قدموں میں اوتھانٹ ایک نفیس سوٹ پہنے بیٹھا ہے۔ اس تصویر کو دیکھ کر میں سیکریٹری جنرل اقوام متحدہ کو بھول چکا ہوں اور اب ایک سعادت مند بیٹے کی تلاش میں ہوں' تاکہ وہ میری آٹوگراف بک میں اپنے دستخط کر دے۔

(مختار مسعود۔۔۔ آواز دوست)
افشاں سمیع۔۔۔ کراچی

✡ ✡

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال وجواب شائع کیے جا رہے ہیں۔

طاہرہ مرزا۔۔۔۔۔۔ واہ کینٹ

س ۔ "پنجابی میں لڑکے کو منڈا کہتے ہیں تو لڑکی کو منڈی کیوں نہیں کہتے؟"

ج ۔ "منڈی اس لیے نہیں کہتے کہ لوگ اسے منڈی سمجھیں گے مثلاً "سبزی منڈی۔"

خورشید جمال۔۔۔۔۔۔ کراچی

س ۔ "قرنی بھیا! مان گئے ناکہ بہنوں کی دعا بھائی کے لیے کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ آخر کو آہی گئے۔ بھلا بتاؤ کس دل سے آئے ہو؟"

ج ۔ "جس دل سے دعا کی گئی۔"

شہناز اشرف۔۔۔۔۔۔ ایبٹ آباد

س ۔ "ذوالقرنین بھیا! ذرا جلدی بتایئے 'نہلے پہ دہلا اور دہلے پہ کیا؟"

ج ۔ "دہلے پر؟ چھوڑیں آپ ناراض ہو جائیں گی۔"

نزہت قریشی۔۔۔۔۔۔ خوشاب

س ۔ "نین جی۔ یہ جو آشوب چشم کی ہوا آئی تھی، کیا آپ کے نین بھی اس کی لپیٹ میں آئے تھے؟"

ج ۔ "ایک زمانہ بیت چکا۔"

قمر یسمی قاضی۔۔۔۔۔۔ کراچی

س ۔ "اتنے دن کہاں رہے ذوقی صاحب؟"

ج ۔ "پناہ گاہ میں چھپا رہا ناول کے سلسلے میں۔"

شمیلہ۔۔۔۔۔۔ فیصل آباد

س ۔ "محترم ذوالقرنین صاحب! نہلے پہ دہلا میں دوبارہ مقرر ہونے کے بعد آپ جب بھی ہم سے مخاطب ہوئے تو ہم ہمہ تن گوش خواب خرگوش کے مزے کیوں لوٹ رہے ہوتے ہیں؟"

ج ۔ "اس لیے کہ دہلا پڑھنے کے بجائے آپ اٹھا پڑھتی ہیں۔"

یاسمین طاہر انصاری۔۔۔۔۔۔ گوجرانوالہ

س ۔ "اگر کسی کپڑے میں سوراخ ہو جائے تو اسے رفو کروالیا جاتا ہے لیکن جب دل میں سوراخ ہو جائے تو اسے کیسے رفو کیا جائے؟"

ج ۔ "یہ سوال صرف امراض دل کے ماہرین سے ہے مجھ سے نہیں۔"

مدیرہ کرن

شازیہ ہاشم میواتی۔۔۔ کھنڈیاں خاص قصور

عالیا" چار یا پانچ سال پہلے تبصرہ بھیجا تھا اس کے بعد اب بھیج رہی ہوں۔ اب بھی قلم اٹھانے پر جس تحریر نے مجبور کیا وہ منشا محسن علی کی تحریر "بیلا" ہے کانگریجولیشن ڈیئر منشا اتنی زبردستی تحریر لکھنے پر۔ آپ کی ناولٹ میں جو سب سے خوب صورت بات نظر آئی وہ بیلا کا مضبوط کردار اور اقدار و روایات کا امین ہونا ہے۔ بات ساری اس اعتماد کی ہے جو والدین اپنی بیٹی کو دیتے ہیں اور ایک اور بات جس نے بلا ساختہ قہقہہ لگانے پر مجبور کر دیا جب منعم نے کہا "تھینک یو انکل فار دس فیور" اور پھر بیلا کے باپ کے یہ الفاظ "اوئے پتر۔۔۔ تیرے سوہرے کو انگریزی نہیں آتی" جہاں ایک طرف مسکراہٹ کی وادی میں لے گیا تو دوسری طرف خلوص و محبت کے ہرے بھرے باغ میں لے گیا۔ امید ہے ڈیئر رائٹر آئندہ بھی آپ ایسی تحریر لے کر حاضر ہوں گی۔ "مہجور نشیمن" کی اس میں جن کرداروں نے جان ڈالی ہوئی ہے وہ ہے ازلان اور روائیبہ کا۔ بہت شاندار طریقے سے تحریر آگے کی طرف رواں دواں ہے' سلسلہ وار ناول "من مورکھ کی بات" میں حازم کے بعد ناول پڑھنے کو دل نہ چاہا لیکن پھر بابر کو سنورتے دیکھ کر ایک دفعہ پھر امنگ جاگی کہ دوبارہ پڑھا جائے جب پڑھنا شروع کیا تو بہت اچھا لگا لہٰذا اب اتنا ضرور کہوں گی کہ بابر کو مزید نہ تڑپانا اور اسے حوریہ سے ملوا دینا۔ صائمہ اقبال کا ناول "روشن صبحیں' خوشگوار شامیں" پڑھ کر قطب کا انس اور ان کی والدہ کے بارے میں پڑھ کر آنکھوں کو نمناک کرنا پڑا اور آخر میں قطب کے ابو کا معافی مانگنا دل کو سرشار کر گیا۔ شکر ہے کچھ' تو غلطی کا مداوا ہوا۔ غزالہ جلیل راؤ اپنے منفرد انداز میں تحریری میدان میں محبت کی خوب صورت پرتوں کو کھولتی جلوہ بکھیرتی نظر آئیں اور تو اور لڑکے کا نام محبت کچھ عجیب سا لگا لیکن کردار بہت اچھا اور اسٹرونگ لگا۔ مصروفیت کی بنا پر باقی رسالہ نہیں پڑھا صرف "کچھ موتی چنے ہیں" "مجھے یہ شعر پسند ہے" اور "کرن کرن خوشبو" کا پڑھا جو بہت زبردست اور شاندار سلسلے ہیں۔ باقی رسالہ پر تبصرہ ادھار۔

ج : پیاری شازیہ! چار پانچ سال بعد آپ کرن کی محفل میں آئی ہیں۔ مانا کہ آپ بہت مصروف رہتی ہیں مگر ہماری خواہش ہے کہ آپ سالوں بعد نہیں ایک دو ماہ بعد ضرور آجایا کریں۔

ثناء شہزاد۔۔۔ کراچی

اگست کا شمارہ 12 تاریخ کو ملا۔ سرورق اچھا لگا لیکن اگر 14 اگست کے حوالے سے ہوتا' گرین وائٹ کپڑوں میں تو زیادہ اچھا لگتا۔ آزادی کے حوالے سے سب کے جوابات اچھے لگے۔ کبریٰ فاطمہ سے ملاقات کی "میری بھی سنیے" علینزے طاہر کی سنی' "مقابل ہے آئینہ" میں عاصمہ ابراہیم کے جوابات پسند آئے۔ "من مورکھ کی بات نہ مانو" کی اسپیڈ بڑھا دیں۔ بابر کو حوریہ ایک موقع ضرور دے کیونکہ بابر بہت حد تک تبدیل ہو گیا ہے فضا اپنی زندگی سے مطمئن ہو گئی اچھی بات ہے۔ "راپنزل" کی آخری قسط کا شدت سے انتظار ہے۔

"مہجور نشیمن" بہت زبردست جا رہا ہے۔ غزالہ جلیل راؤ کا ناولٹ اپنے نام کی طرح منفرد لگا۔ صائمہ اقبال کا "روشن صبحیں' خوش گوار شامیں" بھی بہت اچھا لگا۔ "بیلا" کا اختتام منشا جی نے زبردست کیا۔ منعم اور بیلا مل گئے دوسری طرف ڈیرک اور فیریا مل گئے۔ کہیں کوئی تشنگی محسوس نہیں ہوئی۔ ویلڈن۔

نبیلہ ابر راجہ کے "ملال" نے بھی جادو چلا دیا۔ کافی عرصے بعد دوبارہ کرن میں آئی ہیں۔ حیدر نے نگین کے ساتھ اچھا نہیں کیا تو رب نے ثانیہ جیسی لڑکی کی صورت میں اسے سزا دے دی اور نگین کی زندگی میں ذکا آفریدی آ گیا۔ افسانے چاروں اچھے تھے۔ طیبہ عنصر کا "محبت شاری" پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ سحرش فاطمہ نے بھی کمال کا لکھا۔ ثمینیٰ اختر کا "بارش" بھی پسند آیا اور حیا بخاری کی تحریر بھی اچھی تھی۔

ج : پیاری ثناء! بہت اچھا لگا کہ آپ نے ہر کہانی پہ تبصرہ کیا۔

صائمہ طاہر۔۔۔ اٹک

خط لکھ کر اپنی رائے دینے کا بہت شوق تھا۔ مگر کچھ

تعلیمی مصروفیت اور کچھ سستی، پھر ڈر......
مصباح علی سید کا ناول "مہجور نشیمن" اف ہر دفعہ کہانی ایسی جگہ روکیں گی کہ بندہ نہ ادھر کا نہ ادھر کا، اس قدر سسپنس پھیلا رکھا ہے۔ ہمارے پیپرز ہونے والے ہیں کیوں فیل کروانے کا ارادہ ہے "راپنزل" میرا فیورٹ ناول اختتامی مراحل میں ہے۔ آسیہ کا "من مورکھ کی بات نا سنو" اس کا کیا مطلب ہے کیا آخر۔ پلیز حوریہ کا اینڈ زبردست ہونا چاہیے۔
نبیلہ ابر راجہ بہت عرصے بعد نظر آئیں کہانی کا اینڈ بہت بہت اچھا لگا۔ افسانے سارے خوب تھے "بارش" نے تو سمجھو نہلا ہی دیا۔ یمنیٰ اختر نے لاجواب لکھا ہے۔
ج : پیاری بہن صائمہ! مصباح علی سید کا ناول "مہجور نشیمن" کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ مگر پڑھائی پر پہلے مکمل توجہ اور پھر یہ ناول۔ پیاری بہن "من مورکھ کی بات نا سنو" نہیں "من مورکھ کی بات نہ مانو" ہے اور اس کا مطلب ہے نادان دل کی بات نہ مانو۔

سعدیہ صابر...... کوہالہ

کیا حال ہے ہمارے حال تو مصباح علی کے ناول نے اڑا دیے ہیں۔ "مہجور نشیمن" پڑھتے ہوئے گرد و پیش بھول جاتا ہے، یاد رہتا ہے تو جیہہ پر کشش تھوڑا تھوڑا روڈ سا حنبل ذکا اور شرارتی حسین سی روائیبہ۔ یہ قسط باقی تمام اقساط پر بازی لے گئی۔ گاؤں کی سیر اور خاص طور پر گلدان بنانا اور اس پر کندہ الفاظ کمال کر دیا۔ مجھے لگ رہا ہے حنبل کے ساتھ کچھ ہونے والا ہے۔ پلیز حنبل کو کچھ نہ ہو اسی کی وجہ سے تو میں یہ ناول دلچسپی سے پڑھ رہی ہوں۔ ویلڈن مصباح۔ "راپنزل" ناول تنزیلہ جی نے سمیٹ کر رکھ دیا۔ شہرین کی حرکتیں واقعی دکھ بھری ہیں۔ کینسر کا مریض ایسا ہی ہو جاتا ہے اور سمیع پر تو بہت ترس آتا ہے۔ اب اس ناول کا مضبوط کردار نینا اپنی جگہ اس کے دل میں بنا لے گا۔

"ملال" نبیلہ ابر راجہ بہت ہی پیارا ناولٹ لائیں۔ افسانوں میں "ٹوٹے خواب کی کرچیاں" واقعی آنکھوں میں چبھ گئیں۔ اس طرح کے بہت سے ایشو دیکھنے اور سننے میں آتے ہیں۔ اس ماہ کی "مسکراتی کرنیں" بہت زبردست تھیں "کرن کتاب" تو امی کی جان ثابت ہوئی لگی رہتی ہے روز کوئی چیز بنانے۔ "میں کرن کتاب" کپڑوں کی ڈیزائننگ پر بھی لائیں، نیا چینج ہوگا۔

ج : پیار سعدیہ! کرن کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ "کرن کتاب" کے لیے آپ کی فرمائش نوٹ کرلی گئی ہے۔ ان شاء اللہ پوری کر دی جائے گی۔

یاسمین کنول...... پسرور

اگست 2017ء کا "کرن" معصوم چہرے کی مالک، معصوم اداکارہ ماڈل کے سرورق کے ساتھ ملا۔ بہت بھلا لگا۔ "دیار غیر میں 14 اگست" کے حوالے سے خاصے کی چیز تھی علاوہ ازیں "یادوں کے دریچے میں" احمد ندیم قاسمی کی دعا۔

خدا کرے کہ مری ارض پاک پر اترے
وہ فصل گل جسے اندیشہ زوال نہ ہو

دل کو بہت اچھی لگی۔
"ملال" نبیلہ ابر راجہ کا بہترین ناولٹ تھا۔ "محبت شاری" طیبہ عنبر مغل کا اچھا افسانہ تھا جبکہ مکمل ناول میں "روشن صبحیں خوشگوار شامیں" صائمہ اقبال کی بہترین تحریر تھی۔
حمیرا نوشین کی والدہ کے انتقال پر دلی صدمہ ہوا۔
ج : پیاری یاسمین کنول! آپ ہر دفعہ تبصرہ کرتی ہیں مگر مختصراً اچھا لگے گا اگر مکمل تبصرہ کریں۔

انوش ابصار...... قائد اعظم یونیورسٹی

اس مہینے کرن واقعی جگمگاتا ہوا محسوس ہوا۔
"راپنزل" اختتام کی طرف ہے تنزیلہ جی پلیز نینا کے ساتھ کچھ اچھا کیجیے گا۔ "من مورکھ" آسیہ جی نے کہانی کو پھیلا دیا ہے۔ بابر کا سدھرنا ایک اچھا موڑ لگا ناول میں۔
"مہجور نشیمن" اپنے نام کی طرح منفرد، دل میں تجسس کے ساتھ جگہ پا گیا۔ کاش جندب کے ساتھ روائیبہ کا میچ بنتا۔ ایک خط میں روائیبہ کا مطلب پوچھا گیا مگر بتایا نہیں۔ کیا مصباح کو بھی نہیں پتا؟ "بیلا" کا اینڈ توقع کے مطابق ہوا۔ منشا کا یہ ناولٹ بہت اچھا لگا خاص کر فاروق احمد اور اماں کی لڑائی۔ افسانوں میں حیا بخاری نے میدان مار لیا، ویری گڈ۔
باقی افسانے بھی اچھے تھے۔ "مسکراتی کرنیں" اشعار اور غزلیں میں مزے لے لے کر پڑھتی رہتی ہوں "مقابل ہے آئینہ" کے لیے کیا میں اپنے جوابات بھیج سکتی ہوں۔
ج : پیاری انوش! آپ "مقابل ہے آئینہ" کیا جس

سلسلے میں بھی شرکت کرنا چاہیں۔ کر سکتی ہیں۔ سلسلے آپ بہنوں کے لیے ہی ہیں۔ پیاری انوشہ ایک رائٹر کو اپنے تمام کرداروں کے نام کے معنی معلوم ہوتے ہیں یہ کتنا زیادتی ہے کہ ایک رائٹر کو معنی کا پتا نہ ہو۔ "روائیبہ" کا لفظی مطلب وہ کھیتی جو بہت لگان دے۔ اصطلاحی مطلب ہمیشہ حق میں رہنے والی چیز۔ منافع بخش "حنبلی" ایک امام کا نام۔ جنہیں امام حنبلؒ بھی کہا جاتا ہے "جندب" ایک مقرب صحابیؓ۔ یہ مصباح علی سید نے ہی بتایا ہے۔

عروسہ ماہا کائنات..... شاہ سوار ڈنگہ

ہم پہلی بار کرن میں شرکت کر رہے ہیں امید ہے کہ جگہ ملے گی اور ردی کی ٹوکری سو رہی ہوگی۔ اگست کا کرن کافی انتظار کے بعد ملا۔ ٹائٹل ٹھیک تھا۔ حمد و نعت سے ہوتے ہوئے 14 اگست پہ پہنچے سب کے سوالات و جوابات خوب رہے۔ اس کے بعد آپ نے بغیر کہے کبریٰ فاطمہ سے ملاقات کرادی 'اب سعدیہ خان اور عائشہ عمر صبا قمر سے کروادیں۔ "میری بھی سنیے" میں علیزے طاہر کی سنی اور اس کے بعد پسندیدہ سلسلہ "مقابل ہے آئینہ" پڑھا۔ سلسلے وار ناول مکمل ہونے پر تبصرہ ان شاء اللہ اس کے بعد۔ "بیلا" کی ساری اقساط ایک ساتھ پڑھیں (واؤ' واؤ' واؤ) بہت اچھی تحریر تھی یہ "ملال" نبیلہ جی بہت انتظار کے بعد آئیں اور چھا گئیں۔ "مہجور نشیمن" کا کیا مطلب ہے؟ اور تبصرہ تو مکمل ہونے پر "روشن صبحیں" اور "نیم کا پیڑ" دونوں ناول اچھے رہے۔ افسانے میں سب سے پہلے اپنی پسندیدہ رائٹر کو پڑھا حیا بخاری۔ پلیز ان کا کوئی مکمل ناول یا ناولٹ شامل کریں۔ باقی افسانے بھی اچھے تھے۔ مستقل سلسلے سارے اچھے تھے۔ خاص کر "نامے میرے نام" میں ثناء شہزاد کا تبصرہ سب سے پہلے پڑھتی ہوں۔ اور کرن کتاب تو ہوتی ہی اچھی ہے۔

ج: پیاری بہنوں عروسہ اور ماہا کائنات! آپ پہلی دفعہ شریک ہوئی ہیں خوش آمدید۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہمارے پاس ردی کی ٹوکری ہے ہی نہیں آپ کی فرمائش نوٹ کرلی گئی ہے۔

فضہ نور..... روہڑی

پچھلے تین ماہ سے "نامے میرے نام" میں شامل نہ ہو سکی افسوس..... اس ماہ میرے شعر کو شامل کرنے کا شکریہ۔

پہلے اداریہ پڑھا چودہ اگست کے حوالے سے پڑھ کر اچھا لگا۔ محمود خاور صاحب کی مغفرت کی دعا کی۔ پھر حمد و نعت کی طرف بڑھی حمد و نعت پڑھ کر ہمیشہ دل کو سکون ملتا ہے۔

کبریٰ فاطمہ خان سے ملاقات اچھی رہی علیزے طاہر کی بھی سنی۔ "دیار غیر میں چودہ اگست" ملک سے باہر رہنے والوں کے ملک کے بارے میں احساسات جانے "مقابل ہے آئینہ" عاصمہ ابراہیم کے بارے میں جان کر اچھا لگا پہلے کافی سنجیدہ جوابات ہوتے تھے قارئین کے لیکن اب اس سلسلے کو پڑھ کر مزا آتا ہے۔ مکمل ناول "راپنزل" تنزیلہ جی کا ناول اختتام کی طرف گامزن ہے شہرین کی حالت پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ کاشف اتنے سالوں کے بعد بھی سدھرا ہے کہ نہیں۔ مکمل ناول "مہجور نشیمن" مصباح بہت اچھے طریقے سے لے کر چل رہی ہیں۔ سب کرداروں کو قسط بہت زبردست رہی۔ "بیلا" منشا محسن کی تحریر کا بہت زبردست اینڈ ہوا' بیلا جیسی بیٹیاں اپنے ماں باپ کی عزت کا پاس رکھتی ہے۔ اور پھر ساری زندگی خوش اور مطمئن رہتی ہے۔ افسانے سارے اچھے تھے لیکن سحرش فاطمہ کا افسانہ "کرچیاں" بہت اچھا لگا۔

" ناولٹ "ملال" نبیلہ ابر راجہ ویری گڈ بہت اچھی اسٹوری تھی ہم تو حیدر کو سلجھا ہوا سمجھ دار سمجھتے رہے اور وہ نہایت بے وقوف نکلا۔

مکمل ناول "روشن صبحیں" صائمہ اقبال کا بہت اچھا ناول تھا۔ ارحمہ جیسی لڑکی ہی ایبک کو زندگی کی طرف لا سکتی تھی۔ مکمل ناول "نیم کا پیڑ" ہیرو کا نام محبت تھوڑا عجیب سا لگا اور آل ناول اچھا تھا۔ باقی تمام سلسلے اچھے تھے "نامے میرے نام" میں اس بار کچھ نئے نام شامل تھے۔

ج: پیاری فضہ نور! کرن میں آپ کی کمی کو محسوس کیا گیا تھا۔ آپ نے غیر حاضری کی وجہ نہیں بتائی۔

اقراء ممتاز..... سرگودھا

اگست کی نسبت سے ٹائٹل گرل کو بھی اگست کا سوٹ پہننا چاہیے تھا لیکن کوئی بات نہیں اس ڈریس میں بھی خوب صورت لگ رہی تھی۔

کبریٰ فاطمہ سے پہلے بھی دو تین دفعہ ملاقات ہو چکی ہیں اس لیے اس دفعہ کی ملاقات سو سو رہی۔ دیار غیر میں

سب کو سنتے "میری بھی سنیے" میں علیزے طاہر تک پہنچے۔ ابھی علیزے طاہر کو پڑھ ہی رہے تھے کہ سانحہ ارتحال میں ہماری مصنفہ حمیرا نوشین کی والدہ کی خبر سنی۔ "مقابل ہے آئینہ" میں عاصمہ ابراہیم کے جوابات کچھ خاص پسند نہیں آئے۔

"من مورکھ کی بات نہ مانو" آسیہ جی کی اسٹوری پڑھی۔ زیادہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں اس دفعہ میں نے سوچا کہ کیوں نہ میں بھی آسیہ مرزا کی اسٹوری پڑھوں ایسی کیا خاص بات ہے جو سب بہت تعریف کرتے ہیں ایک ہی دفعہ ساری اقساط پڑھ ڈالیں۔ پھر اندازہ ہوا کہ میں تو اتنا اچھا ناول مس کرتی آرہی ہوں۔ لیکن کوئی بات نہیں دیر آئے درست آئے، حوریہ کیوں اپنے ساتھ برا کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ "مہجور نشیمن" مصباح علی سید کی یہ قسط بہت سپرہٹ تھی۔ یہ اب رات کے وقت روائیبہ کے کمرے میں کون آگیا ہے؟ تجسس ہی بڑھ گیا۔ "بیلا" منشا محسن علی کی تحریر بھی اختتام پر اچھی رہی۔ بیلا نے آخر تک اپنے باپ کی عزت کو برقرار رکھا۔ منعم علی اور بیلا کا ایک ہو جانا بیلا کا ثمر ہے۔

"نامے میرے نام" میں عطیہ ذیشان کے خط کو پڑھ کر خوشی ہوئی ہے عطیہ باہر سے پڑھنے کے لیے پاکستان آئی ہے۔ لیکن ہمارے اپنے پڑھنے کے لیے باہر بھاگتے ہیں۔ "کرن کتاب" ہمیشہ کی طرح لاجواب تھی۔ تھوڑا سا عمیرہ احمد کو جاننے کا موقع ملا۔ "کچن اور آپ میں" کنزہ مریم کے جوابات بہت زبردست تھے۔ کنزہ جی شکریہ کیک کی بغیر اوون کے اتنی شاندار ریسیپی بتانے کے لیے۔

ج : پیاری اقراء! آپ تو کرن پر ہر ماہ تبصرہ کرتی ہیں اور خوب کرتی ہیں کرن کی پسندیدگی کا شکریہ۔

سمیہ، سعدیہ، ظاہرہ، ناعمہ۔۔۔۔ سمبڑیال

آج سے پہلے کرن میں خط نہیں لکھا۔ کبھی حوصلہ ہی نہیں پڑا مگر اب کچھ ایسی کہانیاں ہیں کہ رہا نہیں جاتا۔ جیسے مصباح علی سید کے ناول نے چونکا دیا۔ نئی رائٹر اور قلم پر جماؤ، مصباح اس لیے سوچا تعریف ان کا حق ہے تو مصباح اللہ زور قلم زیادہ کرے اور آپ ایسی خوب صورت کہانیاں لکھتی رہیں افسانے چاروں اچھے تھے "ٹوٹے خواب کی کرچیاں" سحرش فاطمہ کا بہت اچھا لگا۔

ج : پیاری بہنوں! کرن آپ بہنوں کا ہی ہے آپ بہنیں بے جھجک اس میں شریک ہو سکتی ہیں۔ مصباح علی سید کو آپ لوگوں کی تعریف اس خط کے ذریعے پہنچائی جا رہی ہے۔

عطیہ ظہیر۔۔۔۔ چارسدہ

جس کہانی نے ہماری نیند سکون سب غارت کر دیا وہ ہی سب سے پہلے پڑھی، سمجھ تو آپ گئی ہوں گی یعنی "مہجور نشیمن" آپ یقین کریں میں نے کہانی شروع ایسے غلط ٹائم کی کہ رات کے کھانے کا وقت ہو گیا مجھے آوازیں پڑتی رہیں مگر کچھ سنائی نہ دیا سوائے حنبل اور روائیبہ کے یہ قسط تو بہت جان دار تھی۔ "راپنزل" اپنی آخری منزل کی جانب گامزن۔ سمیع کی محبت واقعی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ شہرین کی دگرگوں کیفیت نے رلا دیا۔ مکمل ناول "ٹیم کا پیڑ" غزالہ جلیل راؤ نے بہت غم زدہ لکھا۔ "بیلا" کی آخری قسط پڑھ نہ سکی۔ اب کتابی شکل میں آجائے پھر ہی پڑھوں گی۔ مستقل سلسلے سب پسند آئے۔

ج : پیاری بہن عطیہ! کرن کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ آئندہ بھی تبصرہ کیجیے گا مگر تمام کہانیوں پر اب کی دفعہ آپ نے افسانوں پر اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا۔

نرگس نسیم۔۔۔۔ صابہ موہڑہ چکوال

"من مورکھ کی بات نہ مانو" میں بابر کے اندر چلو عشق ہی کی بدولت کافی مثبت تبدیلیاں آرہی ہیں اور آسیہ جی جب فضا بھی اپنے گھر اپنے میاں جانی اور بلو نگڑے کے ساتھ خوش باش اور مطمئن زندگی گزارنے لگی ہے تو اینڈ اچھا کیجیے گا۔ اب تو ہم بابر اور حوریہ کا ملن چاہتے ہیں "بیلا" میں منشا محسن علی نے اچھا اینڈ کیا "ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں" واقعی ماں باپ سے بڑھ کر زمانہ شناس کوئی نہیں ہوتا۔۔۔۔ جو کام ماں باپ کی منشا پر کیا جائے وہی اولاد کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔۔۔۔ ویلڈن سحرش۔ "راپنزل" میں اس دفعہ کو نین کا کردار پڑھ کر خوب انجوائے کیا۔ خاص کر کے آنٹی درزن کو ٹھوک کر جواب دینا مطلب دو بدو۔۔۔۔ اوہو پنجابی ہوں نا۔۔۔۔

تمام ادارے والوں کو سلام اور عید مبارک۔

ج : نرگس جی! سب سے پہلے آپ کی شکایت کہ آپ کا خط "نامے میرے نام" میں شامل نہیں کیا جاتا۔ ایسا ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی خط ہم تک پہنچے اور ہم شائع نہیں کریں۔ یقین مانیں آپ کی کوئی تحریر ہم تک پہنچی نہیں۔

آپ نے کچھ کہانیوں پر تبصرہ کیا ہے اس کا شکریہ لیکن امید ہے کہ آپ آئندہ سے کرن کی تمام کہانیوں اور سلسلوں پر بھرپور تبصرہ ارسال کریں گی۔

فائزہ بھٹی..... پتوکی

اس ماہ کا کرن نہیں ملا لیکن سلسلہ وار ناولز پر تو تبصرہ کر سکتی ہوں تو ضرور کروں گی۔

"راپنزل" تنزیلہ ریاض جذباتی کرتی جا رہی ہیں۔ سمیع پتا نہیں کیوں مگر تمہارا رونا دیکھا نہیں جاتا' مجھے سمجھ نہیں آرہی کون سی چیز ہے جو تمہاری طرح مجھے بھی دکھی کر رہی ہے۔ تم جتنا تو نہیں مگر اس سے کم دکھ بھی نہیں ہے۔

خاور میاں تم بھی اب گھر بسا ہی لو۔ اب تو محبت کی قبر پر پڑے پھول بھی سوکھ گئے۔

"من مورکھ کی بات" فضا تم اچھی ہوتی جا رہی ہو کہ صرف مجھے ہی وہم ہو چلا ہے۔ بابر کون سی چیز تمہارے لیے سکون کا باعث بنے گی؟ حوریہ جانے کیوں لگ رہا ہے۔ تم اولاد کے ہاتھوں مجبور ہو جاؤ گی۔ ہاں بھئی اولاد بڑا ذلیل کرواتی ہے۔ پھر تو تمہاری پھوپھو بھی کچھ نہ کر سکیں گی۔ وہ اپنے لیے نہ کر سکیں۔ تم کیوں امید لگاتی ہو۔ "بیلا" آج کل سب سے پسندیدہ 'اچھے رواں طریقے سے چلتی منزل کی جانب گامزن۔ منشا محسن علی مجھے تمہارا انداز پسند آیا۔ اچھا لکھنے والوں کی میں دل سے قدر کرتی ہوں۔

ڈیرک ہزاروں دیے جلانا' آخر کو فیریا تمہاری ہوئی۔ فیریا تمہیں ڈیرک ہی سوٹ کرتا ہے۔ منعم تمہیں سوٹ تو بہت کرتا مگر کیا ہے نا ہمیں وہ پھولوں کے دیس کی نمکین پری بھی بڑی عزیز ہے۔

ڈیرک تمہارے اور منعم کے ابا حضور بڑے پسند آئے ہمیں۔ ویسے ایک بات تو بتاؤ اباؤں کی یہ قسم کہاں سے دریافت ہوئی تھی۔ (کان میں ہی بتا دو) اب آتی ہوں مصباح علی تمہاری طرف تم سناؤ کس قلم سے آج کل لکھ رہی ہو' جادو سا بکھیر رہی ہو "مہجور نشیمن" اچھی تحریر۔

حنبل ذکا اب اگر تعلق پیدا کیا ہے تو اسے نبھانا بھی تم نے ہے۔ ہاں بس مخالفین کو کبھی ہلکا مت لینا۔ بیوی کی حفاظت تیرے ذمے۔ دعا کروں گی اس کے دل میں بھی محبت پیدا ہو۔ تم دونوں ساتھ ساتھ اچھے لگتے ہو۔ (مانو گے نا....؟)

یہ اپنی غزالہ جلیل راؤ کافی دیر بعد آئی ہیں نا.... "عشق آتش" سعدیہ راجپوت کی کہانی کے دو قسطیں پڑھی ہیں۔ کیا یہ کتابی شکل میں ہے۔ اگر ہے تو کتنے کی۔

اور شکریہ آپ کوئی چیز رکھتی نہیں ہیں ہر چیز بروقت شائع کر دینا بڑی بات ہے۔ دل خوش ہو جاتا ہے۔ بعض جگہ تو میرے خطوط ایسے غائب ہوتے ہیں کہ کیا ہی گدھے کے سر سے سینگ والی مثال ہوگی۔

ج : فائزہ جی! کرن اس ماہ کا نہ پڑھنے کے باوجود آپ نے تبصرہ لکھا سلسلہ وار کہانیوں پر بہت خوشی ہوئی۔ اب تو ہمارے قارئین کو یقین آگیا ہوگا کہ ہم کسی کا خط ردی کی ٹوکری میں نہیں ڈالتے۔ سعدیہ راجپوت کی کہانی "عشق آتش" کتابی شکل میں شائع ہو گئی ہے۔

ارم بشیر..... اسلام آباد

تمام لوگوں کو جشن آزادی مبارک۔ اس ماہ کا ٹائٹل بہت اچھا تھا بھئی۔ "میری بھی سنیے" میں علیزے طاہر کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی وہ مجھے بہت پسند ہے۔ باقی سب کے انٹرویوز بھی پسند آئے۔ اب آتی ہوں کہانیوں کی طرف شکر ہے بھئی (من مورکھ) پڑھنے کو ملا۔ یہ میرا بہت فیورٹ ناول ہے۔ شروع سے ہی لیکن ایک بات اس ناول کی مجھے بہت بے چین کرتی ہے کہ سب کردار جو ہیں اس کہانی کے ان کی محبت میں درد بہت ہے پہلے مومنہ پھر فضا پھر حوریہ اور اب بابر جیسا بھی ہے وہ لیکن خوش تو وہ بھی نہیں ہے۔ خیر! آسیہ جی پر بھروسا ہے ہمیں وہ اینڈ اچھا ہی کریں گی۔ یمنیٰ اختر کا "بارش" بہت اچھا تھا شکر ہے کہ اینڈ میں کرنل صاحب مان گئے۔ طیبہ عنصر کا "محبت شماری" ارے واہ بھئی! طیبہ جی زبردست بہت اچھا لکھا آپ نے سوہا کو میں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ ہمارے ہاں جو فوجی بھائی آیا تھا وہ تو بہت کیوٹ تھا علی رضا نام تھا اس کے بیج پر لکھا۔ "ملال" کی رائٹر کا نام جب دیکھا میں نے تو مت پوچھیں بھئی میرے منہ سے چیخ نکل گئی خوشی کے مارے کہ نبیلہ ابرار راجہ آئی ہیں کہانی بھی بہت پسند آئی "مہجور نشیمن" ابھی تک تو بہت اچھا چل رہا ہے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔ "بیلا" ایک خوب صورت ناول کا ہیپی اینڈ ہوا بہت اچھا لگا۔ باقی دو کہانیاں ابھی پڑھی نہیں ہے ان پر تبصرے سے معذرت۔ ابھی اجازت چاہوں گی اگلے مہینے تک کے لیے خدا حافظ۔

ج : ارم جی' کرن کی کہانیوں کو پسند کرنے کا بہت شکریہ

"من مورکھ" میں آپ کو کردار غم زدہ محسوس ہو رہے ہیں فضا کی زندگی میں خوشیاں آگئی ہیں یقیناً "حوریہ کی زندگی میں بھی ضرور آئیں گی۔ زندگی اسی کا نام ہے کبھی خوشی کبھی غم۔

زینب صدیقی..... کوٹ چھٹہ

"دیار غیر میں 14 اگست" کے حوالے سے سروے پڑھ کر اچھا لگا۔ انیل رشید کی تصویر دیکھ کر ایسا لگا کہ میرے بیٹے کی تصویر ہے۔ علیزے طاہر بہت اچھی اداکارہ ہیں۔ ان کی ہنسی کر اچھا لگا۔ "مقابل ہے آئینہ" عاصمہ ابراہیم چھائی ہوئی تھی "من مورکھ کی بات نہ مانو" آسیہ مرزا کا شاہکار ناول ہے۔ تھینک گاڈ بابر کو بھی سدھار آیا اور فضا کو بھی نصیر کی محبت پر یقین آیا۔

"مجبور نشین" وڈیرانہ نیچ کے لیے بہت اچھا ناول ہے۔ اس میں حنبل ذکا کا کردار قابل تحسین ہے۔ منشا محسن علی نے "بیلا" لکھ کر قارئین کے دلوں میں جگہ بنالی ہے۔ میں "کرن" کی بہت پرانی قاری ہوں۔ زندگی کے جھمیلوں سے بہت مشکل سے ٹائم نکال کر خط لکھا ہے امید ہے مجھے مایوس نہیں کریں گے۔ عمران خان اور وسیم بادامی کا انٹرویو شائع کریں۔

ج: زینب جی! آپ نے اپنی گوناگوں مصروفیات میں سے وقت نکال کر ہمیں خط لکھا بہت خوشی ہوئی۔ آپ کی فرمائش شاہین رشید کو بھیج دی گئی ہے۔ جلد پوری کرنے کی کوشش کریں گے ان شاء اللہ۔

امینہ حسن..... چک ڈھاڈھیال (پسرور)

زندگی جتنی مصروف اور گھمادینے والی چیز ہے۔ اس کا پتا تب چلتا ہے جب ہم اس میں عملی قدم رکھتے ہیں شادی کے بعد کوئی فرصت میسر نہیں اپنا وجود تو کہیں کھو جاتا ہے اور صرف سسرال یا سسرالی یاد رہ جاتے ہیں۔ 30 سال ہو گئے شادی کو' دو بچے ساس سسر نند دیور سب ہیں اور ہماری معصوم جان ہے۔ ان سب مصروفیت کے باوجود میں اپنے پیارے کرن سے روشنی لینا نہیں بھولتی اس نے قدم قدم پر رہنمائی کی ہنسایا رلایا سمجھایا اور وقت اچھا گزارا۔ سسرال میں جتنی اپنائیت کا احساس اپنے رسالوں سے ہوتا ہے کسی چیز سے نہیں۔ اب آتی ہوں کہانیوں کی طرف.....

"مجبور نشین" نے تو لمحہ لمحہ بھگو دیا۔ اتنی خوب صورت قسط کہ تعریف کے لیے لفظ تھوڑے پڑ گئے۔ کبھی ایسا کلاس کا رومانس فرحت اشتیاق لکھا کرتی تھیں۔ جس میں خیال ہو احساس ہو' محبت ہو' کتنے عرصے بعد کچھ ویسا پڑھنے کو ملا ورنہ آج کل تو رائٹر ایک دوسرے پر گرنے یا لپٹنے کو رومانس کہتی ہیں۔ ویلڈن مصباح! آپ نے رومانس کو باحیا شکل دی۔ اور پلیز دروازہ کھولنے پر سامنے حنبل ہونا چاہیے ورنہ جی میں ناراض ہو جاؤں گی اور روائیبہ کا مطلب ضرور بتائیں پلیز۔ "من مورکھ" آسیہ جی کا پڑھا ضرور مگر میری توجہ کا مرکز نہیں بن پایا جب سے حازم کی ڈیتھ ہوئی اور پھر بابر کا اس کی طرف ملتفت ہونا دل کو بھایا نہیں۔

"بیلا" ہلکا پھلکا ناولٹ بیلا فاروق سے بیلا منعم بن گئیں ہیپی اینڈنگ بہت پسند آئی۔ ماریانہ کو ڈیرک مل گیا۔ مگر ڈیرک کے دوست نما ابا کو مار کر "کیانا" قاتل رائٹروں والا کام حالانکہ ناول میں ان کی موت سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا پھر کیوں بھئی پھر بلاوجہ بندہ کھا کر منشا محسن کو کیا ملا۔

"ملال" ناولٹ نبیلہ ابر راجہ نے کافی عرصے بعد لکھا۔ ہلکا پھلکا مگر سبق آموز۔

افسانوں میں یمنیٰ اختر کا بارش لفظی اور منظر کشی میں چھا گیا زیمل کا آئیڈیل کرنل ابا توبہ ہی تھی خوب.....

"نیم کا پیڑ" غزالہ جلیل راؤ نے بہت ہی دکھی دل سے عذرا اور محبت کی داستان لکھی۔ کہیں کہیں تو حقیقت میں آنسو آگئے۔ آسیہ کی مجبوریاں شکر ہے عذرا کی عمر بھر کی محرومی نہیں بنی۔ گڈ غزالہ۔ آخر میں عید مبارک۔

ج: امینہ جی! "نامے میرے نام" کی محفل میں شرکت کرنے کا بہت شکریہ۔ آپ اپنی سسرالی مصروفیت کے باوجود کرن کے لیے ٹائم نکالتی ہیں پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ کرن میں ہم ہمیشہ ایسی ہی کہانیاں پیش کرتے ہیں جو لڑکیوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوں۔

پروا کرن..... کوٹ چھٹہ

میری طرف سے تمام قارئین اور کرن اسٹاف کو جشن آزادی مبارک ہو۔

کبریٰ فاطمہ خان سے ملاقات اچھی لگی۔ "راپنزل" ناول اب بور کرنے لگا ہے۔ کونین نے خاور کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ نینا کی جوڑی خاور کے ساتھ ہی اچھی لگتی ہے اور اب خاور کا ذکر ہی نہیں ہوتا ناول میں "مجبور نشین" بہت بہت شاندار ناول ہے اس میں حنبل ذکا اور روائیبہ کا کردار بہت پسند ہے۔ اتنے عرصے بعد نبیلہ ابر راجہ کو دیکھ

کر دل خوشی سے دھڑک اٹھا۔ "بیلا" منشا محسن علی بہت انٹرسٹنگ اسٹوری ہے۔ منعم اور بیلا کی جوڑی بہت اچھی لگی۔ آپی شاہین رشید 'فہد مصطفیٰ' اور وسیم بادامی کا تفصیلی انٹرویو شائع کردیں۔ پلیز...!

ج : پرواجی! آپ کے "نامے میرے نام" شرکت کرنے سے بے حد خوشی ہوئی۔ آپ کی فرمائش شاہین رشید کو پہنچا دی گئی ہے۔

فوزیہ ثمروٹ' ہانیہ عمران' آمنہ رئیس..... گجرات

13 اگست کی رات بارش میں کرن لے کر آئی تھی۔ خوب انجوائے کیا بارش کو اور سرورق کی ماڈل انعم کو بھی۔ کرن کا صفحہ نمبر 11 ہمیشہ کی طرح دل و ذہن کو مسرور کرنے والا ہوتا ہے۔ اداریہ کی باتیں بھی پر اثر تھیں۔
شاہین رشید جی نے میری فیورٹ اداکارہ کبریٰ فاطمہ خان سے ملاقات کروادی۔ دنوں میں اللہ پاک نے انہیں عروج دیا ہے۔ نام دیسی پر کڑی ولائتی ہے گلیمر بہت ہے۔ پیاری لگتی ہیں ہر روپ میں۔
دیار غیر کے سوالات میں ہر پردیسی نے اچھے خیالات کا اظہار کیا۔ "مقابل ہے آئینہ" اس بار بھی مزے کا تھا۔ مجھے کب جگہ ملے گی۔ "من مورکھ" اس تحریر میں بابر اور حوریہ کے سوائے اب اور کچھ رہا نہیں۔ کوئی ٹوئسٹ لائیں کہانی میں یا پھر کسی اچھے موڑ پہ لا کر اینڈ کردیں۔
"راپنزل" اس ماہ کی قسط خاصی دلچسپ رہی۔ آنٹی درزن اور نیناں کے کانٹے دار جملے اچھے لگے۔ وہ نیناں ہی کیا جو کسی کا حساب چکتا نہ کرے۔
"مجبور نشیمن" یہ تحریر بھی بہت اچھے طریقے سے آگے بڑھ رہی ہیں۔ مجھے لگتا ہے۔ رائٹر صاحبہ ازلان اور ردائیبہ کا کوئی سین کرئیٹ کرواکے رہیں گی۔ کتنا وہ دونوں کلوز ہو رہے ہیں بے شک دونوں کی نیت ٹھیک ہے مگر یہ زمانہ اپنی نیت ٹھیک نہیں رکھتا ہے۔ کوئی اس معاملے میں چور نہ بھی ہو۔ کہہ کہہ کر چور بنا کر چھوڑتے ہیں یہ دنیا والے۔ جندب کا کوئی ذکر ہی نہیں تھا۔ منشا محسن علی کی 'بیلا' کا اینڈ بہت اچھا ہوا ہماری توقع کے مطابق ہی کیا ہے۔ ایک طویل مسافت کے بعد ہیر رانجھے کا ملاپ تو ہوا۔
اینڈ کا پیراگراف بہت مزے کا لگا بیلا سے وابستہ تمام کے تمام لوگ شادی میں شامل تھے۔ فیریا نے ڈیرک کی محبت کو قبول کرلیا۔ اپنے اور اس کے لیے ایک اچھا فیصلہ کیا۔ کہتے ہیں جس کو آپ چاہتے ہو وہ نہ ملے تو اس کو اپنالو جو آپ کو چاہتا ہے۔
ماریا کا یہ جملہ بہت بھایا۔ جہاں محبت کے جنازے پڑھے جائیں وہاں ٹشو پیپر لازمی ہونا چاہیے۔
روشی صدف کے ساتھ ہم نے بھی بیلا کے گاؤں کی سیر کرلی تھی۔ نبیلہ ابر راجہ کا ناولٹ بھی اچھا لگا۔ نگین کا فیصلہ بہت اچھا لگا۔ حیدر نگین کو سمجھا بھی سکتا تھا پر اس نے تو شوخ مزاج کی وجہ سے اسے قبول ہی نہیں کیا۔ اور ثانیہ کے ہاتھوں دھوکا کھا گیا۔ ثانیہ وہ کہتے ہیں ناں ریڑھی کو پراڈو کے ٹائر لگانے سے ریڑھی پراڈو نہیں ہو جاتی ریڑھی ہی رہتی ہے۔ یہی حال ثانیہ کا ہوا۔
"نیم کا پیڑ" بھی تحریر اچھی لگی پر تھی افسانوی سی حقیقت کے برعکس تھی۔ ہر رشتے کی خود غرضی دیکھی۔ اس میں سوائے محبت کی محبت کے۔ "روشن صبحیں" ایک مکمل تحریر شہناز بیگم کو اپنے حق کے لیے بولنا چاہیے تھا۔ ساری عمر شوہر کے طنز سہہ سہہ کے مٹی میں مٹی ہوگئیں۔ اپنے حق کے لیے آواز اٹھانی چاہیے۔ باقی اس کے نصیب۔ ویسے ہیپی اینڈ اچھا لگا۔ رحمان اللہ کو بھی بیوی کے مرنے کے بعد اس کی قدر ہوئی اور اولاد کی بھی۔
افسانے بھی اچھے لگے پہلا افسانہ "محبت شماری" اف پڑھ کر بہت ہنسی آئی۔ ہمارے گھر بھی جب فوجی آئے تھے تو ہم نے' بلکہ محلے کے ہر گھر نے ان کی تواضع کی تھی۔ ہمارے شہر میں جب بھی فوجیوں کی گاڑیاں گزرتی ہیں تو میں تو سلوٹ کرتی ہوں ان کو۔
"ٹوٹے خواب کی کرچیاں" بھی سبق آموز تھا۔ ہوتے ہیں کچھ لوگ غلاظت سے بھرے ہوئے۔ جو اپنا آپ دکھانے سے باز نہیں آتے۔
"بارش" اور "ملال کی چاہ نہیں" دونوں سپرہٹ لگے۔ "کرن کرن خوشبو" میں جگاڑ قابل تعریف لگا۔ اور سلسلے سارے اچھے تھے۔ آپ سب کو بقرہ عید مبارک ہو۔

ج : فوزیہ جی! آپ کا خط پڑھ کر ایک بھرپور تبصرہ پڑھنے کو ملتا ہے۔ آپ کے تبصرے کی یہ خوبی ہے کہ آپ تبصرے کے ساتھ ساتھ مشورے بھی دیتی ہیں جو ہمارے لیے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ خط لکھنے کا بے حد شکریہ۔

✡ ✡